# حقوق نسواں: اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار کا تقابلی جائزہ

مقالہ برائے

پی ایچ۔ڈی (علوم اسلامیہ)


مقالہ نگار

بُشریٰ جبین

(پی ایچ۔ڈی سکالر)

نگرانِ تحقیق

ڈاکٹر سمیہ رفیق

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبہ علوم اسلامیہ نمل اسلام آباد



فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

۲۰۱۹ء

# حقوق نسواں: اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار کا تقابلی جائزہ

مقالہ برائے

پی ایچ۔ڈی (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

بُشریٰ جبین

(پی ایچ۔ڈی سکالر)

نگرانِ تحقیق

ڈاکٹر سمیہ رفیق

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبہ علوم اسلامیہ نمل اسلام آباد

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجز اسلام آباد

۲۰۱۹ء

© بُشریٰ جبین

بسم الله الرحمن الرحیم

# منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز اس مقالہ کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوانِ: **حقوق نسواں: اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار کا تقابلی جائزہ**

**Women Rights: A Comparative Review of Islamic Teachings and Western Thoughts**

نام ڈگری: **ڈاکٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ**

نام مقالہ نگار: **بشریٰ جبین**

رجسٹریشن نمبر: **MPhil/IS/Jan11-002**

ڈاکٹر سمیہ رفیق
(نگرانِ مقالہ)

دستخط نگرانِ مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر شاہد صدیقی
(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)

دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

میجر جنرل (ر) محمد جعفر
(ریکٹر نمل)

دستخط ریکٹر نمل

تاریخ: ____________

# حلف نامہ فارم

## ( Candidate Declaration Form)

میں بُشریٰ جبین دُختر محمد حُسین

رول نمبر: I-67 رجسٹریشن نمبر: MPhil/IS/Jan11-002

طالبہ، پی ایچ ڈی، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز(نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتی ہوں کہ

مقالہ بعنوانِ: حقوق نسواں: اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار کا تقابلی جائزہ

Women Rights: A Comparative Review of

Islamic Teachings and Western Thoughts

پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور ڈاکٹر سمیعہ رفیق کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: بُشریٰ جبین

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

# انتساب

اپنے والدین اور پیاری بہن شہید نازیہ فردوس کے نام
جن کی قربانیوں کی بدولت آج میں اس مقام پر ہوں

# اظہار تشکر

اللہ رب العزت کا بے پناہ احسان ہے۔ جن کے فضل و کرم سے یہ مقالہ تکمیل کو پہنچا۔ میں ربّ العالمین کے حضور دست بدُعا ہوں کہ وہ اس تحقیقی کاوِش کو اپنی بار گاہ میں قبول فرمائے اورامت مسلمہ کے اجتماعی مفاد میں اسے مثبت اثرات کا حامل بنائے۔حدیث پاک میں ہے((مَنْ لمْ يشْكُر النَّاسَ لَمْ يشْكُر اللّه))[1] (ترجمہ)جو اللہ کے بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا گویا وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا۔

سب سے پہلے میں اپنے محترم والدین گرامی کی شکر گزار ہوں کہ جن کا کردار نا قابل فراموش ہے ۔ جنہوں نے دین اسلام کی خدمت کو میرا مقصد حیات بنایا اور اس عظیم کام کی جذباتی تڑپ مجھے موروثی طور پر سونپ دی۔ ان کی تحصیل علم کی ترغیب اور تربیت ہی اس کام کی اصل بنیاد ہے۔ میری زندگی کی خواہشات اور کوششوں کو مقصد سے ہم آہنگ کرنے میں جو حصہ میرے والدین کا ہے، الفاظ ان کا احاطہ نہیں کر سکتے ۔ان کی محبتیں اور قُربانیاں، رہنمائی، نیک تمنّائیں اور دعائیں میری زندگی کا اثاثہ ہیں۔ اللہ رَبُّ العزّت میرے والد محترم کی بخشش فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ میری والدہ محترمہ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اوران کا سایہ تا دیر قائم رکھے۔

میں اپنی نہایت ہی مشفق و محسن ڈاکٹر سمیہ رفیق صاحبہ کی شکر گزار ہوں ،جن کی رہنمائی و نگرانی سے تحقیقی کام پایا تکمیل کو پہنچا۔ میں تہہ دل سے ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز پروفیسر ڈاکٹر شاہد صدیقی اور صدر شعبہ علوم اسلامیہ پروفیسر ڈاکٹر سیّد عبد الغفّار بخاری کی شکر گزار ہوں کہ جن کی تعلیم ،ترغیب، تحریک اور دعاؤں سے اس مقالہ کی تکمیل ہوئی، اور جنہوں نے شعبہ سے متعلق پیش آمدہ مسائل کو نہایت شفقت سے حل فرمایا۔ اس کے ساتھ ہی میں محترمہ ڈاکٹر ارم سلطانہ صاحبہ کی مشکور ہوں کہ جنہوں نے وقتاً فوقتاً میرے ساتھ تعاون کیا، اس کے علاوہ قابلِ قدر اظہر رشید صاحب کا میں صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتی ہوں کہ جو میرے اس تحقیقی کام میں نہ صرف معاون رہے بلکہ جنہوں نے اپنی مصروفیت کے باوجود اس مقالے کی کمپوزنگ ،تزئین و آرائش کے لیے ہر موقع پر میرے ساتھ تعاون کیا اور مفید مشوروں اور ماہرانہ آراء سے نوازا۔ اللہ رَبّ العزّت ان کو جزائےِ خیر عطا فرمائے اور ان کے لیے عِلم و عمل کے مراحل آسان فرمائے۔ اسی طرح میں نے جن لائبریریوں سے استفادہ کیا مثلاً پنجاب یُونیورسٹی لائبریری، پنجاب پبلک لائبریری، ڈاکٹر حمید اللہ لائبریری ادارہ تحقیقات اِسلامی و انٹرنیشنل اسلامک یُونیورسٹی لائبریری اسلام آباد اور علامہ اقبال اوپن یُونیورسٹی لائبریری، اور ان کے عملہ کا تعاون بھی حاصل رہا ہے۔ اس کے ساتھ میں اپنے تمام احباب و اقرباء کی ممنون ہوں، خصوصاً میری نانی جان ،خالائیں اور اپنے بھائی، بہنوں کے لیے کہ جن کی دعائیں اور محبت مسلسل میرے شامل حال رہیں۔ جنہوں نے میرے اس علمی کام کے دوران کافی پریشانیاں برداشت کیں اور ہر لمحہ میرے لیے دعائیں کرتے رہے۔ آخر میں دعا کرتی ہوں کہ خدائے بزرگ و برتر تمام ان لوگوں کے عِلم و عمل میں برکت عطا فرمائے جس نے کسی بھی اعتبار سے میرے اس تحقیقی کام میں معاونت فرمائی ہو اور میری اس کاوِش کو ذریعۂ نجات آخرت بنا دے۔ (آمین)

بشریٰ جبین

مقالہ نِگار

---

[1] سنن ترمذی، محمد بن عیسی ابو عیسی الترمذی السلمی، دارالحرب اسلامی، بیروت،۱۹۹۸ء،أَبْوَابُ البِرِّ وَالصِّلَةِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّكْرِ لِمَنْ أَحْسَنَ إِلَيْكَ،حدیث : ۱۹۵۵،ص:۳/۴۰۳

# ABSTRACT

### Women Rights: A Comparative Review of Islamic Teachings and Western Thoughts

### حقوق نسواں: اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار کا تقابلی جائزہ

The entity of woman is a gorgeous phenomenon of this universe. As a whole women right is also a global fact, it is a conceptual comparative study of the women rights in Islamic teaching and Western Thoughts. Islamic teachings are necessary to give an explanation, justifying the inequality between sister and brother between mother and father and between daughter and son. It seems that the Legislator has taken into consideration the rights of a woman in their entirety, together with the fact that laws are framed for normal cases of life and not for rare exceptions. Therefore, Islamic teachings not only recognize rights of male and female equally but also give due consideration to the natural differences of male and female during detailed analysis of duties and obligation.

So, rights of women ought to be in accordance with Islamic teachings and Feminism has generated much debate among modern scholars. Islam which is considered the religion and code of life of humanity is also the fore runner of the women rights. It not only restored their last glory as the sacred mother, daughter, wife and sister but also gives them equal share in social life and gives prime importance to them in decision making. Islam has granted woman these rights; the woman of Europe was deprived of them for more than eleven hundred years. And when she at last secured them she did not do it easily. As regard the earlier west, the emerging movements, as well as their motivating leading persons' thoughts of feminism considered that women are not enjoying

equal rights as men in the most respects, and played only a limited role in western society. So, a woman should move violently for equality with man in every respect and emancipation like men in the society. This inspiration of feminism is also originated from political, economic, social and cultural factors that demands gender equality in society in all respects and also perceives the women rights.

This conceptual comparative study aims to establish women's rights within the Islamic framework by reinterpreting Islam's everlasting sources. The dissertation

**Women Rights: A Comparative Review of Islamic Teachings and Western Thoughts**

**حقوق نسواں: اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار کا تقابلی جائزہ**

comprising on five chapters is aimed at elaborating this work in detail. The chapter one deals with the notion of rights, inception and evolvement, and scope of women rights in Islam and West. It is followed by chapter two about rights of woman in accordance with Islamic Teachings.

The rights of woman in West are explored in chapter three by evaluating western family system, women's status in western society and the concept of emancipation and equality with its impacts on western society. Chapter four comprises on women rights with the perspective of their struggle of thinkers and the movements. Chapter five winds up the whole comparative study of Islamic Teachings and Western thoughts of women rights lastly, whole study concluded.

# فہرست مضامین


| نمبر شمار | عنوان | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| ۱ | مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم | III |
| ۲ | اقرار نامہ | IV |
| ۳ | انتساب | V |
| ۴ | اظہار تشکّر | VI |
| ۵ | Abstract | VII |
| ۶ | فہرستِ مضامین | XI-IX |
| ۷ | مُقدمہ | ۱۸-۱۲ |
| ۸ | **باب اوّل: حقوق کا عمومی تعارف** | |
| ۹ | **فصل اوّل: حقوق سے کیا مراد ہے** | |
| ۱۰ | مبحث اوّل: حقوق و فرائض کا مفہوم واہمیت | ۱۲-۱ |
| ۱۱ | مبحث دوم: حقوق کی اقسام | ۳۰-۱۳ |
| ۱۲ | **فصل دوم: حقوق کا آغاز وارتقاء** | |
| ۱۳ | مبحث اوّل: حقوق کا آغاز اور ارتقاء قبل از اسلام | ۳۹-۳۱ |
| ۱۴ | مبحث دوم: انسانی حقوق ظہور اسلام کے بعد | ۵۶-۴۰ |
| ۱۵ | **فصل سوم: حقوق نسواں کا دائرہ کار** | |
| ۱۶ | مبحث اوّل: اسلام میں عورت کے حقوق و فرائض کا تصور | ۷۱-۵۷ |
| ۱۷ | مبحث دوم: مغرب میں عورت کے حقوق و فرائض کا تصور | ۸۲-۷۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۸ | **باب دوم:اسلام میں عورت کے حقوق** | |
| ۱۹ | **فصل اوّل:اسلام میں عورت کے عائلی اور ازدواجی حقوق** | |
| ۲۰ | مبحث اوّل:عورت کے عائلی حقوق | ۱۰۴-۸۳ |
| ۲۱ | مبحث دوم:عورت کے ازدواجی حقوق | ۱۲۹-۱۰۵ |
| ۲۲ | **فصل دوم:اسلام میں عورت کے معاشی اور وراثتی حقوق** | |
| ۲۳ | مبحث اوّل:عورت کے معاشی حقوق | ۱۵۶-۱۳۰ |
| ۲۴ | مبحث دوم:عورت کے وراثتی حقوق | ۱۷۳-۱۵۷ |
| ۲۵ | **فصل سوم:اسلام میں عورت کے سماجی اور سیاسی حقوق** | |
| ۲۶ | مبحث اوّل:عورت کے سماجی حقوق | ۱۸۴-۱۷۴ |
| ۲۷ | مبحث دوم:عورت کے سیاسی حقوق | ۱۹۵-۱۸۵ |
| ۲۸ | **باب سوم: مغرب میں حقوقِ نسواں (بنیادی تصورات)** | |
| ۲۹ | **فصل اوّل: مغرب میں خاندانی نظام** | |
| ۳۰ | مبحث اوّل:خاندان کا مفہوم | ۲۰۷-۱۹۶ |
| ۳۱ | مبحث دوم: مغرب کا خاندانی نظام | ۲۲۱-۲۰۸ |
| ۳۲ | **فصل دوم: مغرب میں عورت کی حیثیت** | |
| ۳۳ | مبحث اوّل: مغرب میں عورت کی حیثیت کا مختصر تاریخی جائزہ | ۲۳۷-۲۲۲ |
| ۳۴ | مبحث دوم: مغربی معاشرے میں عورت کی حثییت | ۲۵۲-۲۳۸ |
| ۳۵ | **فصل سوم: مغرب میں عورت کی آزادی اور مساوات** | |
| ۳۶ | مبحث اوّل: مغرب میں تصور آزادی و مساوات | ۲۶۱-۲۵۳ |
| ۳۷ | مبحث دوم: آزادی نسواں کے نتیجے میں مغرب کو درپیش مسائل | ۲۷۳-۲۶۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۸ | **باب چہارم: تحریک نسواں سے متعلق مغربی مفکرین کا تعارف اور تحریک نسواں کا عمومی جائزہ** | |
| ۳۹ | **فصل اوّل: مغرب میں تحریک نسواں کا فکری ارتقاء** | |
| ۴۰ | مبحث اوّل: مغرب میں تحریک نسواں کے فکری محرکات | ۲۹۳-۲۷۴ |
| ۴۱ | مبحث دوم: تحریک نسواں کے افکار اور تحریک کے ادوار | ۳۰۵-۲۹۴ |
| ۴۲ | **فصل دوم: مغربی مفکرین کا تعارف تحریکِ نسواں کے حوالے سے** | |
| ۴۳ | مبحث اوّل: میری وولسٹون کرافٹ اور الزبتھ کیڈی سٹینٹن | ۳۱۹-۳۰۶ |
| ۴۴ | مبحث دوم: بٹی فرائیڈن اور بیل ہکس | ۳۲۸-۳۲۰ |
| ۴۵ | **فصل سوم: عالمی سطح پر حقوق نسواں کی تحریک اور حاصل ہونے والے حقوق** | |
| ۴۶ | مبحث اوّل: تحریک نسواں میں اقوام متحدہ کا کردار | ۳۴۰-۳۲۹ |
| ۴۷ | مبحث دوم: تحریک نسواں سے حاصل ہونے والے حقوق | ۳۵۳-۳۴۱ |
| ۴۸ | **باب پنجم: حقوق نسواں کے بارے میں اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار کا تقابلی جائزہ** | |
| ۴۹ | فصل اوّل: عائلی وازدواجی حقوق کا جائزہ | ۳۷۶-۳۵۴ |
| ۵۰ | فصل دوم: معاشی اور وراثتی حقوق کا جائزہ | ۳۹۷-۳۷۷ |
| ۵۱ | فصل سوم: عورت کے سماجی وسیاسی حقوق کا جائزہ | ۴۲۹-۳۹۸ |
| ۵۲ | **اختتامیہ** | |
| ۵۳ | ا۔ نتائج بحث | ۴۳۱-۴۳۰ |
| ۵۴ | ۲-سفارشات | ۴۳۳-۴۳۲ |
| ۵۵ | ۳۔فہرست آیات قرآنی | ۴۳۸-۴۳۴ |
| ۵۶ | ۴۔فہرست احادیث مبارکہ | ۴۴۲-۴۳۹ |
| ۶۱ | ۵۔فہرست اعلام | ۴۴۷-۴۴۳ |
| ۶۲ | ۶-فہرست اماکن | ۴۵۰-۴۴۸ |
| ۶۳ | ۷۔فہرست مصادر مراجع | ۴۷۱-۴۵۱ |

# مقدّمہ

## موضوع تحقیق کا پس منظر، تعارف اور اس کی اہمیت

خالق کائنات نے انسان کو ایک جوڑے سے پیدا کیا جو مرد و زن پر مشتمل ہے۔ یہی جوڑا آبنائے آدم شمار ہوتا ہے اور اسی سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اس معاشرے میں جب مرد و زن باہم مل کر اپنے فرائض سر انجام دیتے ہیں تو نہ صرف وہ خوشحال زندگی بسر کرتے ہوئے رفاہی معاشرہ قائم کرتے ہیں بلکہ اپنے حقوق کا بھی اہتمام اور تحفظ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی حقوق عطا کیے ہیں کیونکہ مرد و زن باہم مل کر معاشرہ تشکیل دیتے ہیں اس لیے ان دونوں کے حقوق و فرائض باہمی مربوط ہیں۔ جب تک معاشرے کے یہ دونوں اجزاء اپنے حقوق و فرائض پورے خلوص اور تن دہی سے انجام نہیں دیتے اُس وقت تک کوئی معاشرہ مستحکم بنیادوں پر قائم نہیں ہو سکتا۔

اسلام دینِ فطرت ہے اور وہ انسانوں کے حقوق کا کفیل بھی ہے۔ اس لیے وہ مرد و زن کے حقوق کا محافظ اور علمبر دار ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قوامیت مرد کو عطا کی ہے لیکن یہ امر بھی یقینی ہے کہ مرد کی قوامیت اُسی وقت قائم ہوتی ہے جب وہ دیگر آبنائے جنس سے مل کر زندگی بسر کرتا ہے اور تمام انسان باہمی ایک دوسرے کے حقوق و فرائض بجالاتے ہیں، جن میں خواتین کے حقوق کو نمایاں مقام حاصل ہے۔

الہامی اور غیر الہامی مذاہب میں عورت کے حقوق کا تصور موجود ہے۔ عورت کو مذاہب نے جو مرتبہ عطا کیا تھا انسانی معاشروں نے اسے فراموش کر دیا۔ مذاہب میں جب تحریف ہوتی گئی تو اس نظریے کو پروان چڑھایا گیا کہ عورت کا درجہ مرد کے مقابلے میں انتہائی پست ہے۔ یہاں تک کہ تحریف شدہ مذاہب کی مروجہ الہامی کتاب انجیل میں بھی ایسے عقائد جگہ پا گئے جن کی رُو سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو تو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا، مگر جب وہ تنہائی کی وجہ سے اُداس رہنے لگے تو ان کی دل جوئی کے لیے ان کے پہلو سے حضرت حوّا کو پیدا کیا۔ یعنی مقصود بالذات تو مرد کی پیدائش تھی عورت کو محض مرد کی دل جوئی کے لیے پیدا کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں عورت کے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا کہ وہ کوئی غیر انسانی مخلوق معلوم ہونے لگی۔ بعض معاشروں میں تو اس سے جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا گیا۔ مرد اور عورت کے درمیان باہمی تفریق کی خلیج اتنی وسیع اور گہری ہو گئی کہ گویا وہ ایک مخلوق نہیں بلکہ دو الگ مخلوقات ہیں۔

قبل از اسلام عرب معاشرے میں ایک طرف خاتون عزت و احترام کی علامت سمجھی جاتی تھی تو دوسری طرف خواتین سے ناروا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ خواتین نہ صرف حقِ ملکیت اور حقِ وراثت سے محروم تھی بلکہ اُن کی دیّت بھی مردوں سے کم ہوتی تھی۔ انہیں اس حد تک نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا کہ بعض قبائل بچیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے۔

موجودہ دور میں "خواتین کے حقوق" کو بڑی اہمیت دی جا رہی ہے اور یہ آج کا ایک زندہ موضوع (Burning Topic) ہے۔ خواتین کے حقوق کی مختلف تنظیمیں اور کمیشن قومی اور بین الاقوامی سطح پر کام کر رہے ہیں۔ جہاں بھی خواتین کے حقوق کی پامالی ہوتی ہے ان کی طرف سے اس کے ازالے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود، گو کہ دنیا مادی لحاظ سے کمال پر پہنچ گئی مگر معاشرتی طور پر انسانی اقدار زوال کا شکار ہیں۔ آج دُنیا میں خواتین کو زندہ در گور تو نہیں کیا جاتا لیکن ان کی عزت و آبرو اور تقدس و احترام کا مقام ایک سوالیہ نشان ہے۔

مغربی مفکرین کا یہ دعویٰ ہے کہ دُنیا میں عورتوں کو بنیادی حقوق مغرب نے دیے ہیں جب کہ مشرق اور مسلم ممالک کے مفکرین کے مطابق مغرب میں عورت نہ صرف بازیچہ ءاطفال ہے بلکہ ہر اشتہار کی زینت اور ہر برائی کی علامت بھی ہے۔

اسلام نے چودہ سو سال قبل عورت کو اُس کے تمام حقوق عطاء کر دیے۔ اسلامی نظام حیات کا بنیادی نکتہ عدل ہے۔ عدل اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ ایک فرد پر اس کی برداشت اور استعداد سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے اس کی وسعت کے لحاظ سے اس کی جوابدہی ہو قرآنی اُصول کسی تعارف کا محتاج نہیں کہ

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [1]

ترجمہ: اللہ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

اسلام ایک مہذب معاشرہ کے قیام کے لیے خاندان کو بنیادی ادارہ قرار دیتا ہے اور مذاہب عالم کے تمام تصورات تقوی و پاکبازی کے برخلاف رشتہ ازدواج اور شوہر اور بیوی کے صحت مندانہ اخلاقی تعلق کو تقوی اور ایمان کی علامت سمجھتا ہے۔ اس بناء پر عدل کا مطالبہ ہے کہ خواتین کی سیاسی، معاشی، معاشرتی سرگرمیوں کو خاندان کے تناظر میں دیکھتے ہوئے شریعت کے بنیادی مقاصد اور مصلحت کو سامنے رکھ کر ایک عادلانہ رویہ اختیار کیا جائے۔ اسلام میں شادی کا مقصد ایک کماؤ بیوی کا حصول نہیں ہے بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کی معمار اور گھر کے اندر سکون، رحمت اور مودّت کا ماحول فراہم کرنے والی بیوی کا حصول ہے۔

---

[1] - سورۃ البقرہ: ۲/ ۲۸۶

اسلام کا تصورِ اجتماعیت منطقی طور پر اس کے اجتماعی عدل کے تصور سے وابستہ ہے اور یہ تصور مغربی اور مشرقی تصور کی مکمل ضد ہے۔ اس میں فرد کو جائز قانونی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی مقام کا تحفظ دیتے ہوئے معاشرتی رشتے میں جوڑا گیا ہے۔ چنانچہ مغربی تصور عبادت یہ مطالبہ کرتا ہے کہ مذہب خدا (GOD) اور بندے کے درمیان ایک نجی (Private) اور ذاتی (Personal) رشتہ ہے۔ اسلام اس کی تردید کرتے ہوئے حکم دیتا ہے کہ نماز جماعت کی شکل میں قائم کرو اور اجتماعی طور پر نہ صرف نماز بلکہ صیام، حج اور زکوۃ کو ادا کرو۔ قرآن کریم ان عبادات کے لیے ریاست کو ذمہ دار بناتا ہے کہ وہ ان کے قیام اور تحفظ کے لیے اپنی قوت نافذہ کا استعمال کرے۔ یہ بنیادی نظریاتی فرق اگر سامنے نہ رکھا جائے تو پھر اہل علم بھی اس دوڑ میں لگ جاتے ہیں کہ مغرب یا مشرق عورت کو کون سے انفرادی حقوق دیتا ہے اور مقابلتاً اسلام کون سے ایسے حقوق دیتا ہے۔

اسلام نے عورتوں کے حقوق کا جو مکمل خاکہ فراہم کیا ہے اس کا جائزہ ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ حقوق نسواں کے تحفظ سے ایک ایسا پر سکون اور صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے، جہاں مرد اور عورت کے صحیح تعاون سے یہ کائنات جنت نظیر بن جاتی ہے۔ خواتین کے حقوق کا تحفظ در حقیقت اسلامی معاشرے کے قیام کی بنیاد ہے۔

اگرچہ دور جدید میں مغربی معاشروں میں تحریکات اور افکار نے عورت کے حقوق کا شعور دینے کی کوشش کی ہے۔ مگر عدل و انصاف کے ان معیارات کو روشناس نہیں کروایا جاسکا، جس کی بدولت حقوق کا متوازن و متناسب تصور ابھر سکتا۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے، کہ حقوق نسواں کے حوالے سے اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے، ایسا خاکہ مرتب کیا جائے، جس سے ایک طرف تو معاشرتی افراط و تفریط ختم ہو تو دوسری جانب انسانی معاشرے میں مرد و عورت کے حقوق و فرائض کا ایک متوازن نظام قائم ہو، جس سے انسان کو دنیوی و اخروی فلاح منسلک ہے۔

## موضوع تحقیق کا بنیادی مسئلہ

موضوع تحقیق کا بنیادی مسئلہ حقوق نسواں کے حوالے سے اسلام اور مغربی افکار کا تقابلی جائزہ ہے۔ اور مغربی مفکرین کے اس دعویٰ کی حقیقت معلوم کرنا ہے کہ عورتوں کو بنیادی حقوق مغرب نے دیئے ہیں، آیا حقیقت میں ایسا ہی ہے یا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

## بنیادی سوالات

ا۔ عورت کی آزادی اور مساوات کا تصور کیا ہے اور مغرب کے خاندانی نظام میں عورت کی کیا حیثیت ہے؟

۲۔ مغرب میں حقوقِ نسواں کی تحریک اور اس نے انسانی معاشرے پر اثرات مرتب کیے ۔ اور اس تحریک میں کن مغربی مفکرین نے اہم کردار ادا کیا؟

۳ -عورت کے سیاسی، سماجی ،عائلی، ازدواجی ،معاشی اور وراثتی حقوق کے بارے میں اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار میں فرق کیا ہے؟

## اہداف ومقاصد تحقیق

منتخب موضوع کے درج ذیل مقاصد واہداف ہیں

۱-تحریکِ حقوق نسواں کی تاریخ وارتقاء کا جائزہ پیش کرنا۔

۲-عورت کے بارے میں مغربی افکار اور اسلامی تعلیمات میں فرق واضح کرنا۔

۳-اسلام میں عورت کا اصل مقام ومرتبہ اور حقوق وفرائض کا متوازن تصور پیش کرنا۔

۴-عورت کے بنیادی حقوق کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اجاگر کرنا اور مغربی افکار کے ساتھ اس کا تقابلی جائزہ لینا تاکہ خواتین کے حقوق کے حوالے سے غلط فہمی کا ازالہ ہوسکے۔

۵- اسلامی فکر سے نسوانی فکر کی ہم آہنگی، اتحاد اور ترقی کی صورت معلوم کرنا۔

## خاکہ تحقیق کو درج ذیل پانچ (۵) ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے

باب اوّل: حقوق وفرائض کا عمومی تعارف بیان کرتے ہوئے لغوی واصطلاحی مفاہیم، حقوق کا آغاز وارتقاء اور حقوق نسواں کے دائرہ کار پر تفصیلاً بحث کی گئی ہے۔

باب دوم : اسلام میں عورت کے عائلی وازدواجی، معاشی ووراثتی اور سماجی وسیاسی حقوق کا جائزہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں لیا گیا ہے۔

باب سوم: مغرب میں حقوقِ نسواں پر بحث کرتے ہوئے مغرب کے خاندانی نظام، عورت کی آزادی اور مساوات، اور مغرب میں عورت کی حیثیت کا تاریخی وموضوعاتی جائزہ لیا گیا ہے۔

باب چہارم اس مقالے کا چوتھا باب تحریک حقوق نسواں کا تعارف اور ان عوامل پر مبنی ہے جو اس تحریک کا باعث بنے اور یہ کہ اس تحریک کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی اثرات کیا رہے۔ نیز حقوق نسواں سے متعلق مغربی مفکرین کا تعارف اور تحریک نسواں کا عمومی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں مغرب میں حقوق نسواں کے فکری ارتقاء کو

بیان کرتے ہوئے مغرب میں حقوقِ نسواں کی تحریک اور اس کے معاشرے پر اثرات پر تفصیلا بحث کی گئی ہے۔

باب پنجم: عورت کے عائلی وازدواجی، معاشی و وراثتی اور سماجی و سیاسی حقوق کے بارے میں اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار کا تقابلی جائزہ اور فکر نسواں پر اعتراضات اور اس سے ہم آہنگی پر تبصرہ باب پنجم میں پیش کیا گیا ہے۔

## سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ

حقوق نسواں کے موضوع پر گزشتہ ادوار میں کسی نہ کسی انداز میں کام ہوتا رہا ہے۔ عصر حاضر میں بھی مختلف اہل علم نے "حقوق نسواں" کو اپنی تحریر کا موضوع بنایا ہے۔ مجوزہ موضوع پر میری معلومات کے مطابق پاکستان میں کسی یونیورسٹی میں تحقیقی کام نہیں ہوا، البتہ اس موضوع کے کچھ گوشوں پر جزوی طور پر لکھا گیا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے

کراچی یونیورسٹی

۱. آزادی نسواں کے اسلامی اصول وضوابط دیگر منتخب ادیان مذاہب سے تقابلی مطالعہ (پی ایچ ڈی)

پنجاب یونیورسٹی

۱. آزادی نسواں اور اسلام (ایم اے)

۲. حقوق نسواں کی تحریکات، تعلیمات اسلامیہ کے تناظر میں (ایم اے)

۳. مسلم خواتین پر مغربی تہذیب کے اثرات (ایم اے)

۴. مذاہب علام کے تناظر میں خواتین کے حقوق وفرائض عصر حاضر کے خصوصی حوالے سے تقابلی جائزہ (پی ایچ ڈی)

اسی طرح مغربی مفکرین مصنفین نے بھی اس پر کتب تحریر کی ہیں۔ چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1. The Feminist Challenge: The Movement for Women's Liberation in Britain and The U.S.A, David Bouchier, Macmillan Press London, 1983
2. Human Rights in the World: An Introduction to the Study of the International Protection of Human Rights, H. Robertson, J. G. Merrills, Manchester University Press, 1996

اس سلسلہ میں میرے تحقیقی مقالہ کی ضرورت یہ ہے کہ مندرجہ بالا تمام کتب اور مقالہ جات میں بعض مصنفین نے اسلامی حوالے سے کچھ پہلوؤں کا ذکر کیا ہے اور بعض نے مغربی معاشرے میں عورت کی حثیت کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ حقوق نسواں کے حوالے سے اسلامی اور مغربی الگ الگ کتب ملتی ہیں جن میں یک طرفہ نقطہ نظر اور ہر دو اطراف سے ایک دوسرے پر تنقید ملتی ہے لیکن حقوق نسواں کے حوالے سے اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار کا منصفانہ تجزیہ کسی نے نہیں کیا گیا، حقوق نسواں کے حوالے سے دونوں نقطہ نظر کا تقابل عصر حاضر کی ضرورت ہے تاکہ خواتین کے حقوق کے حوالے سے غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔

میری معلومات کے مطابق "حقوق نسواں: اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار کا تقابلی جائزہ" کے عنوان کے حوالے سے نہ ہی تو کوئی کتاب لکھی گئی ہے اور نہ ہی اس عنوان کو موضوع تحقیق بنایا گیا ہے جس میں حقوق نسواں کے کے اسلامی اور مغربی نقطۂ نظر کا بیان یکجا ملتا ہو۔ میری تحقیق اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار کا نہ صرف تفصیلی تجزیہ کیا گیا بلکہ ایک تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

مقالے اور تحقیقی عمل کے خلاصہ بحث اور نتیجہ تحقیق میں ہے کہ اسلام اور مغرب کے تصور حقوق نسواں کا تقابل اس امر کی وضاحت کرتا نظر آتا ہے کہ اسلام کا فلسفہ اس حوالے سے انتہائی مدلل، ہمہ گیر اور لائق تقلید بنیادوں پر ہے۔ جب کہ مغربی افکار انسانی سوچ کی پیداوار ہیں اور تاریخی لحاظ سے انتہائی آخری دور کی پیداوار ہیں اور محض معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسلام نے مدلل انداز میں واضح پیغام دیا ہے کہ احترام انسانیت اور بنیادی حقوق کا فلسفہ اسلام کے ضابطہ حیات کی بنیاد ہیں۔ جن سے پہلو تہی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انشاءاللہ یہ تحقیقی مقالہ موضوع کی اہمیت و افادیت کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام میں حقوق نسواں کے تصورات کے حوالے سے منفی پروپیگنڈے اور شکوک و شبہات کے ازالے میں معاون ہو گا اور تحقیق کے نئے دریچے کھولے گا۔

زیر نظر مقالہ 'حقوق نسواں اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار کا تقابلی جائزہ' اُن تمام پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہے جن پر پہلے کام نہیں ہو سکا۔ یقیناً یہ الگ نوعیت کا تحقیقی کام ہے جس پر دورِ حاضر میں کام کرنے کی اشد ضرورت تھی۔ میں نے اس موضوع پر تحقیق و تخریج میں حتی المقدر کوشش کی ہے مگر کوئی بھی تحقیق حرف آخر نہیں ہوتی، اس میں بہتری کی گنجائش ہر وقت رہتی ہے۔ اگر اس مقالے میں کوئی خوبی نظر آئے تو وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فضل و کرم اور میرے اساتذہ بطور خاص ڈاکٹر سمیہ رفیق صاحبہ کی مرہون منت ہے۔ اگر کوئی کجی اور خامی نظر آئے تو وہ میری کوتاہی تصور کی جائے۔ میری اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ میری اس ادنیٰ کاوش کو قبول فرمائے اور انسانیت کو اس کا فائدہ پہنچائے۔

## اسلوبِ تحقیق

زیر نظر تحقیق کا اسلوبِ تحقیق تقابلی ہے جس میں تجزیاتی اور تنقید کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ مقالے کی تیاری میں مشرق و مغرب کی تصانیف شامل ہیں۔ مطالعہ کُتب کے لیے بہت سی لائبریریوں اور ریسرچ سنٹرز سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے موضوع سے متعلق ویب سائیٹس کے لیے اور آن لائن لائبریریز کے لیے انٹرنیٹ کا استعمال کیا گیا۔ دوران تحقیق مختلف مسائل کے حل کے لیے ماہرین علم و تحقیق سے مشاورت کی گئی اور ان کی آراء سے استفادہ کیا گیا۔

مقالہ ہذا کی تحریر و ترتیب میں مقدمہ، پانچ ابواب اور نتائج و سفارشات شامل ہیں۔ معلومات کو اصل مصادر سے ذکر کیا گیا ہے، البتہ ضرورت کے مطابق تعبیر و تشریح کے لیے ثانوی مصادر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ حوالہ جات و توضیحات ہر صفحہ کے حاشیہ (Footnote) پہ درج کیے گئے ہیں۔

موضوع سے متعلق قرآن پاک کی آیات کا ذکر سورت کے نام اور آیت کے نمبر کے ساتھ کیا گیا ہے اورآیات کے تراجم کے لیے تفہیم القرآن، تدبر قرآن اور ضیاء القرآن سے استفادہ کیا گیا ہے۔

موضوع سے متعلق احادیث مبارکہ کو جمع کیا گیا ہے اور ان احادیث کو ان کے اصل مصادر سے ذکر کیا گیا ہے۔

ضرورت کے مطابق اعلام، اماکن کا ذکر کیا گیا ہے۔

اسی طرح آیات کے لیے ﴿ ﴾ اور احادیث کے لیے (( )) کے نشانات، جب کہ عربی عبارت کا ترجمہ (،،) کے نشان کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ صحابہ و صحابیات کرام کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ کی علامت (رضی اللہ عنہ) لگائی گئی ہے۔ مقالہ کے آخر میں مصادر و مراجع، آیات و احادیث کی فہارس دی گئی ہیں۔

بُشریٰ جبین

مقالہ نگار

# باب اوّل: حقوق کا عمومی تعارف

فصل اوّل: حقوق و فرائض کا مفہوم اور اہمیت
فصل دوم: حقوق کا آغاز وارتقاء
فصل سوم: حقوق نسواں کا دائرہ کار

# فصل اوّل: حقوق و فرائض کا مفہوم اور اہمیت

مبحث اوّل: حقوق و فرائض کا مفہوم اور اہمیت

مبحث دوم : حقوق کی اقسام

# مبحث اوّل: حقوق کا مفہوم و اہمیت

حق وہ بنیادی معیاری قانون ہے جو کسی قانونی نظام، سماجی یا اخلاقی اصول کے مطابق افراد کو دیگر افراد کی جانب سے واجب الادا ہو۔[1]

## حقوق کا لغوی مفہوم

حقوق عربی زبان کا لفظ ہے جس کا واحد "حق" ہے۔ یہ اسم ہے جو مذکر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ حق کا مادہ ح ق ق سے ہے۔ جب کہ حق کا لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً مطابقت، موافقت، ہم آہنگی، واجب، درست، فرض، ثابت، عربی میں اس کے معنی امر ثابت کے بھی ہیں۔ دوسرے معنوں میں حق وہ ہوتا ہے جو کہ فطرت کے عین مطابق ہو اور جس کا انکار ممکن نہ ہو۔

حق کا لغوی معنی متعدد اہل لُغت نے (مادہ ح ق ق کے تحت) الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ لکھا ہے۔

۱۔ جوہری (متوفی: ۳۹۳ھ) حق کے بارے میں لکھتے ہیں

"الحَقُّ: خلاف الباطل. والحَقُّ: واحدالحُقوقِ. والحَقَّةُ أخصّ منه. يقال: هذه حَقَّتي، أي حَقّي"[۲]

ترجمہ: حق باطل کا متضاد ہے، اور حقوق کا واحد ہے اور "حقة" اس سے خاص ہے۔ جیسے کہا جاتا 'حقتي' یعنی میرا حق ہے۔

۲۔ راغب الاصفہانی (متوفی: ۱۱۰۸ء) لفظ حق کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"اصل الحق المطابقة والموافقة كمطابقة رجل الباب فى حقه لدورانه على استقامة"[۳]

ترجمہ: حق کی اصل مطابقت اور موافقت ہے۔ جیسے کے دروازے کی چول اپنے گڑھے میں اس طرح نصب ہو جاتی ہے کہ وہ استقامت کے ساتھ اس میں گھومتی رہتی ہے۔

---

1- *The Stanford Encyclopedia of Philosophy*, “s.v, Right”, Standford University, California, USA. 2010.

۲- صحاح تاج اللغة وصحاح العربية، ابو نصر اسماعیل بن حماد الجوہری الفارابی، دار العلم للملایین، بیروت، ۱۴۰۷ھ، ص: ۴/۱۴۶۰

۳- مفردات فی غریب القرآن، ابی القاسم الحسین بن محمد المعروف بالراغب الاصفہانی، دار لمعرفہ، بیروت، ۱۳۲۲ھ، ص: ۱۲۵

ویبسٹر ڈکشنری میں حق کی تعریف یوں ہے

"The which a person has a just claim to power, privilege etc, that belong to a person bylaw, nature or tradition as it was his right to say what he taught and the means of protection is the remedy, for one does not exist without the other.".[1]

ترجمہ: حق وہ ہے، جس کا کوئی شخص دعویٰ کر سکے اور اس کے پاس اس کے لیے قوت اور اختیار ہو۔ یہ ایک شخص کے پاس قدرتی قانونی یا روایتی طور پر ہوتا ہے، کیونکہ جو اُس نے سیکھا اُسے کہنے کا حق اُس شخص کو حاصل ہے اور اس کے تحفظ کا طریقہ یہی ہے کہ اِس کے بغیر اُس کا اپنا وجود برقرار رکھنا ممکن نہیں۔

## حق کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں حقوق یا حق کی کوئی ایک متعین تعریف طے نہیں ہے، یہ مختلف مقاصد کے لیے مختلف گروہوں اور دانشوروں کی طرف سے استعمال کی گئی اصطلاح ہے۔ جو مختلف اور کبھی کبھار اپنے الٹ استعمال ہوتی ہے۔

علامہ جرجانی (۷۴۰-۸۱۶ھ) نے حق کا اصطلاحی مفہوم اس طرح بیان کیا ہے

**"الحق اسم من أسمائه تعالى والشيء الحق أي الثابت حقيقة ويستعمل في الصدق والصواب أيضا يقال قول حق وصواب وفي اللغة هو الثابت الذي لا يسوغ إنكاره وفي اصطلاح أهل المعاني هو الحكم المطابق للواقع يطلق على الأقوال والعقائد والأديان والمذاهب باعتبار اشتمالها على ذلك ويقابله الباطل "**[۲]

ترجمہ: حق اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ "والشیئُ الحق" یعنی جس کی حقیقت ثابت ہو اور یہ صدق اور ثواب کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے، یہ قول حق ہے اور صواب ہے۔ لغوی معنی: کسی چیز کا ایسا ثبوت جس میں انکار کی گنجائش نہ ہو۔ اصطلاحی معنی علمائے معانی کے نزدیک یہ ہے: وہ فیصلہ جو موقع کے مطابق ہو اور یہ اقوال عقائد اور ادیان مذاہب پر بھی بولا جاتا ہے۔ اس لفظ کے ان معانی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اور یہ باطل کے مقابلے میں آتا ہے۔

---

1- *Webster's New Word Dictionary of the American Language*, "Rights, Adj.," (NewYork: The World Publishing Company, 1993), 1254.

۲- تعریفات، علی بن محمد بن علی جرجانی، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۵ھ، ص:۱/۱۲۰

ابن عابدین شامی [1] نے حق کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے

"الحَقُّ مَا يَستَحِقُّهُ الرَّجُلُ" [2]

ترجمہ: حق وہ ہے جس کا انسان مستحق ہو۔

جوزف لیوائن (Joseph Levine)[3] حق کی تعریف یوں کرتا ہے۔

"ایک فرد یا گروہ کی طرف سے کیا گیا جائز دعویٰ (حق) ہے" [4]

محمد صلاح الدین نے بنیادی حقوق کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے

"فرد کے حقوق کا دائرہ ریاست سے تعلقات کا ہے۔ ریاست کے مقابلے میں فرد کو جو حقوق دیئے جاتے ہیں، انہیں بنیادی حقوق کہا جاتا ہے"۔ [5]

حق کے اصطلاحی معنی میں ڈاکٹر عبد السلام العبادی (پیدائش: ۱۹۴۳ء) کے الفاظ درج ذیل ہیں

"اختصاص ثابت فی الشرع يقتضی سلطة او تكليفا لله علی عباده او لشخص علی غيره" [6]

ترجمہ: شریعت میں ثابت شدہ اختصاص (مقررہ دائرہ اختیار) جو اللہ کی طرف سے بندوں پر کوئی پابندی یا تکلیف کا تقاضا کرتا ہو۔ یا کسی شخص سے کسی دوسرے پر کوئی پابندی کا تقاضا کرتا ہو۔

یعنی کہ اسلامی شریعت کی نگاہ میں حق وہی امر کہلائے گا جس کا شریعت اقرار و اعتراف کرتی ہو، اس لیے شرعی ماخذ کے ذریعہ ہی کسی حق کو پہچانا جاسکتا ہے۔

---

[1] - محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی المعروف ابن عابدین شامی (۱۷۸۳-۱۸۳۶): فقہ حنفی کے امام اور فقیہ تھے۔

[2] -رد المحتار علی الدر المختار، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز ابن عابدین الدمشقی الحنفی، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت ، ۱۴۱۲ھ، كِتَابُ الْبُيُوعِ، بَابُ الْحُقُوقِ فِي الْبَيْعِ ،ص:۵/۱۸۷

[3] -جوزف لیوائن (Joseph Levin) (س۔ن): لسانیات اور ذہنی فلسفوں کا ماہر امریکی فلاسفر ہے اور ہارورڈ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی ہے۔

[4] -The Stanford Encyclopedia of Philosophy, "s.v.Right", Standford University, California, USA, 2010.

[5] - بنیادی حقوق، محمد صلاح الدین، مکتبہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص:۳۲

[6] - ملکیہ فی الشریعۃ الاسلامیہ، ڈاکٹر عبد السلام العبادی، مکتبۃ الاقصی، عمان، (س۔ن)، ص:۱/۱۰۲

مندرجہ بالا تعریفات کی روشنی میں آسان لفظوں میں حق کی تعریف یہ کی جا سکتی ہے کہ اس سے مراد وہ مسلمہ صداقت و واقعیت ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا اور حقوق اچھی زندگی کی وہ لازمی شرائط ہیں جو افراد طلب کرتے ہیں، معاشرہ اور ریاست انہیں تسلیم کر لیتے ہیں اور اجتماعی فلاح و بہبود کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ہر شہری ان سے یکساں طور پر مستفید ہو سکتا ہے۔

## قرآن مجید میں لفظ حق کے مترادفات

حقوق کا تعلق انسانی مذہب، قانون، سماجی رتبہ اور انسانی فلاح و بہبود سے ہوتا ہے۔اس لیے اصطلاح میں حق یا حقوق کے معانی و مفاہیم انسانی کوششوں کے ساتھ ساتھ دینی ادب میں بھی تلاش کی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ دینی ادب کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ حق کا لفظ قرآن مجید میں مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔اور اس لفظ کا ذکر قرآن میں دو سو ستائیس بار آیا ہے۔[۱]

ان میں سے چند آیات حسب ذیل ہیں

### ۱۔ حق باطل کی ضد

﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾[۲]

ترجمہ: فرمادو حق آگیا اور باطل بھاگ گیا۔

ابن جوزی (۵۱۰-۵۹۷ھ) نے اس سے متعلق چار اقوال نقل کیے ہیں

**"ان الحق الاسلام،ان الحق القرآن،ان الحق الجهاد،ان الحق عبادة الله"**[۳]

ترجمہ: حق سے مراد اسلام ہے، حق سے مراد قرآن ہے، حق سے مراد جہاد ہے اور حق سے مراد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔

### ۲- قرآن مجید کے لیے حق کا استعمال

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ﴾[٤]

ترجمہ: بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلا دیا جب وہ ان کے پاس آچکا۔

---

[۱]۔ معجم المفہرس، محمد فواد عبد الباقی، دار الفکر، دمشق، ۱۳۷۶ء، ص:۲۶۵-۲۶۶

[۲]-سورۃ الاسراء:۸۱/۱۷

[۳]-زاد المسیر فی علم التفسیر، جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی، مکتب السلام، بیروت، ۱۴۰۴ھ، ص:۵/۵۷، ۵۸

[۴]-سورۃ ق:۵/۵۰

یہاں 'الحق 'کا استعمال قرآن مجید کے معنی میں ہوا ہے۔

شوکانی (متوفی: ۱۲۵۰ھ) کہتے ہیں

**"المراد بالحق هنا القرآن"**[1]

ترجمہ: یہاں حق سے مراد قرآن ہے۔

**۳۔ حق: یقین اور موت کے معنی میں**

﴿ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴾[2]

ترجمہ: وہم (گمان) حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں دیتا۔

یہاں 'الحق' کے بارے میں قرطبی لکھتے ہیں

**" الحق ای من عذاب الله و قیل الحق هنا اليقين"**[3]

ترجمہ: حق یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب، بعض کے نزدیک یہاں حق یقین کے معنی میں ہے۔

یہاں حق کو یقین کے مفہوم میں لیا گیا ہے۔ چونکہ 'حق' کی خوبی یہ ہے کہ اس میں شک کا عنصر شامل نہیں ہوتا اور یہی صفت یقین کی بھی ہے۔ لہٰذا موت کو حق اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں شک نہیں اور یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ یعنی موت آنے تک اپنے رب کی عبادت پر قائم رہیں۔ موت کو "یقین" اس لیے فرمایا کہ ہر جان دار کے لیے اس کا آنا یقینی ہے۔

**۴۔ حق بمعنیٰ حصّہ**

﴿ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴾[4]

ترجمہ: اور وہ لوگ جن کے مالوں میں حصہ مقرر ہے۔

یہاں الحق 'الحظ' یعنی حصّہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قرطبی اس بارے میں بیان کرتے ہیں

**" قال قتادة هؤا بن سرىن الزكاة المفروضة"**[5]

ترجمہ: قتادہ اور ابن سیرین کے مطابق اس سے مراد فرض زکوٰۃ ہے۔

---

[1]۔ فتح القدیر، محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ الشوکانی الیمنی، دار ابن کثیرہ دار الکلم الطیب، بیروت، ۱۴۱۴ھ، ص:۲/۱۱۵

[2]۔ سورۃ النجم: ۵۳/۲۸

[3]۔ جامع الاحکام القرآن، محمد بن احمد (المعروف ابو عبد اللہ قرطبی)، دار لمکتب المصریہ، قاہرہ، ۱۳۸۴ھ، ص:۸/۲۱۹

[4]۔ سورۃ المعارج: ۷۰/۲۴

[5]۔ جامع الاحکام القرآن، ابو عبد اللہ قرطبی، ص:۸/۱۸۹

**۵۔ حق: بمعنیٰ لزوم**

ثابت اور واجب کے لیے بھی حق کا لفظ وارد ہوا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾[1]

ترجمہ: ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔

**۶۔ حق: بمعنیٰ عدل**

﴿ إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ﴾[2]

ترجمہ: ہم نے تم (محمد ﷺ) پر کتاب نازل فرمائی حق کے ساتھ تاکہ آپ لوگوں کے معاملات کا فیصلہ فرمائیں اس طریق سے جو اللہ نے تمہیں دکھایا۔

اس آیت کریمہ میں حق سے مراد عدل اس لیے لیا گیا کہ اس میں فیصلہ فرمانے کا اس طرح حکم ہے کہ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ کے مصداق لوگوں کے معاملات اس طرح فیصلے سے حل کیے جائیں، جیسے اللہ نے تمہیں علم بالوحی کے ذریعے دکھا دیا ہے اور تم پر یہ بات کھول دی ہے کہ کون راہ راست پر ہیں اور کون بے راہ روی کا شکار ہیں۔

حقوق کی مندرجہ بالا تعریفوں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حق سے کیا مراد ہے؟ ان تعریفوں کو دیکھنے کے بعد ہم مندرجہ ذیل نتیجے پر پہنچتے ہیں

۱- حق ایک ایسی طاقت ہے جو ایک اچھی زندگی بسر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی فرد اپنی شخصیت کی تکمیل نہیں کر سکتا۔

۲- یہ ریاست اور معاشرے میں ہی حاصل ہو سکتے ہیں اور یہ ضروری ہے کہ ریاست اور معاشرہ ان کو تسلیم کرے۔

۳- حقوق فرد کی آزادی میں اضافہ کرتے ہیں اور اس آزادی کا تحفظ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آزادی حقوق کی پیداوار ہے۔

۴- ان سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقوق ریاست کے تخلیق کردہ نہیں ہوتے، بلکہ ریاست حقوق کو تسلیم کرتی ہے اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے اور ریاست کا قانون اس کا تحفظ کرتا ہے کہ کون سے حقوق اس معاشرے کے لیے ضروری ہیں۔

---

[1]- سورۃ الروم: ۳۰/ ۴۷

[2]- سورۃ النساء: ۴/ ۱۰۵

۵- حقوق ہر شخص کو یکساں طور پر حاصل ہوتے ہیں اور جو سہولتیں عام افراد کی بجائے ایک خاص طبقے کو حاصل ہوں۔ انہیں حقوق نہیں کہا جاسکتا، بلکہ وہ مراعات کہلاتی ہیں۔

ان تعریفوں سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر حق کے ساتھ ایک ذمہ داری 'فرض' بھی ہوتی ہے۔ جو دوسروں کے حقوق کی حفاظت کے لیے ضروری ہے۔ فرض اور حق لازم ملزوم ہیں۔

## فرض کا مفہوم

انسان بنیادی طور پر فتنہ و فساد سے پاک ایک پُرامن معاشرے میں رہنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے افراد کو کچھ اُصولوں اور قوانین کا پابند کیا جاتا ہے جن کے تحت تمام افراد کو حقوق دیے جاتے ہیں اور ان پر کچھ ذمہ داریاں عائد کی جاتی ہیں جنہیں فرائض کہا جاتا ہے۔ فرائض فرض کی جمع ہے۔

ایک ایسا فعل یا عمل جس کے لیے ایک شخص قانونی سماجی یا اخلاقی طور پر پابند ہو، یعنی وہ کام جس کا کرنا ضروری ہو اور اس کا ترک کرنا لازماً منع ہو فرض کہلاتا ہے۔[۱]

شریعت اسلامی کی اصطلاح میں فرض وہ حکم شرعی ہوتا ہے جو دلیل قطعی (قرآنی حکم اور حدیث متواتر) سے ثابت ہو، یعنی ایسی دلیل جس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ وہ حکم جو قطعی اور یقینی دلیل سے ثابت ہو، اس کا ثبوت بھی قطعی ہو اور اس کے فعل کے لزوم پر دلالت بھی قطعی ہو اور اس میں کوئی دوسرا احتمال نہ ہو اس کا منکر کافر اور بغیر عذر چھوڑنے والا فاسق ہوتا ہے۔[۲]

المعجم الوسیط میں فرض کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے

**" ما أوجبه الله على عباده من حدوده التي بينها بما أمر به وما نهى "**[۳]

ترجمہ: فرض سے مراد وہ حدود ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب کی ہیں، چاہے وہ اوامر میں سے ہوں، یا نواہی میں سے۔

---

1- *Webster Dictionary,* “Obligation,. n”, accessed 10 January 2017.

۲۔ ردالمحتار علی الدر المختار، ابن عابدین شامی، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ شُرُوطِ الصَّلَاةِ، ص:۱/۴۱۸

۳۔ معجم الوسیط، ابراہیم مصطفیٰ، مجمع اللغۃ العربیۃ، مکتبۃ الشروق الدولیۃ، بیروت، ۲۰۰۴، ص:۲/۲۷۹

سالمنڈ (Salmond) [1] کے نزدیک فرض کی تعریف یوں ہے

"Duty: A duty is an obligatory act that is to stay; it is an act, the opposite of which would be a wrong"(2)

ترجمہ: فرض ایک ذمہ داری والا عمل ہے، جس کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کی مخالفت غلطی اور جرم ہوتا ہے۔

فرائض کو عموماً دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے

(۱) قانونی فرائض (۲) اخلاقی فرائض

قانونی فرائض وہ ہوتے ہیں، جن کا ادا کرنا ہر انسان پر قانونی طور پر واجب ہوتا ہے اور جن کی ادائیگی نہ کرنے کی وجہ سے حکومت کی طرف سے سزا ہوتی ہے۔ اخلاقی فرائض وہ ہیں جن کی ادائیگی معاشرہ کے دباؤ کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ اگر ان فرائض کو ادا نہ کیا جائے تو قانون گرفت نہیں کرتا۔

## حقوق و فرائض کی اہمیت

اسلام میں حقوق و فرائض کا فلسفہ بڑا سادہ اور عام فہم ہے کہ حقوق و فرائض باہم لازم ملزوم ہیں۔ دراصل حق اور فرض ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ یعنی جو ایک کا فرض ہے، وہ دوسرے کا حق ہے اور جو دوسرے کا حق ہے، وہ پہلے کا فرض ہے۔ مثلاً شوہر کے حقوق بیوی کے فرائض ہیں، اور بیوی کے حقوق شوہر کے فرائض ہیں۔ اسی طرح والدین پر اولاد کے حقوق ہیں اور اولاد پر والدین کے حقوق ہیں۔ والدین کے حقوق اولاد کے فرائض اور اولاد کے حقوق والدین کے فرائض ہیں۔ جب کوئی ایک اپنے فرائض ادا کرتا ہے، تو دوسرے کے حقوق ادا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اسلام ہر شخص پر یہ زور دیتا ہے کہ وہ دیانتداری سے اپنے فرائض ادا کرے۔ جب معاشرے کا ہر فرد اپنے فرائض سے آگاہی حاصل کرے گا تو معاشرے میں حقوق کو خود بخود تحفظ مل جائے گا۔

حق اور فرض کے لازم ملزوم ہونے کے نظریے کو نیو کامب ہو فیلڈ (Wesley Newcomb Hohfeld) [۳] نے قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے

---

[۱] - سر جان ولیم سالمنڈ (Sir John William Salmond) (۱۸۶۲-۱۹۲۴): نیوزی لینڈ میں جج، قانونی مفکر اور مصنف تھا۔

[2] - Salmond, *Jurisprudence* (London: Sweet & Nexwell limited, 1924), 236.

[۳] - نیو کامب ہو فیلڈ (Wesley Newcomb Hohfeld) (۱۸۷۹-۱۹۱۸): امریکی قانون دان اور مصنف تھا جس نے قانونی تصورات لکھے۔

"Right and duty are correlative concepts, i.e. the one must always be matched by a claim about the other. If A has a right against B, this is equivalent to B having a duty to honor A's right." (1)

ترجمہ: حق اور فرض باہمی تصورات ہیں، یعنی ایک (فرد کے) (حق یا فرض) کا تعین دوسرے (فرد) کے دعویٰ کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر الف کا ب پر حق ہے تو ب کا یہ فرض ہے کہ وہ الف کا حق ادا کرے۔

حق یا فرض کے ساتھ قانونی پابندی یا ذمہ داری ہوتی ہے۔ جس کے ذریعے دو یا زیادہ افراد کو باندھ دیا گیا ہو۔ فرض کا وجود اس کے حقدار کے بغیر ممکن نہیں ہے اور نہ ہی کوئی حق ہو سکتا ہے جب تک کوئی اس کا دعوے دار نہ ہو۔

اسلام حقوق و فرائض میں اعتدال پیدا کرتا ہے۔ اسلام کے نظام حقوق و فرائض کی ایک خوبی یہ ہے کہ اسلام کا نظام ادائیگی پر ہوتا ہے، حقوق کے مطالبے پر نہیں۔ اسلامی معاشرت کا تمام نظام اس بات پر قائم ہے، جس میں صرف اور صرف "حق" دینے کی بات کی جاتی ہے۔ یہ حقوق انسان کو پیدائشی طور پر حاصل ہوتے ہیں اور یہ انسان سے چھینے نہیں جاسکتے۔ ریاست بھی ان حقوق سے کسی فرد کو محروم نہیں کر سکتی، بلکہ اس نظریے کے حامی تو کہتے ہیں کہ ریاست وجود میں ہی اس لیے آئیکہ ان حقوق کی حفاظت کی جائے، جو قدرتی طور پر انہیں ودیعت کیے گئے ہیں۔

اسی قاعدہ کے تحت قرآن مجید میں زیادہ تر عورتوں کے حقوق مردوں کے فرائض کی شکل میں اور مردوں کے حقوق عورتوں کے فرائض کی شکل میں بیان کئے گئے ہیں۔ ایک حدیث مبارکہ میں مزدور کا حق ادا کرنے کے سلسلے میں بھی آجر کو تاکید کی جارہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

((أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قبل أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ)) (۲)

ترجمہ: مزدور کی مزدوری اس کے پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔

---

1-Wesley Newcomb Hohfeld, "Some Fundamental Legal Conceptions as Applied in Judicial Reasoning," *The Yale Law Journal Company, London*, (1913) :36

۲- سنن ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، دار إحیاء الکتب العربیۃ، حلب، (س۔ن)، کِتَابُ الرُّهُونِ، بَابُ أَجْرِ الْأُجَرَاءِ، حدیث:۲۴۴۳، ص:۲/ ۸۱۷

الغرض معاشرے کے ہر طبقے کے حقوق کی بات اسلامی تعلیمات میں فرائض کی صورت میں کی گئی ہے اور صرف فرائض ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اسلام حقوق کی ادائیگی کو محض فرض ہی قرار نہیں دیتا بلکہ اس پر دُنیا میں بے شمار فوائد اور آخرت میں بے حساب اجر کی نوید سنانے کے ساتھ ساتھ عدم ادائیگی کی صورت میں ابدی خسارے اور عذاب کی وعید بھی سناتا ہے۔ حقوق کے بجائے اپنے فرائض پر توجہ دینے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ انسان کی دُنیا و آخرت میں فلاح کا دارو مدار بھی صرف اپنے فرائض کی ادائیگی پر ہے۔ آخرت میں انسان سے سوال فرائض کے بارے میں ہوگا نہ کہ حقوق کے بارے میں۔ نیز حقوق نہ ملنے پر ہو سکتا ہے کہ اللہ کی جانب سے صبر کا انعام مل جائے۔ مگر فرائض پورے نہ ہوئے تو آخرت میں کسی انعام کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

## حقوق کی وسعت

جب انسان کا تعلق کائنات ارضی کی ایک ایک چیز سے ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی ذمہ داری بھی ہر اس چیز سے متعلق ہے جمادات سے بھی کہ ان کو بے موقع صرف نہ کیا جائے۔ نباتات سے بھی کہ ان کو نشوونما اور تربیت کا موقع دیا جائے۔ حیوانات سے بھی کہ ان کو بے بس تکلیف نہ پہنچائی جائے اور ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھا جائے۔ اور انسانوں سے بھی کہ ان کی ہر ضرورت میں مدد کی جائے اور ان کے فریضہ محبت کو ادا کیا جائے۔ خود انسان کا اپنے اوپر حق ہے کہ اس کا ہر عضو جس غرض کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اس سے مناسب طور سے وہ کام لے۔ غرض اسلام نے ان حقوق کو تمام کائنات میں اس طرح تقسیم کیا ہے کہ اس کا دائرہ "محیطِ اعظم "بن کر بالآخر مرکز پر آکر ختم ہو جاتا ہے۔ انسانوں کے باہمی حقوق تو کافی حد تک عیاں ہیں لیکن انسان کے علاوہ اس کائنات ارضی کی دوسری بے جان اور جاندار چیزوں کے دو حق انسان پر ہیں۔

۱- ایک یہ کہ جس غرض اور منفعت کے لیے وہ پیدا کی گئی ہیں ان سے وہ کام لیا جائے۔

۲- دوسرا یہ کہ ان کی قدرتی نشوونما، پرورش اور ترقی میں وہ رکاوٹ نہ پیدا کرے بلکہ ان کی مناسب غذا سیر ابی اور آرام کی فکر میں رکھے۔[۱]

یہ دونوں حقوق اصل میں قرآن پاک کی اسی حقیقت کے صریح نتیجے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾[۲]

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لیے پیدا کیں۔

---

۱۔ سیرۃ النبی ﷺ، شبلی نعمانی، حذیفہ اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص:۶/ ۱۰۱

۲۔ سورۃ البقرہ:۲/ ۲۹

ابن کیسان اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں

"أي من أجلکم"[1]

ترجمہ: یعنی تمہاری وجہ سے ہی سب کچھ پیدا کیا

جب انسان کے لیے یہ سب چیزیں پیدا کی گئی ہیں۔ تو انسان کا فرض ہے، کہ ان سب سے وہی کام لے، جس کے لیے وہ بنائی گئی ہیں۔ نیز ان سب سے نفع اٹھائے، اور ان سب کو ان کے حقوق دے اور ان حقوق کی ادائیگی کو اپنا فرض جانے، چاہے حقوق کا تعلق انسانوں سے ہو یا جانوروں سے ہو، پودوں سے ہو یا کائنات کی کسی اور چیز سے ہو۔ الغرض اسلامی تعلیمات میں حقوق و فرائض کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ حقوق و فرائض کے نبھانے سے معاشرے میں نہ صرف سکون کی فضا قائم ہوتی ہے بلکہ اس شہر کے جانور بھی پر سکون زندگی گزارتے ہیں۔ کیونکہ جب کسی شے کی ضرورت کو سمجھا جائے اور اس کا صحیح استعمال کیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ اس کی ذمہ داری مجھ پر فرض ہے تو اس فرض کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے مجمع میں ایک تمثیلی حکایت میں اس نکتہ کو واضح کیا ہے، فرمایا کہ

ایک دفعہ ایک شخص بیل پر سوار جا رہا تھا کہ دفعتاً اس نے منہ پھیر کر سوار سے کہا کہ میں تو اس کے لیے پیدا نہیں کیا گیا میں تو کھیتی کے لیے پیدا کیا گیا ہوں۔[2]

ایک اور تمثیلی حکایت میں آپ ﷺ نے فرمایا

ایک شخص صرف اس لیے بخشا گیا کہ اُس نے پیاسے کتے کو پانی پلا کر اس کی جان بچائی تھی۔[3]

اور ایک عورت پر صرف اس لیے عذاب ہوا کہ اس نے ایک بلی کو باندھا اور اس کو کھانے پینے کو نہیں دیا، یہاں تک کہ وہ اس طرح سسک سسک کر مر گئی۔[4]

یہ چند اشارات اس موقع پر اس لیے دیے گئے ہیں تا کہ معلوم ہو سکے کہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔ صرف انسانوں تک ہی نہیں بلکہ تمام جاندار اور بے جان چیزوں تک پھیلا ہوا ہے جس کی تفصیل اپنے اپنے موقع پر آئے گی۔

---

[1]- نیل المرام من تفسیر ایات الاحکام، ابو طیب محمد صدیق خان بن حسن بن علی ابن لطف اللہ حسینی بخاری القِنّوجی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ص:١/١١

[2]- صحیح بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری الجعفی، دار طوق النجاۃ، بیروت، ١٤٢٢ھ، كِتَاب المزَارَعَةِ، بَابُ اسْتِعْمَالِ البَقَرِ لِلْحِرَاثَةِ، دار طوق النجاۃ، بیروت، ١٤٢٢ھ، حدیث: ٢٣٢٤، ص: ٣/١٠٣

[3]- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَاب المسَاقَاةِ، بَابُ فَضْلِ سَقْيِ الماءِ، حدیث: ٢٣٦٣، ص: ٣/١١١

[4]- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَاب المسَاقَاةِ، بَابُ فَضْلِ سَقْيِ الماءِ، دیث: ٢٣٦٥، ص: ٣/١١٢

اگر ہم اسلام کے تمام اخلاقی فرائض اور تعلیمات کو صرف ایک لفظ سے ادا کرنا چاہیں تو، تورات اور انجیل کی طرح کہہ سکتے ہیں کہ 'دوسروں سے محبت کرنا'۔ لیکن صرف 'محبت کرنا' کہہ دینا کافی نہیں بلکہ ان چیزوں کی تفصیل بھی بیان کرنی چاہیے جو اس محبت کی متقاضی اور مظاہر ہیں۔ یہی تفصیل و تکمیل اسلام کی اخلاقی تعلیم کا خاصہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا

((لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ))[1]

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے، جو وہ اپنے لیے کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جسم و جان اور مال و ملکیت کے وہ تمام معاملات جو انسان اپنے جسم و جان اور مال و ملکیت کے لیے چاہتا ہے۔ وہی دوسروں کے لیے چاہنا، تورات و انجیل کی طرح اسلام کی اخلاقی تعلیم کا سرِ عنوان ہے۔ لیکن اسلام نے اس امر کو تشریح و توضیح کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مثلاً، ایک حیوان کے مقابلے میں ایک انسان کی مدد، ایک اجنبی شخص کے مقابلے میں ایک دوست کی، غیروں اور بیگانوں کے مقابلے میں ایک عزیز کی، اور پھر ان عزیزوں کے مقابلے میں بھی ایک عزیز کی، اور پھر ان عزیزوں کے مقابلے میں بھی قرابت کی دُوری نزدیکی کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے۔ لیکن اگر کوئی عزیز سے عزیز بھی باطل پر ہو تو اس کے مقابلے میں اس غیر و بیگانہ کی امداد کی جائے گی جو حق پر ہے۔ جو مدد محض قرابت اور عزیز داری کی بناء پر کی جاتی ہے، اس کا نام اسلام کی اصطلاح میں عصبیت ہے، جس سے بچنے کی ہر مسلمان کو تاکید کی گئی ہے۔ اسلام کے سوا دوسرے مذاہب میں انسانی حقوق کی تفصیل نہیں ملتی انسان اور حیوان کے درمیان کوئی فرق قائم نہیں کیا گیا ہے۔

[1]- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ الإِيمَانِ، بَابٌ: مِنَ الإِيمَانِ أَنْ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ، حدیث:۱۳، ص:۱/۱۲

# مبحث دوم : حقوق کی اقسام

حقوق کی اقسام کے بارے میں مختلف آراء ہیں کہ حقوق کی بنیادی طور پر کتنی اقسام ہیں۔ایک رائے یہ ہے کہ حقوق کی بنیادی طور سے دو قسمیں ہیں، حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ اشرف تھانویؒ (۱۸۶۷ء-۱۹۴۳ء) لکھتے ہیں " حقوق العباد در حقیقت حقوق اللہ ہی ہیں "۔[۱]

جب کہ وھبہ زحیلی نے اس کی تین اقسام بیان کی ہیں

۱۔ حقوق اللہ (Pure Rights of Allah)

۲۔ حقوق العباد (Pure Rights of People)

۳۔ حقوق مشترکہ (Common Rights)[۲]

ان حقوق میں بعض کی حیثیت محض اخلاقی ہوتی ہے اور بعض کی قانونی۔ اخلاقی حقوق میں بڑوں کا حق ادب، چھوٹوں پر حق شفقت، ضرورت مند کا حق امداد، مہمان کا حق تواضع وغیرہ۔ ان میں سے بعض کو قانونی تحفظ حاصل ہوتا ہے مثلاً حق ملکیت، حق اُجرت، حق مہر معاوضہ وغیرہ۔ یہ ایسے حقوق ہیں جن کا تعلق کسی مفاد سے ہوتا ہے اور ملک کا قانون اس مفاد کو تسلیم کر کے اسے عدلیہ کے ذریعہ قابل حصول بنا دیتا ہے۔

یہ قانونی حقوق (Legal Rights) اور مثبت حقوق (Positive Rights) بھی کہلاتے ہیں۔ فرد کے حقوق کا ایک اور دائرہ ریاست سے تعلقات کا ہے۔اس دائرے میں وسیع الاختیار اور کثیر الوسائل ریاست کے مقابلے میں فرد کو جو حقوق دیئے جاتے ہیں۔ انہیں ہم بنیادی حقوق (Fundamental Rights) کہتے ہیں۔ ان حقوق کے لیے بنیادی انسانی حقوق (Basic Human Rights) اور انسان کے پیدائشی حقوق (Birth Rights of a Man) کی اصطلاح بھی استعمال ہوتی ہے۔

ذیل میں ان تین حقوق کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے

۱- حقوق اللہ ۲- حقوق العباد ۳- مشترکہ حقوق

---

[۱]- حقوق العباد، اشرف علی تھانوی، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ص:۴۳،۴۵

[۲]- فِقہُ الاسلامی وادلتُہُ، وھبۃ الزحیلی، دار الفکر سوریۃ، دمشق، (س۔ن)، ص:۴/ ۱۴

## ۱- حقوق اللہ

حقوق اللہ کو حقوق اللہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ امت مسلمہ پر ان کا نفاذ لازمی ہے اور حکومت وقت پر ان کا نافذ کرنا واجب ہے چونکہ یہ اللہ کے حقوق ہیں اس لیے ان کو ساقط نہیں کیا جا سکتا۔ اور ان کو اللہ سے اس لیے منسوب کیا جاتا ہے کہ ان کی خلاف ورزی کے نقصانات بہت زیادہ ہیں اور اسی طرح ان کی ادائیگی کے فوائد بہت وسیع اور جامع ہیں۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ان کو حقوق اللہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان میں خدا کا کوئی مفاد مضمر ہے۔ وہ ذات تو تمام حاجات اور ضروریات سے بے نیاز ہے اور وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ حقوق اللہ کی مثالیں عبادات و اطاعات ہیں جو اجتماعی مفاد کی حامل ہیں۔

امام شاطبی نے اس کی تعریف یوں بیان کی ہے

**"حق الله أنه ما فهم من الشرع أنه لا خيرة فيه للمكلف كان له معنى معقول أو غيرمعقول"**[1]

ترجمہ: اللہ کا حق وہ ہے، جو شریعت سے اس طور پر سمجھا گیا ہو، کہ مکلف کے لیے اس میں کسی انتخاب کی گنجائش نہ ہو، چاہے اس کی حکمت انسان کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

علاؤالدین بخاری نے یہ موقف اختیار کیا ہے

**"وَحَقُّ اللَّهِ تَعَالَى مَا يَتَعَلَّقُ بِهِ النَّفْعُ الْعَامُّ لِلْعَالَمِ فَلَا يَخْتَصُّ بِهِ أَحَدٌ وَيُنْسَبُ إلَى اللَّهِ تَعَالَى تَعْظِيمًا أَوْ لِئَلَّا يَخْتَصَّ بِهِ أَحَدٌ مِنْ الْجَبَابِرَةِ لِحُرْمَةِ الْبَيْتِ الَّذِي يَتَعَلَّقُ بِهِ مَصْلَحَةُ الْعَالَمِ بِاتِّخَاذِهِ قِبْلَةً لِصَلَوَاتِهِمْ وَمَثَابَةً لِاعْتِذَارِ أَجْرَامِهِمْ وَكَحُرْمَةِ الزِّنَا لِمَا يَتَعَلَّقُ بِهَا مِنْ عُمُومِ النَّفْعِ فِي سَلَامَةِ الْإِنْسَانِ وَصِيَانَةِ الْفُرُشِ وَارْتِفَاعِ السَّيْفِ بَيْنَ الْعَشَائِرِ بِسَبَبِ التَّنَازُعِ بَيْنَ الزُّنَاةِ وَإِنَّمَا يُنْسَبُ إلَيْهِ تَعْظِيمًا؛ لِأَنَّهُ تَعَالَى يَتَعَالَى عَنْ أَنْ يَنْتَفِعَ بِشَيْءٍ"**[2]

ترجمہ: اللہ کا حق وہ ہے، جس کے ساتھ نفع عام متعلق ہو۔ بغیر اس کے کہ اس نفع کو کسی کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے، جیسے خانہ کعبہ کی حرمت، کیونکہ اس کا نفع عام ہے اور وہ ہے کہ ہر شخص اس کو قبلہ بنا سکتا ہے۔ اور جیسے کہ زنا کی حرمت ہے، اس حرمت کا نفع بھی عام ہے، اور وہ ہے لوگوں کے

---

[1] - موافقات فی أصول الفقه، إبراهيم بن موسى اللخمي الغرناطي المالكي الشهير بالشاطبي، دار المعرفة، بیروت، قاہرہ، ص: ۲/ ۳۱۸

[2] - کشف الاسرار شرح أصول البزدوی، عبد العزیز بن احمد بن محمد، علاء الدین البخاری الحنفی، دار الكتاب الإسلامي، بیروت، ۱۴۱۸ھ، باب اعْلَمْ أَنَّ أُصُولَ الشَّرْعِ ثَلَاثَةٌ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ وَالْإِجْمَاعُ، ص: ۴/ ۱۳۵

انساب کی سلامتی۔ اور اس حق کو تعظیماً اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس بات سے بلند ہے کہ وہ کسی چیز سے نفع اٹھائے۔

## ۲- حقوق العباد (Pure Rights of People)

ویسے تو انسانی حقوق کی فہرست بہت طویل ہے لیکن ان میں سے وہ حقوق جن کا تعلق کسی کی جان مال اور آبرو سے ہے، ان کی اہمیت دیگر جملہ حقوق سے کہیں زیادہ ہے۔ اسلام نے انسانی جان کو محترم و مکرم قرار دیا ہے۔ اور ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل ٹھہرا کر تحفظ جان کی اہمیت پر جس طرح زور دیا ہے اس کی نظیر دُنیا کے کسی مذہبی، اخلاقی یا قانونی، لٹریچر میں نہیں ملتی۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ﴾[۱]

ترجمہ: جس شخص نے کسی دوسرے کو جان کے بدلہ کے علاوہ یا زمین میں فساد برپا کرنے کی غرض سے قتل کیا تو اس نے سب انسانوں کو مار ڈالا۔

حضرت محمد ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر توقیر انسانی اور احترام انسانیت کو نہ صرف بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا بلکہ انسانی حقوق کی اہمیت کو بھی واضح فرمایا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں واضح الفاظ میں یہ اعلان بھی فرمایا

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى))[۲]

ترجمہ: اے لوگو! خبر دار ہو جاؤ کہ تمہارا رب ایک ہے اور بیشک تمہارا باپ (آدمؑ) ایک ہے۔ کسی عرب کو غیر عرب پر اور کسی غیر عرب کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی سفید فام کو سیاہ فام پر اور نہ سیاہ فام کو سفید فام پر فضیلت حاصل ہے سوائے تقویٰ کے۔

یعنی فضیلت دیانت اور تقوی پر ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ کوئی شخص چاندی سے پیدا کیا گیا ہو، کوئی سونے سے اور کوئی پتھر سے۔ حقوق انسانی کے تحفظ میں جتنی واضح تعلیمات اسلام کی ہیں وہ کسی اور مذہب یا مفکر کی دستور

---

۱- سورۃ المائدہ: ۵/ ۳۲

۲- مسند احمد، احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد الشیبانی، موسستہ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۱ھ، حدیث: ۲۳۵۳۶، ص: ۵/ ۴۱۱

سازی میں نہیں مل سکتی، کیونکہ اسلام نے بنیادی حقوق کے تحفظ کی ابتداء ایک انسان کے انفرادی حقوق سے کی ہے، جن کا تفصیلی تذکرہ ذیل موضوعات میں کیا جائے گا۔

## ۲۔(الف)انفرادی حقوق

فرد معاشرے کی "اکائی" ہے۔جب تک کسی بھی معاشرے میں فرد کی حیثیت کا تعین اور اس کے حقوق کا تحفظ نہیں کیا جائے گا۔اس معاشرے میں "من حیث المجموع" حقوق کے تحفظ کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔اسلام نے بنیادی حقوق کے تحفظ کی ابتداء ایک انسان کے انفرادی حقوق سے کی ہے۔اسلام نے نہ صرف فرد کو باوقار مقام عطا کیا ہے بلکہ اسے وہ تمام حقوق بھی عطا کیے ہیں جو اس کے ارتقاء و بہبود کے لیے ضروری ہیں۔

قرآن وحدیث میں انفرادی حقوق کے ساتھ ساتھ اجتماعی حقوق بھی موجود ہیں۔اب ان انفرادی و اجتماعی حقوق کو قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیلاً ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

انفرادی حقوق کے موضوعات بذیل ہیں

| | | |
|---|---|---|
| ۱:حرمت جان | ۲:حرمت عزت | ۳:حرمت مال |
| ۴ :حرمت نجی زندگی | ۵:مذہبی آزادی کا حق | ۶:اظہار رائے کی آزادی |
| ۷:عمل غیر سے برات | ۸:ظلم کے خلاف احتجاج کا حق | |

ان تمام کو انفرادی حقوق کہا جاتا ہے۔[۱]

### (الف:۱)حرمت جان

اسلام نے انسانی جان کو بہت محترم گردانا ہے۔اس بات کا اندازہ قرآن پاک کی اس آیت سے ہوتا ہے۔

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ﴾[۲]

ترجمہ:جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی پیدا کرنے کی سزا دی جائے اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا۔اور لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر روشن دلیلیں لا چکے ہیں۔پھر اس کے بعد بھی ان میں بہت سے لوگ ملک میں حد اعتدال سے نکل جاتے ہیں۔

---

[۱]۔ بنیادی حقوق، محمد صلاح الدین، ص:۳۸

[۲]۔سورۃ المائدہ:۵/ ۳۲

اس آیت کریمہ میں ایک انسان کے قتل کو تمام انسانوں کا قتل ٹھہرا کر تحفظ جان کی اہمیت پر جس طرح زور دیا گیا ہے اس کی مثال دُنیا میں کہیں اور نہیں ملتی۔

اسی بات کو آپ ﷺ نے اپنے لازوال خطبہ حجۃ الوداع میں اس طرح بیان کیا ہے

((أَلَا وَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا))[۱]

ترجمہ: لوگو! تمہارے خون و مال اور عزتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئی ہمیشہ کے لیے ان چیزوں کی حرمت ایسے ہی ہے۔ جیسی آج تمہارے اس دن کے بعد اور ماہ مبارک ذوالحجہ کی حرمت اس شہر مکہ میں ہے۔

ایک غزوہ میں ایک عورت ہلاک ہو گئی تو آپ ﷺ نے اس کی لاش کو دیکھ کر فرمایا۔" یہ تم نے کیا کر ڈالا؟ یہ تو جنگ کرنے والوں میں شامل نہ تھی، جاؤ خالدؓ سے کہہ دو کہ

((لَا تَقْتُلَ ذُرِّيَّةً وَلَا عَسِيفًا))[۲]

ترجمہ: (ذُرّیت) یعنی عورتوں اور بچوں اور معذوروں کو قتل نہ کرو۔

## (الف:۲) حرمت عزت

انسان کا یہ بھی بنیادی حق ہے کہ اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے۔ اسلام نے انسان کی عزت و آبرو کی حفاظت کے بارے میں سورۃ الحجرات میں اس طرح ذکر کیا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴾[۳]

ترجمہ: مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے۔ ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں)۔ ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ

---

۱۔ سنن ابن ماجہ، امام ابن ماجہ، كِتَابُ الْفِتَنِ، بَابُ حُرْمَةِ دَمِ الْمُؤْمِنِ وَمَالِهِ، حدیث: ۳۹۳۱، ص: ۲/ ۱۲۹۷

۲۔ سنن الکبری، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی الخراسانی النسائی، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ، كِتَابُ السِّيَرِ: باب: قَتْلُ الْعَسِيفِ، حدیث: ۸۵۷۳، ص: ۸/ ۲۷

۳۔ سورۃ الحجرات: ۴۹/ ۱۱

اور نہ ایک دوسرے کا برا نام (رکھو) ایمان لانے کے بعد برا نام رکھنا گناہ ہے۔ اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔

یعنی جتنی شکلیں انسان عزت و آبرو پر حملہ کی ہو سکتی ہیں ان سے منع کر دیا گیا اور وضاحت سے کہہ دیا کہ انسان خواہ موجود ہو یا نہ ہو، اس کا نہ مذاق اڑایا جائے، نہ بُرے القاب دیئے جائیں اور نہ اس کی بُرائی کی جا سکتی ہے۔ ہر شخص کا یہ قانونی حق ہے کہ کوئی اس کی عزت پر ہاتھ نہ ڈالے اور ہاتھ یا زبان سے اس پر کسی قسم کی زیادتی نہ کرے۔

## (الف:۳) حرمت مال

اسلام نے ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھانے سے منع فرمایا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواو لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ﴾[1]

ترجمہ: اے ایمان والو تم باطل طریقے سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ۔

یعنی ایک دوسرے کا مال نا جائز طریقے سے کھانا حرام ہے۔ اسلام اس کی مزید مذمت کرتا ہے اور اس اعتبار سے ملکیت کا جامع تصور جو اسلام نے عطا کیا، وہ تو یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے اسلامی ریاست میں ایسی تمام نجی املاک جو جائز ذرائع سے حاصل شدہ ہوں۔ جن سے شریعت کے مقرر کردہ تمام حقوق اور واجبات ادا کر دیے گئے ہوں اور عائد کردہ ٹیکس بھی ادا کئے جا چکے ہوں اور اس کو حرام اور ناجائز مشاغل میں صرف نہ کیا جا رہا ہو۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے مالک کو اپنی املاک میں جو حقوق حاصل ہیں، وہ درج ذیل ہیں

۱- استعمال اور تصرف کا حق ۲- انتقال ملکیت کا حق ۳- کاروبار میں لگانے کا حق

۴- تحفظ ملکیت کا حق

حتیٰ کہ حکومت کو اگر کسی کی ذاتی ملکیت کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کرنا ہو تو وہ مالک کی مرضی سے مروجہ معاوضہ ادا کرنے کے بعد اسے اپنے لیے استعمال کر سکے گی۔

## (الف:۴) حرمت نجی زندگی

اسلام کے بنیادی حقوق کی رُو سے آدمی کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی نجی زندگی کو محفوظ رکھ سکے۔ اس سلسلے میں واضح ہدایات سورۃ نُور میں دی گئیں ہیں۔

---

[1] - سورۃ النساء: ۴ / ۳۰

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾[1]

ترجمہ: مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں گھر والوں سے اجازت لے اور ان کو سلام کیے بغیر داخل نہ ہوا کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے (اور ہم یہ نصیحت اس لیے کرتے ہیں کہ) شاید تم یاد رکھو۔ اگر تم گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ تو جب تک تم کو اجازت نہ دی جائے اس میں مت داخل ہو۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو۔ یہ تمہارے لیے پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام تم کرتے ہو خدا سب جانتا ہے۔

بلکہ اسلام نے دوسروں کے گھر سے قطع نظر خود اپنے گھر میں بھی آواز یا دستک دے کر داخل ہونے کی ہدایت دی ہے تا کہ ماں، بہنوں، بیٹیوں پر ایسی حالت میں نظر نہ پڑے جس میں نظر پڑنا بد اخلاقی کے زمرے میں آتا ہو۔

## (الف: ۵) مذہبی آزادی کا حق

اسلام ہر انسان کو مذہبی آزادی کا حق دیتا ہے۔ یعنی ہر شخص کو آزادی حاصل ہے کہ وہ کوئی بھی عقیدہ اختیار کرے ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾[2]

ترجمہ: دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔

اعتقاد کی آزادی کا قیمتی حق تھا جسے حاصل کرنے کے لیے ابتدائی مسلمانوں نے مکہ کے تیرہ سالہ دور میں اذیتیں سہی تھی اور بالآخر یہ حق ثابت کر کے رہے۔ مسلمانوں نے جس طرح یہ حق اپنے لیے حاصل کیا، اس طرح دوسروں کے لیے بھی اس کا پورا اعتراف کیا اور اپنی غیر مسلم رعایا کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا۔ بلکہ اسلام نے نہ صرف مذہبی آزادی کے تحفظ کا حق عطا کیا بلکہ یہ حکم بھی دیا کہ کسی کی دل آزاری نہ کرو اور اس کے معبودوں کو برا نہ کہو۔

---

[1] ۔ سورۃ النور: ۲۴/ ۲۷

[2] ۔ سورۃ البقرہ: ۲/ ۲۵۶

اللہ تعالیٰ نے واضح حکم دیا کہ

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾[۱]

ترجمہ: جن معبودوں کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں برا نہ کہو۔

## (الف:۶) اظہار رائے کی آزادی

اسلام نے ایک اور بنیادی حق انسانوں کو دیا جسے آج کے زمانہ میں "آزادی اظہار" کہا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان پر ظلم ہو تو وہ اسے بیان کر سکے۔ آزادی اظہار رائے کو قرآن مجید نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے نام سے بیان کیا ہے۔ اس طرح آزادی کو قانونی ضمانت بھی مل گئی اور اس آزادی کے استعمال کا رُخ بھی متعین ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی تردید کے بغیر آزادی رائے کا حق ہر شہری کو حاصل ہے، شرط یہ ہے کہ اس کے اس حق کو استعمال کرنے سے فتنہ فساد نہ بپا ہو۔ اسی طرح اسلام ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق بھی دیتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾[۲]

ترجمہ: اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی پر زبان کھولے اِلّا یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو۔

یعنی بدگوئی نہایت ناپسندیدہ فعل ہے لیکن جب ظلم حد سے بڑھ جائے تو مظلوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ظالم کے خلاف آواز بلند کرے۔ اسلامی ریاست میں ظالموں کو برداشت نہیں کیا جا سکتا اور ان کے ظلم کے خلاف آواز اٹھانا نہ صرف ایک حق بلکہ فرض ہے جس میں کوتاہی مقتدر اعلیٰ کے سامنے قابل مواخذہ ہو گی۔

## (الف:۷) عمل غیر سے برأت

اسلام میں آدمی صرف اپنے اعمال اور اپنے جرائم کے لیے جواب دہ ہے۔ دُوسروں کے اعمال اور دُوسروں کے جرائم میں سے پکڑا نہیں جا سکتا۔ قرآن مجید نے ایک اصول اور ضابطہ اس حوالے سے تیار کیا ہے۔

﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾[۳]

ترجمہ: ہر شخص جو کچھ کماتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسروں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

---

[۱]- سورۃ الانعام: ۶/ ۱۰۸

[۲]- سورۃ النساء: ۴/ ۱۴۷

[۳]- سورۃ الانعام: ۶/ ۱۶۴

### (الف:۸) ظلم کے خلاف احتجاج کا حق

اسلام کے بنیادی حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ آدمی ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾[1]

ترجمہ: اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی پر زبان کھولے الا یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو۔

یعنی مظلوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ظالم کے خلاف آواز بلند کرے۔

## (ب): اجتماعی حقوق

پہلے ان حقوق کا ذکر کیا گیا تھا جو انفرادی حقوق کے زمرے میں آتے ہیں۔ یعنی جن کا تعلق کسی انسان کی ذات سے خاص ہوتا ہے۔ وہ حقوق جو بلا تخصیص و تفریق کسی بھی انسان کو ملنا چاہیے خواہ اس کا تعلق کسی بھی طبقہ یا مذہب یا معاشرہ سے ہو۔ اب ان حقوق کا تذکرہ کیا جائے گا جنکا تعلق اجتماعی طور پر معاشرہ کے ہر فرد سے ہوتا ہے۔ یعنی معاشرہ کے افراد اجتماعی طور پر ان کے حقدار ہوتے ہیں۔ جو کہ درج ذیل ہیں

الف)۔ سیاسی حقوق　　ب)۔ اقتصادی حقوق　　ج)۔ قانونی حقوق

ان حقوق کی دیگر تفصیلات کا تذکرہ درج ذیل موضوعات کے تحت کیا جائے گا۔

**الف)۔ سیاسی حقوق:** اولین دفعہ، عمومی و مقصدی تعلیم، سیاسی ولایت، سیاسی سربراہ کا انتخاب، انصاف کا حصول، حقوق کی یکسانیت، سیاسی زندگی میں شرکت وغیرہ

**ب)۔ اقتصادی حقوق:** معاشی تحفظ، دولت کی گردش، اسلامی معاشی نظام

**ج)۔ قانونی حقوق:** حق ملکیت، حق اجرت و معاوضہ، حق مہر، حق سکونت

### (الف): سیاسی حقوق

اسلام میں دین اور سیاست کی علیحدگی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ مسلمان ہمیشہ اپنے ریاستی امور کو اسلامی اُصولوں کے مطابق قائم کرنے کی کوشش کرتے رہے اور اس حوالے سے معاشرے کے تمام افراد حکومت میں مصدار رہیں۔ تمام افراد کے مشورے سے حکومت ہونی چاہیے۔

---

[1]- سورۃ النساء: ۴/ ۱۴۷

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ
﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ﴾[1]
ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں خلافت دے گا۔

یہاں جمع کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی صرف بعض نہیں بلکہ پوری قوم کو خلافت دیں گے۔ یعنی حکومت پوری مِلّت کی ہوگی، اور تمام افراد کے مشورے سے وجود میں آئے گی۔ یعنی حکمران اور وزراء لوگوں کی آزادانہ رائے سے منتخب ہوں۔ اور لوگوں کو حکمرانوں اور وزراء پر تنقید اختلاف اور اظہار رائے کی آزادی وغیرہ ہو۔ اس حوالے سے جو اجتماعی حقوق اس ضمن میں قابل ذکر ہیں وہ درج ذیل ہیں

| | | |
|---|---|---|
| ۱۔ اولین دفعہ | ۲۔ عمومی و مقصدی تعلیم | ۳۔ سیاسی ولایت |
| ۴۔ سیاسی سربراہ کا انتخاب | ۵۔ انصاف کی فراہمی | ۶۔ حقوق کی یکسانیت |

## (الف:۱) اولین دفعہ

اسلام نے حضرت انسان کو سیاسی نظام کی اولین دفعہ جو عطا کی ہے اس کا ذکر قرآن مجید نے اس طرح کیا ہے

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾[2]
ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی اطاعت کرو جو صاحب امر ہوں۔

قرآن مجید کی یہ آیت سیاسی نظام کی بنیاد ہے کیونکہ اسلامی نظام میں اصل متاع اللہ تعالیٰ ہے اور رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت کی واحد عملی صورت ہے اور رسول کی ذات میں ایک مستند ذریعہ ہے، جس سے ہم تک اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچتے ہیں اور اصحاب امر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔

اس آیت میں مخاطبت عام ہے اور ہر مسلمان کے لیے ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر مسلمان اس عمل میں براہ راست شامل ہونے کا اہل ہے۔

---

[1]۔ سورۃ النور: ۲۴/ ۵۵

[2]۔ سورۃ النساء: ۴/ ۵۹

## (الف:۲) عمومی و مقصدی تعلیم

اسلام نے اس بات کا بطور خاص اہتمام کیا ہے اور اس کے ماننے والے جب سیاسی عمل میں براہ راست شرکت کرنا چاہیں تو اس سے قبل عمومی مگر مقصدی تعلیم کا حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ جو انہیں مبادیات کے علاوہ سیاسی شعور بھی عطا کرے اور یہ اسلام کے سیاسی نظام میں بنیادی حق ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾[1]

ترجمہ: اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن سب کے سب نکل آئیں۔ تو یوں کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل جاتے تا کہ دین (کا علم سیکھتے اور اس) میں سمجھ پیدا کرتے اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آتے تو ان کو ڈر سناتے تا کہ وہ بچتے رہیں۔

## (الف:۳): سیاسی سربراہ کا انتخاب

اسلام کے سیاسی نظام میں اس کی بڑی اہمیت ہے کہ قوم معاملات چلانے کے لیے قوم کا سربراہ سب کی مرضی سے مقرر کیا جائے اور وہ قومی معاملات کو ایسے صاحب رائے کے لوگوں کے مشورے سے چلائے، جن کو قوم قابلِ اعتماد رکھتی ہو اور وہ اس وقت تک سربراہ رہے جب تک قوم اپنا سربراہ بنائے رکھنا چاہے۔ سربراہ کو منتخب کرنے کے عمل میں قوم کی مشاورت اور آراء براہ راست یعنی بلاواسطہ یا بالواسطہ بہت ضروری ہے۔ تشکیل حکومت کے اولین مرحلے میں حدود محتاط رہنے کی ہدایت کی گئی ہے تا کہ وہ اپنے امور جس کے سپرد کریں وہ واقعتاً اس کا اہل ہو۔

## (الف:۴): انصاف کی فراہمی

اسلام کے سیاسی نظام کی سب سے اہم خوبی انصاف کی فراہمی ہے۔ یعنی مملکت کے کسی فرد کے لیے اپنے بنیادی حقوق کے حصول کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل ہے تو اس حوالے سے اسے عدل و انصاف کے ساتھ اپنے مکمل حقوق مل جائیں۔ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ سب کو یکساں انصاف مہیا کرنا جس میں کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو۔

---

[1]۔ سورۃ التوبہ: ۹/ ۱۲۲

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ﴾[۱]

ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔

## (الف:۵):۔ حقوق کی یکسانیت

اسلام نے جو نظام حکومت عطا کیا ہے۔اس میں سب سے اہم بات تمام افراد یکساں حقوق کا حامل ہونا ہے۔ یہ نہیں کہ ملک کے افراد کو مختلف طبقات میں تقسیم کر کے کسی مراعات اور امتیازات سے نوازا جائے اور کسی کو محکوم بنا کر اس کے حقوق غصب کیے جائیں۔اسلام نظام حکومت میں نسل، رنگ، زبان یا طبقات کی بناء پر کوئی امتیاز نہیں ہے۔ قرآن مجید نے فرعون کی حکومت کی برائی ان الفاظ میں بیان کی ہے

﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِنْهُمْ﴾[۲]

ترجمہ: فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور وہاں کے لوگوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا ان میں سے ایک گروہ کو ذلیل کرتا تھا۔

## (ب)۔اقتصادی حقوق

حضور نبی اکرم ﷺ نے انسانی زندگی کے اقتصادی اور معاشی پہلو کے حوالے سے بھی جامع تعلیمات عطاء کیں۔ آپ کے عطاء کردہ اقتصادی اور معاشی حقوق معاشرے میں مساویانہ معاشی نظام کے قیام کی ضمانت عطاء کرتے ہیں۔ اسلام کا اقتصادی نظام اپنی مثال آپ ہے، کیونکہ یہ انفرادی ملکیت کا احترام کرتا ہے تاکہ وہ اس کے برے اثرات سے پاک رہے۔ اس سلسلے میں فرانسی محقق گستاؤلی بان(Gustave Le Bon)[۳] اپنی کتاب "تمدن عرب" میں لکھتا ہے

"وراثت کے وہ قوانین کہ جن کا قرآن میں ذکر آیا ہے وہ زبردست عدل و انصاف پر مبنی ہیں اور شریعت اسلامیہ نے ان بیویوں کو کہ جن کو لوگ خیال کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ مسلمانوں نے اچھا سلوک نہیں کیا وراثت میں ایسے حقوق دیے کہ جن کی مثال ہم اپنے قوانین میں نہیں پاتے"۔[۴]

---

۱۔سورۃ الشوریٰ:۴۲/ ۱۵

۲۔سورۃ القصص:۲۸/ ۴

۳۔ گستاؤلی بان(Gustave Le Bon) (۱۸۴۱-۱۹۱۳):فرانسیسی دانشمند تھا جسے بشریات، سماجیات، نفسیات، طب اور فزکس کے علوم میں مہارت حاصل تھی۔

۴۔تمدن عرب، گستاؤلی بان، دارالمعارف القاہرہ، مصر، ۱۹۵۴ء، ص:۲۰۱

اقتصادی حقوق کے حوالے سے چند نکات کا ذکر تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔

ا۔ معاشی تحفظ ۲۔ دولت کی گردش

## (ب:ا): معاشی تحفظ

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو جو معاشی نظام دیا ہے وہ ہر اعتبار سے بے مثل و بے نظیر ہے۔ جس میں موجود تعلیمات معاشرے میں موجود تمام طبقات کے اقتصادی حقوق کا تحفظ کرتیں ہیں اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونے دیتی۔ اسلام نے معاشی تحفظ فراہم کرنے کے لیے خدا کے دین میں انفاق پر کس قدر زور دیا؟ انفاق کے احکام اور اس کی ترغیب سے متعلق قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ ﴾[1]

ترجمہ: جن کے مالوں میں سائل اور محروم کے لیے ایک مقرر حصّہ ہے

دوسری جگہ ارشاد فرمایا

﴿وَ آتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَ الْيَتَامَى﴾[2]

ترجمہ: نیکی یہ ہے کہ اللہ کی محبت میں اپنا دل، پسند اور مال رشتے داروں، یتیموں پر خرچ کرے۔

اس آیت میں ترتیب احکام پر غور کیجیے، یہاں ایمان کی جو شرائط گنوائی جا رہی ہیں ان میں دل، پسند، مال کے خرچ کا ذکر اقامت صلوٰۃ سے بھی پہلے ہے۔ ہمیں قرآن مجید میں جہاں فرائض کا تذکرہ ملتا ہے وہاں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ یعنی تیس (۳۰) سے زائد مقامات پر نماز کے ساتھ اور ستر (۷۰) مقامات پر اس سے الگ انفاق کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس معاشی تحفظ کے لیے اسلام نے کچھ اُصول وضع کیے ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں

ا۔ ہر مسلمان معاشی جدوجہد میں بھرپور حصّہ لے تا کہ وہ کسی کا محتاج نہ رہے۔

۲۔ حرام حلال کے مابین خط امتیاز کھینچ دیا گیا تا کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

۳۔ نہ صرف حرام مال کے ذرائع کی حرمت بیان کر دی گئی بلکہ تمام غیر شرعی مصارف میں مال کے خرچ کرنے کی ممانعت بھی کر دی گئی اور اصل اور حقیقی مصارف کو بھی بیان کر دیا۔ تا کہ مسلم معاشرہ کا کوئی فرد اپنے حقوق سے محروم نہ ہو۔

---

[1]۔ سورۃ المعارج: ۷۰/ ۲۴

[2]۔ سورۃ البقرہ: ۲/ ۱۷۷

یہاں یہ بات واضح رہے کہ یہ معاشی تحفظ صرف مسلمانوں کے لیے نہیں، بلکہ غیر مسلم بھی اس کے یکساں حقدار ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ کے طرز عمل سے ظاہر ہے کہ سیدنا عمرؓ نے ایک یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا آپؓ اسے گھر لے گئے اور کچھ دیا۔ پھر اس کا وظیفہ مقرر کروادیا اور کہا

"مَا أَنْصَفْنَاكَ أَنْ كُنَّا أَخَذْنَا مِنْكَ الْجِزْيَةَ فِي شَبِيبَتِكَ ثُمَّ ضَيَّعْنَاكَ فِي كِبَرِكَ، ثُمَّ أَجْرَى عَلَيْهِ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ مَا يُصْلِحُهُ"[۱]

ترجمہ: (اللہ کی قسم) یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ہم ان کی جوانی میں ان سے جزّیہ لیں اور بڑھاپے میں انہیں بے سہارا چھوڑ دیں"۔

## (ب:۲): دولت کی گردش

اسلامی معاشرے اور حکومت کی معاشی پالیسی کا یہ بنیادی قاعدہ ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز نہ ہوگی بلکہ اس کی گردش پورے معاشرے میں ہونی چاہیے۔ اگر صرف چند ہاتھوں میں رہے گی تو اس کا نتیجہ صرف اور صرف یہ ہوگا کہ دولت صرف مالداروں کے پاس رہے گی اور امیر امیر تر ہوتا جائے گا اور غریب غریب تر ہوتا جائے گا۔ اور اس بات کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے۔

﴿مَآ أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ﴾[۲]

ترجمہ: جو مال خدا نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے دلوایا ہے وہ خدا کے اور پیغمبر کے اور (پیغمبر کے) قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور حاجت مندوں کے اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں انہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے۔

ذخیرہ اندوزی کے ضرر رساں پہلو کو ختم کرنے کے لیے اسلام نے زکوٰۃ جیسا جامع نظام وضع کیا اور قانون وراثت کو اسلام نے فرض قرار دیا ہے تاکہ اموال کی ذخیرہ اندوزی تھوڑے سے ہاتھوں میں نہ ہونے پائے۔ دولت کی گردش کو روکنے کے لیے اس کے اخلاقی پہلو کی طرف بھی توجہ دی گئی کہ 'اسراف' اور 'بخل' کو مذمت بنایا گیا اور 'فیاض' کو قابل تعریف بنا دیا۔ الغرض، ایسا نظام وضع کیا گیا جس کی رُو سے دولت اور اس کے ذرائع پر صرف

---

۱ - کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، علاؤالدین علی بن حسام الدین قادری ،موسسۃ الرسالۃ،بیروت، ۱۴۰۱ھ، کتاب الجهاد من قسم الأفعال،باب الجزية، حديث: ۱۱۴۷۷،ص:۴/۴۹۸

۲-سورۃ الحشر:۵۹/۷

مالدار طبقے کا اجارہ نہ ہو بلکہ اس کا رُخ امیروں سے غریبوں کی طرف ہو جائے اور معاشرے میں موجود کوئی فرد بھی اس سے محروم نہ ہو۔

## ج)۔ قانونی حقوق

قانونی حقوق سے مراد وہ حقوق ہوتے ہیں جن کو حکومت تسلیم کرتی ہے اور حکومت ہی ان حقوق کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ ان حقوق کی خلاف وزی کرنے والوں کے خلاف قانونی چارہ جوئی ہو سکتی ہے اور عدالت خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا بھی دے سکتی ہے۔ ان حقوق کی ہی بناء پر ریاست کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ شہریوں کی وفاداری حاصل کرے۔ ان حقوق کی وجہ سے ریاست اور شہری کا رشتہ استوار ہوتا ہے اور لوگ انہیں حقوق کی وجہ سے ہی امن وامان کی زندگی بسر کرسکتے ہیں۔

ہیرلڈ جوزف لاسکی (Harold Joseph Laski) [1] قانونی حقوق کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے

"Every state is known by the rights that it maintains. Our method of judging its character lies about all in the contribution that it makes to the substance of means happiness"[2]

ترجمہ: ہر ریاست ان حقوق کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے جو کہ اس کے دائرہ اختیار میں ہوتے ہیں۔ اس کے کردار کو پرکھنے کے ہمارے طریقہ کار اُس کا انحصار اُس کی تمام تر کاوشوں پر ہوتا ہے جو کہ انسانی مسرت کا باعث بنتی ہے۔

قانونی حقوق ہر فرد کو حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں یکسانیت کا ہونا انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی ملک میں ایک خطے کے لیے حقوق کچھ اور ہوں اور دوسرے خطے میں کچھ اور۔ افراد کی زبان، مذہب، رنگ ذات، تمدن وغیرہ کے اختلافات کی بناء پر ان میں فرق نہیں کیا جاسکتا۔

اسلامی نظام میں وراثیت، مساوات، عدل وانصاف، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اسلامی قانون سازی وغیرہ بنیادی ہیں، جن پر تشریع اسلامی قائم ہے۔ اس میں سب سے اہم ترین جُزیہ ہے کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لیے اور اپنی حدود میں رہنے والوں کے قانونی حقوق کو تسلیم کیا ہے اور ان حقوق میں بنیاد رسول اللہ ﷺ کی

---

[1]- ہیرلڈ جوزف لاسکی (Harold Joseph Laski) (۱۸۹۳-۱۹۵۰): برطانوی پروفیسر، سیاسی فلاسفر، ماہر معاشیات، مصنف، لیکچرر اور برطانوی لیبر پارٹی کا چیئرمین تھا۔

[2]-Harold Joseph Laski, *A Grammar of Politics,* (America:Yale University Press, 1925), 98.

سنت مبارکہ ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے ہر ذی نفس کے تمام حقوق و فرائض کو بیان کر دیا جس میں کوئی ابہام باقی نہیں رہا۔

اسلام نے انفرادی ملکیت کے حق کو تسلیم کیا ہے۔ اس ضمن میں یہ حرام قرار دیا کہ کسی فرد یا حکومت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اس کے اس حق پر دست درازی کرے۔ اس کے علاوہ جو قانونی طور پر حقوق اسلامی معاشرہ کے شہریوں کو حاصل ہوتے ہیں، ان پر ایک سکونت بھی ہے۔ اور حق اُجرت و معاوضہ اور اگر خواتین کے حوالے سے دیکھا جائے تو "حق مہر" اس کی واضح اور بین مثال ہے۔

**۳۔ مشترکہ حقوق** (اللہ تعالیٰ کے حق اور بندے کے حق کے درمیان حقوق)

حقوق کی اس قسم میں کبھی اللہ کا حق غالب ہوتا ہے اور کبھی بندے کا حق غالب ہوتا ہے۔ پس حق مشترک میں اللہ کا حق غالب ہو تو اس کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف خالص لوٹے گا۔ اس کی مثال حنفیہ کے نزدیک 'قذف کی حد' ہے۔ چنانچہ اس میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے بطور 'زجر' (سزا) سے مشروع کیا ہے۔ اور ساتھ ہی اس میں بندے کا حق بھی ہے۔ وہ اس پہلو سے کہ اس میں "مقذوف" سے زنا کی عار دفع ہوتی ہے۔

ابن الملک نے شرح المنار میں اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تعلق اور مشترکہ حق کے بارے میں یوں کہا ہے

> **"و لما كان حق الله تعالىٰ هوالمغلب فيه لذلک لا يجرى فيه ارث ولا اسقاط بعفو "**[1]

اور چونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا حق غالب ہے اس لیے اس میں نہ تو وراثت جاری ہوتی ہے اور نہ ہی مقذوف اسے معاف کر سکتا ہے اور یہ ساقط نہیں کی جاسکتی۔

حق مشترک کو جس میں بندے کا حق غالب ہوتا ہے۔ جب کہ اس میں "أمر ونھی" کا تقاضا پورا ہوتا ہو۔ حقوق کی اس قسم میں نجی پہلو اجتماعی پہلو کے مقابلے میں نمایاں اور فائق ہوتا ہے۔ حقوق کی اس قسم میں وہ حقوق آتے ہیں جنہیں انسان معاف کر سکتا ہے۔ (اس کی مثال قصاص ہے کیونکہ اس میں بندے کا حق غالب ہے۔ مجرم کا جرم اس کی ذات پر اثر انداز ہوتا ہے)۔

دین اسلام میں اللہ رب العزت نے انسان پر اپنے حقوق کے ساتھ ساتھ اپنے بندوں کے حقوق بھی متعین کیے ہیں کہ انسان اللہ کے حقوق کی ادائیگی کے وقت کوئی ایسا طریقہ اختیار کرے جس سے بندوں کے حقوق بھی متاثر نہ ہوں اور نہ ہی اپنے حقوق النفس کی تکمیل میں دوسرے انسانوں کے حقوق کو سلب کرے۔ ان کی جان ومال

---

[1]- حاشیہ علی شرح منار الانوار فی اصول الفقہ، شیخ یحیٰ الرھاوی المصری، المطبعۃ العثمانیہ، مصر، ۱۳۱۵ھ، ص:۸۸۶

اور عزت و آبرو کو نقصان پہنچائے۔ اسی لیے شریعت اسلامی میں چوری، لوٹ مار، رشوت، خیانت اور سود خوری کو حرام قرار دیا ہے۔ جھوٹ، غیبت، چغل خوری اور بہتان تراشی کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس میں ایک شخص کا فائدہ ہزاروں آدمیوں کے نقصان پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انسانی تمدن کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو نقصان نہ پہنچائے بلکہ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں میں باہمی تعلق اس طرح قائم کیے جائیں کہ وہ سب ایک دوسرے کی بہتری میں مددگار ثابت ہوں۔ زکوۃ، صدقہ اور قرض دینا، بھوکوں کو کھانا کھلانا، پیاسوں کو پانی پلانا اور کسی کے ساتھ معاہدہ کرنا۔

یہ سب حقوق العباد ہیں اور تمام حقوق العباد میں دراصل 'اللہ کا حق' بھی پایا جاتا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حقوق تو سارے اللہ ہی کے ہیں لیکن ان حقوق کے تمام فوائد بندوں ہی کو پہنچتے ہیں۔ بندہ حقوق اللہ ادا کرتا ہے تو اس کا تمام تر فائدہ خود اس کی ذات کو پہنچتا ہے کیونکہ اللہ اس سے بہت ہی بلند و بالا اور بے نیاز ہے کہ بندہ اسے کوئی فائدہ پہنچا سکے۔[۱]

اسی بات کے ثبوت میں قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے

﴿فَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ذَلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[۲]

ترجمہ: تو اہل قرابت اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق دیتے رہو جو لوگ اللہ کی رضاء کے طالب ہیں یہ اُن کے حق میں بہتر ہے اور یہی لوگ نجات حاصل کرنے والے ہیں۔

اسلام دین فطرت ہے، لہٰذا اس کی تعلیمات انسانی زندگی کے جملہ شعبوں پر حاوی ہے۔ بنیادی انسانی حقوق کے ضمن میں اسلام کی تعلیمات اس قدر واضح اور جامع ہیں کہ ان میں جان و مال، عزت و ناموس کی حفاظت، شخصی آزادی، ذاتی ملکیت کی حفاظت، عقیدے اور مسلک کی حفاظت، اور مساوات اور قیام عدل، سبھی کچھ آ جاتا ہے۔ بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کے مقابلے میں کسی دیگر مذہب یا معاشرتی و سیاسی نظام میں یہ خصوصیات نہیں پائی جاتی۔ دین اسلام اپنے معاشرتی نظام میں تعظیم و تکریم انسانیت کا درس دیتا ہے۔ اگر انسان اپنے مقام کو پہچانے اور اس پر قائم رہے تو اللہ کے بعد کائنات کی اعلیٰ ترین مخلوق ہے۔ قرآن کریم نے اور ارشادات رسول ﷺ نے مثبت انداز میں عظمت انسان کا تصور دیا ہے اور ایسے ارشادات موجود ہیں جن سے مقام انسانیت کا پتہ چلتا ہے۔ قرآن اور صاحب قرآن نے انسانی طرز عمل کے حوالے سے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نسل انسانی کو ایک مکمل نظام زندگی

---

[۱]- دینیات، سید ابو الاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۰، ص: ۱۵۴

[۲]- سورۃ الروم: ۳۰/۳۸

عطا کیا۔ یہ نظام ہماری اخلاقی تعلیم و تربیت، معاشرتی و سماجی زندگی، معاشی اقتصادی زندگی، سیاسی، انفرادی و اجتماعی زندگی کے دیگر پہلوؤں پر مشتمل ایک پورا نقشہ عطا کرتا ہے۔ جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کے ساتھ اعضائے جسمانی کی طرح ملا ہوا ہے۔ قرآن کریم کے عطا کردہ اس نظام کا ایک حصہ "انسانی حقوق کا چارٹر" ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے قرآنی تعلیمات پر مبنی یہ چارٹر اس وقت پیش کیا تھا جب نہ تو اقوام متحدہ کا وجود عمل میں آیا تھا، اور نہ انسان مادی ترقی کر کے اس معراج پر پہنچا تھا جہاں آج نظر آرہا ہے۔

# فصل دوم: حقوق کا آغاز وارتقاء

## مبحث اوّل: حقوق کا آغاز وارتقاء قبل از اسلام

## مبحث دوم: انسانی حقوق ظہور اسلام کے بعد

# مبحث اوّل: حقوق کا آغاز وارتقاء قبل از اسلام

ظہور اسلام سے قبل دُنیا کی تمام تہذیبوں پر مذہبی،اخلاقی، سیاسی اور اقتصادی زوال طاری تھا۔ان معاشروں میں عورت کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ صفی الرحمن مبارکپوری[۱] اسلام سے قبل عرب کے معاشرے کے بارے میں لکھتے ہیں

"اجتماعی حالت ضُعف و بے بصیرتی کی پستی میں گری ہوئی تھی، جہل اپنی طنابیں تانے ہوئے تھا اور خرافات کا دور دورہ تھا۔ لوگ جانوروں جیسی زندگی گزار رہے تھے۔ عورت بیچی اور خریدی جاتی تھی اور بعض اوقات اس سے مٹی اور پتھر جیسا سلوک کیا جاتا تھا۔ قوم کے باہمی تعلقات کمزور بلکہ ٹوٹے ہوئے تھے اور حکومتوں کے سارے عزائم اپنی رعایا سے خزانے بھرنے یا مخالفین پر فوج کشی کرنے تک محدود تھے"۔[۲]

دُنیا کے مختلف حصّوں اور ملکوں میں ایسی دینی غفلت و خود فراموشی،بے نظمی و انتشاراور اخلاقی تنزل اور زوال رونما تھا کہ یہ ممالک شر و فساد میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے تھے۔

فرانسیسی سرجن و ماہر بشیریات رابرٹ بریفلٹ( Robert Briffault)[۳] نے یورپی ممالک کے حالات کی تصویر کشی کچھ یوں کی

"From the fifth to the tenth centaury Europe lay sunk in a night of barbarism far more awful and horrible than that of the primitive savage, for it was the decomposing body of what had been a great civilization were all but completely, effected. Where its development had been fullest, in Italy and in Gaul, all was ruin, squalor, desolation."[4]

---

[۱]- صفی الرحمٰن مبارکپوری(۱۹۴۳-۲۰۰۶): بھارت کے صوبہ اتر پردیش، ضلع اعظم گڑھ کے علاقہ مبارکپور کے رہنے والے تھے۔ عربی واُردو زبان کے ماہر، مصنف تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے جن کی شہرہ آفاق کتابوں میں الرحیق المختوم ہے۔

[۲]-رحیق المختوم، صفی الرحمن مبارکپوری، المکتبہ السلفیہ،لاہور،۱۴۲۱ھ،ص:۶۸

[۳]-رابرٹ سٹیفن بریفلیٹ(Robert Stephen Briffault)(۱۸۷۶-۱۹۴۸): فرانسیسی سرجن تھا جس نے سماجی ماہر بشریات کے حیثیت سے شہرت پائی۔

[4]-Robert Briffault, *The Making of Humanity*, (London, G. Allen & Unwin, 1919), 164

ترجمہ: پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جارہی تھی اس دور کی وحشت وبربریت زمانہ قدیم کی وحشت وبربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی۔ وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گزشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا جیسے اٹلی، فرانس وغیرہ میں تباہی، طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔

اس حواس باختہ اور بے ہنگم معاشرے میں جمہوری شعور، انسانی حقوق اور کسی ضابطہ اخلاق کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ حقوق انسانی سے محروم اس معاشرے کی عکاسی قرآن نے یوں کی ہے۔

﴿وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ﴾[۱]

ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے، یہی ہماری دُنیا کی زندگی ہے۔ ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم کو مارتا ہے تو زمانہ مارتا ہے۔

انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین میں انسانی حقوق کی ترقی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قدیم معاشروں میں حقوق کا دارومدار قوت کے بل بوتے پر ہوتا تھا۔ طاقتور تمام حقوق سے استفادہ کرتے تھے اور کمزور کے حقوق سرے سے ہی مفقود تھے۔ کسی طرح کی شخصی اور غیر شخصی آزادیاں نہ تو ثابت تھی اور نہ معروف تھی بلکہ غلامی کا قانون طبعی جینز کی طرح رائج تھا۔ طبقاتی نظام معاشرے کی تعمیر کی بنیاد تھا۔ بڑے بڑے حقوق غصب کر لیے جاتے تھے اور قوم غلام تصور کی جاتی تھی۔ تہذیبی ترقی کے بعد نیا دور شروع ہوا اور اس نے چند ضروری قوانین مدوّن کیے۔

یہ قوانین بھی اصل میں ان سربرآوردہ اشخاص کی آراء کا چربہ تھے، جو اس دور کے مختصر حصہ میں منظر عام پر نمودار ہوئے۔[۲]

ان تاریخی ادوار میں حمورابی، صولون اور بارہ سلیٹوں کے قوانین ہیں۔ اور یہ سب کے سب بابل، یونان اور قدیم رُوم سے متعلق ہیں۔ چنانچہ بابل میں اٹھارویں صدی قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ حمورابی کا قانون ظاہر ہوا اور یہ قانون اس دور کے رائج تدوین کا دور ہے۔

---

[1]- سورۃ الجاثیہ: ۲۴/۵۴

[2]-Will Durant, Ariel Durant, *The Story of Civilization: Rousseau and Revolution,* (England: Simon & Schuster, 1967), 67

حمورابی:۔ حمورابی[1] نے 'حمورابی کا اُصول'(Code of Hamurabi) کے عنوان سے اٹھارویں صدی عیسوی میں کچھ قوانین مدوّن کیے۔ کوڈ آف حمورابی ۲۸۲ قوانین پر مشتمل تھا۔ یہ قوانین بابل کی زبان میں لکھے گئے تھے جن کو پڑھنا اور سمجھنا ہر شخص کے لیے آسان تھا۔[2]

یہ قوانین مندرجہ ذیل ہیں

۱۔ غلاموں کے حقوق

۲۔ بچوں کے حقوق

۳۔ عورتوں کے حقوق

۴۔ سزاؤں کا تصور

اس کے علاوہ یہ قوانین تجارتی معاملات، قرض، سٹّے وغیرہ کے متعلق ہی ہیں۔ ان میں بعض بنیادی حقوق کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ اس کے باقی قوانین کی نشاندہی اس کے "قانونِ قصاص" سے بھی ہوتی ہے۔ یعنی دانت کے بدلے دانت، آنکھ کے بدلے آنکھ اور مقروضوں، مجرموں کے معاملات میں سختی سے کام لیا گیا ہے۔[3]

مثلاً اس شخص کو پھانسی دے دی جائے جو کسی کو غلام بنائے یا کسی سے زنا کرے یا ڈاکہ ڈالے یا کسی کو جلائے۔ یہ تمام باتیں اس کے بنائے ہوئے قوانین میں ملتی ہیں۔ اگرچہ بعد میں بہت سی تبدیلیاں بھی ہوئیں اور ان تمام تبدیلیوں کے اشتراک سے "کوڈ آف حمورابی" دُنیا کے سامنے آیا۔

### ۲) سائرس: (Cyrus the Cylinder)

یونان میں چھٹی اور ساتویں صدی قبل مسیح میں سولون[4] کے قوانین متعارف تھے۔ آکیمینیڈ (Achaemenid) (قدیم فارس) کے باشادہ نے بابل فتح ہونے پر ۵۳۹ قبل مسیح انسانی حقوق کا پہلا منظور شدہ عبوری خاکہ جاری کیا اور اس کا نام (Cyrus the Cylinder) رکھا۔

---

۱۔ حمورابی (Hammurabi) (۱۷۹۲-۱۷۵۰ق م) : بابل کی اولین سلطنت کا چھٹا بادشاہ تھا۔

2-James, Henry Breasted, *Ancient Times: A History of the Early World,* (New York: Boston Publisher, 1914), 56

3-J. Dyneley Prince, "The Code of Hammurabi," *The American Journal of Theology* vol.8, The University of Chicago Press, (1901), 609

۴۔ صولُون (Solon) (۶۳۰-۵۶۰ق م): قدیم یونان کا سیاستدان، قانون ساز اور شاعر تھا۔ جس نے سیاسی، معاشی و اخلاقی قانون سازی کی کوشش کی۔

اس بادشاہ کا نام کوروش (Kourosh) [1] تھا جس نے "سائرس دی گریٹ" کے عنوان سے انسانی حقوق کے لیے قوانین کے اصول وضع کیے۔ سائرس دی سلنڈر کے درج ذیل قوانین تھے

۱۔ مکمل مذہبی آزادی

۲۔ غلامی کا خاتمہ

۳۔ جان و مال کا تحفظ

۴۔ آزادی رائے [۲]

اس نے اپنے قانون میں عورت کو اخلاقی حقوق دیئے، لوگوں کو غلام بنانے کی ممانعت کی۔ اس نے اپنی قوم کے چار قبائل کے منتخب کردہ چار حجروں پر مشتمل اسمبلی کی بنیاد رکھی اور اپنی حکومت کو مال دار طبقے پر منحصر کرنے کی غرض سے اس قوم کے افراد کو چار طبقات میں تقسیم کر دیا۔ اس طریقہ عمل سے پتہ چلتا ہے کہ وہ طبقاتی نظام پر یقین رکھتا تھا۔

## ۳) موریہ بادشاہت

اشوکا (Ashoka) [۳] قدیم ہندوستان کا بادشاہ تھا اور اس نے انسانی حقوق کے اصول "اشوکا دی گریٹ" وضع کیے۔ اس کے اصول درج ذیل ہیں

۱۔ عدم تشدد (Non Violence)

۲۔ رعایا کی خوشی (Happiness of Subject)

۳۔ جانداروں کو نقصان پہنچانے کا خاتمہ اور قیدیوں پر رحم

(Abolished of mutilation of animates, mercy to imprisoned)

۴۔ عام شہریوں کے لیے مفت تعلیم، رہائش اور صحت

---

[۱]- کوروش (Kourosh) (۶۰۰-۵۳۰ ق م) : قدیم فارس کا بادشاہ تھا جو سائرس دی گریٹ اور سائرس دی ایلڈر کے نام سے مشہور ہوا۔

[2]-Henry Robertson John Graham Memlls, *Human Rights in the World: An Introduction to the Study in the world, An Introduction to the Study of International Protection of Human Rights,* (England: Manchester University Press (1996), 31

[۳]- اشوکا (Ashoka) (304-232 BC): ہندوستان میں موریہ خاندان کا بادشاہ تھا۔

(Common citizen, free education, construction for free hospitals)[1]

بادشاہ نے اپنا مذہب تبدیل کر کے بدھ مت کے مذہب کو اپنا لیا، جس کی وجہ سے یہ "ظالم اشوکا" کے نام سے مشہور تھا مذہب کے تبدیل ہونے پر "The Pious Ashoka" یعنی "پارسا اشوکا" کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اشوکا کا پہلا اور بنیادی اصول "راہ امن" تھا اور اس کے لیے اس نے مندرجہ ذیل اصول وضع کیے۔

۱۔ تمام مذاہب کے لیے برداشت (Tolerance of All Sects)

۲۔ والدین کی اطاعت (Obedience to Parents)

۳۔ اُستاد کی عزت (Respect for Teacher)

۴۔ دوستوں کے ساتھ آزاد خیال (Liberal towards Friends)

۵۔ غلاموں کے ساتھ انسانی سلوک (Human Treatment of Sarvant)

۶۔ رحمدلی سب کے لیے (Generosity Towards All) [۲]

اشوکا میں جنگی قیدیوں کو قتل کرنے کی سختی سے مذمت کی گئی اور غلامی پر تنقید بھی اس کا حصہ تھی جب کہ روما کی صورت حال یہ تھی کہ اُس نے جمہوریت کے ابتدائی دور میں بارہ سلیٹوں کا قانون صادر کیا اور اس کا نفاذ اس شورش کے فوراً بعد ہوا جو پانچویں صدی قبل مسیح کے نصف میں عوام کی طرف سے سرمایہ دار طبقوں کے خلاف برپا ہوئی تھی۔ اُس میں وقت کی مروجہ رومی عادات جمع کی گئیں اور انہیں تانبے کی بارہ سلیٹوں پر منّقش کر دیا گیا تھا۔ یہ سلیٹیں بعد والے ہر رومن قانون کی بنیاد قرار دی گئی۔ کیونکہ ان قوانین میں رومی قوم کے امیروں اور فقیروں کے درمیان امتیازات ختم کر دیے گئے تھے اور مقدمات اور سزاؤں کے اپنے اُصول وضع کیے گئے، جو شدت اور سختی کے اعتبار سے ممتاز ہیں۔ قتل اور چوری کے جُرم میں ملوث چور کو پھانسی، باپ کا اپنی اولاد کو فروخت کرنا، قریبی رشتہ داروں میں عصبہ کو وارث ٹھہرانا اور ذوالارحام کو محروم کرنا وغیرہ وغیرہ قدیم معاشروں کے انسانی حقوق تھے۔[۳]

باقی رُومی یورپ کے وسطی دور میں انسان کی توقیر پامال کرنا بے رحم قوانین اور ظالمانہ دستور کے ذریعے اس کے حقوق غصب کرنا، کلیسائی لیڈروں اور بڑوں کو جاگیریں عطا کرنا اور دوسرے طبقوں کو غلام بنانا، انہیں وحشیانہ

---

1- Wikipedia, "*Bill of Right*," Wikimedia Foundation, November, 2017

2-Op Chauhan Lalit Dadwal, *Human Rights Promotion & Protection,* (London: Anmol Publications, 1997), 67.

۳- حقوق الانسان والتمیز العنصری، عبد العزیز الخیاط، دارالسلام، سعودی عرب، ۱۴۰۹ھ، ص:۸۶

سزائیں دینا، کلیسائی نظام کے مطابق مقدمہ پیش کرنا اور سزا دینا، خونریزی کرنا اور تفتیشی محکمے قائم کرنا اور اس طرح انسانوں کو تلف کرنے کے دیگر قوانین اُس دور کے نمایاں خدوخال تھے۔

## عرب قبل از اسلام

عرب کا معاشرہ جو جاہلیت اور عصبیت کی عملی تفسیر تھا۔ مختلف طبقات اور الگ الگ حیثیت کے خاندانوں اور گھرانوں پر مشتمل تھا۔ نسلی تفاخر اور برتری کا احساس اس معاشرے کا اساسی رویہ تھا۔ ایک طبقہ آقاؤں، ظالموں اور جابروں کا تھا، تو دوسرا طبقہ کمزور و نحیف اور مظلوموں کا تھا۔ طبقاتی کشمکش اپنے عروج پر تھی، امن وامان نام کی کسی چیز کا وجود تک نہ تھا۔ ہر کسی کی مرضی و خواہش ہی قانون کا درجہ رکھتی تھی۔ پورا معاشرہ بدامنی، خوف وہراس اور ناحق قتل وغارت گری کی آگ میں جل رہا تھا۔ بدی غالب تھی جب کہ نیکی مغلوب اور شرافت بزدلی کے مترادف میں شامل تھی۔ عورت کو معاشرے میں کوئی مقام حاصل نہ تھا، اسے وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا بلکہ باپ کے مر جانے کے بعد اس کی سب بیویاں سوائے حقیقی ماں کے سب بیٹے کے تصرف میں آجاتی تھی۔ اسی طرح دو حقیقی بہنوں کو ایک نکاح میں رکھنا جائز تھا۔ طلاق دینے میں کوئی پابندی نہ تھی، بات بات پر طلاق دیتے۔

عورت بیوہ ہونے کی صورت میں ایک سال تک گھر سے باہر تنگ کال کوٹھڑی میں قید بامشقت کی زندگی گزارتی اور حق مہر بھی عورت کے باپ کو ملتا، عورت کا اس سے کوئی تعلق نہ ہوتا۔ [۱]

عورت کو مجموعی طور پر بدترین مخلوق سمجھا جاتا اور نوبت یہاں تک آپہنچی کہ اگر لڑکی پیدا ہوتی تو شرم کے مارے لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے اور لڑکی کو زندہ درگور کر دیتے۔ قرآن حکیم نے ان کی اس حالت کو اس طرح بیان فرمایا ہے

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ يَتَوَارَى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَى هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي﴾ [۲]

ترجمہ: اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت ملتی تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا اور وہ غصہ پی کر رہ جاتا ہے۔ اور اس خبر پر کہ اس کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ وہ اپنی قوم کے لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا اور سوچتا کہ آیا اسے ذلت کے ساتھ لیے رہے یا مٹی میں دبادے۔

---

۱۔ سنن ابو داؤد، ابو داؤد سلیمان بن الاشعث بن إسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الازدی، المکتبة العصریة، بیروت، كِتَاب الطَّلَاقِ، بَابُ إِحْدَادِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا، حدیث:۲۲۹۹، ص:۲/۲۹۰

۲۔ سورۃ النحل:۱۶/۵۸،۵۷

عربوں کی اخلاقی حالت پستی وزوال کی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ معمولی معمولی سی بات پر لڑنا ایک دوسرے کو قتل کر دینا انکے لیے کوئی بُری بات نہیں تھی۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلے سے بر سرِ پیکار تھا، برسوں تک ان کی لڑائیاں چلتی رہتیں۔ یہاں تک کہ ہر بچہ اپنے باپ اور عزیزوں کے قاتل سے انتقام لینے کے جذبے میں پرورش پاتا تھا کہ جواں ہو کر اپنے جذبہ انتقام کی آگ کو سرد کرنے کو ہی اپنا مقصدِ اوّلین بنالیتا تھا۔

جنگ وجدل کے اس ماحول میں لڑنا اور مر جانا ہی شرف سمجھا جاتا تھا۔ گناہوں کی اس دلدل میں ڈوبے معاشرے میں مالک و مملوک کا تعلق انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں پر مبنی تھا۔ جانوروں کی طرح غلاموں کی خرید و فروخت کی جاتی، ان کی منڈیاں لگتیں، ان سے قبیح گھناؤنے جرائم کرائے جاتے تھے۔ عریانی و فحاشی نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ان میں حیوانی اور انسانی جانوں کا احترام بالکل ختم ہو چکا تھا۔ حرام و حلال کی کوئی تمیز نہ تھی۔ زندہ جانوں کے حصے کاٹ کر کھالیے جاتے تھے، نجس جانوروں کا گوشت کھانے میں عار محسوس نہ کرتے تھے اور درندوں کے نوچے ہوئے جانوروں کو بھی کھانے میں عار محسوس نہ کرتے تھے۔ عریانی و بے حیائی، زناکاری جیسے جرائم عام تھے۔ مادر زاد ننگے خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے اور کُھلے میدانوں میں نہاتے حتیٰ کہ بھری محفل میں ازراہِ مذاق ستر کھول دیتے۔ (۱)

عرب لوگ انتہائی سنگ دل اور ظالم تھے۔ جانوروں کو درختوں سے باندھ کے تیر اندازی کی مشق کرتے، حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر دیتے تھے۔ قرآن حکیم کی آیات سے واضع ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عورت کا مرتبہ ناپسندیدہ تھا۔ وہ مظلوم اور ستائی ہوئی تھی اور ہر قسم کی بڑائی اور فضیلت صرف مردوں کے لیے تھی۔ اس میں عورتوں کا حصہ نہ تھا۔ حتیٰ کہ عام معاملات زندگی میں بھی مرد اچھی چیزیں خود رکھ لیتے اور بے کار چیزیں عورتوں کو دیتے۔ اہل عرب کے اس طرز عمل کو قرآن نے یوں بیان کیا۔

﴿وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَى أَزْوَاجِنَا وَإِنْ يَكُنْ مَيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾ (۲)

ترجمہ: اور وہ کہتے ہیں کہ جو ان جانوروں کے پیٹ میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے۔ ہماری عورتوں پر حرام ہے، اور اگر (پیدا ہونے والا) جانور مرا ہوا ہو، تو وہ سب اس میں شریک ہونگے۔ عنقریب خدا ان کو ان کی من گھڑت باتوں کی سزا دے گا۔ بیشک وہ حکمت والا خوب جاننے والا ہے۔

---

۱۔ مجمع البیان فی تفسیر القرآن، فضل بن حسن الطبرسی، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۹۸۶، ص: ۱۰/ ۵۳۴

۲۔ سورۃ الانعام: ۴/ ۱۳۹

ابو جعفر طبری نے اس آیت کی تفسیر میں سدی سے نقل کیا ہے۔

" فَهَذِهِ الْأَنْعَامُ مَا وُلِدَ مِنْهَا مِنْ حَيٍّ فَهُوَ خَالِصٌ لِلرِّجَالِ دُونَ النِّسَاءِ، وَأَمَّا مَا وُلِدَ مِنْ مَيِّتٍ فَيَأْكُلُهُ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ"[۱]

ترجمہ: ان جانوروں سے زندہ پیدا ہونے والا بچہ خالص ان کے مردوں کے لیے ہوتا اور عورتوں کے کھانے کے لیے حرام ہوتا، اور مردہ پیدا ہونے والے بچے کو مرد اور عورت سب مل کر کھاتے۔(اس طرح وہ مردوں کو ترجیح دیا کرتے تھے)۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اہل عرب مردوں کے لیے خاص چیز دودھ ہے، جو ان کی عورتوں کے لیے حرام تھا اور مرد ہی اسے پیا کرتے تھے۔ اسی طرح جب کوئی بکری نر بچہ جنتی تو وہ ان کے مرُدوں کا ہوتا اور اگر بکری پیدا ہوتی تو وہ اسے ذبح نہ کرتے، یونہی چھوڑ دیتے تھے۔ اور اگر مُردہ جانور ہوتا تو سب شریک ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسا کرنے منع فرمادیا۔[۲]

قبل از اسلام اخلاقی اقدار کے انحطاط کا یہ عالم تھا کہ لوگ زمانہ جاہلیت میں زنا کا اقرار بھی کیا کرتے تھے۔ اور عربی معاشرے میں یہ بڑے پیمانے پر عام تھا۔ مگر اسلام نے اس کی ممانعت فرمائی۔

﴿وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾[۳]

ترجمہ: اور اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو (خصوصاً) جب وہ پاک دامن رہنا چاہیں، کہ تم دُنیاوی زندگی کا سامان کماؤ۔

اسی طرح زمانہ جاہلیت میں بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہ تھی۔ اور ایک سے زائد شادیاں کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، کہ جب کوئی شخص مر جاتا اور اس کی کوئی باندی ہوتی تو اس کا کوئی دوست اس باندی پر کپڑا ڈال دیتا، اب کوئی دوسرا شخص اس باندی پر دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ شخص اس باندی سے اگر خوبصورت ہوتی تو شادی کر لیتا اور اگر بدہیت ہوتی تو اسے اپنے پاس تاحیات روکے رکھتا۔[۴]

---

[۱] - جامع البیان عن تأویل آي القرآن، ۵۸۵، محمد بن جریر بن یزید کثیر بن غالب الآملی، ابو جعفر الطبری، دار ہجر، بیروت، ۱۴۲۲ ھ، ص: ۹/ ۵۸۵

[۲] - جامع الاحکام القرآن، ابو عبداللہ قرطبی، ص: ۲/ ۳۳۸

[۳] - سورۃ النور: ۲۴/ ۳۳

[۴] - تفسیر القرآن العظیم، اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی ابو الفداء عماد الدین، دار طیبۃ، بیروت، ۱۴۲۰ھ، ص: ۱/ ۴۶۵

زمانہ جاہلیت کی عورت کا یہ حال تھا۔اس معاشرے میں گنتی کی چند عورتیں ہی ایسی تھی۔ جنہیں مالک بننے کا حق ملا اور وہ جائیداد کی مالک تھیں۔ حضور اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہؓ یہ اپنی تجارت کی بھی مالک تھیں۔ لیکن یہ ایک انفرادی واقعہ ہے۔ جب کہ من حیث المجموع جاہلیت کے معاشرے میں عورت کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ (۱)

---

۱- اُردو دائرہ المعارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، پنجاب یونیورسٹی لاہور، بار دوم، جنوری ۲۰۰۳ء، ص:۶/ ۲۵۰

# مبحث دوم: انسانی حقوق ظہور اسلام کے بعد

اسلام نے چودہ صدیوں سے زائد عرصہ قبل انسانی حقوق متعین کیے، جس دور میں کائنات جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی، اس پر بے رحم طاقت کی حکمرانی تھی اور اس میں حق وانصاف نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ اُس دور میں اسلام آیا تاکہ وہ انسان کے مسائل کو منظم کرے اور اس کے اپنے رب اور برادری کے ساتھ تعلقات روشناس کرائے، اس کے سیاسی، اقتصادی، ثقافتی اور شہری حقوق کے خاص اُصول مقرر کرے۔

چنانچہ اسلام نے انسان کے لیے ایسے حقوق متعین کیے کہ بیسوی صدی کے جدید قوانین یا ان کی گرد بھی اس تک نہ پہنچ سکے اور انسان کی عزت و آبرو اور اس کے حقوق کی حفاظت کے لیے اسلام کے متعین کردہ اُصول اپنی صفائی اور حُسن کے اعتبار سے ان اُصولوں سے کہیں زیادہ خوبصورت اور پائیدار ہیں۔ جنہیں انسان نے خود وضع کیا ہے۔ ترقی یافتہ دور نے ان تک رسائی حاصل کی ہے کہ اگر کوئی انسان انسانی عقل کے دریافت شدہ یا انسانی قوانین کے مختلف درآمد کردہ حقوق اور اسلام کے عطا کردہ حقوق کے درمیان موازنہ کرے تو اسے اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ اسلام کے انسانی حقوق کہیں زیادہ منصفانہ اور برحق ہیں۔ اس نے انسان کی شخصیت اور اس کی آبرو کی حفاظت کرنے کے لیے ایسے شاندار قوانین وضع کیے ہیں کہ دیگر قوانین اس کے مقابلے میں مچھر کے پر کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔

تاریخی اعتبار سے اسلامی تاریخ کے ادوار میں دور اول جو حضورؐ اور خلفائے راشدین کے دور (۶۲۲ء سے ۶۶۱ء تک) پر مشتمل ہے، اس پورے دور کو اس وجہ سے خلافتِ راشدہ کہا جاتا ہے کہ اس میں حکمرانوں کا تقرر عوام کی رائے سے ہوتا تھا، حکمران اپنے آپ کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے، ان کی ذاتی زندگی صداقت وامانت اور اخلاقِ عالیہ کا مظہر تھی، اور عوام کو انصاف دلانا مملکت کا فرضِ اولین سمجھا جاتا تھا۔ دور دوم (سیاسی بالادستی کا دور) خلفائے راشدین کے بعد ۱۴۴۰ء تک کے دور میں اُموی، عباسیہ اور عثمانیہ خلافت کے ادوار آتے ہیں۔ اگرچہ ان ادوار میں مسلمان ایک جھنڈے تلے جمع نہ ہو سکے، حکومتوں کے لیے شورش رہی اور زیادہ تر جنگوں کا ماحول رہا۔ مگر زمانہ امن میں تمام انسانوں کو حقوق میسر تھے۔ جوں جوں مسلمانوں نے اللہ کے احکامات سے رُوگردانی کی وہ تقسیم اور مفتوح ہوتے گئے اور زوال کا شکار ہوئے۔ انسانی حقوق کے حوالے سے ان ادوار کا انتہائی مختصر جائزہ پیش بذیل پیش گیا ہے۔

## خلافت کے ادوار کا مختصر تاریخی جائزہ

### اموی خلافت (بنو امیہ ۶۶۱۔۷۵۰)

حکومت بنیادی طور پر خالص عرب حکومت تھی۔ اس لیے اس دور میں لوگوں کی معاشرتی زندگی میں عرب عنصر غالب تھا۔ غیر عرب عوام عربی تہذیب و ثقافت کو اپنا رہے تھے اور عجمی عوام میں اس عربیت کے خلاف رد عمل بھی موجود تھا۔[۱]

اگر چہ عام عرب حکمران طبقہ کے برابر تو نہ تھے لیکن دوسرے مسلمانوں سے بلند نہ سمجھے جاتے تھے اموی حکومت میں عربوں کو ہر معاملے میں عجمیوں پر ترجیح دی جاتی تھی۔

تاریخ اسلام کے مصنف کہتے ہیں

"آزاد کردہ غلام عرب قبائل کے ساتھ منسلک ہو کر "موالی" کہلاتے۔ لیکن مسلمان ہونے کے باوجود عربوں کے مساوی درجہ کے مستحق نہیں تھے۔ ذمی وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا لیکن جزیہ دینا منظور کیا اور مسلمان حکومت نے ان کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کی۔ اموی دور میں ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک بر قرار رکھا گیا۔ اس دور میں غلاموں کی ایک تعداد موجود تھی جو امرا کے گھروں میں کام کاج کرتی۔ تاہم غلاموں سے حسن سلوک کے احکام پر عمل کیا جاتا"۔[۲]

اُموی معاشرہ میں عورت کو نہایت اعلیٰ اور اونچا مقام حاصل تھا۔ دنیا کی دیگر متمدن قوموں کے مقابلہ میں انھیں بہت زیادہ آزادی حاصل تھی۔ وہ معاشرہ میں قدرو منزلت اور عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ تعملی سرگرمیوں میں وہ سرگرم حصہ لیتی تھیں۔ خلفائے بنو امیہ کے آخری دور میں جب غلام کنیزوں کا حرام سرا میں دخل ہوا تو حکمران طبقہ اخلاقی تنزل کا شکار ہوا چنانچہ جب عورت اور عیاشی ان متاخر خلفاء کے کردار پر چھا گئیں تو ان کا نام و نشان تک مٹ گیا۔[۳]

### خلافت عباسیہ (بنو عباس ۷۵۰-۱۵۱۷)

۷۵۰ء سے لے کر ۱۴۴۰ء کے درمیان میں مسلمان حکومتیں ہر اعتبار سے دوسروں کی نسبت ترقی یافتہ تھیں۔ مسلمانوں کے پاس بہترین زمینیں موجود تھیں۔ تعلیم، انصاف، اور اسلحہ کی صنعت میں مسلمان دوسروں سے

---

۱۔ تاریخ اسلام، شاہ معین الدین ندوی، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۳، ص: ۲/ ۳۵۶

۲۔ فتوح البلدان، احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد البلاذری، دار و مکتبۃ الھلال، بیروت، ۱۹۸۸ء ص: ۶۶۸

۳۔ فتوح البلدان، احمد بن یحییٰ بلاذری، ص: ۲۳۳

آ گے تھے۔ عہدِ عباسی میں خلافت کا طریقہ موروثی تھا۔ خلیفہ اپنی زندگی ہی میں اپنے کسی بیٹے یا رشتہ دار کو اپنے بعد خلافت کے لیے نامزد کر دیتا تھا۔ امورِ مملکت چلانے کے لیے مختلف عہدے اور ذمہ داریاں تقسیم تھیں، لیکن خلیفہ کو فیصلہ کن حیثیت حاصل تھی۔

اس ضمن میں تاریخ ابن خلدون میں لکھا ہے

"مسلمانوں سے زکوٰۃ و عشر، دشمنوں سے خراج اور تاوانِ جنگ اور غیر مسلم رعایا سے جزیہ کے علاوہ زمین کی مال گزاری اور اموالِ تجارت پر ٹیکس وصول کئے جاتے تھے۔ محکمہ عدل و قضا کے تحت قاضی مسلمانوں کے مقدمات کا تصفیہ کرتے تھے مسلمانوں کی سماجی زندگی ایرانی تہذیب و معاشرت کے رنگ میں رنگ گئی تھی۔ طرزِ رہائش، لباس، ماکولات و مشروبات اور وسائلِ تفریح وغیرہ پر اس کا اثر پڑا تھا۔ غلام اور لونڈیوں کی تجارت عام ہو گئی تھی۔ اس کا اثر سیاسی اور سماجی زندگی کے علاوہ ادب پر بھی پڑا تھا"۔ [1]

عورتوں میں پردے کا رواج تھا اور انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اونچے طبقے کی خواتین امورِ سلطنت میں دخیل ہوتی تھیں۔ البتہ خلافتِ عباسیہ کے عہدِ زوال میں عورتوں کا مرتبہ گر گیا تھا۔ [2]

**خلافت عثمانیہ (۱۵۱۷ء - ۱۹۲۴ء)**

تاریخی اعتبار سے خلافت عثمانیہ کے دور میں سماج نسلی بنیاد پر دو گروہوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ ایک گروہ عربوں کا تھا اور دوسرا ایرانیوں اور غیر عربوں کا۔ ان کے درمیان کش مکش کے نتیجے میں ایک تحریک برپا ہوئی جسے 'شعوبیت' [3]۔ کا نام دیا گیا۔ شعوبیت کے علم بردار اس بات کے قائل تھے کہ عرب کسی معاملے میں غیر عربوں سے افضل نہیں تھے۔ [4]

---

[1]۔ تاریخ ابن خلدون، عبد الرحمن ابن خلدون، (مترجم) حکیم احمد حسین الہ آبادی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۲۰۰۳ء، ص: ۱/ ۳۱۲

[2]۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، ثروت صولت، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴، ص: ۱۴۶

[3]۔ شعوبیت کے علم برداروں نے اپنے دعویٰ کی دلیل اسلامی تعلیمات کو بنایا اور کہا کہ اسلام نسلی اعتبار سے کسی قوم کو دوسری قوم سے افضل قرار نہیں دیتا، بلکہ جزا و سزا کو اعمال پر مبنی قرار دیتا ہے۔ پھر انہوں نے عربوں کو حقیر قرار دینا شروع کیا اور دوسری قوموں کو ان سے افضل قرار دینے لگے۔

[4]۔ فتوح البلدان، احمد بن یحییٰ بلاذری، ص: ۶۶۸

ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ کے مصنف لکھتے ہیں

"حکومت صرف لائحہ عمل مرتب کر دیتی جس کے تحت مختلف گروہ مسیحی، یہودی، عرب، ترک، بربر، تاجر، علما، صوفیا اور تجارتی تنظیمیں امن و امان کے ساتھ رہتے۔ ہر کوئی اپنا اپنا کردار ادا کرتا اور اپنے عقائد اور رسوم و روایات پر عمل کرتا۔ اہم بات یہ تھی کہ عثمانی رعایا ایک شرعی ریاست سے تعلق رکھنے پر فخر محسوس کرتی۔ (۱)

مطالعہِ تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک سلطنت ٹوٹتی اور اس کے بطن سے بہت سی دوسری حکومتیں وجود میں آتیں، یہ ایک تکلیف دہ اور ہنگامہ خیز دور ہوتا۔ گویا ان چار سو برسوں میں مسلمانوں کی مختلف حکومتیں آپس میں لڑتی بھڑتی رہیں۔ وقتاً فوقتاً بہت سے اچھے حکمران بھی گزرے، لیکن ایک بڑی اکثریت ایسے حکمرانوں کی تھی جن کا مقصدِ اولین اپنی سلطنت کو بچانا اور اس کی توسیع تھی۔ تاہم ان سلطنتوں کی وجہ سے اسلام بھی پھیلتا رہا، کیونکہ جو علاقہ فتح ہو جاتا تھا وہاں علماء اور تاجروں کی وجہ سے اسلام کی روشنی پہنچ جاتی تھی۔

اس سلسلے میں شیخ محمد الغزالی فرماتے ہیں کہ

"انسانی دُنیا نے بَشری حسن کی تکریم کے لیے جو آخری اصول و قواعد اور ضمانتیں مرتب کی ہیں وہ اسلام کی ابتدائی تعلیمات ہیں۔ انسانی حقوق کے متعلق اقوام متحدہ کا عالمی اعلان ان گراں قدر وصیتوں کی صدائے بازگشت ہے جو مسلمانوں نے انسان کبیر خاتم الرسول والانبیاء حضرت محمد ﷺ بن عبد اللہ سے اخذ کی ہیں"۔ (۲)

قرآن مجید کی آیات اور سنت رسول ﷺ کی روایات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کا تصورِ مساوات کیا ہے؟ اور اس کے مطابق خود پیغمبر اسلام ﷺ نے بے نظیر نمونہ عمل پیش کیا۔ ۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع کے تاریخی موقع پر جب پورا عرب یا تو اسلام کا حلقہ بگوش ہو چکا تھا یا اس کے زیر نگیں تھا۔

---

۱۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، ثروت صولت، ص: ۲/ ۷/ ۱۴

۲۔ حقوق الانسان بین تعالیم الاسلام واعلان الامم المتحدہ، محمد الغزالی، دار الکتب الاسلامیہ، قاہرہ ۱۹۴۸ء، ص: ۹۸

خیر البشر ﷺ اور ختم النبین حضرت محمد ﷺ نے مساوات انسانی کا یہ آخری منشور اپنے آفاقی خطبے میں پیش کیا۔

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى))[1]

ترجمہ: اے لوگو تمہارا رب ایک ہے۔ اور تمہارا باپ بھی ایک ہے کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور نہ کسی سرخ کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے سوائے تقویٰ کے

ساتویں صدی عیسوی کا یہ اسلامی منشور اکیسویں صدی اور قیامت تک کے لیے مساوات کا مثالی نصب العین ہے۔ جس پر کوئی اضافہ دُنیا کا کوئی دوسرا منشورِ مساوات نہ قبول کر سکا اور نہ آئندہ کر سکے گا۔

علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں اسلامی منشور مساوات کی ترجمانی اس طرح کی۔

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدت آدم
تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملت آدم
مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام
جمیعت اقوام کہ جمیعت آدم[2]

یہ بیسویں صدی کی پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴-۱۸) کے بعد قائم ہونے والی مجلس اقوام پر تبصرہ ہے۔ جس کا مرکز جنیوا تھا اور اقبال کی وفات کے بعد دوسری جنگ عظیم کے بعد نیویارک میں قائم ہونے والی اقوام متحدہ پر یہی تبصرہ صادق آتا ہے۔ لہٰذا انسانی مساوات کے تمام تصورات کا منبع اور مرجع اسلام ہی ہے، اس سلسلے میں زمان و مکان کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

زمانہ ایک، حیات بھی ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصہ جدید و قدیم[1]

---

[1] ۔مسند احمد، امام احمد بن حنبل، حدیث: ۳۵۳۶، ص: ۵/ ۴۱۱

[2] ۔ ضرب کلیم، اقبال، مطبع غلام علی پبلیشرز، لاہور، اگست ۱۹۴۷، ص: ۵۷

اسلام نے حقوق انسانی کا جو تصور پیش کیا ہے وہ مغربی تصور سے زیادہ جامع ہے اور اس سے زیادہ قدیم بھی۔ خطبہ حجۃ الوداع ایک تاریخی دستاویز ہے، انسانیت کے اس منشور اعظم اور انسان کے بنیادی حقوق کے اس اولین چارٹر سے ایسے نکات ملتے ہیں کہ انسان عالمی سطح پر مقام امن حاصل کر سکتا ہے۔ ان پر عمل پیرا ہونے سے اللہ رب العزت نے انسان کو عزت و تکریم سے نوازا اور پھر کائنات کی تمام چیزوں کو ان کی خدمت میں لگا دیا۔[۱]

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا﴾[۲]

ترجمہ: یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم سے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی و تری میں سواریاں عطاء کی۔ اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا، اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت دی۔

دوسری جگہ اولاد آدم میں ہر طرح کی تفریق اور اونچ نیچ کو ختم کیا اور فرمایا یہ کسی بھی نسل سے ہو کسی بھی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں، کوئی بھی زبان بولتے ہوں، مگر یہ تمام چیزیں ان میں وجہ فضیلت نہیں بن سکتی اگر وجہ فضیلت بن سکتی ہے، تو وہ ان کا تقویٰ ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾[۳]

ترجمہ: لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادی تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔

مندرجہ بالا آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کا تصورِ انسانی حقوق بہت نمایاں اور ممتاز ہے۔ سابقہ ادوار میں انسانیت کے لیے جو قوانین و ضوابط بنائے گئے وہ مخصوص قبائل اور اقوام تک محدود تھے جب کہ اسلام کا انسانی حقوق کا "چارٹر" ابدی اور عالمگیر ہے۔

---

۱۔ ضرب کلیم، اقبال، ص:۲۶

۲۔ سورۃ بنی اسرائیل:۱۷/ ۷۰

۳۔ سورۃ الحجرات:۴۹/ ۱۳

## مغرب میں حقوقِ انسانی کا ارتقاء

اہل مغرب بنیادی انسانی حقوق کے تصور کی ارتقائی تاریخ کا آغاز پانچویں صدی قبل مسیح کے یونان سے کرتے ہیں اور پھر پانچویں صدی عیسوی کے زوال پذیر روم سے اپنی سیاسی فکر کا ناطہ جوڑتے ہوئے وہ ایک ہی جست میں گیارویں صدی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ چھٹی سے دسویں عیسویں تک کا پانچ سو سالہ طویل عہد ان کی مرتب کردہ تاریخ سے غائب ہے۔ آخر کیوں؟ شاید اس لیے کہ وہ اسلام کا عہد ہے[۱]

اسی طرح یونان میں انسانی حقوق کے حوالے سے کوئی تصور نہیں ملتا۔ وہ ہندوستان میں طبقاتی تقسیم کی طرح مختلف طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

افلاطون (Plato)[۲] نے اپنی کتاب "Republic" (جمہوریہ) میں حکمرانی کا حق صرف فلسفیوں کو دیتا ہے۔ بقیہ افراد معاشرہ کو فوجیوں، کاشتکاروں اور غلاموں میں تقسیم کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"شہریو! تم آپس میں بھائی بھائی ضرور ہو، مگر خدا نے تمہیں مختلف حالتوں میں پیدا کیا ہے۔ تم میں سے کچھ میں حکمرانی کی صلاحیت ہے۔ اور انہیں خدا نے سونے سے بنایا ہے۔ کچھ چاندی سے بنائے گئے ہیں اور جو ان کے معاونین ہیں پھر کاشتکار اور دستکار ہیں، جنہیں اس نے پیتل اور لوہے سے بنایا ہے"۔[۳]

یونان میں غریب لوگوں کو امیر لوگوں کا پیدائشی غلام سمجھا جاتا تھا۔ ارسطو (Aristotle)[۴] کہتا ہے

"غریب لوگ امیروں کے پیدائشی غلام ہیں۔ وہ بھی، ان کی بیویاں بھی اور ان کے بچے بھی"۔[۵]

اسی طرح یونان میں عدل و انصاف کا تصور بھی بنیادی انسانی حقوق کے برعکس تھا۔ افلاطون تصور انصاف کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔ "میں علی اعلان کہتا ہوں کہ انصاف طاقتور کے مفاد کے سوا کچھ نہیں، دُنیا میں ہر جگہ انصاف کا ایک ہی اصول ہے اور وہ ہے طاقتور کا مفاد۔[۶]

---

[۱]- بنیادی حقوق، محمد صلاح الدین، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۸ء ص: ۳۷

[۲]- افلاطون (Plato) (۴۲۷ ء پیدائش): یونانی فلاسفر، یونان میں اعلیٰ تعلیمی ادارے کا بانی تھا۔

[3]-Morris Stockhammer, "Public, n.," *in Plato Dictionary*, Philosophical Library, (New York, 1963), 32

[۴]- ارسطو (Aristotle) (384-322BC): قدیم یونانی فلاسفر اور سائنسدان تھا۔

[5]-Morris Stockhammer, *Plato Dictionary*, 141.

[6]-Morris Stockhammer, *Plato Dictionary*, 142.

یونان میں غلاموں کی حیثیت حیوانِ ناطق جیسی تھی۔ان کا شمار انسانوں میں نہیں تھا۔وہ تمام حقوق سے محروم تھے اور ان کا کام صرف اپنے آقاؤں کی خدمت و چاکری کرنا تھا۔لہٰذا ثابت ہوا کہ مغرب میں حقوق انسانی کی جدوجہد کا آغاز گیارہویں صدی کے دوران برطانیہ میں اُس وقت ہوا جب شاہ کانریڈ ثانی (Conrad II)[۱] نے ۱۰۳۷ء میں ایک منشور جاری کر کے پارلیمنٹ کے اختیارات متعین کیے۔اس منشور کے اجرا کے بعد پارلیمنٹ نے اپنے اختیارات میں وسعت کی کوششیں شروع کر دیں۔ شاہ الفانسو نہم(Alfanso IX)[۲] نے ۱۱۸۸ء میں حبس بے جاء کا اُصول تسلیم کروالیا۔[۳]

برطانیہ میں انسانی حقوق کی تاریخ ساز دستاویز "میگنا کارٹا" ہے جسے منشورآزادی قرار دیا گیا۔یہ منشور ۱۵ جون ۱۲۱۵ء کو جاری ہوا۔جب اس کا اجراء ہوا تو یہ محض اُمراء(Barons) اور بادشاہ جان لیکلینڈ (John Lackland)[۴] کے درمیان ایک معاہدہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اُمراء کے مفادات کے تحفظ کے علاوہ اس میں عوام کے حقوق کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔[۵]

اگرچہ بادشاہ جان لیکلینڈ ایک طاقتور بادشاہ تھا مگر اُمراء کی بغاوت نے اسے ان سے معاہدے پر مجبور کیا۔ (کنگ جان: انگلینڈ میگنا کارٹا اینڈ میکینگ آف ٹائرینٹ) میں میگنا کارٹا کی تفصیل یوں درج ہے

> "بادشاہ جان نہایت ظالم وجابر حکمران تھا۔ اسی لیے تاریخ میں اسے "وحشی جان" (John The Tyrant) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اُمراء کے دباؤ کے تحت اس نے ۱۵ جون ۱۲۱۵ء کو اس منشور پر دستخط کر دیے۔جو تاریخ میں "منشورِ اعظم" کے نام سے مشہور ہے اور جسے انگلستان کے دستوری ارتقاء میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔اس منشور میں حکمرانی کے بُنیادی اور مُسلّمہ اُصولوں کو

---

۱-شاہ کانریڈ ثانی Conrad the Elder (Conrad II) (۹۹۰-۱۰۳۹):رومی سلطنت کا بادشاہ جس نے ۱۰۲۷ سے ۱۰۳۹ تک حکمرانی کی۔

۲-الفانسو نہم(Alfanso IX)(۱۱۷۱-۱۲۳۰): فرانس کے شہر لیون اور گلیشیا کا بادشاہ تھا۔

3-*Encyclopædia Britannica* (11th ed), "Alfanso IX, n.,"Cambridge University Press,735

۴-جان لیکلینڈ(John Lackland) (۱۱۶۶-۱۲۱۶): ۱۱۹۹ سے ۱۲۱۶ تک برطانیہ کا بادشاہ رہا۔

5-Linebaugh, Peter, *The Magna Carta Manifesto,* (USA: University of California Press, 2009), 44

بیان کیا گیا ہے۔ یہ منشور انگلستان کی عوام کی آزادی کا پروانہ تھا اور انگلستان کی جمہوریت کے لیے بنیادی حیثیت کا حامل تھا۔(۱)

چنانچہ ۱۲۱۵ء میں جب انگلستان کی پارلیمنٹ رسمی طور پر معرض وجود میں آئی تو اس منشور کی بُنیاد پر دستوری قانون منظور ہوا جسے "Status of West Minister" (مغربی وزیر کی حیثیت) کہا جاتا ہے۔(۲)

یہ انگلستان کے اُمراء کی اس مجلس اعلیٰ کی ترقی یافتہ شکل تھی جو عقلمندوں کی مجلس کہلاتی ہے۔ پارلیمنٹ کے وجود میں آنے سے پہلے بادشاہ پر اس کے مشورے پر عمل کرنے کی پابندی لازمی تھی۔ جس پر "منشور اعظم" کے ذریعے تصدیق کر دی گئی۔ سترہویں صدی میں انسانی حقوق کے سلسلہ میں فطری حقوق کا نظریہ پوری قوت سے اُبھرا۔ ۱۶۷۹ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے حبس بے جاء کا قانون منظور کیا۔

۱۶۸۹ء میں پارلیمنٹ نے برطانیہ کی دستوری تاریخ کی اہم ترین دستاویز قانونِ حقوق (Bill of Rights) منظور کی۔ اس بل کو برطانیہ میں تحریک آزادی کی تکمیل کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے حقوق انسانی کا واضع تعین کیا گیا۔(۳)

## میگنا کارٹا ۱۲۱۵ء (Magna Carta)

نارمنز (Normans)(۴) نے ۱۰۶۶ء میں انگلستان فتح کیا اور بارہویں صدی میں بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ ۱۱۹۹ء میں انگلستان کا بادشاہ سب سے زیادہ طاقتور اور با اثر رہا لیکن تیرہویں صدی میں بادشاہ جان لیکلینڈ (John Lackland) بادشاہ بنا تو اسے اندرونی اور بیرونی بہت سی ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بہت سے نواب، بادشاہ کے خلاف بغاوت پر اتر آئے، مجبوراً بادشاہ کو کلیسا اور عوام کے حقوق کے تحفظ کے لیے ایک منشور جاری کرنا پڑا جسے "میگنا کارٹا" کا نام دیا گیا۔ وہ دستاویز جسے "میگنا کارٹا" کہا جاتا ہے در اصل بادشاہ جان کی مُہر والا ایک شاہی منشور ہے، جسے ۱۵ جون ۱۶۱۵ء کو "رن میڈ" نامی چراگاہ جو کہ سر اور سٹینز کے درمیان واقع ہے کے مقام پر جاری کیا گیا۔ یہ لاطینی زبان میں تھا اور اسے جانور کی کھال پر لکھا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ جان نے اس منشور پر دستخط کیے،

---

1-Stephen D. Church, *King John:England Magna Carta and the Making of a Tyrant,* (London: Macmillan Publisher, 2015), 78

2-ClaireBreay, *Magna Carta: Manuscripts and Myths,* (London: The British Library, 2010), 12.

3-*Encyclopædia Britannica,* (11th ed), "s.v, Bill of Right," 737

۴-نارمنز (Normans) فرانس کا شاہی خاندان تھا، جس نے برطانیہ پر حکومت کی۔

شاید یہ ایک غلط فہمی تھی کیونکہ شاہی مناشیر پر کوئی دستخط نہیں کیے گئے بلکہ موجودہ چار مناشیر میں سے کسی ایک پر بھی دستخط نہ تھے، اس پر صرف مُہر لگائی گئی۔ برطانوی عجائب گھر میں موجود دو نقول میں سے ایک بالکل اصل دکھائی دیتی ہے کیونکہ اس پر تیزی سے لکھا گیا ہے۔ میگنا کارٹا کی کم از کم ۵۰ مرتبہ تصدیق کی گئی ہے اور ہینری سوئم سے لے کر ہینری پنجم تک تمام بادشاہوں نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔[۱]

> "According to the world book encyclopedia:For many years the name was commonly spelled magna charta butt in 1946 the British government officially adopted the Latin spelling magna carta"[2]

ترجمہ: کئی سالوں تک میگنا کارٹا کو "میگنا چارٹا" (Magna Charta) پڑھا جاتا رہا، مگر ۱۹۴۶ء میں برطانوی حکومت نے سرکاری طور پر لاطینی لفظ "Magna Carta" کو اپنایا۔

میگنا کارٹا کے متعلق مختلف مفکرین اور مورخین نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ان مورخین کی رائے کی روشنی میں میگنا کارٹا کی حیثیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ معروف قانون دان ڈی ۔ڈبلیو۔ ہینسن (D.W.Hanson)[۳] بنیادی حقوق کے منشورِ اعظم کے حوالے سے بیان کرتا ہے

> "قانونی نقطہ نظر سے اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ بیرنز ( Barons ) (انگلستان کے امیر) نے اپنے مخالفانہ اساسی کردار کو عام قانون کی راہ پر نہیں ڈالا۔ اس کے برعکس انہوں نے ایک ایسی راہ اختیار کی، جس کے نتیجے میں پارلیمنٹ کے اندر اُمراء اور عام ارکان کے درمیان سیاسی سمجھوتہ وجود میں آیا۔ یہی وجہ ہے کہ دوہری بادشاہت (Double Majesty) کا مسئلہ حل کرنے کے لیے جو سترہویں صدی میں شدت سے ابھرا تھا۔ قانون کی بالادستی کی بجائے پارلیمنٹ کی بالادستی کا نظریہ اپنا لیا گیا"۔[۴]

---

1-Stephen D. Church, *King John*, 66 .

2- *World Book Encyclopedia*, "History of Magnacarta", Field Enterprises Educational Corporation, (U.S.A, 2004), 4709.

۳-ڈی۔ڈبلیو۔ہینسن (Donald W. Hanson) (س۔ن) امریکی قانون دان اور مصنف ہے۔

4-D.W. Hanson, *From Kingdom to Commonwealth,* (United States:Harvard University Press, 1970), 190.

ابوالاعلیٰ مودودی میگنا کارٹا کے حوالے سے لکھتے ہیں

"انگلستان میں کنگ جان نے ۱۲۱۵ء میں جو میگنا کارٹا جاری کیا تھا ،وہ دراصل اس کے اُمراء (Barons) کے دباؤ کا نتیجہ تھا۔ اس کی حیثیت بادشاہ اور اُمراء کے درمیان ایک قرارداد کی سی تھی۔ یہ میگنا کارٹا اُمراء ہی کے مفاد میں مرتب کیا گیا تھا اور عوام الناس کے حقوق کا اس کے اندر کوئی سوال تک نہ تھا۔ پھر بعد کے لوگوں نے اس کے اندر وہ معنی بھرے ،جو اس کے اصل لکھنے والوں کے سامنے بیان ہوئے تو وہ حیران رہ گئے"۔[۱]

اس میں شک نہیں کہ میگنا کارٹا برطانیہ میں بنیادی حقوق کی اہم ترین اور تاریخ ساز دستاویز ہے۔ لیکن اس کا یہ مفہوم بہت بعد میں اخذ کیا گیا ہے۔ اس وقت اس کی حیثیت اُمراء اور بادشاہ کے درمیان ایک معاہدہ کی سی تھی۔ جس میں اُمراء کے مفادات کا تحفظ کیا گیا تھا۔ عوام کے حقوق سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔

ہنری مارش[۲] کہتا ہے کہ

"بڑے بڑے جاگیرداروں کے ایک منشور کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہ تھی"۔[۳]

بادشاہ جان نے برسراقتدار آتے ہی اُمراء کے ساتھ چپقلش کا آغاز کر دیا۔ اُس نے اُمراء سے بدلہ لینے کے لیے ان کے خاندانوں کے ساتھ بھی ناروا سلوک کیا اور ان پر بھاری ٹیکسز لگائے۔ اسی لیے وہ جابر حکمران کے طور پر مانا جاتا تھا۔ اس نے نہ صرف انگلینڈ پر بُری طرح حکومت کی بلکہ اس کے ہمسایہ ملکوں کے حکمرانوں سے بھی لڑائی شروع کر دی۔ فرانس کے بادشاہ فلپ آگسٹس (Philip Augustus)[۴] اور پوپ اِنو سینٹ (Pop Innocent)[۵] کے ساتھ خاص طور پر اس کا تنازعہ دیکھنے کو آیا۔ فلپ آگسٹس نے فرانس کے تمام صوبوں پر قبضہ

---

۱- اسلامی ریاست، سید ابوالاعلیٰ مودودی، مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۴۷ء، ص:۵۵۱

2-James Henry Breasted (1865-1935) was an American archeologist, Egypt logiest and historian, after completing his PhD at the university of Berlin an 1894. He joined the faculty of the University of Chicago

3-Henry Marsh, *Documents of Liberty* (England: David & Charles Publisher, 1971), 51.

۴-فلپ آگسٹس (Philip Augustus) (۱۱۶۵-۱۲۲۳) : فرانسیسی بادشاہ جس کا دور حکومت ۱۱۸۰ سے ۱۲۲۳ تک رہا۔

۵-پوپ انوسینٹ (Pop Innocent III)(۱۱۶۱-۱۲۱۶) : اصل نام Lotario dei Conti di Segni تھا۔ بااثر اور طاقتور کیتھولک پادری تھا جو یورپ کے تمام حکمرانوں پر بالادستی کا دعویٰ کرتا تھا اور یورپی عیسائی ریاستوں پر اثر انداز ہوتا تھا۔

کر لیا اور اِنو سینٹ نے جان کو مجبور کر دیا کہ وہ اس کی اطاعت کرے۔ ان دونوں واقعات نے انگلستان کی آئینی تاریخ پر بڑے بُرے اثرات مرتب کیے۔

مغربی دُنیا کے اہم منشورات کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ مغربی دُنیا میں حقوق انسانی کی تاریخ کا آغاز گیارہویں صدی میں میگنا کارٹا سے ہوتا ہے۔ "میگنا کارٹا" بادشاہ اور اُمراء کی چپقلش کے نتیجے میں معرض وجود میں آیا۔ اس کی حیثیت بادشاہِ وقت اور اُمراء کے درمیان ایک معاہدے سے زیادہ کچھ نہیں۔ جن حقوق کا اس چارٹر میں ذکر ہے، ان میں زندگی کا حق، فرد کی آزادی و سلامتی کا حق، اظہار رائے کی آزادی، عقیدے اور مذہب کی آزادی کے علاوہ اقتصادی، سماجی، ثقافتی حقوق عطا کیے گئے ہیں۔ (۱)

## انسانی حقوق کا عالمی منشور

جنگ عظیم دوم کے اختتام کے ساتھ ہی 'انسانی حقوق کا عالمی منشور' جاری کرنے کی سوچ پیدا ہوئی اور اس وقت انجمن قوام متحدہ کے قیام کے معاہدے پر دستخط ہو رہے تھے۔ ۱۹۴۵ میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے شہر سان فرانسیسکو میں کانفرنس ہو رہی تھی۔ چنانچہ کانفرنس کے ایک ممبر نے کانفرنس کے زیر اہتمام ایک ایسی کمیٹی کے قیام کی تجویز پیش کی جو انسان کی بنیادی آزادیوں اور اس کے حقوق پر مشتمل اعلان جاری کرے۔ کانفرنس میں اس تجویز کو سراہا گیا لیکن اس پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔ علاوہ ازیں اس کانفرنس کے ممبران نے دوسری طرف اس بات کا اظہار کیا کہ اقوام متحدہ کے معاہدے میں وہ سب چیزیں موجود ہیں، جو انسان کی بنیادی آزادیوں اور اس کے حقوق کی حفاظت کے لیے کافی ہیں۔ (۲)

چنانچہ ۱۹۴۶ میں اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے اقتصادی اور معاشرتی کونسل کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔ اور اس اجلاس کی ابتداء میں کونسل نے انسانی حقوق کی حفاظت کے لیے اس کمیٹی کے قیام کی قرارداد پاس کی۔ جس کا ذکر اقوام متحدہ کے معاہدے میں تھا اور اقوام متحدہ کی استقبالیہ کمیٹی نے اس کے قیام کی سفارش کی تھی۔ جوں ہی انسانی حقوق کی حفاظت کے لیے کمیٹی کا قیام عمل میں آیا تو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فوراً انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے خاص اعلان کے منصوبے پر عمل درآمد کرانے کے لیے ابتدائی خاکہ ترتیب دیا۔ اس خاکے کی بنیاد پر

---

1-Hazeltine, H. D.,"The Influence of Magna Carta on American Constitutional Development".*Malden*, 1917

2-U.S. Department of State, Office of the Historian The United, "States and the Founding of the United Nations," August 1941–October 1945, Washington (October 2005), Retrieved 22 August 2017

مذکورہ کمیٹی نے ۱۹۴۷ءکے درمیان 'عالمی اعلان' کے لیے قانونی مسودہ تیار کیا تا کہ اسے جنرل اسمبلی کے دوسرے اجلاس میں پیش کیا جائے۔[1]

چنانچہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر انسانی حقوق کے لیے کی جانے والی کوششوں کے نتیجے میں بالآخر ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء میں بارلیس میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں انسانی حقوق کے عالمی اعلان کا بل پیش کرنے کا منصوبہ مکمل ہوا۔ اس منشور انسانی حقوق میں وہ تمام حقوق سمو دیے گئے جو مختلف یورپی ممالک کے دساتیر میں شامل تھے۔ جنرل اسمبلی میں رائے شماری کے وقت اس منشور کے حق میں ۴۸ ووٹ آئے۔[2] آٹھ (۸) ممالک نے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا، جن میں روس بھی شامل تھا۔ اس منشور پر عمل درآمد کی صورتحال کا جائزہ لینے اور ان کے تحفظ یا نئے حقوق کے تعین کے لیے اپنی تجاویز پیش کرنے کے لیے ایک مستقل کمیشن برائے انسانی حقوق بھی قائم کر دیا گیا۔[3]

یہ منشور ۳۰ دفعات پر مشتمل ہے اور اس منشورِ انسانی حقوق کی ہر ہر ترمیم پر بحث کا مرحلہ پائے تکمیل کو پہنچا تو جنرل اسمبلی نے اسے اتفاق رائے سے پاس کر کے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ میں باضابطہ اعلان کر دیا۔ انسانی حقوق پر کمیشن نے اقوام متحدہ کی دیگر تنظیموں آئی ایل او (ILO) اور یونیسکو (UNESCO) کے ساتھ مل کر انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے قوانین بنائے ہیں۔[4]

ان میں سب سے اہم مندرجہ ذیل ہیں

۱- انسانی حقوق کا عالمی ڈیکلریشن (۱۹۴۸)

۲- سول اور سیاسی حقوق کا بین الاقوامی معاہدہ

۳- اقتصادی، معاشی اور ثقافتی حقوق کا بین الاقوامی معاہدہ

ان سب کو اجتماعی طور پر "انٹرنیشنل بل آف رائٹس" کے نام سے جانا جاتا ہے۔[5]

---

1- The National Archives, "United Nations Act 1946", *UK Statue Law Database*, 1946, c 45

2-John E. Trent, "The United Nations and Canada: Questions and Answers about the Universal Declaration of Human Rights", World Federalist Movement, Canada, 12

۳- بنیادی حقوق، محمد صلاح الدین، ص:۴۵

4-UNESCO Digital Liberary, "Resolutions Adopted by the General Conference 2nd Session (1948)", UNESCO Database, 17

5-Fact Sheet No.2 (Rev.1), The International Bill of Human Rights, 1948.

یہ تینوں قوانین اقوام متحدہ کے منشور کی انسانی حقوق کی شقوں کی تشریح و تعبیر کے لیے بنیادی راہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

اقوام متحدہ کے کمیشن برائے انسانی حقوق نے ۱۹۵۹ء میں بچوں کے حقوق سے متعلق اور ۱۹۶۳ء میں نسلی امتیاز کے انسداد کے لیے ایک اعلان جاری کیا۔ جنرل اسمبلی نے ۱۹۴۸ء میں نسل کشی کی روک تھام کے لیے، ۱۹۵۱ء میں مہاجرین اور جلاوطن لوگوں کے تحفظ کے لیے، ۱۹۵۲ میں خواتین کے سیاسی حقوق کے لیے، ۱۹۵۷ء میں شادی شدہ عورتوں کی قومیت کے تعین کے لیے، ۱۹۵۱ء میں غلامی کے مکمل انسداد اور خاتمہ کے لیے اور ۱۹۴۵ء میں جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز کی حد تک مختلف عہد نامے اور قرار دادیں منظور کیں۔[۱]

اس منشور میں حقوق اور آزادیوں کا اعلان کیا گیا ہے۔ انہیں بعد میں دو حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک فہرست میں معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق کو اکٹھا کر دیا گیا اور دوسری فہرست میں شہری اور ریاستی حقوق اور جنرل اسمبلی نے ۱۹۴۴ء میں ان دو عہد ناموں (Covenants) کو منظوری دی۔

## منشور انسانی حقوق

۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے انسانی حقوق کا عالمی اعلان پاس کر کے نشر کر دیا، جس کے بعد جنرل اسمبلی نے ممبر ممالک کو اس اعلان کا مطالعہ کرنے کو کہا اور اس پر بحث کرنے، اسے تقسیم کرنے اور نشر کر کے اس پر عمل درآمد کرانے کی دعوت دی۔ چونکہ اقوام متحدہ کے اراکین نے انسان کے بنیادی حقوق اور اس کی حیثیت کے سلسلے میں جدید معاہدے کی توثیق کی ہے اور اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ مردوں اور عورتوں کے حقوق مساوی ہیں۔ اس کے ساتھ چونکہ رکن ممالک نے اقوام متحدہ کے ساتھ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں اور ان کا احترام کرنے میں تعاون کی گارنٹی دی ہے۔ لہٰذا انسانی حقوق کا انٹرنیشنل ڈیکلریشن جنرل اسمبلی صادر کرتی ہے۔ یہ ڈیکلریشن (Common Standard) یعنی مشترک معیار ہے۔ اس لیے تمام لوگوں کو چاہیے کہ وہ اسے اپنا نصب العین بنالیں۔ اور معاشرے کا ہر انسان ہر ادارہ ممکن حد تک اس اعلان کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنے کی کوشش کرے۔[۲]

---

[1]-Fact Sheet No.2 (Rev.1), The International Bill of Human Rights, 1948.

[2]-James Anu, "Human Rights Day: Best Quotes by Famous Personalities to Mark UN Day," *International Business Times*, Dec 09, 2015, 7

انٹر نیشنل ڈیکلریشن تیس دفعات پر مشتمل ہے جو تمام تر سیاسی اور سول حقوق پر مشتمل ہے۔اس کے علاوہ اس میں اقتصادی، معاشرتی حقوق بھی بیان ہوئے ہیں۔

## شہری اور سیاسی حقوق کا بین الاقوامی چارٹر

یہ اقرار نامہ ۲۳مارچ ۱۹۷۷ کو نافذ العمل ہوا۔ وہ سول سیاسی حقوق جن کی ضمانت اس اقرار نامے میں دی گئی ہے وہ بیشتر ان تمام پر مشتمل ہیں۔ جن کا اعلان انسانی حقوق کے عالمی ڈیکلریشن میں کر دیا تھا۔

> "The International Rights (ICCPR) is a multilateral treaty adopted by the United Nations General Assembly on 16 December 1966, and in force from 23 March 1976.It commits its parties to respect the Civil and Political Rights of individuals, including the right to life, freedom of religion, freedom of speech, freedom of assembly, electoral rights and rights to due process and a fair trial". (1)

بین الاقوامی حقوق (آئی سی پی پی) ایک کثیر جہتی معاہدہ ہے جسے ۱۶ دسمبر ۱۹۶۶ کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۶ دسمبر ۱۹۶۶ کو منظور کیا اور ۲۳ مارچ ۱۹۷۶ سے لاگو ہوا۔ یہ اپنی جماعتوں سے افراد کے شہری اور سیاسی حقوق بشمول زندگی کا حق، مذہب کی آزادی، تقریر کی آزادی، اسمبلی کی آزادی، انتخابی حقوق، مناسب عمل کے حقوق اور منصفانہ احتساب کے حقوق کا احترام کرنے کا عہد کرواتا ہے۔

(آئی سی سی پی آر) بین الاقوامی انسانی حقوق کی دستاویز کے ساتھ ساتھ اقتصادی، سماجی اور ثقافتی حقوق(آئی سی ای ایس سی آر)اور عالمی اعلامیہ پر بین الاقوامی عہد کا حصہ ہے۔ (۲)

---

1-UN Treaty Collection, "International Covenant on Civil and Political Rights, "*United Nations Treaty Series*, vol. 999, 171

2- International Covenant on Civil and Political Rights, "The International bill of Human Rights: Fact Sheet No.2 Rev.1,", UN Office of the High Commissionor, Dashboard, 2006, 12

اقرار نامے کے آرٹیکل ۲ میں ان ریاستوں کی ذمہ داریوں کی تعریف واضع کی گئی ہے۔ جنہوں نے اس پر دستخط کئے ہیں۔ اور یہ ریاستیں اس امر کی پابند ہیں کہ اقرار نامے میں مذکور تمام حقوق کو بلا امتیاز، نسل، رنگ، جنس، زبان، وقومی یاسماجی یا کسی دوسری حیثیت سے قطع نظر تمام افراد کے لیے یقینی بنائیں۔

## معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق پر بین الاقوامی چارٹر

اس اقرار نامے میں معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق پر زور دیا گیااور ان انسانی حقوق کے عالمی ڈیکلریشن میں وضاحت کی گئی ہے۔ ان حقوق کا تعلق کام کے لیے موزوں و مناسب حالات، خاندان کے تحفظ کا حق اور مناسب معیار زندگی کے حق سے متعلق حقوق سے ہے۔ اس میں فریقین صرف وہ اقدامات کرنے پر رضامند ہیں کہ تسلیم شدہ حقوق کو دستیاب وسائل میں بھرپور طریقے سے بجالانے کے لیے پیش رفت کر سکیں۔ اس اقرار نامے کا نفاذ رپوٹوں کے ذریعے ہوگا۔

اقوام متحدہ کے منشور حقوق انسانی پر میرئس میکڈوگل (Myres McDougal)[1] تجزیہ کرتا ہے

> اس بات کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ اقوام متحدہ کے تحت انسانی حقوق کے قانونی تحفظ کا کوئی روشن مستقبل ہے۔ یہ ادارہ ایسی ریاستوں کے گروپس پر مشتمل ہے جو جمہوریت اور ریاست فرد کے باہمی تعلق کا قطعی مختلف تصور رکھتے ہیں۔ مغربی ممالک کے نزدیک بعض حقوق اور آزادیاں مہذب معاشرہ کے لیے بنیاد سمجھی جاتی ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ حقیقی جمہوریت کی بنیادیں اپنے حقوق سے استوار ہوتی ہیں۔ دوسری طرف کمیونسٹ ممالک کا خیال ہے کہ کوئی حق اور آزادی بنیادی نہیں۔ تمام حقوق کا ماخذ ریاست ہے اور اسی کو یہ حق ہے کہ مجموعی حیثیت سے پورے معاشرے کے مفاد میں وہ حقوق اور آزادیوں کی حدود کا تعین کرے۔ ان سے الگ وہ ترقی پذیر ریاستیں ہیں جن کا مقصد تیز رفتار معاشی و سماجی ترقی کا حصول ہے اور جو یہ سمجھتی ہیں کہ شہری اور سیاسی حقوق اور آزادیوں کی ضمانت مطلوبہ معاشی وسماجی مقاصد کے حصول میں ایک رکاوٹ ہے۔ ان اختلافات کی موجودگی میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اقوام متحدہ انسانی حقوق کے میدان میں بہتر نتائج کی توقع رکھنا حقیقت پسندانہ طرز فکر ہوگا۔[۲]

---

[1]-میرئس سمتھ میکڈوگل (Myres Smith McDougal) (۱۹۰۶-۱۹۹۸): بین الاقوامی قانون کا عالم اور امریکی یونیورسٹی Yale میں قانون کا پروفیسر تھا۔

[2]-Myres s. Mcdougal, "The Protection of Human Rights under International Law.", *Denver Journal of International Law & Policy*.2008, 6

منشور انسانی حقوق کے مطالبہ اور اس پر کیے گئے تبصروں سے ہی بات واضح ہو جاتی ہے کہ بین الاقوامی سطح پر انسان کی اجتماعی کوششیں بھی اس کے لیے پُروقار اور آبرومندانہ زندگی کی کوئی ضمانت مہیا نہیں کر سکیں۔ اس میں حقوق کی ایک فہرست مرتب کی گئی لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنے پیچھے قوت نافذہ نہیں رکھتا، اور نہ ریاستوں پر پابندی عائد کر کے انہیں بنیادی حقوق سلب کرنے سے باز رکھنے کا کوئی اہتمام کرتا ہے اور نہ کسی فرد کے غصب شدہ حقوق کی بازیابی کے لیے کسی قانونی چارہ جوئی کا کوئی نظام مہیا کرتا ہے۔ اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ بس اتنا ہی ہے کہ اس نے انسانی حقوق کا ایک معیار قائم کر دیا ہے۔ اسلام میں انسانی حقوق کا عالمی و ابدی منشور نسلِ انسانی کو خطبہ حجۃ الوداع کی روشنی میں عطا کیا۔ جب کہ مغرب میں انسانی حقوق کی تاریخ کا آغاز گیارہویں صدی سے ہوتا ہے اور اقوام متحدہ کے منشور کو انسانی حقوق کی معراج سمجھا جاتا ہے۔

# فصل سوم: حقوق نسواں کا دائرہ کار

مبحث اول: اسلام میں عورت کے حقوق و فرائض کا تصور

مبحث دوم: مغرب میں عورت کے حقوق و فرائض کا تصور

# مبحث اول: اسلام میں عورت کے حقوق و فرائض کا تصور

اسلام کو جن خصوصیات کی بابت دیگر ادیان پر فوقیت اور برتری حاصل ہے ان خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلام نے عورتوں کو صرف سماج میں ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر اسے مقام اور مرتبہ عطاء کرتے ہوئے مثال پیش کی کہ اسلام کے دائرہ میں رہ کر عورت نے کتنے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔
اکثر بڑے واقعات کے پیچھے کوئی عورت موضوع ہوتی ہے کبھی براہ راست طور پر اور کبھی بالواسطہ طور پر۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ

"There is a woman at the beginning of all great things"(1)

ترجمہ: تمام عظیم کارناموں کے آغاز میں عورت ہے۔

اس معاملہ کی سب سے بڑی مثال حضرت حاجرہ ہیں۔ حضرت حاجرہ نے اپنی بے مثال قربانی کے ذریعہ تاریخ بشری میں ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ یہ ایک ایسا انقلاب تھا جس کے اثرات ساری دُنیا میں محسوس کیے گئے۔ حضرت ابراہیمؑ خدا کے پیغمبر تھے اور حاجرہ ان کی زوجہ تھیں۔ ان کو ان کے چھوٹے بچے اسماعیل کے ساتھ ایک بے آب و گیاہ صحرا میں آباد کرنا ایک غیر معمولی قربانی کا عمل تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ فطرت کے اس ماحول میں ایک نئی نسل تیار کی جائے جو مشترکہ تمدّن کے اثرات سے پاک ہو۔(۲)

حضرت حاجرہؑ کا اس خشک مقام پر پانی کی تلاش میں وہ صفا مروہ پہاڑیوں کے درمیان سات بار دوڑنا ہی وہ عمل ہے جس کے تقلید میں ہر حاجی آج بھی سات بار سعی کرتا ہے۔ یہ اللہ کے لیے سرگرم ہونے کا ایک سبق ہے جو تمام مردوں اور عورتوں کو ایک خاتون کے عمل کی پیروی کی صورت میں دیا جاتا ہے۔ عورت کی عظمت کا شاید اس سے بڑھ کر کوئی مظاہر نہیں ہو سکتا کہ ہمیشہ کے لیے تمام مردوں کو ایک عورت کے نقش قدم پر چلنے کا حکم دے دیا جائے۔ آج اس صورت حال کا تقاضا ہے کہ دوبارہ دُنیا میں حضرت ہاجرہؑ جیسی خواتین پیدا ہوں۔ جو اپنی قربانیوں کے ذریعے تاریخ کا نیا موڑ دیں اور مادہ پرستی کے دور کو دوبارہ توحید پرستی کے دور کی طرف واپس لے جائیں۔

رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ حضرت عائشہؓ بنت ابو بکرؓ نہایت ذہین خاتون تھیں۔ اسلام نے حضرت عائشہؓ کی صلاحیتوں کو اس حد تک ترقی دی کہ انہوں نے اہم سیاسی اور سماجی خدمات انجام دیں۔ وہ نہ صرف علوم دینیہ کی ماہرہ

---

۱- یہ قول، الفانس میری لوئس ڈیپارٹ ڈیلامارٹین (Alphonse Marie Louis de Prat de Lamartine)(۱۷۹۰-۱۸۹۰) کا ہے جو فرانسیسی شاعر، مصنف اور سیاستدان تھا۔

۲- عورت معمار انسانیت، مولانا وحید الدین خان، دار التذکیر، لاہور، ۲۰۰۶، ص:۱۹۹، ۱۹۷

تھیں بلکہ دیگر علوم مثلاً طب پر بھی ماہرانہ دسترس رکھتی تھیں۔ صحابہ میراث کے مسائل ان سے دریافت کرتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری جو خود ایک بہت بڑے عالم ہیں فرماتے ہیں

ہم اصحاب رسول ﷺ کو جب بھی کسی مسئلہ میں کوئی مشکل پیش آئی ہم نے اس مسئلہ کے بارے میں سیدہ عائشہ سے پوچھا تو ہم نے اس کا علم ان کے پاس پایا۔[۱]

انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں ان کی خدمات کا اعتراف ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے

"Aisha the third wife of the Prophet Muhammad,who played a role of some political importance after the Prophet's death"[2]

ترجمہ: حضرت عائشہ جو پیغمبر ﷺ کی تیسری اہلیہ تھیں۔ انھوں نے پیغمبر ﷺ کی وفات کے بعد کچھ ایسے کردار ادا کیے جو سیاسی اہمیت رکھنے والے تھے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا

((خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ)) [۳]

ترجمہ: سب سے بہتر خاتون مریم بنت عمران تھیں اور ان سب کی سب سے بہتر خاتون خدیجہ بنت خویلد ہیں۔

یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت خاتون مریمؑ اُمت یہود کی سب سے بہتر خاتون تھیں اور حضرت خدیجہ اُمت مسلمہ کی سب سے بہتر خاتون تھیں۔

ثناء اللہ پانی پتی (متوفی 1225 ھ) بیان کرتے ہیں

عورت کے یہ فرائض فکر و عمل کی آزادی کا جس حد تک مطالبہ کرتے ہیں۔ شریعت نے اس حد تک اس کو اپنی صوابدید کے مطابق کام کرنے کی آزادی بھی دی ہے۔ اللہ رب العزت نے ہر مکلف کو جو حیثیت دی ہے، اس کی حیثیت کے مطابق اس کو احکام اور اصول دیئے ہیں اور اس کا دائرہ کار اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ اب جس کے لیے جو میدان اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے، جو اپنی حیثیت سے بڑھنا

---

۱- سنن ترمذی، امام ترمذی، أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مِنْ فَضْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، حدیث: ۳۸۸۳، ص:۶/۱۸۸

2- *Encyclopedia of Britannica*, "s.v, Aisha", 167.

۳- سنن الکبری، ابو عبد الرحمن خراسانی، كِتَابُ الْمَنَاقِبِ، باب مَنَاقِبُ مَرْيَمَ بِنْتِ عِمْرَانَ، حدیث: ۸۲۹۶ص:۷/۳۸۸

چاہے گا اور اپنے دائرہ کار سے نکلے گا تو وہ اللہ رب العزت کا باغی ہو گا۔ مرد کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو اس کا دائرہ کار مقرر فرمایا۔[۱]

اس لیے ثناء اللہ پانی پتی نے الرجال قوامون کی تفسیر میں اجمالی اشارہ کیا ہے کہ مرد کا دائرہ کار کا مقصد کیا ہے؟ انھوں نے لکھا ہے

اللہ رب العزت کا حکم ہے کہ مرد عورت پر حاکم ہے۔ کیونکہ بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے اور مردوں کی یہ فضیلت اصل خلقت کی بناء پر ہے کہ مرد کامل العقل ہوتا ہے اور حُسنِ تدبیر کا مالک ہوتا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے علم و جسم میں وسعت دی ہے، سخت کام کرنے کی دعوت دی ہے۔ ان میں کام کرنے کی استعداد زیادہ ہوتی ہے۔[۲]

یہی وجہ ہے کہ ان کی نبوت، بادشاہی، حکمرانی، گورنری، قضاء، حدود قصاص میں گواہی دینے، جہاد میں شرکت، جمعہ خطبات، عیدین اور اذان میں شرکت، میراث میں حصے کی زیادتی، نکاح کے مالک ہونے، زیادہ خوشی کرنے، طلاق میں خود مختاری اور پورے روزے رکھنے اور نماز پڑھنے کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اس طرح اور بھی بہت سی خصوصیات ہیں۔ اور اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا

((لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لأَحَدٍ لأَمَرْتُ النِّسَاءَ أَنْ يَسْجُدْنَ لأَزْوَاجِهِنَّ))[۳]

ترجمہ: اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

یعنی مرد عورت پر امر و اقتدار رکھتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾[۴]

ترجمہ: مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لیے کہ خدا نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

---

[۱]- تفسیر المظہری، محمد ثناء اللہ پانی پتی، مکتبہ الرشدیہ، کوئٹہ، ۱۴۱۲ھ، ۲/۹۷

[۲]- تفسیر المظہری، محمد ثناء اللہ پانی پتی، ص:۲/۹۸

[۳]- سنن ابوداؤد، امام ابوداؤد، كِتَاب النِّكَاحِ، بَابٌ فِي حَقِّ الزَّوْجِ عَلَى الْمَرْأَةِ، حدیث:۲۱۴۰، ص:۲/۲۴۴

[۴]- سورۃ النساء:۴/۳۴

عورت کا دائرہ کار سر تا پا شرافت، عزت، عظمت، عفت و عصمت ہے۔ لہٰذا ازدواجی زندگی کی فلاح و بہبود کے لیے وہ اپنی بیوی کو جن حدود و قوانین کا پابند کرنا چاہے، کر سکتا ہے۔ اس کے یہ قوانین احکام شریعت اور اللہ تعالیٰ کی مرضی سے متصادم نہ ہوں۔

اس کے لیے قرآن کریم میں ارشاد ہوا

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾[۱]

ترجمہ: اور اپنے گھروں میں ٹِک کر رہو۔

اس میں صرف اتنی بات نہیں کہ عورت کو ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جانا چاہیے بلکہ اس آیت میں جس بُنیادی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے وہ یہ کہ ہم نے عورت کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ گھر میں قرار سے رہ کر گھر کے انتظام کو سنبھالے۔

اس بارے میں ابو الاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں

"اصل میں لفظ قَرْنَ استعمال ہوا ہے۔ بعض اہلِ لغت نے اس کو 'قرار' سے ماخوذ بتایا ہے اور بعض نے 'وقار' سے۔ اگر اس کو قرار سے لیا جائے تو معنی ہوں گے 'قرار پکڑو، ٹِک کر رہو۔ اور اگر وقار سے لیا جائے تو مطلب ہو گا 'سکون سے رہو، چین سے بیٹھو'۔ دونوں صورتوں میں آیت کا منشا یہ ہے کہ عورت کا اصل دائرہ عمل اس کا گھر ہے، اُس کو اسی دائرے میں رہ کر اطمینان کے ساتھ اپنے فرائض انجام دینے چاہییں، اور گھر سے باہر بضرورت ہی نکلنا چاہیے"۔[۲]

یہ منشا خود آیت کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے اور نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی احادیث اس کو اور زیادہ واضح کر دیتی ہیں۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ عورتوں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ ساری فضیلت تو مرد لُوٹ لے گئے، وہ جہاد کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں بڑے بڑے کام کرتے ہیں۔ ہم کیا عمل کریں کہ ہمیں بھی مجاہدین کے برابر اجر مِل سکے؟[۳]

---

[۱]- سورۃ الاحزاب:۳۳/۳۳

[۲]- تفہیم القرآن، سید ابو الاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ص:۴/۱۰۹

[۳]- صحیح الترغیب والترھیب، محمد ناصر الدین الالبانی ، مکتبۃ المعارف، الریاض، كتاب النكاح وما يتعلق به، باب: ترغيب الزوج في الوفاء بحق زوجته وحسن عشرتها والمرأة بحق زوجها وطاعته وترهيبها من إسقاطه ومخالفته، حدیث: ۱۲۱۳، ص:۲/۵،

آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا

**(( عَلَيْكُنَّ بِالْبَيْتِ فَإِنَّهُ جِهَادُكُنَّ ))** [1]

ترجمہ: تم اپنے گھر میں جمی رہو کیونکہ یہی تمہارا جہاد ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مجاہد دِل جمعی کے ساتھ اسی وقت تو خدا کی راہ میں لڑ سکتا ہے جب کہ اسے اپنے گھر کی طرف سے پورا اطمینان ہو، اس کی بیوی اس کے گھر اور بچوں کو سنبھالے بیٹھی ہو، اور اسے کوئی خطرہ اس امر کا نہ ہو کہ پیچھے وہ کوئی گُل کِھلا بیٹھے گی۔ یہ اطمینان جو عورت اسے فراہم کرے گی وہ گھر بیٹھے اس کے جہاد میں برابر کی حصّہ دار ہو گی۔ ایک اور روایت جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول کی ہے اس میں وہ نبی ﷺ کا یہ ارشاد بیان کرتے ہیں

**((الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ،وَإِنَّهَا إِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ،وَإِنَّهَا لا تَكُونُ أَقْرَبَ إِلَى اللَّهِ مِنْهَا فِي قَعْرِ بَيْتِهَا))** [2]

ترجمہ: عورت پردہ ہے۔ جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے، اور اللہ کی رحمت سے قریب تر اُس وقت ہوتی ہے جب کہ وہ اپنے گھر میں ہو۔

## عورت گھر کی ذمہ دار

اسلام نے عورت کو گھر کا ذمہ دار مقرر کیا ہے اور اسے بچوں کی تربیت کے سلسلے میں زیادہ ذمہ داری عطاء کی ہے کہ وہ گھر میں اپنی اس ذمہ داری کو مکمل کرنے کے لیے بھرپور کوشش کرے۔

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

**((وَالمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا، وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ))** [3]

ترجمہ: عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کی اولاد کی نگران ہے اور اس سے متعلق ان سے باز پرس ہو گی۔

---

[1] - مسند احمد، امام احمد بن حنبل، حدیث: ۲۴۳۹۳، ص: ۴۰/۴۵۸

[2] - صحیح الترغیب والترهیب، محمد ناصر الدین الالبانی، كتاب الصلاة، باب: الترهيب من إتيان المسجد لمن أكل بصلا أو ثوما أو كراثا أو فجلا ونحو ذلك مما له رائحة كريهة، حدیث: ۳۴۴، ص: ۱/۸۳

[3] - صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ الأَحْكَامِ، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى وَ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الأَمْرِ مِنْكُمْ، حدیث: ۷۱۳۸، ص: ۹/۶۲

نیز آپ ﷺ نے فرمایا

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))[1]

ترجمہ: تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

یعنی ہر ذمہ دار فرد سے اس کی ذمہ داری اور نگرانی میں آئے ہوئے افراد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ امیر اپنی رعیت کا چرواہا، مرد اپنے اہل وعیال کا رکھوالا اور بیوی اپنے شوہر، گھر اور بچوں کی نگران ہے اور اس کے بارے میں جواب دہ ہے۔ عورت پر گھریلو ذمہ داری کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ شریعت اس کو اولاد کے سن شعور کو پہنچنے تک ان کی پرورش اور نگہداشت کے لیے مردوں سے زیادہ اہل اور موزوں سمجھتی ہے۔

ایک صحابی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ اس بیوی سے ان کا ایک بچہ تھا اور وہ بچے کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے لیکن بچے کی ماں نے نبی کریم ﷺ سے ان کے خلاف شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا

((أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَنْكِحِى))[2]

ترجمہ: تم ہی اس کی زیادہ حقدار ہو جب تک کہ نکاح ثانی نہ کرلو۔

شوکانی اس سلسلے میں کہتے ہیں

" فِي الْحَدِيثِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْأُمَّ أَوْلَى بِالْوَلَدِ مِنَ الْأَبِ مَا لَمْ يَحْصُلْ مَانِعٌ مِنْ ذَلِكَ كَالنِّكَاحِ لِتَقْيِيدِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْأَحَقِّيَّةِ بِقَوْلِهِ مَا لَمْ تَنْكِحِي" وَهُوَ مُجْمَعٌ عَلَى ذَلِكَ "[3]

ترجمہ: حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ ماں باپ سے زیادہ بچے کی حق دار ہے جب تک کہ کوئی حقیقی رکاوٹ پیدا نہ ہو جائے، مثلاً ماں کا دوسرا نکاح کرلینا، ایسا مسئلہ ہے جس پر اجماع ہے۔

---

[1]- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ الْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا، حدیث: ۵۲۰۰، ص:۷/۳۱

[2]- سنن ابوداؤد، امام ابوداؤد، كِتَاب الطَّلَاقِ، بَابُ مَنْ أَحَقُّ بِالْوَلَدِ، حدیث: ۲۲۷۶، ص:۲/۲۸۳

[3]- نیل الاوطار، محمد بن علی بن محمد الشوکانی، دارالحدیث، مصر، ۱۴۱۳ھ، كِتَابُ النَّفَقَاتِ، بَابُ مَنْ أَحَقُّ بِكَفَالَةِ الطِّفْلِ، ص:۶/۳۹۰

ابن قیمؒ لکھتے ہیں

((حَكَمَ النَّبِيّ صَلّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ بَيْنَ عَلِيّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّهُ عَنْهُ وَبَيْنَ زَوْجَتِهِ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللّهُ عَنْهَا حِينَ اشْتَكَيَا إلَيْهِ الْخِدْمَةَ فَحَكَمَ عَلَى فَاطِمَةَ بِالْخِدْمَةِ الْبَاطِنَةِ خِدْمَةِ الْبَيْتِ وَحَكَمَ عَلَى عَلِيّ بِالْخِدْمَةِ الظّاهِرَةِ ثُمّ قَالَ ابْنُ حَبِيبٍ وَالْخِدْمَةُ الْبَاطِنَةُ الْعَجِينُ وَالطّبْخُ وَالْفَرْشُ وَكَنْسُ الْبَيْتِ وَاسْتِقَاءُ الْمَاءِ وَعَمَلُ الْبَيْتِ كُلّهِ)) [1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب اور ان کی بیوی حضرت فاطمہؓ کے درمیان یہ فیصلہ کیا کہ حضرت فاطمہؓ گھر کا کام کاج کریں گی، اور حضرت علیؓ باہر کا۔ پھر ابن حبیبؒ کہتے ہیں کہ گھر کے کام کاج میں آٹا گوندھنا، روٹی پکانا، بستر جھاڑنا، گھر میں جھاڑو دینا، پانی پلانا اور گھر کے سارے کام شامل تھے۔

چونکہ عورت کو گھریلو زندگی کی منتظم بنایا گیا ہے اس لیے اس کا فرض ہے کہ خوش اسلوبی اور سلیقہ شعاری سے اپنا گھر چلائے۔ گھر کی صفائی ستھرائی نظم ونسق برقرار رکھے۔ بھائی، شوہر ان میں سے ہر ایک کے لباس، خوراک، آرام وآسائش کا خیال رکھے اور وہ تمام اہل خانہ کے لیے سرمایہ حیات وسکون بن جائے۔

شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں

"یہ فرائض عورت ہی کے لیے ہیں کہ وہ کھانے پینے اور لباس تیار کرنے کی خدمت انجام دے، شوہر کے مال کی حفاظت کرے، بچوں کی تربیت کرے اور وہ تمام کام جن کا تعلق گھر اور گھر ہستی سے ہو ہے ان کی انجام دہی کی کفیل ہو"۔ [2]

بعض خواتین گھر کے کام کاج کو اپنے لیے باعث عار سمجھتی ہیں لیکن ایسی خواتین کو علم ہونا چاہیے کہ جگرِ گوشہ رسول حضرت فاطمہ الزاہرہؓ خانہ داری خود کرتی تھیں- وہ انتہائی مشقت کے کام خود سرانجام دیتی تھیں۔ گھر میں جھاڑو لگاتی اور برتن بھی خود دھوتی تھیں۔ گھریلو کاموں کو حقیر سمجھنا، بچوں کی پرورش کو نظر انداز اور باہر کے اجتماعی معاملات میں حصہ لینے کو ترقی سمجھنا غلط اندازِ فکر ہے۔ اسلام نے کچھ حُدود کے ساتھ خواتین کو اجتماعی معاملات میں حصہ لینے کا حق ضرور دیا ہے لیکن انہیں یہ حق نہیں دیا کہ وہ اپنی فطری ذمہ داریوں کو حقیر سمجھیں اور باہر کی ذمہ داریوں کو سنبھال لینے میں اپنی ترقی سمجھیں۔ انسانی تہذیب وتمدن کا دراصل یہ تقاضا ہے کہ عورتیں اعلیٰ انسانی

---

[1]- زاد المعاد فی ھدی خیر العباد محمد ﷺ خاتم النبیین والمرسلین، شمس الدین ابو عبداللہ ابن قیم الجوزیۃ، فی حکم فصل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی خدمۃ المراءۃ لزوجھا، دار العلم، بیروت، س-ن، ص:۵/۱۸۶

[2]- حجۃ اللہ البالغۃ، احمد بن عبد الرحیم المعروف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، دار الجیل، بیروت، ۱۴۲۶ھ، ص:۲/۱۹۰

معاشرہ استوار کر سکیں اور اعلیٰ انسانی معاشرہ قائم کرنے کے لیے یہ امر ناگزیر ہے کہ عورتیں بچوں کی پرورش کا حق ادا کریں اور خاندان قائم کریں۔ گھر آباد کریں اور نئی نسل کی عمدہ ترین تربیت اور پرورش کرے۔

## عورتوں کے لیے عبادات کا تصور

اسلام نے زندگی کی تعمیر کا جو نقشہ پیش کیا ہے خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، خاندانی نظام سے ہو یا معاشرتی آداب سے۔ اس نے کسی بھی گوشہ میں عورت کی اس حیثیت کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ دین میں عبادات کی اہمیت سے ہر شخص واقف ہے اور حقیقت میں یہ روح دین اور جان شریعت ہیں۔ لیکن شریعت کی نگاہ میں اجتماعی عبادات میں عورت کی شرکت سے زیادہ اس بات کو اہمیت دی گئی ہے کہ وہ اپنے محاذ پر جمی رہے۔ اس کا کسی اجتماعی پروگرام سے الگ رہنا معاشرہ کے لیے اتنا زیادہ نقصان دہ نہیں ہے جتنا اس کا اپنے مرکز کو چھوڑنا ضرر رساں ہو سکتا ہے۔ عبادات میں نماز اہم ترین جز ہے اور مرد پر نماز جماعت کے ساتھ فرض ہے۔ جب کہ عورت پر نماز فرض کی گئی ہے لیکن اس کے لیے جماعت میں شریک ہونا ضروری نہیں ہے۔ مرد اگر بلاوجہ نماز باجماعت سے پیچھے رہتا ہے تو اسے انتہائی زجر و توبیخ کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس عورت کو مختلف پہلوؤں سے ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ اپنے مکان کے کسی گوشہ ہی کو اپنی عبادت گاہ بنائے اور وہیں باقاعدگی سے عبادت کرتی رہے تاکہ گھر کی حفاظت، بچوں کی تربیت اور اہل خانہ کی خدمت سے وہ کوتاہی نہ کرے۔

چنانچہ محسن انسانیت حضور اکرم ﷺ نے فرمایا

**((خَيْرُ مَسَاجِدِ النِّسَاءِ قَعْرُ بُيُوتِهِنَّ))** (۱)

ترجمہ: عورتوں کی بہترین مسجدیں ان کے گھروں کے اندرونی حصے ہیں۔

مشہور صحابی ابو حمید ساعدیؓ کی زوجہ محترمہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں، یا رسول ﷺ! میں چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھا کروں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

حضور ﷺ نے جواب دیا: مجھے یقین ہے کہ در حقیقت تمہاری یہی خواہش ہے، لیکن جان لو کہ

**((صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي حُجْرَتِهَا، وَصَلَاتُهَا فِي مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي بَيْتِهَا))** (۲)

---

۱- مسند احمد، امام احمد بن حنبل، باب حَدِيثُ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حدیث: ۲۶۵۴۲، ص: ۴۴/۱۶۴

۲- سنن ابوداؤد، امام ابوداؤد، كِتَاب الصَّلَاةِ، بَابُ التَّشْدِيدِ فِي ذَلِكَ، حدیث: ۵۷۰، ص: ۱/۱۵۶

ترجمہ: عورت کی نماز اس کے اپنے گھر میں صحن کے بجائے کمرے کے اندر زیادہ افضل ہے، بلکہ کمرے کی بجائے اندرونی) کوٹھڑی میں زیادہ افضل ہے۔

پھر فرمایا کہ تمہاری جو نماز کمرہ میں ادا ہو وہ مکان کے وسط میں ادا کی جانے والی نماز سے اُولیٰ ہے اور وسط مکان میں پڑھی جانے والی نماز افضل ہے، اس نماز سے جو تم اپنے محلہ کی کسی مسجد میں ادا کرو-اسی طرح تمہاری جو نماز اپنے محلہ کی مسجد میں ادا ہوتی ہے وہ تمہارے حق میں میری مسجد میں پڑھی جانے والی نماز سے بہتر ہے۔اس حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے فرمان کا ابو حمید ساعدی کی بیوی پر یہ اثر ہوا کہ انہوں نے مکان کے بالکل تنگ حصّہ میں نماز کی جگہ متعین کر رکھی تھی اور زندگی بھر وہیں نماز ادا کرتی رہی ہیں۔[1]

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ عورت کی نماز اس کے اپنے گھر میں پڑھنا افضل ہے اور اسی میں اس کے لیے زیادہ خیر و بھلائی، عفت و عصمت سے حفاظت اور فتنہ و فساد سے عافیت ہے۔ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رہے کہ مسجد میں نماز پڑھنے کا جو اضافی ثواب ہے۔ اگر عورت مسجد میں نماز ادا کرے مثلا مسجد نبوی یا مسجد حرام تو وہ اضافی ثواب کے مستحق ہوگی۔

## عورتوں کے لیے جمعہ کی نماز کا حکم

طارق بن شہاب نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں

((الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلاَّ أَرْبَعَةً عَبْدٌ مَمْلُوكٌ أَوِ امْرَأَةٌ أَوْ صَبِيٌّ أَوْ مَرِيضٌ))[2]

ترجمہ: جمعۃ المبارک ہر مسلمان پر واجب ہے، سوائے چار قسم کے لوگوں کے غلام، عورت، بچہ اور مریض۔

## عورتوں کا جہاد

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ عورتوں پر جہاد فرض نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالی نے ان کی فطرت میں کمزوری اور بناوٹ و ساخت میں مردوں سے الگ رکھا ہے۔ اللہ نے دین میں سب کی رعایت کی ہے اور ایک حکمت کے تحت سب کے لیے مناسب احکامات دیے ہیں۔ عورتوں پر جہاد فرض نہ ہونے میں بھی اللہ کی بے شمار حکمتیں ہیں جنہیں

---

[1]- سنن الکبری بیھقی، احمد بن الحسین بن علی بن موسی الخُسْرَوْجِردی الخراسانی ابو بکر البیھقی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ، جُمَّاعُ أَبْوَابِ إِثْبَاتِ إِمَامَةِ الْمَرْأَةِ وَغَيْرِهَا، بَابُ خَيْرِ مَسَاجِدِ النِّسَاءِ قَعْرُ بُيُوتِهِنَّ، حدیث:۵۳۶۵، ص:۳/۱۸۸

[2]- سنن ابو داؤد، امام ابو داؤد، کتاب الصلوۃ، باب: الجمعۃ للمملوک والمراۃ، حدیث:۱۰۶۹، ص:۱/۴۱۲

سب سے بہتر ان کا خالق ومالک اور حکمت ودانائی والا ہی جانتا ہے۔ جہاد تو مردوں پر فرض ہے مگر اس جیسا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ثواب مردوں کے ساتھ عورتوں کے لیے بھی رکھا گیا ہے۔

اس بات پر نبی ﷺ کا یہ فرمان واضح دلیل ہے کہ جب ایک عورت نے بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ

**((كتبه الله على الرِّجَال فَإِن يُصِيبُوا أجروا وَإِن قتلوا كَانُوا أَحيَاء عِنْد رَبهم يرْزقُونَ وَنحن معشر النِّسَاء نقوم عَلَيْهِم فَمَا لنا من ذَلِك قَالَ فَقَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أبلغي من لقِيت من النِّسَاء أَن طَاعَة الزَّوْج واعترافا بِحقِّهِ يعدل ذَلِك وَقَلِيل مِنْكُن من يَفْعَله))**[۱]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مردوں پر جہاد فرض کیا ہے۔ اگر وہ فتح یاب ہوتے ہیں، تو غنیمت پاتے ہیں اور وہ اگر شہید ہوتے ہیں، تو وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، انہیں روزی ملتی ہے۔ ہمارا کون سا عمل ان کے اس عمل کے برابر ہو گا؟ آپ نے جواب دیا! اپنے شوہروں کی اطاعت اور ان کے حقوق کا پہچاننا۔

کیونکہ اسلام کی نظر میں عورت کا چار دیواری میں رہ کر اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہی عمل جہاد کے برابر ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا

**((عَلَيْكُنَّ بِالْبَيْتِ فَإِنَّهُ جِهَادُكُنَّ))**[۲]

ترجمہ: تم اپنے گھر میں جمی رہو کیونکہ یہی تمہارا جہاد ہے۔

فطرت نے عورت کو خانہ داری کے کاموں اور اپنی اولاد کی پرورش کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور وہ عمل ولادت اور رضاعت کے ایسے سخت طبعی عارضوں میں مبتلا ہوتے رہنے کی وجہ سے ان کاموں کو نہیں کر سکتی جو مرد کر سکتے ہیں۔ معاشرے کی بہترین خدمت جو عورت ادا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ عورت بیاہی جائے، بچے جنے اور اپنی اولاد کی تربیت کرے۔

---

[۱]- ترغیب والترهيب من الحديث الشريف، عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ، ابو محمد، زکی الدین المنذری، دارالکتب العلمیة، بیروت، ۱۴۱۷، كتاب الترغيب والترهيب الجز ۳ ، باب النِّكَاح وَمَا يتَعَلَّق بِهِ، حدیث: ۲۹۷۴، ص: ۳/۳۴

[۲]- مسند احمد، امام احمد بن حنبل، باب مُسْنَدُ الصِّدِّيقَةِ عَائِشَةَ بِنْتِ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، حدیث: ۲۴۳۹۳، ص: ۴۰/۴۵۸

اسلام حق سے وفاداری کا نام ہے۔ مسلمان وہ ہے جو اس وفاداری کا عہد پورا کرے۔ یوں تو زندگی کے ہر قدم پر مومن کے پیمان اور وفا کا امتحان ہوتا رہتا ہے لیکن اس امتحان کا انتہائی سخت اور مشکل ترین مرحلہ اس وقت پیش آتا ہے۔ جب باغی پوری قوت کے ساتھ میدان جنگ میں نبرد آزما ہوں اور حق وباطل کے درمیان زندگی اور موت کا معرکہ جاری ہو، اُس وقت ایک باوفا مومن بندے کا فرض ہے کہ وہ سر دھڑ کی بازی لگا دے۔ اسلام نے ان نازک لمحات میں بھی عورت سے اس کی وفاداری کا جو میدان قرار دیا ہے۔ وہ خاوند کی تابعداری اور اولاد کی پرورش ہے اور خویش واقارب کے ساتھ خیر خواہی اس کے ایمان کی دلیل سمجھی گئی ہے۔

**معاش کی ذمہ داری مرد پر**

عورت کو معاشی تگ ودو سے بھی نجات دی گئی ہے۔ اس پر کسی اور کا کیا بلکہ خود اس کا اپنا معاشی بار بھی نہیں ڈالا گیا ہے تاکہ خاتون کو اپنا اور اپنے اہل وعیال کا پیٹ بھرنے کے لیے بھی گھر کی حدود کو توڑنا نہ پڑے۔ لیکن اگر کسی بڑی مصلحت کے تحت اسے گھر چھوڑنے کی اجازت بھی دی گئی ہے تو اس کام کے لیے ایسی تدابیر بھی اختیار کی گئی ہیں جو اس کے اندر یہ احساس پروان چڑھاتی ہیں کہ اس کا حقیقی مقام وہی ہے جہاں سے وہ چلی تھی۔ گھر سے باہر نکلنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ حدود نسوانیت سے بھی باہر ہو چکی ہے۔

جب معاش کی دوڑ دھوپ اور ضروریات زندگی کی فراہمی کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے مرد پر ڈالی ہے تو اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر شجاعت، دلیری، اشتعال اور یا مرد کی جیسی صفات رکھی دی ہیں۔ اب اگر مرد عورت کو فرائض منزلی کے ساتھ تمدن وسیاست کے انتظام وانصرام کا بھی ذمہ دار قرار دے تو یہ عورت کے ساتھ زیادتی ہو گی، نیز اس لیے یہ تکلیف بے جا ہو گی۔

امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں

> "عورت کا اصلی میدان عمل اس کا گھر ہے نہ کہ باہر اس لیے بغیر کسی حقیقی ضرورت کے اس کا غیر متعلق کاموں میں شرکت کے لیے نکلنا، یا سیر سپاٹے، تفریح اور تماشہ بینی کے لیے جانا، اپنے حسن وجمال اور بناؤ سنگھار کی نمائش کرتے پھرنا جائز نہیں"۔[1]

اللہ تعالیٰ نے عورت کو ایسی منفرد خصوصیات اور صلاحیتوں سے نوازا ہے کہ جنہیں اگر اس کے وظیفہ حیات کی مناسبت سے اس کے مقصد زندگی کی روشنی میں دیکھا جائے تو عقل باور کرنے پر مجبور ہوتی ہے کہ مرد کے

---

[1]- پاکستانی عورت دوراہے پر، امین احسن اصلاحی، مکتبہ جدید پریس، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۸۶

میدان عمل سے عورت کا دائرہ کار الگ ہی ہونا چاہیے۔اسی وجہ سے خاتون کے فرائض بھی مختلف ہیں اور حقوق بھی مردوں سے جداگانہ ہیں۔جن میں سے چند بذیل ہیں۔

**عورت نسلِ انسانی کی بقاء کی ذمہ دار**

نسل انسانی کی بقاء و تسلسل کی ذمہ داری کا غالب حصہ عورت ہی پر منحصر ہے۔ تمدن کے لیے صرف ایک کارکن کی فراہمی کے لیے عورت اپنی فطری ذمہ داری کو ادا کرتے ہوئے عموماً چار مراحل سے گزرتی ہے

۱۔ حمل ۲۔ وضع حمل ۳۔ رضاعت ۴۔ پرورش و تربیت

ان میں سے ہر مرحلہ ہی عورت کی زندگی کے لیے دشوار گزار ہوتا ہے۔جب کہ پہلے تین مراحل تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں عورت بیماری کے قریب تر ہوتی ہے۔ نیز وہ زندگی اور موت کے درمیان کے مراحل سے دوچار رہتی ہے۔

مرد اور عورت تولید میں ایک دوسرے سے مختلف بنائے گئے ہیں اس لیے قدرت ان دونوں سے الگ الگ کام لینا چاہتی ہے۔ مرد بیج بونے والا اور عورت اپنے خون جگر سے کھیتی کو سینچنے والی ہے۔استقرار حمل کے ساتھ ہی رحم مادر میں بچہ اپنی ماں کے ذریعے سے غذا حاصل کرتا ہے۔ گویا عورت اپنی توانائیوں کا ایک حصّہ اس کام میں صرف کرنے پر طبعاً مجبور ہوتی ہے۔ ولادت کے بعد زمانہ رضاعت میں جو خون عورت کے جسم کی قوت و توانائی کا ضامن ہوتا ہے،وہ دودھ کی شکل میں جدید نسل کی پرورش کا کفیل بنتا ہے۔

نوع انسانی کی تربیت کے لیے ہم دیکھتے ہیں، کہ عورت کے ذمہ قدرت نے ایک ایسا اہم فریضہ عائد کیا ہے، جس سے مرد کبھی عہدہ بر آ نہیں ہو سکتا ہے۔ نسل انسانی کو جنم دینے،اس کے پالنے اور پروان چڑھانے کے لیے عورتوں کو سلسلہ وار جن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ان میں سے ہر ایک مرحلہ عورت کے لیے دشوار گزار ہوتا ہے۔

عالم نسواں کے بارے میں اس کی جسمانی ساخت پکار پکار کر کہتی ہے کہ اس کے فرائض کا دائرہ کار مرد سے یقیناً مختلف ہے۔ اس کے مقدر میں 'ماں' ہونا ہے، اسے ماں کے شرف سے بہرہ مند ہونا ہے، اسے اپنی آغوش میں مسیحا اور افلاطون کی پرورش کرنی ہے۔اس کی تخلیق کی عِلّت عنائی، انسان سازی اور انسان آفرینی ہے اور یہ وہ شرف ہے، جس کے آگے ہر شرف ہیچ ہے۔(۱)

---

[1] -اساسیات اسلام، مولانا حنیف ندوی، کیمبرج پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص:۱۵۸

مختصر یہ کہ آنے والی نسلوں کی پرورش کی پوری ذمہ داری عورت پر ڈال دی گئی ہے اور اسے عورت کی فطرت اور جسمانی ساخت کا جزو بنادیا گیا ہے۔ لہٰذا عورت کی پاکیزگی سے خاندان میں شرافت اور رحم محبت کے جذبات جنم لیتے ہیں۔ وہ ایک رفیق حیات کی حیثیت سے جانثاریوں کا محور نہ ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ خاندان کی ساری رونقیں اسی کے دم سے ہیں اور اسی سے چمن میں بہار اور اسی سے اس کائنات میں رنگ و بُو ہے۔ اسی بناء پر علامہ اقبالؒ نے کہا

وجودِ زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اس کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دَرُوں
وجودِ زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
شرف میں بڑھ کے ثُریا سے مُشت خاک اس کی
کہ ہر مشرف ہے اس درج ادرمکنوں
مکالمات افلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اس کے شعلہ سے ٹوٹا شرارِ افلاطون [۱]

کُتبِ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان مائیں رات کو سوتے وقت اپنے بچوں کو پیغمبروں اور صحابہ کرامؓ کی کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔ اس طرح بچوں کے دماغ پر ان کے کارناموں کا اثر رہتا تھا اور بچے بھی ان کے نقش قدم پر چلنا شروع کر دیتے تھے۔ دراصل یہ ماں ہی کے اختیار میں ہے کہ وہ اپنے بچے کو بد اخلاق بنائے یا خدا پرست۔ تربیت کے نقطہ نگاہ سے بھی ماں کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے

**" الدُّنْيَا مَتَاعٌ، وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ"** [۲]

ترجمہ: دُنیا متاع ہے اور دُنیا کی بہترین متاع نیک عورت (بیوی) ہے۔

شوہر کے لیے بیوی بہترین متاع ہے، وہ اس کے بچوں کی عمدہ ترین معلمہ ہے اور اس کے گھر کو بہترین سنبھالنے والی ہے۔ بچوں کی تربیت کے اس فریضہ کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ماں خود بھی دین پر عمل پیرا ہو۔ فرض شناس اور شعور کے ساتھ زندگی گزارنے کے ساتھ ساتھ وہ اطاعت الٰہی اور اطاعت

---

۱۔ ضرب کلیم، اقبال، علی گڑھ بک ڈپو شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ، ۱۹۷۵ء، ص: ۹۷

۲ ۔ صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج ابو الحسن القشیری النیسابوری دار حیا التراث العربی، (س۔ن)، كِتَابُ الرِّضَاعِ، بَابُ خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، حدیث: ۱۴۶۷، ص: ۲/۱۰۹۰

رسول کا نمونہ بن کر دکھائے۔ گھر میں اپنے علم و عمل کی روشنی میں ایسا ماحول تشکیل کرے جس میں پلنے والے بچے بہترین دینی اور اخلاقی فضائل واوصاف کے حامل ہوں۔ نیز اور خدا پرستی، پرہیز گاری، شجاعت، سخاوت، رحمت ووفا ،اور سنجیدگی کے مرقع ہوں۔ جیسے صحابیات اپنے بچوں کی تربیت کا خاص خیال رکھتی تھیں اور خود بھی اپنے آپ کو اسلامی سیرت و کردار کی مثال بن کر دکھاتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے

((أَكْرِمُوا أَوْلَادَكُمْ وَأَحْسِنُوا أَدَبَهُمْ)) [1]

ترجمہ: اپنی اولاد کا خیال رکھو اور ان کو اچھے آداب سکھاؤ۔

امام غزالیؒ اس حدیث کے بارے میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"ماؤں کی گود بچے کا ابتدائی مکتب ہے۔ اگر مکتب میں اس کی بہترین تربیت ہوئی تو آخر تک اسی طرح تعلیم و تربیت ہوتی رہے گی۔ اور اگر خدانخواستہ شروع ہی سے تربیت نہ ہوئی تو بہت مشکل ہوگی کہ پھر آئندہ اس کی اصلاح ہو سکے"۔ [2]

حضرت اُمّ ہانیؓ بیوہ صحابیہ تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کے ہاں پیغام کہلا بھیجا، تو انہوں نے جواب دیا کہ، اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اور میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اب میری عمر کافی ہوگئی ہے اور میرے کئی بچے ہیں۔ جس کی تربیت میری سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ ان کی دیکھ بھال اور اچھی پرورش کا تقاضا یہ ہے کہ میں ہر طرف سے یکسو ہو کر اس ذمہ داری کو ادا کروں۔ نیز اس میں کوتاہی نہ کروں۔۔۔ یہ جواب سن کر آپ ﷺ نے قریشی عورتوں کی تعریف کی اور فرمایا

((خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الإِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ، أَحْنَاهُ عَلَى وَلَدٍ فِي صِغَرِهِ، وَأَرْعَاهُ عَلَى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ)) [3]

ترجمہ: اونٹ پر بیٹھنے والی عورتوں میں سب سے اچھی قریش کی عورتیں ہیں۔ اپنے یتیم بچے سے انتہائی محبت رکھتی ہیں۔ اور اپنے شوہر کے مال واسباب کی پوری طرح حفاظت کرتی ہیں، جو شوہر نے اس کے تصرف میں دیا ہے۔

---

[1] ۔ سنن ابن ماجہ، امام ابن ماجہ، كتاب الادب، باب: بر الوالدوالاحسان الى البنات، حدیث:۳۶۷۱، ص:۲/۱۲۱۱

[2] ۔ احیاء علوم الدین، ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، دار المعرفہ، بیروت، (س۔ن)، ص:۲/۲۱۷

[3] ۔ صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ إِلَى مَنْ يَنْكِحُ، وَأَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ، وَمَا يُسْتَحَبُّ أَنْ يَتَخَيَّرَ لِنُطَفِهِ مِنْ غَيْرِ إِيجَابٍ، حدیث:۵۰۸۲، ص:۷/۶

نبی کریم ﷺ نے نیک صالح بیویوں کی ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے

((وَإِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهِ))[1]

ترجمہ: اگر شوہر ان کی نگاہوں سے غائب ہو جائے، تو وہ اپنے نفس اور اس کے مال کے معاملہ میں اس کی ساتھ خیر خواہی کرتی ہیں۔

اسی مفہوم کو واضح کرتے ہوئے شوکانی کہتے ہیں

" إِذَا أَنْفَقَتْ الْمَرْأَةُ مِنْ طَعَامِ زَوْجِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا أَجْرُهَا بِمَا أَنْفَقَتْ، وَلِزَوْجِهَا أَجْرُهُ بِمَا كَسَبَ "[2]

ترجمہ: جب عورت اپنے شوہر کے گھر سے خرچ کرتی ہے۔ غلط طریقہ پر نہیں بلکہ جائز حدود میں تو اس کو اس خرچ کا اجر ملتا ہے اور شوہر کو اس کے کمائی کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ایک نیک بیوی کی رفاقت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے

((الدُّنيَا مَتَاعٌ وَخَيرُ مَتَاعِ الدُّنيَا المَرأَةُ الصَّالِحَةُ ))[3]

ترجمہ: دُنیا ساری کی ساری متاع (نفع اٹھانے کی چیز) ہے اور دُنیا کی بہترین متاع نیک بیوی ہے۔

خاندان میں عورت کی اہمیت اس سے واضح ہوتی ہے، کیوں کہ بچوں کی اصل تربیت گاہ ان کا اپنا گھر ہے۔ گھر میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ان پر بہت اثرات انداز ہوتا ہے اور گھر کا ماحول خراب ہو جائے تو بچے کی نفسیاتی زندگی میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ ایک متوازن انسان بننے کے قابل نہیں رہتا۔

بیوی جو گھر میں ملکہ کی حیثیت رکھتی ہے، اپنی گھریلو ذمہ داریوں سے دست بردار ہو کر دفتر یا کارخانوں یا دوسرے سیاسی و معاشی جھمیلوں میں پڑ جائے تو گھر میں اس کا اقتدار صرف مالک کی بیوی اور اس کے بچوں کی ماں کہلانے سے قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ حیوانی رابطہ اس روحانی، اخلاقی اور مادی سلطنت کے قیام کے لیے کافی نہیں جس کو 'گھر' کہتے ہیں۔

---

[1]- سنن ابن ماجه، امام ابن ماجه، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ أَفْضَلِ النِّسَاءِ، حديث:۱۸۵۷، ص:۱/۵۹۶

[2]- بستان الاحبار مختصر نیل الاوطار، فیصل بن عبد العزیز بن فیصل ابن حمد المبارک الحریملی النجدی، دار اِشبیلیا، ریاض، ۱۴۱۹ھ، كِتَابُ الْهِبَةِ وَالْهَدِيَّةِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي تصرف الْمَرْأَةِ فِي مَالِهَا وَمَالِ زَوْجِهَا، حدیث: ۳۲۳۷، ص:۲/۱۵۲

[3]- صحیح مسلم، امام مسلم، كِتَابُ الرِّضَاعِ، بَابُ خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، حدیث:۱۴۶۷، ص:۲/ ۱۰۹۰

# مبحث دوم: مغرب میں عورت کے حقوق و فرائض کا تصور

مغربی معاشرہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد ہونے والے مختلف خوشگوار وناخوشگوار اور تغیرات پر مبنی ہے۔ مغرب کے تمدنی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ 'تنازعہ عورت' اور 'مساواتِ مرد وزن' ہے۔ فی زمانہ یہ نعرہ گونج رہا ہے کہ عورت کو ہر حیثیت سے مرد کے برابر ہونا چاہیے۔ قانونی لحاظ سے بھی اسے ہر وہ کام کرنے کی آزادی ہونی چاہیے جو مرد سرانجام دیتا ہے۔ اسے بھی وہ حق ملنے چاہییں جو معاشرے میں مرد کو حاصل ہیں۔ غرض کہ، مرد اور عورت دونوں معاشرے میں مساوی حیثیت سے دوست بن کر رہیں۔ اب مرد کی حاکمیت اور عورت کی محکومیت کا دور ختم ہو جانا چاہیے۔

نظریہ مساوات مرد وزن کا آغاز مغرب سے ہوا، کیونکہ جب اٹھارویں صدی میں جب یورپ میں صنعتی دور شروع ہوا تو جدید یورپ کے معماروں نے پرانے نظام تہذیب و تمدّن کے خلاف آواز بلند کی۔ جس کی بنیاد جاگیر دار نظام اور پاپائیت تھی اور جس کے نتیجے میں انقلابِ فرانس رُونما ہوا۔ حُرّیتِ فکر و عمل کا دور شروع ہوا اور صنعتیں قائم ہوئیں۔ خوشحالی بڑھی تو معیار زندگی بلند ہوا اور اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہوا جس کی وجہ سے کم آمدنی والوں کا گزارہ مشکل ہوا۔ اس صورتحال میں عورت آگے بڑھی اور کسب معاش میں مرد کا ہاتھ بٹانے لگی۔[۱]

تاریخی خوشگوار اور ناخوشگوار واقعات اور حالات نے عورت کو مرد کے شانہ بشانہ نکلنے پر مجبور کیا۔ صنعتیں گھروں سے نکل کارخانوں تک پہنچ گئیں جس کی وجہ سے عورت کا روزگار ختم ہوا اور اس روزگار کی خاطر اُسے کارخانے اور دفاتر تک جدوجہد کرنا پڑی۔

ماضی میں مرد اور عورت کے کام کا دائرہ کار جداگانہ تھا اور معاشرے میں کاموں کی تقسیم کے لیے صنفی اعتبار مقدم تھا۔ صنعتی ترقی کی بدولت صنفی اعتبار کا لحاظ وقت کا تقاضا نہ رہا، لہٰذا معدوم ہو گیا۔ اب عورتیں کمپنی میں ڈائریکٹر، پائلٹ اور انجینئر کی ذمہ داریوں سے بھی آسانی سے سبکدوش ہونے کی اہلیت رکھتی ہیں۔ اب یہ صرف مردانہ نوعیت کے کام نہیں رہے۔ اس معاشرتی تبدیلی نے جس نے عورت کی زندگی کے تقاضوں کو بدل دیا۔[۲]

---

1-Nancy Woloch, *Women and the American Experience*, 2nd ed. (New York: McGraw Hill, Inc., 1994), 326

2-John Nicholson, *Man and Woman How are They?* (New York: Oxford University Press, 1984), 179

انسانی حقوق کے عالمی منشور کے مطابق عورت اور مرد کو حقوق میں برابری حاصل ہے۔ اور انسانی حقوق کو ہی عورت کے حقوق تصور کیا جاتا ہے۔

"Woman rights are human rights" (1)

مغربی معاشرے میں عورت کو سیاسی اور معاشی آزادیاں حاصل ہیں جن کے پس منظر میں عورت کی طویل اور صبر آزما جدوجہد کارفرما ہے جس کی بدولت آج مغربی معاشرے میں عورت کے مردوں کے حقوق مردوں کے مساوی تسلیم کیے گئے ہیں۔

عورت نے اپنی اس جدوجہد کی بدولت بالآخر اپنے حقوق تسلیم کروائے جس کا اعتراف اقوام متحدہ نے کیا

"In the past, human rights had been conceptualized in a way that didnot take account of women's lives and the fact that women routinelyfaced violence,discrimination and oppression. Consequently, women's experiences were until relatively recently not adequately addressed by thehuman rights framework......"(2)

ترجمہ: ماضی میں انسانی حقوق کے تصور میں خواتین کی زندگیاں شامل نہیں تھیں، خواتین کو باقاعدگی سے تشدد، ظلم اور عدم مساوات کا سامنا تھا۔ نتیجتاً ماضی قریب تک خواتین کے مسائل انسانی حقوق کے ڈھانچے میں شامل نہ ہو سکے تھے۔ رضاکاروں، انسانی حقوق میکانزم اور ریاست نے انسانی حقوق کے طریقہ کار کو یقینی بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اور خواتین کے بہتر تحفظ کے لیے انسانی حقوق کے ڈھانچے میں صنفی پہلوؤں کے طول و عرض کو سمیٹ کر انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے تحفظ فراہم کیا۔

اقوام متحدہ نے عورت کو انسان تسلیم کرتے ہوئے اسے وہ تمام حقوق مہیا کرنے کی یقین دہانی کروائی جو معاشرے میں ایک مرد کو حاصل ہیں۔ بلا تفریق جنس، رنگ، نسل، مذہب تمام انسانوں کے حقوق تسلیم کر کے عورت کو معاشرے میں برابری دی گئی اور انسانی حقوق کا عالمی منشور منظور کروا کر عورت کے حقوق کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے رہنما اُصول متعین کیے۔

---

1-United Nations Publication, "Woman Rights are Human Rights", United Nations Office of the High Commissionor, New York and Geneva, 2014. 4.

2- United Nations Publication, "Woman Rights are Human Rights", 25.

انسانی حقوق کا عالمی منشور کی دفعات میں درج انسانی حقوق بذیل ہیں

دفعہ نمبر ۱: تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انہیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ اس لیے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیئے۔

دفعہ نمبر ۲: ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کئے گئے ہیں، اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قوم، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔ اس کے علاوہ جس علاقے یا ملک سے جو شخص تعلق رکھتا ہے اس کی سیاسی کیفیت دائرہ اختیار یا بین الاقوامی حیثیت کی بنا پر اس سے کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ چاہے وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا سیاسی اقتدار کے لحاظ سے کسی دوسری بندش کا پابند ہو۔

دفعہ نمبر ۳: ہر شخص کو اپنی جان، آزادی اور ذاتی تحفّظ کا حق ہے۔

دفعہ نمبر ۴: کوئی شخص غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی شکل بھی ہو، ممنوع قرار دی جائے گی۔

دفعہ نمبر ۵: کسی شخص کو جسمانی اذیّت یا ظالمانہ، انسانیت سوز یا ذلیل سلوک یا سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ نمبر ۶: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر مقام پر قانون اس کی شخصیت کو تسلیم کرے۔

دفعہ نمبر ۷: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حقدار ہیں۔ اس اعلان کے خلاف جو تفریق کی جائے یا جس تفریق کے لیے ترغیب دی جائے، اس سے سب برابر کے بچاؤ کے حقدار ہیں۔

دفعہ نمبر ۸: ہر شخص کو ان افعال کے خلاف جو اس دستور یا قانون میں دئے ہوئے بنیادی حقوق کو تلف کرتے ہوں، بااختیار قومی عدالتوں سے موثّر طریقے پر چارہ جوئی کرنے کا پورا حق ہے۔

دفعہ نمبر ۹: کسی شخص کو محض حاکم کی مرضی پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ نمبر ۱۰: ہر ایک شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کا تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے بارے میں مقدمہ کی سماعت آزاد اور غیر جانب دار عدالت کے کھلے اجلاس میں منصفانہ طریقے پر ہو۔

دفعہ نمبر ۱۱: (۱) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری کا الزام عائد کیا جائے، بے گناہ شمار کئے جانے کا حق ہے تاوقتیکہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا

موقع نہ دیا جاچکا ہو۔(۲) کسی شخص کو کسی ایسے فعلی افروگزاشت کی بنا پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ نمبر ۱۲: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھربار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے گی اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کئے جائیں گے۔ ہر شخص کا حق ہے کہ قانون اسے حملے یا مداخلت سے محفوظ رکھے۔

دفعہ نمبر ۱۳: (۱) ہر شخص کا حق ہے کہ اسے ہر ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور سکونت اختیار کرنے کی آزادی ہو۔(۲) ہر شخص کو اس بات کا حق ہے کہ وہ ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے ملک میں واپس آجانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ نمبر ۱۴: (۱) ہر شخص کو ایذاء رسانی سے دوسرے ملکوں میں پناہ ڈھونڈنے، اور پناہ مل جائے تو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔(۲) یہ حق ان عدالتی کارروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں لایا جاسکتا جو خالصاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوامِ متحدہ کے مقاصد اور اُصول کے خلاف ہیں۔

دفعہ نمبر ۱۵: (۱) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔(۲) کوئی شخص محض حاکم کی مرضی پر اپنی قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور اس کو قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار نہ کیا جائے گا۔

دفعہ نمبر ۱۶: (۱) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی ایسی پابندی کے جو نسل قومیت یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازدواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملہ میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔(۲) نکاح فریقین کی پوری اور آزاد رضامندی سے ہو گا۔(۳) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے۔ اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ نمبر ۱۷: (۱) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔(۲) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ نمبر ۱۸: ہر انسان کو آزادیِ فکر، آزادیِ اظہار اور آزادیِ مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب یا عقیدے کو تبدیل کرنے اور پبلک میں یا نجی طور پر، تنہا یا دوسروں کے ساتھ مِل جل کر عقیدے کی تبلیغ، عمل، عبادت اور مذہبی رسمیں پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ نمبر ۱۹: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہارِ رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی رائے قائم کرے اور جس ذریعے سے چاہے، ملکی سرحدوں کا خیال کیے بغیر علم اور خیالات کی تلاش کرے۔ انہیں حاصل کرے اور ان کی تبلیغ کرے۔

دفعہ نمبر۲۰: (۱) ہر شخص کو پُر امن طریقے پر ملنے جُلنے، اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (۲) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ نمبر۲۱: (۱) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہِ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کئے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔ (۲) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔ (۳) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہو گی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی سے ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مساوی کسی دوسرے آزادانہ طریقِ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ نمبر۲۲: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفّظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی کہ وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ نمبر۲۳: (۱) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفّظ کا حق ہے۔ (۲) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔ (۳) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل و عیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو۔ اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفّظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔ (۴) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ نمبر۲۴: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حدبندی اور تنخواہ کے علاوہ مقرّرہ وقفوں کے ساتھ تعطیلات بھی شامل ہیں۔

دفعہ نمبر۲۵: (۱) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات شامل ہیں اور بے روزگاری بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا یا ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضۂ قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق حاصل ہے۔ (۲) زچّہ اور بچّہ خاص توجہ اور امداد کے حقدار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی سے پہلے پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد معاشرتی تحفّظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ نمبر۲۶: (۱) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم مفت ہو گی، کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں۔ ابتدائی تعلیم جبری ہو گی۔ فنّی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم

حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہو گا۔(۲) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہو گا۔ اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہو گی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوامِ متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔(۳) والدین کو اس بات کے انتخاب کا اوّلین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ نمبر۲۷: ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصّہ لینے، ادبیات سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔(۲) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے اُن اخلاقی اور مادّی مفاد کا بچاؤ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، علمی اور ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ نمبر۲۹: (۱) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں۔ کیونکہ معاشرے میں رہ کر ہی اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔(۲) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہو گا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے یا جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامّہ اور عام فلاح وبہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کئے گئے ہیں۔(۳) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوامِ متحدہ کے مقاصد اور اصول کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ نمبر۳۰: اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جاسکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمیوں میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی تخریب ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔[1]

عورت ہر معاشرے کا اتنا ہی اہم حصّہ ہے جتنا کہ مرد۔ ترقی یافتہ سے لے کر ترقی پذیر معاشروں تک عورتوں کو اپنے جائز مقام اور مردوں کے مساوی حقوق کے لیے جدوجہد کرنا پڑ رہی ہے۔ ترقی یافتہ دور میں دونوں ہی طرح کے معاشروں میں خواتین کے روایتی کردار میں تبدیلی آئی ہے۔ تعلیم سے عورت کو حاصل ہونے والے فوائد کے ساتھ اس کا اثر سماج اور انسانی فلاح بھی ہے۔ مغربی ممالک میں بچیوں کی پرائمری، سیکنڈری اور اعلیٰ تعلیم تک ان کا بنیادی حق ان تک پہنچایا جاتا ہے۔ مغربی ممالک میں خواتین اب اپنی روایتی ذمہ داریاں پورا کرنے کے ساتھ ساتھ

---

[1]-UN General Assembly,"Universal Declaration of Human Rights", *United Nations High Commissioner for Refugees*, Paris:1948, 217

مختلف شعبہ ہائے زندگی میں بھی نمایاں کردار ادا کر رہی ہیں۔ اس کی سب سے بڑی اور اہم وجہ خواتین میں تعلیم حاصل کرنے کا رجحان ہے۔

## عالمی تعلیمی کارکردگی کی نگران تنظیم کی رپورٹ کے مطابق

مساوات مرد و زن سے گزشتہ ۶۰ سالوں میں جو اہم فائدہ ہوا وہ خواتین کی تعلیم کی شرح میں ۴۷ فیصد اضافہ ہے، خاص طور پر ثانوی تعلیم میں ایک مثبت اضافہ ہے جس سے خواتین کو حقوق کے بارے میں آگاہی، فیصلہ سازی میں اُن کی شمولیت، کم عمری کی شادیوں میں کمی، اور زچگی کے دوران اموات میں کمی واقع ہوئی ہے۔[۱]

## مغربی عورت اور اقتصادیات

مغربی معاشرے میں یہ رائے بھی عام ہے کہ باپ یا شوہر پر انحصار کرنا عورت کو معاشرے میں کم تر درجے کا مالک بنا دیتا ہے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ عورت جو ماں یا بیوی ہونے کے ساتھ کوئی بھی ذریعہ معاش نہیں رکھتی اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ مغربی معاشرے میں ایک عورت اہمیت کا دارومدار اِس چیز پر ہے کہ وہ معیشت میں کتنا حصہ ڈال رہی ہے۔ اسی طرح مغربی معاشرے میں تذکیر و تانیث کے معاشرے میں کردار کے حوالے سے بہت بڑی تبدیلی آئی ہے کہ ایک خاندان میں عورت کو بھی کمانے کا اتنا ہی حق ہونا چاہیے جتنا کہ مرد کو۔ دور حاضر میں مغربی عورت اپنی فطری ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ معاشی ذمہ داریاں بھی نبھا رہی ہے۔ بچوں کی پرورش، گھر کی دیکھ بھال کے ساتھ معیشت میں بھی مرد کے شانہ بشانہ دفاتر میں کام کر رہی ہے۔

مغربی معاشرے میں عورت اور مرد شانہ بشانہ ہیں۔ اس وقت مشرقی یورپ میں ۴۱ فیصد، شمالی امریکہ میں ۴۰ فیصد، مغربی یورپ میں ۳۸ فیصد، لاطینی امریکہ میں ۳۳ فیصد خواتین خام قومی پیداوار میں اپنا حصہ ڈال رہی ہیں۔[۲]

ورلڈ اکنامک فورم کی صنفی فرق کی رپورٹ برائے سال ۲۰۱۷ میں خواتین کی نمائندگی کے بارے میں رپورٹ اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں خواتین کی ایک بڑی تعداد ملکی معیشت میں اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔

---

1- UNESCO, "Globarl Education Monetering Report 2017: Meetign our commitments to gender equality in Education", Paris, 2017, 25

2- *UN Women*, "Progress of the World's Women 2015-2016"

"In Healthcare,Education, Non-profits, Legal, Public dministration and Media and Communications the proportion of women in the industry stands at or exceeds 50٪. Of these sectors, Healthcare, Education and Nonprofits employ more women than men, exhibiting a reverse gender gap.However, the gaps between women and men on economic participation and political empowerment remain wide: only 58٪"(1)

ترجمہ: صحت، تعلیم، غیر منافع بخش اداروں، قانون، انتظامیہ ،ابلاغ عامہ کے شعبوں میں ۵۰ فیصد خواتین ہیں۔ صحت، تعلیم اور غیر منافع بخش اداروں میں خواتین کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے جو صنفی فرق کے برعکس ہے۔ البتہ سیاست اور معیشت میں مردو خواتین کا صنفی فرق ۵۸ فیصد ہے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اقتصادی سرگرمیوں میں خواتین کی شمولیت سے مغربی ممالک کی معاشی سرگرمیوں کے گراف میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔ پڑھی لکھی اور ہنر مند خواتین نے ان ممالک کو ترقی کے عروج تک پہنچایا ہے اور ابھی اسی پر اکتفا نہیں بلکہ ترقی کی مزید منازل طے کرنے لیے بھی پر عزم ہیں۔ خواتین کی اقتصادی سرگرمیوں کی غمازی ایک یورپی ادارے کی رپورٹ میں ظاہر ہوتی ہے۔

" قابل ذکر حالیہ تخمینوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اقتصادی صنفی مساوات برطانیہ کی خام ملکی پیداوار میں ۲۵۰ بلین ڈالر، امریکہ میں ۵۰۷ بلین ڈالر، جاپان میں ۵۵۰ بلین ڈالر، فرانس میں ۳۲۰ اور جرمنی میں ۳۱۰ بلین ڈالر کی اضافی پیدوار کرسکتے ہیں۔ دیگر حالیہ تخمینوں سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ چین عالمی جی ڈی پی میں دو اعشاریہ پانچ لاکھ ٹریلین ڈالر اضافہ کر سکتا ہے۔ اور ۲۰۲۵ تک پانچ اعشاریہ تین ٹریلین ڈالر کی اقتصادی شراکت سے اس عرصہ میں صنفی فرق پر مزید ۲۵ فیصد کم ہو جائے گا"(۲)

حیاتیاتی اور صنفی فرق کی وجہ سے مرد اور عورت کی صحت پر مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ خاص کر خواتین کی صحت کے معاملات زیادہ تشویش ناک ہوتے ہیں۔ مغرب کے ترقی یافتہ ممالک میں خواتین کی تعلیم کے ساتھ ان کے لیے صحت کے خصوصی اقدامات کیے جاتے ہیں۔

---

1- *World Economic Forum*, "Global Gender Gap Report", 2017, Switzerland

2-Magdalena Muszysnska, "Family Models In Europe In The Context Of Women's Status", *Demographic Research Institute*, 2004, 13

عالمی ادارہ صحت کی تحقیق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ

"مغرب کے ترقی یافتہ ممالک میں صحت کے حقوق اور سہولیات کی بدولت خواتین کی متوقع عمر مردوں سے زیادہ ہے۔ جو کہ اس وقت مرد کی عمر سے پانچ سال زائد ہے۔ اگرچہ ۱۹۷۹ میں مرد اور عورت کے درمیان درازی عمر کی یہ شرح سات اعشاریہ آٹھ تھی جو کم ہوتی جا رہی تھی اور ۱۹۹۰ کے بعد ۲۰۱۵ اور ۲۰۱۶ میں اس کی شرح میں اضافہ ہوا"[۱]

قانونی طور پر بالغ لڑکی (۱۸ سالہ) عورت نکاح کرنے میں آزاد ہے۔ نکاح کے قوانین سے عورت کو اس کے حق کو تحفظ دیا گیا۔ جنہیں عورت اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے استعمال کر سکتی ہے۔ جب کہ مغرب میں عورت مرد کو طلاق بھی دے سکتی ہے [۲]

"جائیداد کی ملکیت اور خرید و فروخت کا حق، معاشی خود مختاری کے لیے کام کرنے کا حق، گھریلو امور میں حصہ داری، اور اس ایسے معاملات جن میں عورت کی مرضی کا شامل ہونا لازمی ہو کو تحفظ حاصل ہے۔ اس کے علاوہ طلاق کی صورت میں بچوں کو تحویل میں لینے کے قوانین موجود ہیں"۔ [۳]

ماسوائے اکیلی ماؤں کے گھریلو ذمہ داریوں میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ ماں باپ دونوں بچوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہیں اور بچوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ہمہ وقت ملازمتیں بھی کرتے ہیں۔

حالیہ سروے کے مطابق

"۴۸ فیصد جوڑے ایسے ہیں جو ہمہ وقت ملازمتیں کرتے ہیں۔ ۷۵ فیصد جوڑے ایسے ہیں جن میں سے کوئی ایک ہمہ وقت ملازمت کرتا ہے۔ ایک سروے میں ۶۹ فیصد مردوں نے یہ رائے دی کہ وہ نئی ملازمت یا ملازمت میں ترقی سے زیادہ اپنے بچوں کی دیکھ بھال کو ترجیح دیتے ہیں۔ ۴۷ فیصد نے کم دباؤ والی ملازمتوں کو ترجیح دی اور ۳۸ فیصد مرد اپنی تنخواہ میں کمی پر بھی صرف اس لیے راضی ہیں کہ انہیں بچوں کی دیکھ بھال کرنی ہے"۔ [۴]

---

1- *World Health Organization*, "Woman and Health Today's Evidence Tomorrow's Agenda", 2017.

2- *U.S. General Accounting Office*, "Matrimonial Causes Act 1973", Washington, D.C.: January 31, 1997,.

3- UN Women, Progress of the World's Women 2015-2016

4- Working Families, "The Modern Families Index 2017", *Cambridge House*, 2017), 6

مغرب میں عورت نے اپنے جس حق کے لیے سب سے زیادہ جدوجہد کی ہے وہ اس کا سیاسی حق تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد مغرب کی عورت نے سیاسی حقوق کے لیے ہر فورم پر آواز اٹھائی اور بالآخر اسے ووٹ کا حق ملا۔ پھر عورت نے ترقی کرتے ہوئے ایوانوں میں بھی اپنا مقام بنالیا ہے۔

اقوام متحدہ خواتین کی 'سیاست میں خواتین' کے مطابق

"امریکہ میں ایوان زیریں میں (۲۸.۳) اٹھائیس اعشاریہ تین فیصد، ایوان بالا میں (۲۷.۵) ستائیس اعشاریہ پانچ فیصد خواتین ہیں اور مجموعی طور پر دونوں ایوانوں میں (۲۸.۱) اٹھائیس اعشاریہ ایک فیصد نمائندگی خواتین کی ہے۔ جب کہ یورپ (بشمول شمالی علاقے) ایوان زیریں میں (۲۴.۶) چوبیس اعشاریہ چھ فیصد، ایوان بالا میں (۲۶.۳) چھبیس اعشاریہ تین فیصد اور مجموعی طور پر دونوں ایوانوں میں (۲۶.۳) چھبیس اعشاریہ تین فیصد نمائندگی خواتین ممبران کی ہے"۔[1]

پیس ریسرچ انسٹیٹیوٹ آف اوسلو (PRIO) کی عالمی فہرست کے مطابق خواتین کی معاشرے میں خوشحالی، اختیارات پر تفصیلی رپورٹ برائے سال ۲۰۱۲ میں دُنیا کے سر فہرست اُن دس ممالک کی تفصیل دی گئی ہے جہاں عورت کو قانونی حقوق میسر ہیں اور جنہیں عورت کے لیے محفوظ ترین ریاست کہا گیا ہے۔[2]

| نمبر شمار | ملک | مجموعی | انصاف | صحت | تعلیم | معاشیات | سیاست |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | آئس لینڈ | 100 | 100 | 90.5 | 96.7 | 88 | 92.8 |
| ۲ | سویڈن | 99.2 | 90.8 | 94.8 | 95.5 | 90.3 | 93.1 |
| ۳ | کینیڈا | 96.6 | 100 | 92.7 | 92 | 91 | 66.9 |
| ۴ | ڈنمارک | 95.3 | 86.1 | 94.9 | 97.6 | 88.5 | 78.4 |
| ۵ | فن لینڈ | 92.8 | 80.2 | 91.4 | 91.3 | 86.8 | 100 |
| ۶ | سویٹزر لینڈ | 91.9 | 87.9 | 94.4 | 97.3 | 82.6 | 74.6 |
| ۷ | ناروے | 91.3 | 79.3 | 100 | 74 | 93.5 | 93.9 |
| ۸ | متحدہ امریکہ | 89.8 | 82.9 | 92.8 | 97.3 | 83.9 | 68.6 |
| ۹ | آسٹریلیا | 88.2 | 80.7 | 93.3 | 93.9 | 85.3 | 65.1 |
| ۱۰ | نیدرلینڈ | 87.7 | 74 | 95 | 99 | 83 | 68.4 |

1- *UN Women*, "Women in Politics", 2017.

2- *Peace Research Institute of Oslo*, "The Best and Worst Places for Women", 2012.

مجموعی طور پر مغربی ممالک میں خواتین کو بنیادی شہری حقوق قانونی طور پر میسر ہیں۔ مشرق اور دیگر ممالک کی نسبت مغرب میں عورت فیصلہ سازی میں آزاد، تعلیم کے میدان میں مرد کے شانہ بشانہ اور معاشی دوڑ میں مرد کے مدمقابل ہے۔ معاشی وسماجی ڈھانچے میں وہ فطرت پر انسانی عبور کی لڑائی میں مرد کے ہم پلہ کارہائے نمایاں سرانجام دے رہی ہے۔ تعلیمی اور اقتصادی دوڑ میں مغرب کی خواتین دیگر خطہ ارض سے کئی آگے ہیں۔ ازدواجی حیثیت میں اُسے قانونی تحفظ اور سیاسی عمل میں ووٹ ڈالنے اور الیکشن میں حصہ لینے کا حق حاصل ہے، جس سے وہ قانون سازی اور فیصلہ سازی میں حصّہ دار تصور کی جاتی ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ حقوق کے تاریخی مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دُنیا میں انسانی حق کا صحیح تعارف اسلام نے کروایا اور حقوق کے ساتھ فرائض اور ذمہ داریاں بھی متعارف کروائیں اور دونوں جنسوں کے دائرہ کار واضح کرتے ہوئے انسان بالخصوص عورت کو اُس کے حقوق احترام سے عطاء کیے۔ جب کہ مغرب کا سارا کام قیاس وگمان اور ان کی بنیاد پر قائم کیے جانے والے نظریات کے بل پر چل رہا ہے، جن میں تغیر و تبدل ہوتا رہا اور آج میں ان میں گنجائش موجود ہے۔ وہاں چونکہ خود انسان کی حقیقت و حثیت کے بارے میں کوئی واضح تصور موجود نہیں ہے اس لیے اس کی زندگی سے متعلق تمام بنیادی مسائل میں زبردست فکری الجھاؤ ہے۔ دوسرے مسائل کی طرح بنیادی حقوق کے تعین کا مسئلہ بھی اسی فکر و نظر کا شکار رہا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مغرب میں انسانی حقوق مستقل اقدار کی حثیت نہیں رکھتے، ان کا کوئی دائمی اور آفاقی ماخذ و معیار بھی نہیں ہے۔ تمام ماخذ یا تو تصوراتی ہیں یا پھر قانون حبس بے جا۔ میگنا کارٹا، قانون حقوق، فرانس کے منشور انسانی حقوق اور امریکی آئین کی ترمیمات کی طرح وہ دستاویزات ہیں، جن کی نوعیت علاقائی ہے اور جو برطانیہ، فرانس اور امریکہ اور مغربی ممالک کے مخصوص سیاسی و معاشرتی حالات کی پیداوار ہیں۔ وہاں بنیادی حقوق کا تصور انسانی شعور کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ اُبھرا ہے اور ان حقوق نے عوام اور بادشاہ یا حکمرانوں کے درمیان تقسیم اختیارات کی طویل کشمکش کے دوران وجود میں آنے والے معاہدات، پارلیمنٹ کے فیصلوں، منشور، اعلانات اور سیاسی مفکرین کے پیش کردہ نظریات کے بطن سے ایک ایک کرکے جنم لیا ہے۔

یہ کشمکش جوں جوں آگے بڑھتی گئی، حقوق کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، گویا آج جنہیں بنیادی حقوق کہا جارہا ہے وہ کل تک بنیادی حقوق نہیں تھے اور اگر تھے تو ان کی حثیت محض ایک آرزو اور تمنا کی سی تھی جن کی پشت پر کوئی قوت نافذہ موجود نہیں تھی ان میں ہر حق اس وقت حق قرار پایا ہے جب ملک کے مروجہ قانون ودستور نے اسے تسلیم کرکے سند جواز مہیا کی ہے۔ اسی صورت مغربی ممالک میں خواتین کو معروف بنیادی حقوق حاصل ہوئے۔

# باب دوم: اسلام میں عورت کے حقوق

## فصل اوّل: عائلی اور ازدواجی حقوق

## فصل دوم: معاشی اور وراثتی حقوق

## فصل سوم: سماجی اور سیاسی حقوق

# فصل اوّل: عائلی اور ازدواجی حقوق

## مبحث اوّل: عورت کے عائلی حقوق

## مبحث دوم: عورت کے ازدواجی حقوق

# مبحث اول: عورت کے عائلی حقوق

اسلام کی نظر میں مرد وعورت کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ انسان کی عائلی زندگی کو مضبوط اور مستحکم بنایا جائے۔ کیونکہ عائلی زندگی کے استحکام پر دیگر نظام ہائے زندگی کی درستگی کا دارومدار ہے۔ عائلی زندگی خاندان کی بنیاد ہے اور معاشرتی زندگی کا ابتدائی پتھر ہے جس سے سارا معاشرہ تعمیر کی قوت حاصل کرتا ہے۔ خاندان میں مرد و عورت یعنی میاں بیوی اور بچے بھی شامل ہیں۔ ان تمام لوگوں کا آپس میں اور مضبوط اور گہرا تعلق ہی پورے معاشرے کے اطمینان اور سکون کا باعث بنتا ہے۔ ان رشتوں کی مضبوطی کی بنا پر عائلی زندگی مضبوط ہوتی ہے۔ اسلام میں عائلی زندگی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنی خوبصورت ترین مخلوق کو پیدا فرمایا تو جہاں جنت میں اس کی تسکین و آرام کے اسباب مہیا فرمائے، ان میں سب سے بڑا انعام اس کی تسکین کے لیے اس کے ہم جنس کو پیدا فرمانا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے، اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ ان کی طرف (مائل ہوکر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کردی جو لوگ غور کرتے ہیں، ان کے لیے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب زمین پر (انسانی) زندگی میں لطف و سرور نہ ہو تو وہ زندگی خشک و بے مزہ ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت زندگی کے ہر شعبے میں لطف و سرور کے اسباب بنا دیئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا﴾ (۲)

ترجمہ: وہ خدا ہی تو ہے، جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا۔ اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے راحت حاصل کرے۔

---

[۱]- سورۃ الرُّوم: ۳۰/ ۲۱

[۲]- سورۃ الاعراف: ۷/ ۱۸۹

اس سے یہ واضح ہو تا ہے کہ انسان اس دُنیا میں تنہا اور اکیلا نہیں ہے، اُس کی پیدائش ہی اللہ نے جوڑے کی صورت میں کی ہے اور اسی سے اس کی نسل کی بقاء کی کنجی بھی یہی ہے۔

## عائلی کا مفہوم

عربی زبان میں لفظ 'عائلہ' بیوی کے لیے استعمال ہو تا ہے، اس کی جمع عائلات اور عیال ہے۔"عال" کے معنی ہیں عیال داری، یعنی بیوی بچوں والا۔ چنانچہ عائلی زندگی سے مراد گھر اور ان تمام افراد کی زندگی ہے، جو ماں باپ اور بچوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ لُغوی تصریح کو مدِ نظر رکھا جائے تو" العول "کا لفظ ہر اس چیز کے لیے استعمال ہو تا ہے جو انسان کو گرانبار کر دے۔ اسی سے لفظ عیال ہے، یعنی وہ شخص جو کسی دوسرے فرد کے اخراجات کا ذمہ دار ہے۔

علامہ راغب اصفہانی (متوفی ۱۱۰۸ء) عائلی لفظ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"عالہ اور غالہ کے قریب قریب ایک ہی معنی ہیں۔ لیکن" الغول" کا لفظ اس چیز سے متعلق استعمال ہو تا ہے جو انسان کو ہلاک کر ڈالے۔ اور" العول "کا لفظ ہر اس چیز کے متعلق استعمال ہو تا ہے جو انسان کو گراں بار کر دے اور اس کے بوجھ تلے وہ دب جائے۔ محاورہ ہے" ما عالک فھو عائل لی "کہ جو چیز تجھ پر بار ہے اور اسی سے عول ہے۔ جس کے معنی حق استحقاق سے زیادہ لے کر بے انصافی کرنے کے ہیں۔[۱]

جیسے قرآن مجید میں ہے

﴿ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا﴾[۲]

ترجمہ: اس سے تم ناانصافی سے بچ جاؤ گے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا

((الخلقُ كُلُّهم عِيالُ الله عزَّ وجلَّ، فَأَحَبُّهُم إلَيهِ أنفعُهم لعِيالِه))[۳]

ترجمہ: تمام مخلوق اللہ کا کُنبہ ہے، پس اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ شخص وہ ہے، جو اس کے کُنبے کے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔

---

[۱]- مفردات فی غریب القرآن، ابو القاسم الحسین بن محمد المعروف راغب اصفہانی، دار القلم، بیروت، ۱۴۱۲ھ کتاب العین، ص: ۵۹۷/۱

[۲]-سورۃ النساء: ۴/۳

[۳]- صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ، محمد ناصر الدین الالبانی، المکتب الاسلامی، دمشق، ۱۴۰۸ھ، حدیث: ۶۶۹۱، ص: ۱/۶۶۹۱

المنجد میں عائلی لفظ کا مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے

**"عال،يعول عولاً عياله عوولاً" الرجال عياله آل"** [۱]

ترجمہ: اولاد کے معاش کی کفالت کرنا، عیالہ: اہل و عیال کی روزی کے لیے کافی ہونا، عیّل تعییلاً، عیالہ، اہل و عیال کے لیے کافی ہونا عیل الرجل گھر کے وہ آدمی جن کا نان و نفقہ واجب ہو۔ (اس میں مذکر و مونث دونوں شامل ہیں)۔

چنانچہ محاورہ ہے "ویلہ و عولہ "ہائے اس کی مصیبت اور اس سے "العیال" یعنی وہ افراد جن کے اخراجات کا ذمہ کسی دوسرے پر ہو، جن کے بوجھ تلے دبا ہوا ہو اور اس کا مفرد عیّل ہے۔ "عالہ" اس نے فلاں کے اخراجات کا بوجھ اُٹھایا۔

جامع الاصول میں عائلی نظام کا تعارف یوں لکھا گیا ہے

"ایک مرد اور عورت کی باہمی رفاقت سے ملکر بننے والا چھوٹا سا کُنبہ انسان کی تمدنی زندگی کی سب سے پہلی کڑی ہے۔ اس کُنبہ کو انسان کی عائلی زندگی اور اس کے لیے جو ضابطے استعمال ہوتے ہیں، انہیں عائلی نظام کہتے ہیں"۔ [۲]

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ لفظ اکثر اہل و عیال اور بیوی بچوں کے معانی میں مستعمل ہے۔ قرآن نے اس (اہل و عیال) کا ذمہ دار، کفیل، سربراہ اور نگران مرد کو بتایا اور اس کے لیے 'قوام' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ [۳]

ترجمہ: مرد عورتوں پر ذمہ دار مقرر ہیں

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے

"قوّام یا قیّم اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی فرد یا ادارے یا نظام کے معاملات کو درست حالت میں چلانے اور اس کی حفاظت و نگہبانی کرنے اور اس کی ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو" [۴]

---

۱۔ منجد فی اللغۃ، لوئس معلوف، مکتبہ الشرقیہ، بیروت، ۱۹۹۶ء، ص: ۶۹۳

۲۔ جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد، محمد بن محمد بن سلیمان بن الفاسی بن طاہر السوسی الردوانی المغربی المالکی، مکتبۃ ابن کثیر، کویت، ۱۴۱۸ھ، ص: ۱/ ۳۶۸

۳۔ سورۃ النساء: ۴/ ۳۴

۴۔ تفہیم القرآن، سید ابوالاعلی مودودی، ص: ۱/ ۳۴۹

امین احسن اصلاحی اس کی وضاحت فرماتے ہیں کہ

"عربی میں 'قام' کے بعد 'علی' آتا ہے تو اس کے اندر نگرانی، محافظت، کفالت اور تولیت کا مضمون پیدا ہو جاتا ہے۔قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ میں بالاتری کا مفہوم بھی ہے اور کفالت و تولیت کا بھی۔ اور یہ دونوں باتیں کچھ لازم وملزوم سی ہیں" [۱]

مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ نے لکھا ہے

"قوّام کے معنیٰ ہیں کسی شے کے محافظ، منتظم، مدبّر کے اور یہاں مراد یہ ہے کہ مرد عورتوں کے امور کا انتظام کرنے والے، ان کی کفالت کرنے والے، ان پر احکام نافذ کرنے والے ہیں" [۲]

اس طرح اسلام نے مرد کو ذمہ دار مقرر کر کے نہ صرف عورت کی شخصی حیثیت ماں، بیٹی، بیوی، بہن کی حیثیت سے بلند کی بلکہ ان کے لیے باقاعدہ حقوق مقرر فرمائے۔ قرآن کریم نے جس طرح عورت کی جنس سے متعلق تمام ظالمانہ نظریات و قوانین کا خاتمہ فرمایا، وہیں مختلف حیثیتوں میں عورت کا علیحدہ مقام اور ہر حثیت میں اس کے حقوق واضح طور پر بیان کیے۔ درج ذیل سطور میں عورت کی انہی مختلف حیثیتوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔

---

[۱]۔ تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۸۳، ص: ۲/ ۲۹۱

[۲]۔ تفسیر ماجدی، عبد الماجد دریا آبادی، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ،(س۔ن)، ص: ۱/ ۷۳۰؛ ماہرین لغت کے اقوال سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ علامہ فیروز آبادی فرماتے ہیں:قام الرجل المرأة وقام عليها، مانها و قام بشأنها۔ اس کا مطلب ہے مرد کا عورت کی کفالت کرنا اور اس کی دیکھ بھال کرنا۔( قاموس المحیط، امجد الدین محمد یعقوب الفیروزآبادی، دار لفکر، بیروت، ص ۷۴۴)؛ لسان العرب میں ہے: وقد يجئ القيام بمعنى المحافظة والاصلاح ۔بسا اوقات قیام محافظت و اصلاح کے معنیٰ میں آتا ہے۔ آگے مزید ہے:قام الرجل على المرأة مانها وانه لقوّام عليها مائن لها وفى التنزيل العزيز الرجال قوامون على النساء اى الرجال متكلّفون بامور النساء معنيّون بشئوونهن۔ مرد نے عورت کی کفالت کی۔ ایسا کرنے والے کو قوّام کہا جاتا ہے۔ قوّام مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس میں کسی کام کو بہتر سے بہتر طریقے سے انجام دینے اور خوب اچھی طرح اس کی نگرانی و محافظت کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے:قوّام صفة مبالغة، ويقال قيّام و قيّم، وهو الذى يقوم بالأمر ويحفظه۔ قوّام مبالغہ کا صیغہ ہے، اس کے لیے قیّام اور قیّم کے الفاظ بھی مستعمل ہیں۔ اس کا معنیٰ ہے وہ شخص جو کسی کام کو انجام دے اور اس کی محافظت کرے۔(بحر المحیط، عبد الرزاق المہدی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۲ء، ۳/ ۲۳۵)؛ عربی زبان میں 'قام' کا ایک معنیٰ نگرانی و خبر گیری ہے۔ قام علی الامر: کسی کام میں مشغول ہونا، کسی کام کو سنبھالنا، قام علی أہلہ: اہل و عیال کی دیکھ بھال کرنا، کفالت کرنا، خرچ اٹھانا۔(معجم الوسیط، ابراہیم مصطفیٰ، مجمع اللغة العربیة، مکتبة الشروق الدولیة ، بیروت، ۲۰۰۴، ص: ۱۳۴؛ القاموس الوحید، مولانا وحید الزماں کیرانوی، کتب خانہ حسینیہ دیوبند، ۲۰۱۱، ص: ۵۶)

## ۱۔عورت بحیثیت ماں

### بحیثیت ماں حُسن سلوک کا حق

یہ کہنا کہ سب سے پہلے حق والدین کا ہے بایں معنی درست ہے کہ ان کے ساتھ حُسن سلوک سب سے مقدم ہے،اور اس میں مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں،لیکن ماں اولاد کے حُسن سلوک کی اولین حقدار ہے۔عورت بیوی بننے کے بعد جب ماں بنتی ہے تو خاوند کی اطاعت اور اس کے گھر کی دیکھ بھال کی اس پر ذمہ داری ہوتی ہے،لیکن ماں بننے کے ساتھ اس کی ذمہ داریوں میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیتے وقت اللہ تعالیٰ نے ماں کا یوں ذکر فرمایا

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ،حَمَلَتْهُ اُمُّه وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصَالُه فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ،اِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾[1]

ترجمہ:ہم نے انسان کو تاکید کی کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال میں اس کا دودھ چھوٹا۔ہم نے حکم دیا کہ میرا شکر ادا کرو،اور اپنے والدین کا بھی۔

اس آیت میں ماں کی اُن قربانیوں کی طرف اشارہ ہے جو ہر ماں کو اپنی اولاد کے لیے لازماً کرنی پڑتی ہیں۔اس اشارے سے مقصود اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا ہے کہ کوئی اولاد خواہ کچھ ہی کر ڈالے،لیکن وہ ماں باپ کے احسان کا حق ادا نہیں کر سکتی۔فرمایا کہ اس کی ماں مہینوں نہایت دُکھ کے ساتھ اس کو اپنے پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے،پھر وہ جان کی بازی کھیل کر اس کو جنتی ہے،اس کے بعد رضاعت کا دور آتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ کون ہے جو اس کے لیے اتنے دُکھ جھیل سکے۔پھر اولاد کی یہ کتنی بڑی ناانصافی ہوگی اگر وہ اس احسان کو بھول جائے اور پھر جب ماں باپ اس کے احسان کے محتاج ہوں تو ان سے بے پرواہی برتے۔

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾[2]

ترجمہ:اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی (کرتے رہو)۔اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہنا اور نہ ہی انہیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب کے ساتھ

---

[1]۔سورۃ لقمان:۳۱/۱۴

[2]۔سورۃ بنی اسرائیل:۱۷/۲۳

کرنا اور عجز و نیاز سے ان کے آگے جھکے رہو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار! جیسا انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت) سے پرورش کیا ہے، تو بھی ان (کے حال) پر رحمت فرما۔

حکم قرآنی سے مراد صرف یہ ہے کہ والدہ اور والد کو قولاً اور فعلاً بڑی یا چھوٹی کسی قسم کی اذیت پہنچانا بھی جائز نہیں۔ صرف لفظ "اُف" کے تلفظ سے روکنا مقصود نہیں۔ چنانچہ والدہ کے ساتھ ادب اور تمیز داری کی تاکید نکلتی ہے۔ وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا کی مخاطبت اور گفتگو میں ان کے ادب و عظمت کا لحاظ رکھنے کا حکم نکل آیا ہے۔

والدین کی خدمت و اطاعت اور تعظیم و تکریم عمر کے ہر حصے میں واجب ہے بوڑھے ہوں یا جوان، لیکن بڑھاپے کا ذکر خصوصیت سے ہے کہ اس عمر میں جا کر ماں باپ بھی بعض مرتبہ ترش مزاج ہو جاتے ہیں اور عقل و فہم بھی جواب دینے لگتی ہے اور انہیں طرح طرح کی بیماریاں بھی لاحق ہو جاتی ہیں۔ وہ خدمت کے محتاج ہو جاتے ہیں تو ان کی خواہشات و مطالبات بھی کچھ ایسے ہو جاتے ہیں جن کا پورا کرنا اولاد کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے قرآن حکیم میں والدین کی دلجوئی اور راحت رسانی کے احکام دینے کے ساتھ انسان کو اس کا زمانہ طفولیت (یعنی بچپن کا زمانہ) یاد دلایا کہ کسی وقت تم بھی اپنے والدین کے اس سے زیادہ محتاج تھے جس قدر آج وہ تمہارے محتاج ہیں تو جس طرح انہوں نے اپنی راحت و خواہشات کو اس وقت تم پر قربان کیا اور تمہاری بے عقلی کی باتوں کو پیار کے ساتھ برداشت کیا اب جب کہ ان پر محتاجی کا یہ وقت آیا تو عقل و شرافت کا تقاضا ہے کہ ان کے ان سابق احسان کا بدلہ ادا کرو۔

پھر زبان کے اعتبار سے والدین کے ساتھ نہایت نرمی اختیار کرنے کی تاکید آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے باپ کے ساتھ حُسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے لیکن ماں کے ساتھ حُسن سلوک پر بہت زور دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے سوال کیا

((مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي، قَالَ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أَبُوكَ)) [1]

ترجمہ: (اے اللہ کے رسول) میرے حُسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ نے جواب دیا! تمہاری ماں۔ اُس نے پوچھا! اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا! تمہاری ماں۔ اس شخص

---

[1] - صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ الأَدَبِ، بَابُ مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ، حدیث: ۵۹۷۱، ص: ۸/۲؛ سنن ابن ماجہ، امام ابن ماجہ، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابُ بِرِّ الْوَالِدَيْنِ، حدیث: ۳۶۵۸، ص: ۲/۱۲۰۷

نے پھر استفسار کیا! (یارسول اللہ ﷺ)اس کے بعد کون؟آپ نے پھر بھی یہی فرمایا کہ تمہاری ماں۔اس کے چوتھی بار پوچھنے پر فرمایا!اب تمہارا باپ۔

حضور ﷺ نے ماں کی فرمان برداری کے بارے میں مسلسل تین مرتبہ پر زور تاکید فرمائی اور باپ کے لیے صرف ایک مرتبہ حکم دیا۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان پر ماں کے احسانات باپ سے زیادہ ہوتے ہیں۔جس کے عملی مظاہرے انسانی زندگی میں روزانہ دیکھے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عورت پر حق کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا

((أَيُّ النَّاسِ أَعْظَمُ حَقًّا عَلَى الْمَرْأَةِ ؟ قَالَ زَوْجُهَا قُلْتُ: فَأَيُّ النَّاسِ أَعْظَمُ حَقًّا عَلَى الرَّجُلِ ؟ قَالَ أُمُّهُ حَقّ الْمَرْأَةِ عَلَى زَوْجُهَا)) (۱)

ترجمہ:عورت پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟آپؐ نے فرمایا!اس کے شوہر کا،میں نے پھر پوچھا پھر مرد پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟آپؐ نے فرمایاماں کا۔

اس حدیث مبارکہ میں ماں کی نافرمانی کو گناہِ کبیرہ میں شمار کیا گیا ہے اور ماں کی نافرمانی کو فعل حرام سے تعبیر کیا گیا ہے،چنانچہ رحمت دوعالم ﷺ نے فرمایا

((إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ :عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ)) (۲)

ترجمہ:اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی حرام ٹھہرائی ہے۔

اس لیے کہ عورت ماں کی حثیت میں اپنی اولاد کے لیے جو کچھ کرتی ہے،وہ مرد نہیں کرسکتے۔حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ سے منقول ہے کہ ان کی مشرکہ والدہ صلح حدیبیہ کے بعد ان کے پاس آئیں۔انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا

((إِنَّ أُمِّي قَدِمَتْ وَهِيَ رَاغِبَةٌ؟ أَفَأَصِلُهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، صِلِي أُمَّكِ)) (۳)

ترجمہ:میری ماں میرے ہاں آئی ہیں،اور وہ مجھ سے ملنے کی خواہش رکھتی ہیں،فرمایا تم اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو۔

اسلام نے ہر حال میں والدین کی اطاعت کا حکم دیا ہے تاوقت کہ وہ شرک کا حکم دیں تو ایسے میں ان کی اطاعت جائز نہیں۔

---

۱۔سنن الکبری،ابوعبدالرحمٰن خراسانی ،كِتَابُ عِشْرَةِ النِّسَاءِ،باب حَقُّ الرَّجُلِ عَلَى الْمَرْأَةِ،حدیث:۹۱۰۳،ص:۸/ ۲۵۴

۲۔ صحیح بخاری،امام بخاری،كِتَابُ الأَدَبِ، بَابٌ عُقُوقُ الوَالِدَيْنِ مِنَ الكَبَائِرِ،حدیث:۵۹۷۵،ص:۸/ ۴

۳۔ صحیح بخاری،امام بخاری،كِتَابُ الأَدَبِ،بَابُ صِلَةِ المَرْأَةِ أُمَّهَا وَلَهَا زَوْجٌ،حدیث:۵۹۷۹،ص:۸/ ۴

قرآن مجید میں ارشاد ہے
﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ﴾ (۱)

ترجمہ: اور اگر وہ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دُنیا (کے کاموں) میں ان کا اچھی طرح ساتھ دینا اور جو شخص میری طرف رجوع لائے اس کے راستے پر چلنا پھر تم کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ تو جو کام تم کرتے رہے میں سب سے تم کو آگاہ کروں گا۔

جب والدین شرک کی دعوت دیں تو اس کو قبول نہ کرنے کا حکم ہے۔ لیکن ساتھ ہی ارشاد ربانی ہے کہ دنیاوی معاملات میں ان کی عزت کرو کیونکہ دینی طور پر صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور تابعداری ہو گی۔ لیکن دنیوی زندگی میں والدین کے حق کو ہی بلند رکھا۔ پھر والدین میں سے والدہ کا درجہ و مقام بلند تر کیا گیا۔

جہاں مشرکہ ماں کے ساتھ حُسن سلوک کا حکم دیا گیا تو مسلمان ماں کا مقام کیا ہو گا۔ پھر قرآن مجید نے ماں کے احترام کے پیش نظر ماں کے ساتھ نکاح کرنا بیٹوں پر حرام قرار دیا ہے۔ خواہ ماں سوتیلی و رضاعی ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ماؤں کے ساتھ نکاح جائز ہو تا تو جو رتبہ اور مقام قرآن انہیں دے رہا ہے، وہ قائم نہ رہ سکتا اور ماؤں کا تقدس ختم ہو جاتا۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا
((ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ نَشَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ وَأَدْخَلَهُ جَنَّتَهُ: رِفْقٌ بِالضَّعِيفِ، وَشَفَقَةٌ عَلَى الْوَالِدَيْنِ، وَإِحْسَانٌ إِلَى الْمَمْلُوكِ)) (۲)

ترجمہ: جس میں تین خصلتیں ہوں گی، اللہ اس کی موت آسان کر دے گا اور اسے اپنی جنت میں داخل کر دے گا۔ کمزور پر نرمی، ماں باپ سے شفقت اور غلام سے اچھا سلوک۔

حُسن سلوک کو حقوق والدین میں نہایت اہم مقام حاصل ہے۔ آنحضور ﷺ نے حُسن سلوک کے دائرے کو حقیقی والدین سے بڑھا کر رضاعی والدین تک وسیع کیا ہے۔ اللہ کی عبادت کے بعد سب سے بڑی نیکی والدین سے اچھا سلوک ہے۔

---

[۱]۔ سورۃ لقمان: ۱۵/۳۱

[۲]۔ سنن ترمذی، امام ترمذی، أَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالرَّقَائِقِ وَالْوَرَعِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حدیث: ۲۴۹۴، ص: ۲۳۷/۴

## بحیثیت ماں نان نفقہ کا حق

جس طرح اولاد کا نفقہ والدین پر واجب ہے اسی طرح بالغ اولاد پر واجب ہے کہ وہ والدین کو نفقہ دیں جب کہ وہ ضرورت مند ہوں ان کے نان نفقہ اور ضروریات کی تکمیل بھی اولاد پر واجب ہے۔ اگر اولاد والدین کے کھانے پینے، لباس، مسکن کا خیال نہ رکھے تو والدین کو حق ہے کہ وہ بذریعہ عدالت یہ حق حاصل کریں۔ البتہ والدین اگر مال دار ہیں تو وہ اپنے نان نفقہ کے شرعاً خود ذمہ دار ہیں۔ نفقہ کے بارے میں قرآنِ مجید میں ہے

﴿يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلْ مَآ أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينِ وَٱبْنِ ٱلسَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا۟ مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ ٱللَّهَ بِهِۦ عَلِيمٌ﴾ (۱)

ترجمہ: آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں؟ آپ بتادیں کہ جو کچھ مال تم کو خرچ کرنا ہو، ماں باپ کا حق ہے اور قرابت داروں کا اور باپ کے بچوں کا، محتاجوں کا اور مسافر کا اور جو نیک کام کروگے تو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

حضرت عمروؓ بن العاص سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے پاس مال ہے اور صاحبِ اولاد ہوں اور میرا باپ حاجت مند ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا

((أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ)) (۲)

ترجمہ: تم بھی اپنے باپ کا مال ہو اور تمہاری متاع بھی۔

شریعت نے والدین کے نفقے میں محتاجی کی شرط اس لیے لگائی ہے کہ اگر ان کا اپنا مال موجود ہو تو ان کے نفقے کا وجوب دوسرے کے مال میں قائم ہونے کی نسبت اپنے مال میں قائم ہونا زیادہ اولیٰ ہے۔ (۳)

والدین کا اولاد کے مال سے کھانا پینا رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے بالکل واضح ہوتا ہے۔

((إِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَطْيَبِ كَسْبِكُمْ فَكُلُوا مِنْ كَسْبِ أَوْلَادِكُمْ)) (۴)

ترجمہ: تمہاری اولادیں تمہاری پاکیزہ ترین کمائی ہیں اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھاؤ۔

---

۱۔ سورۃ البقرۃ: ۲/۲۱۵

۲۔ سنن ابن ماجہ، امام ابن ماجہ، كِتَابُ التِّجَارَاتِ، بَابُ مَا لِلرَّجُلِ مِنْ مَالِ وَلَدِهِ، حدیث: ۲۲۹۲، ص: ۲/۷۶۹

۳۔ کتاب النفقات اور اسلامی ممالک میں رائج الوقت قوانین، حماد اللہ وحید، زمزم پبلیشرز، کراچی، ۲۰۰۵، ص: ۱۷۴

۴۔ سنن ابو داؤد، امام ابو داؤد، كِتَاب الْبُيُوعِ، بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَأْكُلُ مِنْ مَالِ وَلَدِهِ، حدیث: ۳۵۳۰، ص: ۳/۲۸۹

بہر صورت ماں باپ کی خدمت اور ان کی اطاعت اولاد پر لازم وضروری ہے خواہ اولاد شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، خواہ والدین مالدار ہوں یا ضرورت مند وہ اولاد کے مال سے کھا سکتے ہیں۔ والدین اگر مال دار ہوں تو اولاً تو اولاد کے مال کی ضرورت پیش ہی نہیں آئے گی پھر بھی اگر وہ اولاد کی کمائی سے کھائیں بھی تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور ضرورت مند والدین کا نان نفقہ اولاد پر واجب ہے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے اگر حُسن سلوک میں ماں کا حق باپ کے حق سے تین گناہ مقدم رکھا تو پھر اس اہم حق میں بھی یقیناً ماں کا درجہ ہی اولین قرار پایا۔

## بحیثیت ماں وراثت کا حق

قرآن وحدیث کی تصریحات سے ماں کی حثییت اور مقام واضح ہو جاتا ہے۔ شریعت کی روشنی میں والدین اولاد کی جائیداد میں قانونی طور پر وارث ہیں۔ قرآن نے "اصحاب الفروض" (قرآنی وارث) میں والدین کا حصّہ طے کر دیا اور کلالہ کی صورت میں وراثت کی تقسیم ماں کا درجہ مقدم کیا گیا۔ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۱ میں بالکل واضح احکامات ہیں کہ اگر وہ (متوفی) صاحبِ اولاد نہ ہو اور (صرف) والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصّہ دیا جائے۔ اور اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں چھٹے حصے کی حق دار ہو گی۔ (عورت بحیثیت ماں کے وراثتی حقوق متعلقہ مبحث میں بیان کیے گئے ہیں)۔

۲۔ عورت بحیثیت بیٹی

بیٹی کی حثییت میں عورت کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید نے سب سے پہلے تو جاہلیت کا نقشہ کھینچا کہ جاہلیت میں کس طرح بیٹی کی پیدائش کو اپنے لیے ننگ وعار سمجھا جاتا تھا۔ والد ذلت کے خوف سے لوگوں کے سامنے آتے ہوئے شرم محسوس کرتا تھا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ان کی اس حالت کو اس طرح بیان کرتا ہے

﴿ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴾ [1]

ترجمہ: اِن میں سے جب کسی کو لڑکی (پیدا) ہونے کی خبر دی جائے، اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ اس بُری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چُھپا چُھپا پِھرتا ہے، سوچتا ہے کہ کیا اس کو ذلت کے ساتھ لیے ہوئے ہی رہے یا اِسے مٹی میں دبا دے۔ آہ! کیا ہی بُرے فیصلے کرتے ہیں۔

رحمت اللعالمین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے ان نونہال بچیوں پر اس ظلم کو روکنے کی ایسی تدابیر اختیار کیں جن کی بدولت ان کی قدر وقیمت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ ان کے حقوق متعین کئے گئے، ان کی ہلاکت کو بدترین جرم قرار دیا گیا اور

---

[1] ۔سورۃ النحل:۱۶/ ۵۸

بیٹی کو احترام و عزت کا مقام عطا کیا گیا۔ اس طرح قرآن نے ان کے اس ظالمانہ فعل کی سخت مذمت کی اور مسلمانوں کو صریح الفاظ میں اس سے روکا کہ مشرکین والی حرکت تمہیں نہیں کرنی چاہیے۔ اور بتایا کہ لڑکیاں اور لڑکے سب خدا ہی کی پیدا کردہ ہیں، وہ جسے چاہے بیٹے عطا کرے، جسے چاہے بیٹیاں عطا کرے، اس میں ذلت اور شرم کی کیا بات ہے اور لوگوں سے چھپنے کی کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ أَوْيُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ﴾ [۱]

ترجمہ: تمام بادشاہت خدا ہی کی ہے آسمانوں کی بھی اور زمین کی بھی وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے بخش دیتا ہے یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عنایت فرماتا ہے (یعنی اس کے نزدیک بیٹے اور بیٹیاں برابر ہیں) اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے وہ تو جاننے والا (اور) قدرت والا ہے۔

اس آیت میں چونکہ بیٹی کا ذکر پہلے اور بیٹے کا بعد میں ہے، جس سے لڑکی کی اہمیت بتانی مقصود ہے۔ روح البیان میں یہ حدیث بیان کی گئی ہے "وہ عورت مبارک ہوتی ہے جس کے پیٹ سے پہلے لڑکی پیدا ہو" [۲]

## بحیثیت بیٹی پرورش کا حق

قرآن نے بیٹیوں کے وجود کو عطیہ خداوندی قرار دے کر ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ جس کا عملی نقشہ قرآن پیغمبر قرآن اور رحمت للعالمین ﷺ نے پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے حبیب مکرم ﷺ کو بیٹیاں عطا فرمائیں، ایک نہیں چار بیٹیوں کا باپ فرمایا۔ اس میں بھی ایک حکمت تھی کہ نبی اکرم ﷺ کا اُسوہ اس اعتبار سے ان لوگوں کے لیے موجب اطمینان بن جائے جن کو اللہ تعالیٰ نے بیٹا نہ دیا ہو اور صرف بیٹیاں ہی عطا کی ہوں۔ اور پھر آپ ﷺ نے جس انداز میں اپنی چاروں بیٹیوں کی پرورش فرمائی اور جس طرح آپ کو ان سے محبت تھی وہ ظاہر ہے گویا آپ ﷺ نے عملاً دِکھا دیا کہ بیٹیوں کا وجود ہرگز باعث شرم نہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے اس طرز عمل نے بیٹی کو ذلت و پستی کے مقام سے اٹھا کر عزت و احترام کے مقام بلند پر فائز کر دیا۔

---

[۱] ۔ سورۃ الشوریٰ: ۴۹/ ۵۰

[۲] ۔ صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ، محمد ناصر الدین الالبانی، حدیث: ۱۲۰۷، ص: ۱/ ۱۲۰۷

بعض قبائل میں اولاد کو خصوصاً لڑکیوں کو افلاس اور بھوک کے ڈر سے قتل کر دیا جاتا تھا کہ یہ کمائے گئی کچھ نہیں بلکہ الٹا بوجھ ہو گا (دُختر کشی کا رواج صرف عرب ہی میں نہ تھا بلکہ بہت سی قومیں ایسا کرتی تھیں، ہندوستان کے راجپوتوں میں بھی اس کا رواج تھا) قرآن کریم نے اس سے بھی روکا اور ارشاد فرمایا۔[1]

قرآن مجید کی سورت بنی اسرائیل میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا﴾[2]

ترجمہ: اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف قتل نہ کرنا (کیوں کہ) ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں کچھ شک نہیں کہ ان کا مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے۔

اسی طرح سورت الانعام میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾[3]

ترجمہ: وہ لوگ بڑے گھاٹے میں رہے، جنہوں نے اپنی اولاد کو جہالت اور نادانی کی بناء پر قتل کیا۔

زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا مذموم عمل تھا بلکہ لڑکی کی پیدائش پر رنج و غم کرنا اور حقیر و ذلیل سمجھ کر اس کی طرف کوئی توجہ نہ دینا اور اس کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت سے چشم پوشی کرنا بھی اسے زندہ دفن کرنے کے مترادف ہے۔ اسلام نے اس کی سخت مذمت کی ہے اور اسے ناپسندیدہ عمل قرار دیا ہے اور لڑکی کی پرورش و پرداخت اور اچھی تعلیم و تربیت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنے اور اسے اعلیٰ اخلاقی قدروں سے آراستہ کرنے اور بلند عادات و اطوار سے مزّین کرنے کی نہ صرف ترغیب دی بلکہ اسے کارِ ثواب اور حصولِ جنت کا ذریعہ قرار دیا۔ حضرت انس بن مالکؓ سے حدیث مروی ہے

((مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ دَخَلْتُ أَنَا وَهُوَ الجَنَّةَ كَهَاتَيْنِ، وَأَشَارَ بِأُصْبُعَيْهِ))[4]

ترجمہ: جس نے بیٹیوں کی پرورش کی، وہ اور میں جنت میں اس طرح داخل ہوں گے، پھر آپؐ نے اپنی دونوں انگلیوں (درمیانی اور سبابہ) کو ملایا۔

---

[1]- سیرۃ النبی ﷺ، سید سلیمان ندوی، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص:۶/۲۲۸

[2]- سورۃ بنی اسرائیل:۱۷/۲۸

[3]- سورۃ الانعام:۶/۱۴۰

[4]- سنن ترمذی، امام ترمذی، أَبْوَابُ البِرِّ وَالصِّلَةِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّفَقَةِ عَلَى البَنَاتِ وَالأَخَوَاتِ، حدیث: ۱۹۱۴، ص:۴/۳۱۹

احکام قرآن اور احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا تفریق جنس بچوں کی پرورش کرنا والدین پر واجب ہے۔ مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ لڑکیوں کی شریعت اسلامیہ کے مطابق تعلیم وتربیت اور پھر ان کی شادی کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین فضیلتیں حاصل ہوں گی

جہنم سے چھٹکارا

جنت میں داخلہ

حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جنت میں ہمراہی

اسلام نے لڑکیوں کو اچھی طرح پرورش کی ترغیب دے کر لوگوں کے قلوب اور اذہان میں یہ تصور پختہ کرنے کی کوشش کی ہے کہ مرد کے مقابلے میں عورت بے قیمت اور بے حیثیت نہیں ہوتی بلکہ وہ تو قدرت کا گراں مایہ عطیہ ہے۔اس میں مردوں کے مقابلے میں اُنس ومحبت، ہمدردی وغم خواری بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔

## بحیثیت بیٹی حُسن سلوک کا حق

حدیث نبوی میں لڑکیوں کے ساتھ احسان کا ذکر ہے۔یہ ایک جامع لفظ ہے، اس میں ان کی پرورش تعلیم وتربیت ان کے ساتھ حُسن سلوک اور محبت کا رویہ سب کچھ شامل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس مظلوم صنف کی حمایت میں جو ہدایات اور تعلیمات دی ہیں۔ آج تک کوئی بھی مدعی حقوق نسواں ان سے زیادہ صحیح اور حقیقی تعلیمات نہیں پیش کر سکا۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

((لايَكُونُ لأَحَدِكُمْ ثَلاثُ بَنَاتٍ أَوْ ثَلاثُ أَخَوَاتٍ فَيُحْسِنُ إِلَيْهِنَّ إِلا دَخَلَ الْجَنَّةَ))[1]

ترجمہ: تم میں سے جس کی تین بیٹیاں ہوں یا تین بہنیں ہوں اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔

---

[1]- سنن ترمذی، امام ترمذی، أَبْوَابُ البِرِّ وَالصِّلَةِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّفَقَةِ عَلَى البَنَاتِ وَالأَخَوَاتِ، حدیث: ۱۹۱۲، ص: ۳۱۸/۴

حضرت فاطمہؓ کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں

((مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَشْبَهَ سَمْتًا وَهَدْيًا وَدَلًّا بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قِيَامِهَا وَقُعُودِهَا مِنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: " وَكَانَتْ إِذَا دَخَلَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ إِلَيْهَا وَقَبَّلَهَا، وَأَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ مِنْ مَجْلِسِهَا، فَقَبَّلَتْهُ وَأَجْلَسَتْهُ فِي مَجْلِسِهَا)) [1]

ترجمہ: میں نے چال ڈھال اور اٹھنے بیٹھنے میں حضرت فاطمہؓ سے بڑھ کر کسی کو رسول اللہ ﷺ کے مشابہ نہیں دیکھا۔ وہ جب نبی ﷺ کے گھر داخل ہوتیں، تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے، اسے بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ اسی طرح جب حضور ﷺ ان کے ہاں تشریف لے جاتے، تو وہ کھڑی ہو جاتیں اور حضور ﷺ کو بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ بٹھاتیں۔

محسن انسانیت ﷺ اپنی صاحبزادی اور جنت میں خواتین کی سردار حضرت فاطمہؓ سے اس قدر پیار و محبت فرماتے تھے کہ ان کی ذرا سی تکلیف سے آپ ﷺ پریشان ہو جاتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

((فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي، فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي)) [2]

ترجمہ: فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، پس جس نے اسے ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا۔

یعنی جو چیز اس کے لیے باعث تشویش ہو گی وہ میرے لیے بھی باعث تشویش ہو گی، اور جس چیز سے اسے اذیت پہنچے گی اس سے مجھے بھی اذیت پہنچے گی۔

آنحضرت ﷺ کے مذکورہ بالا الفاظ مبارکہ میں گوشۂ جگر حضرت فاطمہؓ کے لیے شدید محبت، تعلق اور دلی لگاؤ کے جذبات واضح طور پر جھلک رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا حضرت فاطمہؓ سے شدید لگاؤ اور گہرا تعلق آپ ﷺ کے ان کے استقبال کی کیفیت میں بھی نمایاں اور واضح ہے۔

---

[1]- سنن الکبری، ابو عبد الرحمٰن خراسانی، كِتَابُ الْمَنَاقِبِ، باب مَنَاقِبُ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، حدیث: ۸۳۱۱، ص:۷/۳۹۳

[2]- صحیح بخاری، امام بخاری، كتاب أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، بَابُ مَنَاقِبِ قَرَابَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْقَبَةِ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلاَمُ بِنْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حدیث: ۳۷۱۴، ص:۵/۲۱

حضور ﷺ نے چار بیٹیوں کی پرورش و تربیت ایک شفیق باپ کی حیثیت سے اس عمدہ اور بہترین طریقہ سے کی کہ یہ پہلو دنیا بھر کی عورتوں کے لیے قابل تقلید ٹھہرا۔ اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہؓ کی ایسی تربیت فرمائی کہ ان کی ذات میں وہ تمام صفات قُدسی جمع ہو گئیں جو انسان کے مثالی کمال کی آئینہ دار ہیں۔ اس حُسن تربیت کا نتیجہ تھا کہ حضرت عائشہؓ نے بھی اعتراف کیا کہ حضرت فاطمہؓ سب عورتوں سے بڑھ کر دانا ہیں۔

محسن انسانیت ﷺ کی ان تعلیمات نے معاشرے میں اتنا زبردست انقلاب برپا کر دیا کہ جو لوگ اپنی بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی دفن کر دیا کرتے تھے جن کے ہاں اپنے ہی جگر کے گوشوں کو امان نہیں ملتا تھا، اب وہ نہ صرف اپنی بیٹیوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں خرچ کرنے کو سرمایہ حیات تصور کرنے لگے بلکہ وہ دوسروں کی لڑکیوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے لگے، ان کی عزت و ناموس کے محافظ و پاسبان بن گئے اور ذخیرۂ آخرت سمجھ کر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگے۔ زندگی کے آخری لمحات تک انہیں مظلوم طبقہ کی فکر دامن گیر رہنے لگی۔

الغرض اسی قسم کی اور بھی کئی احادیث ملتی ہیں جس میں آپ ﷺ نے بیٹیوں کے ساتھ حُسن سلوک کرنے کی مختلف انداز میں ترغیب دی۔ اور بلاشبہ یہ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ کل تک جو لڑکیاں باعث ننگ و عار تھیں وہ آج معاشرے کا ایک محترم و معزز جُز بن گئیں۔

## بحیثیت بیٹی نان نفقہ کا حق

اسلام نے عورت کو بحیثیث بیٹی جو عزت اور مقام دیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ بیٹی کے تمام حقوق کی ادائیگی والدین پر واجب کر کے اسے زندگی کا بنیادی حقوق بہم پہنچایا ہے۔

حضرت عقبہؓ بن عامر سے مروی ہے

**((مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ وَأَطْعَمَهُنَّ وَسَقَاهُنَّ وَكَسَاهُنَّ مِنْ جِدَتِهِ كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))** [1]

ترجمہ: جس کی تین بیٹیاں ہوں اور اس نے اس پر صبر کیا اور ان کو کھلایا پلایا اور اچھا پہنایا، تو قیامت کے دن وہ بچیاں اس شخص اور آگ کے درمیان پردہ ہوں گی۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آئی، اس کے ساتھ دو بچیاں تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس فقط ایک کھجور تھی، وہی دے دی۔ اس عورت نے

---

[1] ۔سنن ابن ماجہ، امام ابن ماجہ، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابُ بِرِّ الْوَالِدِ، وَالْإِحْسَانِ إِلَى الْبَنَاتِ، حدیث:۳۶۶۹، ص:۲/

کھجور کے دو ٹکڑے کر کے بچیوں میں بانٹ دیئے اور چلی گئی۔ حضرت اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے رسالت مآب ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا

((مَنْ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنْ هَذِهِ البَنَاتِ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ)) (۱)

ترجمہ: جو شخص بچیوں کی آزمائش میں ڈالا گیا اور اس نے ان سے اچھا سلوک کیا تو وہ اس کے اور دوزخ کے درمیان پردہ ہوں گی۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک والد کو بیٹی کے نان نفقہ کی کس طرح ترغیب دی گئی ہے کہ بیٹی اس کے اور جہنم کی آگ کے درمیان رکاوٹ بن جائے گی۔ یعنی جو مال و دولت وہ آج اپنی بیٹی پر خرچ کرے گا وہ جہنم سے ڈھال کی صورت میں باپ کو میسر ہو گا۔

حضرت محمد ﷺ نے کتنے پُرسوز اور موثر انداز میں ارشاد فرمایا ہے

((أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى أَفْضَلِ الصَّدَقَةِ؟ ابْنَتُكَ مَرْدُودَةً إِلَيْكَ، لَيْسَ لَهَا كَاسِبٌ غَيْرُكَ))(۲)

ترجمہ: کیا میں تمہیں بتاؤں کہ بڑی فضیلت والا صدقہ کونسا ہے۔ اپنی اس بچی پر احسان کرنا جو تیری طرف لوٹا دی گئی ہو اور جس کا تیرے سوا کوئی کفیل اور بار اٹھانے والا نہ رہا ہو۔

نیز پھر فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم اپنے بچوں کے لیے کوئی چیز لاؤ تو لڑکیوں کو پہلے دو کہ جو شخص لڑکی کو خوش کرے گا وہ ایسا ہے جیسا کہ وہ حق تعالیٰ کے خوف سے رویا اور جو خوف خدا سے روتے ہیں، اُن پر آتشِ دوزخ حرام ہے۔ (۳)

## بحیثیت بیٹی نکاح کا حق

والدین اپنے بچوں کی تربیت کرتے ہیں اور ہر ممکن طریقے سے ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ اگر والدین میں کسی وجہ سے مفارقت ہو جائے تو فتویٰ اس پر ہے کہ جب تک لڑکی شرعی بالغہ نہ ہو جائے اس کی پرورش کی ذمہ داری ماں پر ہے۔ کیونکہ امور خانہ داری کی تربیت ماں ہی کر سکتی ہے اور اس کے مصارف باپ پر ہوں گے اور اگر والدہ نہ ہو تو نانی کو حق پرورش حاصل ہے اور ان کے بعد یہ حقِ پرورش دادی کو حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد حقیقی

---

۱- صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ البخاری الجعفی، كِتَابُ الزَّكَاةِ، بَابٌ: اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ وَالقَلِيلِ مِنَ الصَّدَقَةِ، حدیث:۱۴۱۸، ص:۲/۱۱۰

۲- سنن ابن ماجہ، امام ابن ماجہ، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابُ بِرِّ الْوَالِدِ، وَالْإِحْسَانِ إِلَى الْبَنَاتِ، حدیث:۳۶۶۷، ص:۲/۱۲۰۹

۳- البر والصلۃ، جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی، مؤسسة الكتب الثقافية، بیروت، ۱۴۱۳ ھ، الْبَابُ السَّابِعُ وَالْعِشْرُونَ فِي ثَوَابِ النَّفَقَةِ عَلَى الْبَنَاتِ وَالْأَخَوَاتِ، حدیث:۲۱۳، ص:۱/۱۴۸۲۰۰

بہن کو، پھر اخیافی بھانجی کو اور اس طرح الاقرب مالاقرب اس کی پرورش کرتا رہے۔اس طرح باپ کی ذمہ داری تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ اپنی بیٹی کے رشتے کے لیے بہتر جگہ تلاش کرے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ، فَأَدَّبَهُنَّ، وَزَوَّجَهُنَّ، وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ، فَلَهُ الْجَنَّةُ))[1]

ترجمہ: جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی، ان کی اچھی تربیت کی، ان سے حُسن سلوک کیا پھر ان کا نکاح کر دیا تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی

قرآن کی آیات ودیگر احادیث کی روشنی میں یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاسکتی ہے جس طرح ایک بچی کی پیدائش رحمتِ خداوندی کی خوشخبری لے کر آتی ہے اور اس کی پرورش والدین کے لیے جہنم کی آگ سے نجات کا ذریعہ بنتی ہے اسی طرح اس کی عمدہ تعلیم وتربیت بھی جنت کی عظیم نعمتوں کی بشارت سناتی ہے۔

چنانچہ حضرت انسؓ سے مروی ہے

((مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ وَضَمَّ أَصَابِعَهُ)) [2]

ترجمہ: جس نے دو بچیوں کی تربیت اور پرورش کی حتیٰ کہ وہ بلوغت کو پہنچ گئیں، قیامت کے دن وہ میرے ساتھ اس طرح قریب ہوگا (آپ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں کو ملایا)۔

الغرض زندگی کے ہر پہلو کو دیکھا جائے گا کہ اس طریقے سے والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں اور بچیوں کی شادیاں بالغ ہونے کے فورا بعد کرائیں۔اس لیے کہ اگر والدین نے شادیاں نہیں کرائی اور ان سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا تو گناہ والدین پر ہوگا۔

## عورت بحیثیت بیٹی وراثت کا حق

آپ ﷺ نے قرآن کی تشریح کے مطابق یہ خوشخبری سنائی کہ بیٹی کا باپ ہونا ہرگز باعث عار نہیں، بلکہ موجب سعادت ہے۔اسلام نے نہ صرف معاشرتی اور سماجی سطح پر بیٹی کو بلند مقام عطا کیا بلکہ اسے وراثت کا بھی حق دار ٹھہرایا۔اسلام نے عورت کو جو معاشی حقوق دیئے ہیں وہ صرف قانون کی حد تک ہی نہیں ہیں بلکہ ترغیب وترہیب کے ذریعے سے انھیں ادا کرنے کا جذبہ بھی مردوں میں پیدا کیا گیا ہے۔

---

[1]- سنن ابوداؤد، امام ابوداؤد، كِتَاب الْأَدَبِ، بَابٌ فِي فَضْلِ مَنْ عَالَ يَتِيمًا، حدیث:۵۱۴۷، ص:۴/ ۳۳۸

[2]- صحیح مسلم، امام مسلم، كتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، بَابُ فَضْلِ الْإِحْسَانِ إِلَى الْبَنَاتِ، حدیث:۲۶۳۱ص:۴/ ۲۰۲۷

ارشادِ ربانی ہے

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد (کی وراثت) کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کے لیے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے۔ پھر اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں (دو یا) دو سے زائد تو ان کے لیے اس ترکہ کا دو تہائی حصہ ہے، اور اگر وہ اکیلی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے۔

چنانچہ احکام الٰہی اور احادیث نبوی سے واضح ہو رہا ہے کہ بچیاں نحوست کی علامت نہیں ہیں بلکہ رحمت خداوندی ہے۔ آج بھی والد کی نظر میں بیٹیوں کے لیے خاص مقام ان کی نگاہ میں ان کی جگر کے ٹکڑوں کی حیثیت بہت ہی زیادہ ہے وہ ان کے سُکھ چین، راحت اور سکون کے لیے سر توڑ کوشش کرتے ہیں۔ انہیں ان کے مستقبل کی فکر بیٹوں کے مستقبل سے بھی کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ بیٹیوں کے مستقبل کی خاطر سر توڑ کوشش کرتے ہیں، ان کے لیے صعوبتیں اُٹھاتے ہیں اور اپنی گوشہ ہائے جگر کی شادیوں کے موقع پر باوقار طریقے سے رخصت کرنے کے لیے کچھ مال و اسباب جمع کر پاتے ہیں۔

## ۳۔بہن کی حیثیت سے حق

### بحیثیت بہن حُسن سلوک

عورت بہن کی حیثیت میں بھی ایک پاکیزہ اور مقدس مقام رکھتی ہے۔ قرآنی آیات سے بھائیوں کے لیے بہن کی محبت واضح ہوتی ہے جیسے قرآن نے حضرت موسیٰؑ کی بہن کا خصوصی ذکر کر کے بتایا کہ وہ کس طرح اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر بھائی کے صندوق کے ساتھ ساتھ دریا کے کنارے چلتی رہی۔ اور پھر جب فرعون کے گھر والوں نے اسے اٹھا کر محل میں پہنچا دیا تو وہاں بھی کس طرح پہنچ گئیں۔ اور پھر کس انداز میں ان سے گفتگو کر کے اپنی ماں کو اپنے بھائی کے دودھ پلوانے کے لیے لے آئیں۔ اس سارے واقعہ کے ایک ایک لفظ سے بہن کی بھائی کے لیے محبت ظاہر ہوتی ہے۔[2]

بلاشُبہ اس سے یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ بھائیوں کو بھی بہن سے ایسے ہی محبت کرنی چاہیے اور ان کے حقوق کو پہچاننا چاہیے۔

---

[1]۔سورۃ النساء:۴/۱۱

[2]۔اس کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ طٰہٰ آیات نمبر:۳۹-۴۰

نبی ﷺ نے اپنی رضاعی (دودھ شریک) بہن حضرت شیماء ؓ کے ساتھ یوں حُسن سلوک فرمایا کہ اُن کے لیے قیام فرمایا(یعنی کھڑے ہوئے) اپنی چادر بچھا کر اُس پر بٹھایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ مانگو، تمہیں عطا کیا جائے گا، سفارش کرو، تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔ [1]

سرور کونین نبی ﷺ کا اپنی رَضاعی بہن سے حُسن سلوک ہر بھائی کو یہ اِحساس دِلانے کے لیے کافی ہے کہ بہنیں کس قدر پیار اور حُسن سلوک کی مستحق ہیں۔

**بحیثیت بہن ترکے میں حصّہ دار**

چونکہ جاہلیت میں بھائی اپنی بہنوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے اور انکے حصہ وراثت پر بھی قبضہ کر لیا کرتے تھے۔ قرآن نے اس سے روک دیا اور جائیداد میں بیٹے کے حصے کا تعین بیٹیوں کا حصہ واضح بتا کر کیا کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ بلکہ خود بھائیوں کی وراثت میں بھی ان کا حصہ مقرر کر دیا۔ کوئی ایسا بھائی فوت ہو جائے جس کی اولاد اور والدین نہ ہوں اور صرف ایک بہن ہی ہو تو اس کے تمام مال کے آدھے حصے کی تنہا وارث ہو گی۔ اگر دو ہوں تو تہائی مال ان کا ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [2]

ترجمہ: (اے پیغمبر)لوگ تم سے (کلالہ کے بارے میں) حکم (خدا) دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ خدا کلالہ کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کے اولاد نہ ہو (اور نہ ماں باپ) اور اس کے بہن ہو تو اس کے بہن کو بھائی کے ترکے میں سے آدھا حصہ ملے گا۔ اور اگر بہن مر جائے اور اس کے اولاد نہ ہو تو اس کے تمام مال کا وارث بھائی ہو گا اور اگر (مرنے والے بھائی کی) دو بہنیں ہوں تو دونوں کو بھائی کے ترکے میں سے دو تہائی۔ اور اگر بھائی اور بہن یعنی مرد اور عورتیں ملے جلے وارث ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔ (یہ احکام) خدا تم سے اس لیے بیان فرماتا ہے کہ بھٹکتے نہ پھرو۔ اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

(وراثت کی تقسیم میں بہن کے حصّہ کے متعلق مقالہ ہذا کے مبحث عورت کے وراثتی حقوق میں بیان کی گئی ہے)

---

[1] ۔ دلائل النبوۃ، احمد بن الحسین بن علي بن موسی الخُسروجردی الخراسانی دار الکتب العلمیة،، بیروت، ۱۴۰۸ ھ، ج:۵، ص:۱۹۹

[2] ۔ سورۃ النساء: ۴/ ۱۷۶

### بحیثیت بہن نان نفقہ کا حق

والدین کی موجودگی میں بھائیوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی بہنوں سے حُسن سلوک رکھیں مگر والدین کے نہ ہونے یا بڑھاپے کی وجہ سے صاحب استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے، بہنوں کا نفقہ بھی واجب کر دیا۔ والدین کی عدم موجودگی میں بہن کا حقوق بھی وہی ہوتے ہیں جو بیٹی کے حقوق ہوتے ہیں۔ بڑی بہنوں کی عزت و تکریم، اور چھوٹی پر دست شفقت رکھنا بھائیوں کی ذمہ داری میں شامل ہوتا ہے۔ خود پیغمبر ﷺ نے بہن کے احترام اور اس کے ساتھ مختلف پیرائے میں حُسن سلوک کرنے کی تعلیم دی۔ یہ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ ایک جلیل القدر صحابی حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے محض اپنی بہنوں کی نگہداشت کی خاطر ایک بیوہ کو نکاح کے لیے منتخب کیا۔

جب نبی اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کسی نوجوان لڑکی سے کیوں نکاح نہیں کیا؟ تو عرض کیا

((هَلَكَ أَبِي وَتَرَكَ سَبْعَ بَنَاتٍ أَوْ تِسْعَ بَنَاتٍ، فَتَزَوَّجْتُ امْرَأَةً ثَيِّبًا، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَزَوَّجْتَ يَا جَابِرُ فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ: بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا؟ قُلْتُ: بَلْ ثَيِّبًا، قَالَ: فَهَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ، وَتُضَاحِكُهَا وَتُضَاحِكُكَ قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ: إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ هَلَكَ، وَتَرَكَ بَنَاتٍ، وَإِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أَجِيئَهُنَّ بِمِثْلِهِنَّ، فَتَزَوَّجْتُ امْرَأَةً تَقُومُ عَلَيْهِنَّ وَتُصْلِحُهُنَّ، فَقَالَ: بَارَكَ اللَّهُ لَكَ أَوْ قَالَ: خَيْرًا)) [1]

ترجمہ: میرے والد اُحد میں شہید ہو گئے ہیں اور انہوں نے اپنے پیچھے نو بیٹیاں چھوڑیں ہیں، جو میری بہنیں ہیں۔ ان کی نگہداشت کے پیش نظر میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ ان کے ساتھ انہی جیسی ناتجربہ کار لڑکی کو جمع کروں۔ اس لیے ایک ایسی عورت سے نکاح کیا ہے جو ان کی کنگھی چوٹی اور دیکھ بھال کر سکتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! تم نے ٹھیک کیا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن نے بہن کے احترام کے پیش نظر بھائی پر اس کا نکاح حرام کر دیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بھائی قطعاً بہنوں کا احترام نہ کرتے بلکہ شروع سے ہی ان کے دلوں میں شہوانی جذبات پیدا ہو جاتے۔ قرآن نے یہ نکاح حرام کر کے بھائیوں کو بہنوں کی عزت کا محافظ بنا دیا۔ بہنیں خواہ سگی ہوں، باپ شریک ہوں، ماں شریک ہوں یا رضاعی ہوں تمام صورتوں میں بہن سے نکاح کی حرمت بیان کر کے اُس کی عصمت کو تحفظ دیا۔

---

[1]- صحیح مسلم، امام مسلم، كِتَابُ الرِّضَاعِ، بَابُ اسْتِحْبَابِ نِكَاحِ الْبِكْرِ، حدیث: ۷۱۵، ص: ۲/ ۱۰۸۷

## عورت بحیثیت بیوی

عائلی زندگی مرد اور عورت کے درمیان ایک مضبوط معاہدے کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ اسلام نے میاں بیوی دونوں حقوق مقرر کیے ہیں اور عائلی ادارہ میں مرد کو قوامیت عطاء کی ہے، اس کو نفقہ و نگہبانی کی ذمہ داری عطاء کی ہے اور ان سے حُسن سلوک کا حکم دیا۔ بحیثیت بیوی عورت کو مرد کی زندگی میں شریک ٹھہرایا اور اس سے مشاورت کی ترغیب دے کر اس کی اہمیت کو واضح کر دیا۔

قرآن مجید نے قدیم و جدید جاہلیت کی افراط و تفریط سے پاک ہو کر عورت کو اس کا اصلی اور فطرتی مقام بخشا۔ اس نے معاشرہ میں عورت کی اہمیت و مقام بتلانے کے لیے اپنی تیسری بڑی سورت کا نام سورۃ النساء رکھا۔ جس کی پہلی آیت میں ہی عورتوں کی حثیت کے بارے میں صاف اعلان کر دیا کہ

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (۱)

ترجمہ: لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اوّل) اس نے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیئے اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اس آیت میں واضح طور پر عورت کی کمتری اور حقارت سے متعلق ان تمام تصورات کا خاتمہ کر دیا جو قدیم مذاہب اور تہذیبوں میں پائے جاتے تھے۔ قرآن کا یہ اعلان ہے کہ عورت کوئی حقیر اور نجس وجود نہیں ہے، وہ کوئی لایعقل اور بے مقصود ہستی نہیں ہے بلکہ جس "نفس واحدہ" سے مرد وجود میں آیا ہے۔ اسی سے عورت بھی وجود میں آئی۔ اور جس طرح انسانی معاشرہ کا ایک اہم رکن مرد ہے، اسی طرح عورت اس معاشرہ کی دوسری اہم رکن ہے۔ اسی طرح احکام دین کی تعمیل میں اجر و ثواب کے اعتبار سے مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں سے برابر کامیابی اور جنت کا وعدہ ہے۔

﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا﴾ (۲)

---

۱- سورۃ النساء: ۴/ ۱

۲- سورۃ النساء: ۴/ ۱۲۴

ترجمہ: اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان بھی ہو گا، تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور ان کی تل برابر بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔

قرآن مجید اس انداز میں معاشرے میں عورت کا مقام اور اس کے حقوق بیان کر رہا تھا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں

((كُنَّا نَتَّقِي الكَلاَمَ وَالِانْبِسَاطَ إِلَى نِسَائِنَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، هَيْبَةَ أَنْ يَنْزِلَ فِينَا شَيْءٌ، فَلَمَّا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكَلَّمْنَا وَانْبَسَطْنَا)) [1]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ہم عورتوں (بیویوں) سے گفتگو کرنے اور بے تکلفی برتتے ہوئے بھی ڈرتے تھے کہ کہیں ہمارے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہو جائے۔ پھر جب نبی ﷺ کا وصال ہو گیا تو ہم ان کے ساتھ بے تکلف رہنے لگے۔

نبی پاک ﷺ نے عورتوں سے حُسن سلوک نبی پاک ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہوتی ہے

((وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ)) [2]

ترجمہ: عورتوں سے حُسن سلوک کرو، کیونکہ وہ تمہارے تابع ہیں۔

چونکہ بحیثیت بیوی عورت کے عائلی حقوق اس کے ازدواجی حقوق کے زمرے میں آتے ہیں اس لیے بیوی کے حقوق مقالہ کی مبحث ازدواجی حقوق میں تفصیلاً بیان کیے گئے ہیں۔

محسن انسانیت محمد ﷺ نے جن حقوق سے عورت کو نوازا اس کی نظیر تو آج بھی کسی مذہب معاشرے میں نہیں ملتی۔ ماں کی حثیت سے عورت کے قدموں میں جنت رکھی، بیٹی کی حثیت میں وہ باپ کی جنت کی ضمانت بنی، بیوی کی حثیت سے اس کی تمام تر کفالت کا بوجھ اس کے شوہر پر ڈالا گیا اور بہن کی حثیت سے وہ بھائی کے لیے سرمایہ افتخار بنی۔ الغرض اسلام نے عورت کو ان حقوق سے نوازا، جن پر زمانہ ہمیشہ فخر کرتا رہے گا۔ عائلی زندگی کا مقصد عالم گیر وحدت و اخوت بھی ہے، اس لیے اسلام نے عائلہ و خاندان کے چھوٹے دائرے میں بھی ایسی وسعت اور امکانات قائم رکھے ہیں جو اس عالم گیر وحدت کے منافی نہ ہوں، بلکہ اس کے معاون ہوں۔ وہ ایک پیغام محبت ہے جو بندے کو خدا سے جوڑتا، پھر بندوں کو باہمی رشتوں میں باندھنا اور پھر خاندانوں اور افراد کو ایک بڑے کُنبے اور خاندان کا فرد بنا دیتا ہے۔

---

[1]- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ الوَصَاةِ بِالنِّسَاءِ، حدیث: ۵۱۸۷، ص:۷/۲۶

[2]- سنن ترمذی، امام ترمذی، أَبْوَابُ الرَّضَاعِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي حَقِّ المَرْأَةِ عَلَى زَوْجِهَا، حدیث: ۱۱۶۳ص:۳/۴۵۹

# مبحث دوم: عورت کے ازدواجی حقوق

ازدواجی زندگی جنسی ضرورت کو پورا کرنے کا فطری اہتمام ہے اور یہ ضرورت زوجین میں سے ہر ایک کے لیے ہے۔ زوجین کا رشتہ اور تعلق فطری آسودگی کا اہتمام کرتا ہے، اس لیے اسلام نے دونوں کی وجودی حثیت اور ضرورت کو برقرار رکھنے کے لیے اس طرح دونوں زوجین کو ایک دوسرے کے لباس سے تشبیہ دی۔

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (1)

ترجمہ: عورتیں تمہارا لباس ہیں تو تم ان کا لباس ہو۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ نہیں کہا گیا کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت سے ہیں، یہ نہیں کہا گیا کہ عورتیں تمہارا لباس ہیں نہ ہی کہا گیا کہ مرد تمہارا لباس ہیں۔ بلکہ دونوں کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا گیا۔ جس طرح بیوی کے ذمہ خاوند کے حقوق ہوتے ہیں، اس طرح خاوند پر بھی اسلام نے بیوی کے کچھ حقوق مقرر کیے ہیں۔ قرآن مجید نے بحیثیت بیوی عورت کا مقام واضح کیا اور اسے وسیع حقوق دیئے۔

جاہلیت میں چونکہ بیوی کو محض نسل پھیلانے کا ذریعہ تصور کیا جاتا تھا۔ اس پر خاوند کا مکمل قبضہ ہوتا تھا، بیوی کا کوئی علیحدہ تشخص نہیں رہتا تھا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں "Family Law" (خاندانی قانون) کے تحت یہ کہا گیا ہے

> "In old legal systems marriage concerned as the transfer & a women from the power of the family to that of her husband" (2)

ترجمہ: قدیم قانونی نظام میں شادی کی حیثیت ایک منتقلی کی سی تھی جس میں عورت کو خاندان اپنے اختیارات سے اُس کے شوہر کے اختیار میں دیتا تھا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں عورت کی حیثیت ایک "چیز اور شے" کی سی تھی۔ جس طرح خرید و فروخت میں مکمل اختیار شے کے مالک کو حاصل ہوتا ہے اسی طرح عورت کے مالکان یعنی خاندان اور اُس کے شوہر کو اختیارات حاصل تھے۔ اسلام نے عورت کی حیثیت ایک شےء کے بجائے انسان کی حیثیت سے اُس کے تمام

---

1- سورۃ البقرہ: ۲/۱۸۷

2-Encyclopedia of Britannica, 172/7

حقوق بتائے اور خاندان میں نمایاں مقام بخشا۔ اس نے بیوی کا مقام اور اہمیت سمجھانے کے لیے اسے اللہ کی نشانیوں میں سے ایک اہم نشانی قرار دیا! ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴾ [(۱)]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور مہربانی پیدا کر دی۔ جو لوگ غور کرتے ہیں، ان کے لیے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں عورت کو مرد کی کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے

﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ ﴾ [(۲)]

ترجمہ: تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں، پس اپنی کھیتی میں آؤ۔

مراد یہ ہے کہ جس طرح انسان اپنی کھیتی کو قیمتی متاع سمجھتا ہے اور اس سے نفع حاصل کرتا ہے، اس کی ہر طرح حفاظت کرتا ہے، اس کی خاطر اپنی جان کی بازی بھی لگا دیتا ہے۔ اسی طرح بیوی بھی قیمتی متاع ہے جو انسان کو اولاد جیسی نعمت دینے کا ذریعہ ہے۔ اس لیے اس کے حقوق کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کے تسلسل وبقاء کے لیے ازدواجی زندگی اور خاندانی رشتوں کو اپنی نعمت قرار دیا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ﴾ [(۳)]

ترجمہ: اور اللہ نے تمہارے واسطے تمہاری ہی قسم سے عورتیں پیدا کیں اور تمہیں تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے دیے اور تمہیں کھانے کے لیے اچھی چیزیں دیں۔ پھر (بھی وہ حق چھوڑ کر) جھوٹی باتیں تو مان لیتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں ۔

---

[۱]- سورۃ الروم: ۳۰/ ۲۱

[۲]- سورۃ البقرۃ: ۲/ ۲۲۳

[۳]- سورۃ النحل: ۱۶/ ۷۲

اسلام نے نکاح کو ایک معاہدہ قرار دے کر بھی اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

﴿وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾ (۱)

ترجمہ: اور وہ عورتیں تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔

گویا نکاح ایک معاہدہ اور ایک امانت ہے اس لیے جیسے مرد کے عورت پر حقوق ہیں، ویسے ہی عورت کی طرف سے اس کے ذمے فرائض بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے عورتوں سے نیکی اور انصاف کا سلوک کرنے کا حکم فرمایا۔ اسلام نے حقوق کے معاملے میں تمام مردوں اور عورتوں کو برابر قرار دیا۔ کسی کو صنفی بنیادوں پر اعلیٰ و ارفع نہیں بلکہ برابر قرار دیا گیا۔ حقوق میں برابری کا معیار سمجھنے کے لیے سرور کائنات کا اس ارشاد وضاحت کرتا ہے کہ

((أَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا)) (۲)

ترجمہ: آگاہ رہو کہ عورتوں پر تمہارے حقوق ویسے ہی ہیں جیسے تم مردوں پر عوتوں کے حقوق ہیں۔

بیوی کے اہم حقوق حسب ذیل ہیں۔

### ۱۔ مہر کا حق

بیوی کا سب سے پہلا حق اس کے مہر کی ادائیگی ہے، جو نکاح کے ساتھ سب سے پہلے ادا کیا جاتا ہے۔ مہر وہ رقم یا چیز ہے جو مرد اپنی منکوحہ کو بلا کسی معاوضہ کے بطور ہدیہ دیتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ (۳)

ترجمہ: اور تم عورتوں کو انکے مہر خوش دلی سے ادا کرو۔

نیز حق مہر کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے

﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ (۴)

---

۱۔ سورۃ النساء: ۴/ ۲۱

۲۔ سنن ترمذی، امام ترمذی، أَبْوَابُ الرَّضَاعِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي حَقِّ المَرْأَةِ عَلَى زَوْجِهَا، حدیث: ۱۱۶۳ ص: ۳/ ۴۵۹

۳۔ سورۃ النساء: ۴/ ۴

۴۔ سورۃ النساء: ۴/ ۲۰

ترجمہ: اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تب بھی اس میں سے کچھ واپس مت لو۔ کیا تم ناحق الزام کے ذریعے اور کھلا گناہ کر کے وہ مال واپس لوگے؟

ان نصوص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر مرد ڈھیروں مال بھی مہر کی صورت میں اپنی منکوحہ کو دے چکا ہے تو وہ تمام عورت کی ملکیت ہے۔ وہ اس سے ذرہ بھر بھی واپس لینے کا مجاز نہیں۔

﴿وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ (۱)

ترجمہ: اور ان (محرمات) کے سوا اور عورتیں تم کو حلال ہیں۔ اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کرلو، بشرطیکہ (نکاح سے) مقصود عفت قائم رکھنا ہو، نہ کہ شہوت رانی ہو۔ تو جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو، انکا مہر جو مقرر کیا ہو، ادا کر دو۔ اور اگر مقرر کرنے کے بعد آپس کی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی کرلو، تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ بیشک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔

﴿ فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ (۲)

ترجمہ: پس ان سے انکے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو، اور انکو انکے مہر قاعدہ کے مطابق دے دیا کرو۔

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾ (۳)

ترجمہ: اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں) جب کہ ان کا مہر دیدو۔

---

۱- سورۃ النساء:۴/۲۴

۲- سورۃ النساء:۴/۲۵

۳- سورۃ المائدہ:۵/۵

ان آیات سے معلوم ہو گیا کہ "مہر" عورت کا سب سے اہم حق ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص بوقت نکاح مہر مقرر نہ کرے تو اس پر مہر مثل لازم آئے گا۔ مہر کی مقدار کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی صراحت یا تعین نہیں کیا گیا۔ اس لیے علماء مفسرین کی آراء اس بارے میں مختلف ہیں۔

البتہ بعض علماء نے اس آیت "و اتیتم احداھن قنطارً" سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مہر ایک بڑی مقدار میں بھی ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں جب انہوں نے چالیس اوقیہ کی انتہائی حد مقرر کرنی چاہی تو ایک عورت نے انہیں ٹوک دیا کہ اس آیت کی رُو سے ایسا کرنے کا حق آپ کو نہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس فیصلہ سے رجوع کر لیا۔ [۱]

بہر حال مہر ایسا ہونا چاہیے جو باآسانی ادا کیا جا سکے اور جس میں دونوں کا خیال رکھا گیا ہو۔ پھر چونکہ ہر عورت کا حق ہے، اس لیے وہ اس میں خود مختار ہے۔ اور اگر خود معاف کرنا چاہے تو معاف کر سکتی ہے ورنہ اس پر جبر کر کے زبردستی مہر معاف کروانا ظلم ہے، جو بالکل جائز نہیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾ [۲]

ترجمہ: اگر تم انہیں چھونے سے قبل طلاق دو اور ان کے مہر مقرر کئے ہوئے مہر کا آدھا انہیں دو۔

اسی طرح عورت کو خرچ وسامان دینا ہے۔ شریعت اسلامیہ نے حکم دیا ہے کہ جب عورت کو طلاق دی جائے تو خرچ اور سامان بھی دیا جائے۔ اگر خاوند نے زندگی میں بیوی کا مہر ادا نہ کیا تو یہ اس کے ذمے دوسرے قرضوں کی طرح اہم قرضہ رہ گیا۔ جو اس کی موت کے بعد اس کے مال سے بیوی کو دیا جائے گا۔

مہر کی مزید تفصیل اسی باب کی مبحث معاشی اور وراثتی حقوق میں بیان کی گئی ہے۔

## ۲۔ نان نفقہ کا حق

نکاح ایک عظیم معاہدہ ہے جس کو پورا کرنے کی ذمہ داری میاں بیوی دونوں پر لازم ہے۔ شوہر کی طرف سے مہر، نان ونفقہ ادا کرنے، حسن معاشرت، محبت کے ساتھ زندگی گزارنے کا اقرار ہے۔ نکاح کی وجہ سے مرد پر جو ذمہ داریاں لازم ہوتی ہیں ان میں سے اہم ترین حق بیوی کا نفقہ ہے۔ نفقہ میں خوراک، پوشاک، مسکن اور دیگر اشیاء جو عورت کے گزارے، آرام و آسائش کے ضروری ہیں وہ شامل ہیں۔

---

[۱]۔ مفاتیح الغیب (تفسیر الکبیر)، ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن حسن بن حسین تیمی رازی لقب فخر الدین الرازی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۵ھ، ص: ۱۰/ ۱۳

[۲]۔ سورۃ البقرہ: ۲/ ۲۳۷

نفقہ کا لفظی معنی خرچ کرنے کے ہیں، لغت میں اس شئے کو کہتے ہیں جو انسان اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے۔ قرآن مجید کی رُو سے نفقہ عورت کا حق ہے کہ جس کے معاوضہ ہی میں اس پر شوہر کو حقوق زوجیت حاصل ہوتے ہیں۔

"کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ" میں لکھا ہے

**"فهی اخراج الشخص مؤنة من تجب علیه نفقه من خبز و ادم وکسوة و مسکن و ما یتبع ذلک"** [۱]

ترجمہ : آدمی کا اپنے مال میں سے عورت کا حق نفقہ نکالنا جو اس شوہر پر واجب ہے، جیسے روٹی، سالن، کپڑے رہائش اور اس جیسی دوسری اشیاء۔

چنانچہ شوہر کو شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ وہ زوجہ کو اپنے پاس روکے رکھے جس کا معاوضہ نفقہ کی صورت میں ادا کرنا واجب ہے۔ نفقہ کے لیے شرعاً کوئی مقدار مقرر نہیں بلکہ نفقہ دینے والے کی حیثیت پر انحصار ہے۔ بلاشبہ اسلام عورت کو عزیمت کی تعلیم دیتا ہے کہ ایک عورت مصیبت اور فاقہ کشی میں بھی اپنے شوہر کا ساتھ دے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ جہاں نفقہ سرے سے موجود نہ ہو وہاں عورت کو بلا نفقہ گزر کرنے کے لیے مجبور کیا جائے۔

قرآن مجید میں اس ضمن میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ

﴿لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ﴾ [۲]

ترجمہ: مقدور والا اپنے مقدور کے موافق خرچ کرے، اور اگر تنگ دست ہو تو جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔

(نان نفقہ کے حق پر اسی فصل کی مبحث معاشی حقوق میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے)

### ۳۔ حقوق زوجیت (ایلاء سے نجات کا حق)

زمانہ جاہلیت میں عورت کو ذلیل کرنے کے لیے خاوند قسم کھا لیتا تھا کہ وہ اپنی بیوی سے مقاربت نہیں کرے گا، اس وجہ سے عورت معلقہ ہو کر رہ جاتی تھی۔ نہ وہ مطلقہ اور نہ ہی وہ بیوہ ہوتی تھی تاکہ وہ اور شادی ہی کر سکے۔ کیونکہ شوہر اس سے قطع تعلق کر لیتا تھا، نہ اسے اپنے پاس رکھتا اور نہ اسے چھوڑتا تھا۔ اسے تکلیف اور اذیت

---

۱۔ کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ، عبد الرحمن الجزیری، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، دار الکتب العلمیہ، قاہرہ، ج:۴، ص:۴۵۰

۲۔ سورۃ الطلاق:۶۵/۷

دینے کے لیے ایسا کیا جاتا تھا۔ اسلام نے اس قبیح رسم کا قلع قمع کیا اور عورت کو اس سے نجات دیتے ہوئے بتایا کہ یہ انسان کے لیے درست نہیں ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے حلال ٹھہرائی ہے، انسان کا کوئی حق نہیں کہ اسے اپنے اوپر حرام قرار دے۔ اس لیے قرآن نے خاوند کو اس بات سے روکا ہے کہ وہ ایلاء کر کے بیوی کو تنگ نہ کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو چار مہینے انتظار کرنے کے بعد بیوی کو حق ہے کہ وہ اس خاوند سے طلاق لے لے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴾[۱]

ترجمہ: جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس جانے سے قسم کھالیں، ان کو چار مہینے تک انتظار کرنا چاہیے اگر (اس عرصے میں قسم سے) رجوع کرلیں، تو خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر عورت کو زیادہ عرصہ تک اس حق سے محروم رکھا جائے گا۔ تو اس کے دل میں وسواس پیدا ہونگے۔ حدود اللہ ٹوٹنے کا خطرہ پیدا ہو گا۔

جیسا کہ حضرت عمرؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ رات کے گشت کے دوران انہوں نے سنا کہ ایک عورت کچھ عجیب سے اشعار پڑھ کر خاوند کو یاد کر رہی تھی، انہوں نے اُس عورت کی زبان سے یہ شعر سُنے

تطاول هذا الليل تسرى كواكبه
وارقنى ان لاضجيع ا لاعبه
فوالله لو لا الله تخشى عواقبه
لزحزح من هذا السرير جوانبه [۲]

ترجمہ: یہ رات کس قدر لمبی ہو گئی ہے اور اس کے کنارے کس قدر چھوٹے ہو گئے ہیں اور میں رو رہی ہوں کہ میرا شوہر میرے پاس نہیں ہے کہ اس کے ساتھ ہنس کھیل کر اس رات کو گزار دوں۔ خدا کی قسم خدا کا ڈر نہ ہوتا تو اس تخت کے پائے ہلا دیئے جاتے۔

آپؓ نے صبح تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس کا خاوند کافی عرصہ سے جہاد پر گیا ہوا ہے۔ آپؓ نے حضرت حفصہؓ سے پوچھا کہ عورت کتنا عرصہ خاوند کے بغیر گزارہ کر سکتی ہے؟ انہوں نے اشارے سے بتایا کہ چار مہینے۔ چنانچہ اس کے بعد آپؓ نے ہر سپاہی پر چار مہینے سے زیادہ باہر رہنے پر پابندی لگادی۔[۳]

---

[۱]- سورۃ البقرہ: ۲/۲۲۶

[۲]- تاریخ الخلفاء، عبد الرحمن بن ابو بکر سیوطی، مطبعۃ السعادۃ، مصر، ۱۳۷۱ھ، باب بذ من اخبارہ و قضایاہ ص: ۱/۱۲۴

[۳]- نظام الاجتماعی فی الاسلام بین الرجل والمراۃ، تقی الدین النبھانی، دار الأمۃ للطباعۃ، بیروت، ۱۳۵۱ھ، ص: ۴۰

اسی لیے فرمایا گیا کہ اگر بیوی کی کسی غلطی کی وجہ سے تم نے یہ قسم کھائی ہے تو عفو و درگزر کرتے ہوئے اسے معاف کر دو اور اگر کسی معقول وجہ کے بغیر تم نے یوں ہی قسم کھالی تھی، تو قسم کا کفارہ دے کر رجوع کر لو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں کو بخش دے گا۔ اگر خاوند چار ماہ تک رجوع نہ کرے، تو پھر فقہاء کے نزدیک ان حالات میں خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ عورت مطلقہ کی عدت ختم کر کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ سے متعلق بیان ہوا ہے کہ حضرت عثمانؓ بہت عبادت گزار اور راہبانہ زندگی بسر کرنے والے انسان تھے۔ ایک دن ان کی بیوی خولہؓ بنت حکیم حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں، تو اُنہوں نے دیکھا کہ وہ ہر طرح کے زنانہ بناؤ سنگھار سے عاری ہیں۔ وجہ پوچھنے پر وہ بولیں کہ میرے میاں دن بھر روزہ رکھتے ہیں، رات بھر نمازیں پڑھتے ہیں، میں سنگھار کس کے لیے کروں؟

حضرت عائشہؓ نے آپؐ کو یہ قصہ بیان کیا اس پر حضور ﷺ حضرت عثمانؓ کے پاس گئے اور ان سے فرمایا

((يَا عُثْمَانْ! اِنْ الرَّهْبَانِيَة لَمْ تَكْتُبْ عَلَيْنَا، أفَمَالِكْ فِي اُسْوَة؟))[1]

ترجمہ: عثمان ہمیں رہبانیت کا حکم نہیں ہوا ہے۔ کیا تمہارے لیے میرا طرزِ زندگی پیروی کے لائق نہیں؟

آپ ﷺ نے اس بارے میں صحابہؓ سے خاص طور پر فرمایا

((وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))[2]

ترجمہ: خدا کی قسم! میں تمہاری نسبت خدا سے بہت زیادہ ڈرتا ہوں، اور بہت متقی ہوں۔ اس کے باوجود روزہ بھی رکھتا ہوں، اور افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پس جو میری سنت سے روگردانی کرے گا، وہ میرے طریقے پر نہیں۔

اس کے مقابلے میں عورت کو بھی یہ حکم دیا گیا کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

((لا تَصُومُ الْمَرْأَةُ وَبَعْلُهَا شَاهِدٌ إِلا بِإِذْنِهِ))[3]

ترجمہ: اپنے خاوند کی موجودگی میں عورت (نفلی) روزہ نہ رکھے، مگر اس کی اجازت سے۔

---

[1]- مسند احمد، امام احمد بن حنبل، حدیث: ۲۵۸۹۳، ص: ۴۳/ ۷۰

[2]- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ التَّرْغِيبِ فِي النِّكَاحِ، حدیث: ۵۰۶۳، ص: ۷/ ۲

[3]- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ صَوْمِ المَرْأَةِ بِإِذْنِ زَوْجِهَا تَطَوُّعًا، حدیث: ۵۱۹۲، ص: ۷/ ۳۰

عبادت میں زیادہ شغف بھی بیوی اور مرد کو ایک دوسرے کی بے توجہی کا باعث ہو سکتا ہے۔ اگر خاوند دن بھر روزے رکھے، راتوں کو نمازیں پڑھتا رہے اور اسی طرح بیوی بھی کرے، تو ظاہر ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے سے قاصر رہیں گے۔ بعض اوقات خاوند کسی دوسرے ملک چلا جاتا ہے اور اس کی غیر حاضری کی مدت طویل ہو جاتی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ بیوی کو اپنے ساتھ رکھے۔ کیونکہ خود حضرت محمد ﷺ کا یہی طریقہ سفر تھا کہ کسی سفر یا غزوہ پر تشریف لے جاتے، تو بیویوں میں قرعہ ڈالتے اور جس کے نام قرعہ نکل آتا اسے اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے تھے۔ [1]

کیونکہ زیادہ عرصہ میاں بیوی کا ایک دوسرے سے دور رہنا جسمانی، روحانی اور اخلاقی لحاظ سے مضر ہے، خاوند اور بیوی دونوں یہ حق رکھتے ہیں۔ اس لیے قرآن کریم نے اس سلسلے میں خاوند پر کچھ پابندیاں بھی لگائیں ہیں، جن کا مقصد عورت کی صحت اور اس کی بہتری ہے۔ چنانچہ پہلی پابندی یہ لگائی کہ دوران حیض وہ عورت سے مباشرت نہ کریں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ﴾ [2]

ترجمہ: کہہ دو وہ تو نجاست ہے۔ سو ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو، اور جب تک پاک نہ ہو جائیں۔ ان سے مقاربت نہ کرو۔

قرآن مجید میں الگ رہو اور قریب نہ جاؤ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ بیٹھنے یا ایک جگہ کھانا کھانے سے بھی احتراز کیا جائے اور اسے بالکل اچھوت بنا کر رکھ دیا جائے، جیسا کہ یہود اور ہنود اور بعض دوسری قوموں کا دستور ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے اس حکم کی توضیح فرما دی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں صرف فعل مباشرت سے پرہیز کرنا چاہیے، باقی تمام تعلقات بدستور برقرار رکھے جائیں۔ یہاں حکم سے مراد فطری حکم ہے جو انسان اور حیوان سب کی جبلت میں ودیعت کر دیا گیا ہے اور جس سے ہر متنفس بالطبع واقف ہے۔ [3]

---

[1]- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ العِلْمِ، بَابُ العِلْمِ وَالعِظَةِ بِاللَّيْلِ، حدیث: ۴۹۱۳، ص:۱/ ۵۴

[2]- سورۃ البقرہ: ۲/ ۲۲۲

[3]- تفہیم القرآن، سید ابو الاعلیٰ مودودی، ص:۱/ ۱۷۰

قرآن مجید نے دوسری پابندی یہ لگائی کہ مباشرت اس مقام سے کرنی چاہیے، جس کا قرآن کریم نے حکم دیا ہے۔اس کے علاوہ قرآنی تعلیمات میں غور کرتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ جب عورت کسی عذر کی وجہ سے مباشرت پر راضی نہ ہو تو اسے مباشرت پر مجبور نہیں کرنا چاہیے۔[1]

بہر حال اس حق کی اہمیت کی بناء پر فقہاء نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اس حق کی ادائیگی سے کسی بیماری کی وجہ سے قاصر ہو اور علاج معالجہ کرانے کے باوجود وہ اس پر قادر نہ ہو سکے، تو بیوی فسخِ نکاح کرا سکتی ہے۔[2]

### ۴۔حُسنِ سلوک

اسلام میں خانگی زندگی میں جہاں میاں بیوی کے تعلقات آپس میں باہمی مشورے اور شرکت سے ہونے چاہئیں وہاں عورت کو معاشرت میں ایک باعزت مقام دینا چاہیئے۔ چنانچہ قرآن کریم میں بھی بیوی کو یہ حق معاشرت دیا گیا ہے اور تاکید کرتے ہوئے بیوی کے رشتے کی اہمیت اور اس سے حُسن سلوک کو یوں بیان کیا گیا

﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَالآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُواْ مَا كَتَبَ اللّهُ لَكُمْ وَكُلُواْوَاشْرَبُواْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّواْ الصِّيَامَ إِلَى الَّليْلِ وَلاَ تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِتِلْكَ حُدُودُ اللّهِ فَلاَ تَقْرَبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُآيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾[3]

ترجمہ: تمہارے لیے روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا حلال کیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لیے پردہ ہیں، اور تم ان کے لیے پردہ ہو۔ اللہ کو معلوم ہے، تم اپنے حق میں خیانت کرتے تھے پس تمہاری توبہ قبول کر لی اور تمہیں معاف کر دیا۔ سو اب ان سے مباشرت کرو، اور طلب کرو وہ چیز جو اللہ تعالی نے تمہارے لیے لکھ دی ہے۔ اور کھاتے اور پیتے رہا کرو جب تک کہ تمہارے لیے سفید دھاری سیاہ دھاری سے فجر کے وقت صاف ظاہر ہو جائے۔ پھر روزوں کو رات تک پورا کرو اور ان سے مباشرت نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں معتکف ہو۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں، سو اِن کے قریب نہ جاؤ۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے تاکہ وہ پرہیز گار ہو جائیں۔

---

[1]۔ نظام الاجتماعی فی الاسلام بین الرجل والمراۃ، تقی الدین النبھانی، ص: ۴۰

[2]۔ فتاویٰ اہل حدیث، حافظ عبد اللہ محدث روپڑی، ادارہ احیاء السنہ النبویہ، سرگودھا، ۲۰۱۴، ص: ۲۸۳/۳

[3]۔ سورۃ البقرہ: ۲/ ۱۸۷

خاوند کا فرض ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ حُسن سلوک کرے۔اس کے تمام حقوق کو احسان کے ساتھ پورا کرے۔اس سلسلے میں قرآن کریم کی یہ آیت واضح ہے

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴾[۱]

ترجمہ:اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔اگر وہ تم کو ناپسند ہوں عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور خدا اس میں سے بہت سی بھلائی پیدا کر دے۔

اور ان بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک رکھو۔اگر تم انہیں ناپسند سمجھو تو ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند سمجھ رہے ہو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت بہتری (کی کوئی صورت) بنا دیں۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کتنے موثر انداز میں بیوی کے ساتھ حُسن سلوک کی تعلیم دی کہ اگر تمہیں کبھی بیوی کی ضد اور ہٹ دھرمی یا کوئی اور بات ناگوار ہو یا تم اسے پسند نہ کر رہے ہو تو صبر سے کام لو،حُسن سلوک میں کمی نہ آنے دو،ممکن ہے کہ اللہ پاک تمہیں اس بیوی سے نیک وصالح اولاد یا کوئی اور خیر کا ذریعہ عطا کر دیں۔[۲]

جس کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔خود رسول اللہ ﷺ کا سلوک بھی اس سلسلہ میں اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ مثالی تھا۔اسی لیے آپ ﷺ فرماتے ہیں

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي))[۳]

ترجمہ:تم میں سے بہتر وہ ہے،جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہے اور میں تم سب سے بہتر اپنے گھر والوں کے لیے سلوک کرنے والا ہوں۔

حضور ﷺ نے بیوی سے حُسن سلوک ، شفقت،محبت اور بیوی کی عظمت کو اجاگر کرتے ہوئے،جو تعلیمات عطا کی ہیں،اس کا اندازہ بذیل واقعہ سے ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا

---

۱۔سورۃ النساء:۴/۱۹

۲۔فتح البیان فی مقاصد القرآن،ابو طیب محمد صدیق خان بن حسن بن علی ابن لطف اللہ حسینی بخاری القنّوجی،مکتبہ عصریہ،بیروت، 412ھ،ص:۱/۲۳۶

۳۔سنن الکبری بیہقی،احمد بن الحسین بن علی بن موسی الخراسانی،البیھقی،دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان،۱۴۲۴ھ، بَابُ فضل النفقه علی الاهل،حدیث:۱۵۶۹۹،ص:۷/۷۷۰

((يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي كُتِبْتُ فِي غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا، وَامْرَأَتِي حَاجَّةٌ قَالَ ارْجِعْ، فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ))[1]

ترجمہ: یارسول اللہ !میرا نام فلاں فلاں غزوہ میں لکھ لیا گیا ہے، اور میری بیوی حج کرنے جارہی ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا! تم واپس چلے جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔

آپ ﷺ کے اپنی ازواج کے ساتھ سلوک کے بارے میں ابن کثیرؒ لکھتے ہیں

((وكان من اخلاق النبى انه جميل العشرة دائم البشر،يلاعب لاهله،و يلتف بهم، ويوسحهم نفقة و يضاحک نساءه)) [2]

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کے اخلاق ایسے تھے کہ آپ ﷺ ہمیشہ اچھے سلوک سے پیش آتے اور نفقے کے لحاظ سے بھی وسعت فرماتے اور اپنی بیویوں سے ہنسی بھی فرمایا کرتے تھے۔

اپنے اس مثالی عمل کو پیش فرما کر آپ ﷺ نے دوسروں کو بھی یہی حکم فرمایا۔ایک اور مقام پر خود حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا

((وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلاَهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا))[3]

ترجمہ: عورتوں کے معاملے میں میں تمہیں خیر کی وصیت کرتا ہوں۔ بے شک وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور سب سے اوپر والی پسلی سب سے زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اگر اسے سیدھا کرنے لگو گے تو، توڑ ڈالو گے اور اگر اس کے حال پر چھوڑے رہو گے، تب بھی ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی۔ پس عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے بارے میں میری وصیت قبول کرلو۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے ایک نہایت عمدہ تشبیہ دے کر عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرنے اور حُسن سلوک کرنے کی نصیحت فرمائی۔

---

[1] - صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ الجِهَادِ وَالسِّيَرِ، بَابُ كِتَابَةِ الإِمَامِ النَّاسَ، حدیث: ۳۰۶۱، ص:۴/ ۷۲

[2] - تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، ص:۱/ ۲۷۱

[3] - صحیح مسلم، امام مسلم، كِتَابُ الرِّضَاعِ، بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالنِّسَاءِ، حدیث:۱۴۶۸، ص:۲/ ۱۰۹۱

مسلم کی روایت میں الفاظ لائے گئے ہیں

((فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللَّهِ)) [1]

ترجمہ: عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور امانت لیا ہے۔

گویا نکاح کو ایک امانت قرار دیا ہے اور جیسے ہر ایک معاہدے میں دونوں فریقوں کے کچھ حقوق ہوتے ہیں اور ان پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں، اسی طرح امانت کا حال ہے۔ چونکہ نکاح ایک معاہدہ اور ایک امانت ہے، اس لیے جیسے مرد کے عورت پر بعض حقوق ہیں، ویسے ہی عورت کی طرف سے اس کے ذمے بعض فرائض بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے عورتوں سے گھریلو زندگی میں نیکی اور انصاف کا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا۔

**۵۔ عدم تشدد**

قرآن نے اگرچہ مرد کو بیوی پر ایک گُنا برتری (قوامیت) دی ہے، اسے خاندان کا منتظم بنایا ہے۔ اگر اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ وہ بیوی کو اپنی کنیز سمجھتے ہوئے اس پر ظلم کرتا رہے۔ اس لیے قرآن نے خاوند کو یہ بات سمجھا دی کہ بیوی بھی تمہاری طرح حقوق کی مالک ہے اور نیز اس نے تم سے ایک پختہ معاہدہ لیا ہے۔

قرآن نے خاوند کو اس بات سے بھی روکا ہے کہ وہ ظلم و زیادتی کے لیے بیوی اپنے پاس روکے رکھے۔ کیونکہ اسلام سے پہلے عورتوں کو ظلم وزیادتی کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَلاَ تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لَّتَعْتَدُواْ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلاَ تَتَّخِذُواْ آيَاتِ اللّهِ هُزُوًا﴾ [2]

ترجمہ: انہیں اچھے طریقے سے چھوڑو اور انہیں محض تکلیف دینے کے لیے نہ روکے رکھو کہ ان پر زیادتی کرتے رہو اور جو کوئی ایسا کرے گا۔ اس نے گویا اپنے ہی جان پر ظلم کیا اور اللہ کے احکام کو مذاق نہ بنالو۔

گویا بیوی پر ظلم کرنا خدا کی حدود اللہ کو پھلانگ کر اس کے عذاب کا مستحق بن جانا ہے اور اس طرح بیوی پر نہیں بلکہ اپنے آپ پر ہی ظلم ہوا۔ اس لیے اگر خاوند بیوی کو اپنے پاس رکھنا نہ چاہتا ہو تو اس کو چاہیے کہ اسے عمدہ طریقے سے رُخصت کر دے۔ اسے محض ستانے کے لیے روکے رکھنا اور بار بار طلاق دے کر رجعت کر لینا، بیوی کو ذہنی و جسمانی تکلیف دینا ہے، جسے قرآن کریم قطعی پسند نہیں کرتا۔ اس آیت میں خاوند کو بار بار طلاق دینے اور

---

[1]- صحیح مسلم، امام مسلم، كِتَابُ الرَّضَاعِ، كِتَابُ الْحَجِّ، بَابُ حَجَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حدیث: ۱۲۱۸، ص:۲/۸۸۶

[2]- سورۃ البقرہ:۲/۲۳۱

رجوع کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ بعض خاوند بیوی کو دِق کرنا چاہتے ہیں اور عدت کے مکمل ہونے سے پہلے ہی رجوع کر لیتے ہیں۔ پھر طلاق دیتے ہیں اور پھر کئی دن بعد رجوع کر لیتے ہیں، اس کی وجہ سے عورت ایک ذہنی تکلیف میں مبتلا رہتی ہے۔ اللہ رب العزت نے ایسا کرنے سے منع فرمایا کہ ان پر ظلم وزیادتی کرنے کے لیے انہیں نہ روک رکھو۔

اسلام سے قبل عورت کو اس دائمی اذیت میں مبتلا رکھا جاتا تھا اور اس طریقے سے عورتوں کی تذلیل کی جاتی تھی، مذکورہ بالا آیت میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

باقی قرآن کریم نے بیوی کو مارنے کی جو اجازت دی ہے تو وہ بالکل آخری "نشوز" کی حالت میں ہے۔ یعنی عورت جب شوہر کی نافرمانی پر کمربستہ ہو جائے اور مقابلے پر اتر آئے، پھر "نشوز" کے ساتھ "تخافون" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کے بارے میں مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ بیوی کی نافرمانی و بغاوت کا یقینی علم اور تجربہ ہو جائے، محض بدگمانیاں اور غلط فہمیاں کافی نہیں۔ (۱)

اس صورت میں بھی پہلے زبانی نصیحت ہو گی، نصیحت اگر نہ مانے تو بستر پر علیحدہ چھوڑنا ہو گا۔ اس کے باوجود بھی اگر راہ راست پر نہ آئے، تو پھر اسے مار دے۔

﴿وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا ﴾ (۲)

ترجمہ: اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی اور (بدخوئی) کرنے لگی ہیں۔ تو (پہلے) ان کو (زبانی) سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں تو) پھر ان کے ساتھ سونا ترک کر دو۔ اگر اس پر بھی باز نہ آئیں، تو پھر زدوکوب کرو اور اگر فرمانبردار ہو جائیں تو پھر ان کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو بے شک خدا سب سے اعلیٰ (اور) جلیل القدر رہے۔

اور پھر یہ مارنا بھی ایسا نہ ہو کہ اس کی ہڈی پسلی ٹوٹ جائے، اس لیے شارح نے اس کی بھی تشریح فرمادی "ضرباً غیر متبرح" یعنی ایسی مار جو سخت نہ ہو، جس سے اس کے جسم پر نشان نہ پڑیں۔

ابن عباسؓ سے جب غیر متبرح کی تشریح پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ ہلکی چیزوں (مثلاً مسواک جیسی) سے مارنا اور یہ سزا بھی بیوی کی اصلاح کے لیے ہونی چاہیے، نہ کہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اور بیوی کی تذلیل و حقارت کے لیے۔ (۳)

---

[۱]۔ شادی بیاہ کے اسلامی قوانین، مولانا نذیر الحق، فیروز سنز لاہور، ۱۹۷۱ء، ص:۴۷

[۲]۔ سورۃ النساء: ۴/ ۳۴

[۳]۔ فی ظلال القرآن، سید قطب، دار الشروق، قاہرہ، ۱۴۲۵ھ، ص: ۲/ ۶۵

نیز بیوی کے چہرے پر بھی نہیں مارنا چاہیے۔(۱)

پھر جب بیوی راہ راست پر آجائے تو اب خاوند کو اس پر ظلم کا کوئی بہانہ نہیں تلاش کرنا چاہیے۔ (فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ) پس جب وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو اب ان پر ظلم کرنے کا کوئی راستہ مت ڈھونڈو۔ اس کے باوجود بھی اگر خاوند بیوی کو مارے اور اس پر ظلم کرتا رہے تو بیوی خاوند کے خلاف شرعی عدالت میں دعویٰ کر سکتی ہے۔(۲)

حضرت عبد اللہ بن زمعہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے

((لاَ يَجْلِدُ أَحَدُكُمُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ العَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِي آخِرِ اليَوْمِ))(۳)

تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو نہ پیٹے کہ پھر دن ختم ہو تو اس سے مجامعت کرنے بیٹھ جائے۔

بہر حال ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ قرآن بیوی پر ظلم کرنے سے خاوند کو روکتا ہے۔ بیویوں پر تشدد کا نہ حکم ہے اور نہ یہ عمل پسندیدہ ہے۔ بیوی کی سرکشی کی صورت میں مار کے علاوہ دیگر تدابیر اختیار کرنا ہی مشروع و مندوب ہے۔

## ۶۔ مشاورت کا حق

عورت کا مرد پر یہ بھی حق ہے کہ وہ اس پر اعتماد کرے اور گھر کے اہم معاملات میں وہ اپنی شریک حیات سے مشورہ لے۔ قرآن مجید میں بیوی سے مشاورت کی ترغیب قرآن نے یوں دی ہے

﴿فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾(٤)

ترجمہ: اور وہ دونوں (خاوند بیوی اگر باہمی رضامندی سے بچے) دودھ چھڑانا چاہیں تو مشورہ کر لیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔

خود نبی مکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا معمول بھی یہی تھا کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ازواج مطہرات سے باقاعدہ مشورہ فرمایا کرتے تھے، جس کی طرف قرآن خود اشارہ کر رہا ہے

﴿وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَن بَعْضٍ﴾(۵)

---

[۱]۔ سنن ابن ماجہ، امام ابن ماجہ، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ حَقِّ الْمَرْأَةِ عَلَى الزَّوْجِ، حدیث: ۱۸۵۱، ص: ۱/۵۹۴

[۲]۔ رد المحتار علی الدر المختار، ابن عابدین شامی، ص: ۳/۴۹۸

[۳]۔ صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ ضَرْبِ النِّسَاءِ، حدیث: ۵۲۰۴، ص: ۷/۳۲

[۴]۔ سورۃ البقرہ: ۲/۲۲۳

[۵]۔ سورۃ التحریم: ۶۶/۳

ترجمہ: اور جب نبی نے اپنی بیوی سے راز کی بات کہی اور اس بیوی نے یہ راز فاش کر دیا اور اللہ نے نبی ﷺ کو اس معاملے سے آگاہ کر دیا تو نبی ﷺ نے اس بیوی کا سارا حال نہ بتایا بلکہ اس کا کچھ حصہ بتایا۔

گھریلو معاملات میں عورت، مرد کی راز دان ہے اور اگر عورت سے کبھی غلطی ہو جائے، یا نادانی سے کوئی خلاف مصلحت کام کر بیٹھے تو مرد کو چاہیے کہ اس کی تشہیر نہ کرے۔ نہ اسے اعلانیہ ملامت کرے بلکہ وہ اسے اس کی غلطی سے آگاہ کر دے اور آئندہ کے لیے محتاط رہنے کا مشورہ دے۔

مرد اور عورت ایک دوسرے کی خامیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ کرنے والے ہیں۔ مرد کا فرض ہے کہ وہ عورت کی غلطیوں پر پردہ ڈالے اور عورت کو چاہیے کہ وہ بھی مرد کے نقائص اور عیب ظاہر نہ کرے۔

اس کے علاوہ آپ ﷺ نے بیوی کو گھر کا پورا ذمہ دار بنایا اور ارشاد فرمایا

((وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْؤولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا))[1]

ترجمہ: عورت اپنے خاوند کے گھر کی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا

اس حدیث میں بیوی پر اعتبار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ عورتوں پر اعتماد سے یہ فائدہ ہو گا کہ مردوں کو بڑی حد تک اطمینان کی زندگی میسر ہو گی کیونکہ عورتیں اپنے آپ کو گھر کی ذمہ دار سمجھ کر ٹھیک طرح اس کا نظام چلائیں گی۔

## ۷۔ خیار بلوغ کا حق

اسلام نے عورت کو نکاح کا حق دیا ہے۔ شوہر کے انتخاب کے سلسلے میں اسلام نے لڑکیوں کی مرضی اور ان کی اجازت ہر حالت میں ضروری قرار دی ہے۔ یتیم ہو، باندی ہو، یا مطلقہ شریعت کے مقرر کردہ اصول وضوابط میں رہتے ہوئے، انہیں نکاح کے حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

نکاح کے لیے عورت کی رضامندی ضروری ہے۔ قرآن مجید نے اگرچہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ عورت کے نکاح میں اس کے ولی کی رائے کا دخل ہونا چاہیے مگر ولی کی رائے کا دخل ہونے کا معنی یہ نہیں کہ عورت اپنی زندگی کے اس اہم معاملہ میں بالکل ہی بے اختیار ہے۔ حضور ﷺ نے ایجاباً عورت کو یہ حق دیا ہے کہ نکاح کے معاملہ میں اس کی رضامندی حاصل کی جائے۔ شوہر دیدہ عورت سے اجازت اور کنواری سے اس کی رضامندی لازم ہے۔

---

[1]- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ الوَصَايَا، بَابُ تَأْوِيلِ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى:مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ، حدیث: ۲۷۵۱، ص:۵/۴

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے

((لَا تُنْكَحُ الأَيِّمُ حتّى تُسْتَأْمَر، وَلَا تُنْكَحُ البِكْرُ حتّى تُسْتأذَنَ))[۱]

ترجمہ: شوہر دیدہ عورت کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس سے اجازت نہ لی جائے اور باکرہ کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس کا اِذن (رضامندی) نہ لیا جائے۔

ولی کی طرف سے نابالغ لڑکے یا لڑکی کے کیے ہوئے نکاح کو بالغ ہونے پر رد کردینے کا اختیار "خیار بلوغ" کہلاتا ہے۔ اسلام نے "خیار بلوغ" میں لڑکی کو لڑکے کے برابر حق عطا کیا ہے۔ کیونکہ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ولی کسی عورت یا لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر کردے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو لڑکی اور لڑکے کو حق حاصل ہے کہ نکاح کو عدالت یا قاضی کے ذریعے فسخ کردے۔

اسی طرح سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک کنواری حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا

((أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ، فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))۔[۲]

ترجمہ: میرے باپ نے میری شادی کردی ہے لیکن میں اُس شخص کو ناپسند کرتی ہوں۔ آپ ﷺ نے اسے اپنا نکاح قائم رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار دے دیا۔

اسی طرح زمانہ نبوی میں ایک شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر اس کے چچا زاد سے کردیا۔ اس لڑکی نے حضور ﷺ سے کہا کہ میرے والد نے میری شادی میرے چچازاد سے کردی ہے اور وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ اس عورت کی رشتہ سے ناگواری سن کر آپ ﷺ نے معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا کہ تمہیں اس نکاح کے رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار ہے۔ اس نے عرض کیا! یارسول اللہ ﷺ میں اس نکاح کی اجازت اپنے باپ کو دے چکی ہوں۔ لیکن میں نے لوگوں کو بتادینا چاہا کہ باپ دادا کے ہاتھ نکاح کے معاملہ میں کچھ نہیں ہے۔[۳]

ان واقعات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی ولی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی عورت یا لڑکی کی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح کردے۔ اگر وہ ایسا کرے، تو لڑکی کو یہ حق حاصل ہے کہ نکاح کو عدالت یا قاضی کے ذریعے فسخ کرائے۔

---

۱ - صحیح مسلم، امام مسلم، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ اسْتِئْذَانِ الثَّيِّبِ فِي النِّكَاحِ بِالنُّطْقِ، وَالْبِكْرِ بِالسُّكُوتِ، حدیث: ۱۴۱۹، ص: ۱۰۳۶/۲

۲- سنن ابن ماجہ، امام ابن ماجہ، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ مَنْ زَوَّجَ ابْنَتَهُ وَهِيَ كَارِهَة، حدیث نمبر: ۱۸۷۵، ص: ۶۰۳/۱

۳- سنن ابن ماجہ، امام ابن ماجہ، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ مَنْ زَوَّجَ ابْنَتَهُ وَهِيَ كَارِهَة، حدیث: ۱۸۷۴، ص: ۶۰۲/۱

"خیار بلوغ" کے حق کی بنا پر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ عثمانؓ بن مظعون فوت ہوئے اور پسماندگان میں خولیہؓ بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن اوقص سے ایک بیٹی چھوڑی اور اپنے بھائی قدامہؓ بن مظعون کو وصیت کی۔ راوی عبد اللہؓ کہتے ہیں۔ یہ دونوں میرے خالو تھے، میں نے قدامہ بن مظعون کو عثمان بن مظعون کی بیٹی سے نکاح کا پیغام بھیجا تو اس نے میرا نکاح اس سے کرا دیا۔ اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ اس لڑکی کی ماں کے پاس آیا اور اسے مال کا لالچ دیا۔ وہ عورت اس کی طرف مائل ہو گئی اور لڑکی بھی اپنی ماں کی خواہش کی طرف راغب ہو گئی۔ پھر ان دونوں نے انکار کر دیا یہاں تک کہ ان کا معاملہ رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوا۔ قدامہؓ بن مظعون نے عرض کیا! یارسول اللہ ﷺ! یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے اور میرے بھائی نے مجھے اس کے متعلق وصیت کی تھی۔ پس میں نے اس کی شادی اس کے ماموں زاد عبد اللہ بن عمر سے کر دی۔ میں نے اس کی بھلائی اور کفو میں کوئی کمی نہ کی، لیکن یہ عورت اپنی ماں کی خواہش کی طرف مائل ہو گئی۔ [1]

ولی یا سرپرست کو اگرچہ نکاح کا اختیار دیا گیا ہے، لیکن وہ مختار مطلق نہیں۔ کیونکہ بعض ایسی باتیں ہوتی ہیں جنہیں وہ عورت خود تو چاہتی ہے، لیکن اولیاء اور سرپرستوں کو ان کا علم نہیں ہوتا اور یہ بھی تو ہے کہ نکاح کے مصالح اور مفاسد کا تمام تر اثر خود عورت کی ذات پر پڑتا ہے۔ بہر حال شرع کا حکم نہایت منصفانہ ہے۔ عورت اور اس کے ولی دونوں کو اختیار دیا گیا ہے۔ مشورہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ عورت صریحاً اپنی رضامندی کا اظہار کرے اور صرف اجازت دینے میں یہ صورت بھی شامل ہے کہ عورت چُپ رہے اور انکار کر دے۔ یہ طلب اجازت اس لڑکی کے لیے ہے جو بالغ ہو، غیر بالغ کی تو اپنی کوئی رائے ہی نہیں۔

حدیث مبارکہ میں ہے

((لا تَنْكِحُوا الْيَتَامَى حَتَّى تَسْتَأْمِرُوهُنَّ، فَإِذَا سَكَتْنَ، فَهُوَ إِذْنُهُنَّ)) [2]

ترجمہ: یتیم بچیوں کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے، پس اگر وہ خاموش رہیں تو وہی ان کی اجازت ہے۔

جن روایات میں ولی کی اجازت یا موجودگی مذکور ہے، وہ نابالغہ کے نکاح پر محمول ہیں۔ استحباباً و اقتضاء جس بالغہ عورت کو اپنی ذات، اپنے، مال اور دیگر امور میں تصرف کا حق حاصل ہے، اسے نکاح کے معاملے میں حق کیوں

---

[1]۔ مسند احمد، امام احمد بن حنبل، حدیث: ۶۱۳۶، ص: ۱۰/ ۲۸۴

[2]۔ سنن الکبری بیھقی، ابو بکر البيهقي، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ: اذْنُ الْبِكْرِ الصَّمْتُ وَاذْنُ الثَّيِّبِ الْكَلَامُ، حدیث: ۱۳۶۹۳، ص: ۷/ ۱۹۵

نہیں حاصل ہو گا؟ اگر عورت کا یہ پہلا نکاح نہیں اور وہ خود اتنی تجربہ کار ہے تو ولی کی مداخلت کے بغیر بھی اپنے نکاح کی گفت وشنید طے کر سکتی ہے۔

نابالغ کنواری لڑکی کے خیار بلوغ کے بارے میں علماء کا متفقہ فتویٰ ہے کہ

(واذا أدركت بالحيض لا بأس بأن تختار نفسها مع رؤية الدم)[۱]

ترجمہ: (لڑکی) حیض کے ذریعے بالغ ہوئی تو خون دیکھتے ہی اسے اختیار حاصل ہو گیا خواہ بچپن کے نکاح کو برقرار رکھے یا رد کر دے۔

اور شوہر دیدہ (ثیبہ) نابالغ لڑکی کے بارے میں یہ فتویٰ ہے کہ جب کہ وہ بالغ ہونے کے بعد جب تک اپنی رضا کی تصریح نہ کرے اس فسخِ نکاح کا اختیار حاصل ہو گا۔[۲]

درج بالا احادیث اور اقوال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نابالغ لڑکی جس کا نکاح اس کا ولی بلوغت سے قبل کر دے تو اس نکاح کو قبول یا رد کرنے کا اختیار لڑکی کو بالغ ہونے پر حاصل ہو جاتا ہے۔ لڑکی چاہے تو اس نکاح کو جاری رکھے چاہے توڑ دے۔

## ۸۔ خلع کا حق

شریعت مطہرہ نے طلاق کو صرف شوہر کا حق قرار دیا ہے کیونکہ شوہر ہی خاص طور سے رشتہ ازدواج قائم رکھنے کا خواہاں ہوتا ہے۔ اور وہ زوجیت کے قیام کے لیے کافی مال بھی خرچ کر چکا ہوتا ہے، اس لیے وہ طلاق نہ دینے کو ترجیح دیتا ہے کیونکہ طلاق کی صورت میں اسے موخر شدہ مہر اور عورت کے دوسرے مالی حقوق ادا کرنا پڑتے ہیں۔ چونکہ بیوی پر شوہر کے کوئی مالی حقوق واجب نہیں ہوتے اس لیے شریعت نے طلاق کا حق مرد کو دیا ہے اور عورت کے لیے خلع رکھا ہے تاکہ اس کے پاس بھی تفریق کا حق موجود ہو۔ کیونکہ اسلام سے قبل عورت اپنے خاوند کے ظلم وزیادتی سے چھٹکارے کا کوئی راستہ نہ پاتی تھی۔ جب کہ اسلام نے عورت کو اس لیے خاوند سے چھٹکارے کا حق عطا کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ﴾[۳]

---

۱۔ فتاوی الهندية، نظام الدین برہانپوری، دار الفکر بیروت، لبنان، ۱۳۱۰ھ، ج:۳، ص:۲۸۶

۲۔ فتاوی الهندية، نظام الدین برہانپوری، ج:۳، ص:۲۸۶

۳۔ سورۃ البقرہ:۲/۲۲۹

ترجمہ: طلاق (صرف) دوبار (تک) ہے، پھر یا تو (بیوی کو) اچھے طریقے سے (زوجیت میں) روک لینا ہے، یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ جو چیزیں تم انہیں دے چکے ہو، اس میں سے کچھ لو، سوائے اس کے کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ (اب رشتہ زوجیت برقرار رکھتے ہوئے) دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔ پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔ سو (اندریں صورت) ان پر کوئی گناہ نہیں کہ بیوی (خود) کچھ بدلہ دے کر اس تکلیف دہ بندھن سے) آزادی حاصل کرلے۔

عورت کے اس حق کو حدیث مبارکہ میں یوں تسلیم کیا گیا ہے

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کی اہلیہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض گزار ہوئیں، یارسول اللہ ﷺ! میں کسی بات پر ثابت بن قیس سے ناخوش نہیں ہوں، نہ ان کے اخلاق سے، اور نہ ان کے دین سے، لیکن میں اسلام میں احسان فراموش بننا ناپسند کرتی ہوں۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا! کیا تم ان کا باغ واپس دینا چاہتی ہو؟ اُنہوں نے کہا "ہاں"، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا

((اقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً))[1]

ترجمہ: ان کا باغ دیدو اور ان سے طلاق لے لو۔

اور اگر شوہر صحیح ہو اس میں کوئی خامی نہ ہو تو وہ عورت کے حقوق بھی پورے کرتا ہو، احکام شریعت کا بھی پابند ہو تو ایسے خاوند سے خلع لینے والی عورت کے بارے میں آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقً مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّة))[2]

ترجمہ: جو کوئی عورت اپنے شوہر سے بلاوجہ طلاق مانگے، اُس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

خلع عورت کا ایسا حق ہے کہ جب عورت خلع لے لیتی ہے تو وہ اپنے نفس کی مالک ہو جاتی ہے اور اُس کا معاملہ خود اُس کے ہاتھ میں آجاتا ہے۔ کیونکہ اس شخص کی زوجیت سے آزادی کے لیے اس نے مال خرچ کیا ہے۔ لہٰذا خلع کو عورت کے لیے مرد سے چھٹکارے کا ذریعہ بنایا گیا ہے کہ جب وہ اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہو اور اُس کے ساتھ رہنا نہ

---

۱- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ النَّفَقَاتِ، بَابُ اذَا لَمْ يُنْفِقِ الرَّجُلُ فَلِلْمَرْاَةِ انْ تَاخُذَ بِغَيْرِ عِلْمِهِ مَا يَكْفِيهَا وَوَلَدَهَا بِالْمَعْرُوفِ، حدیث: ۵۳۶۴، ص:۷/۶۵

۲- صحیح مسلم، امام مسلم، كِتَابُ الْحَجِّ، بَابُ حَجَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حدیث: ۱۲۱۸، ص:۲/۸۸۶

چاہتی ہو۔ گویا یہ طلاق کی طرح عورت کے پاس ایک حق ہے۔ اس میں عورت کو شوہر سے لیا ہوا مہر واپس کرنا ہوتا ہے۔

الغرض عورت کو ہر سطح پر اسلام نے وہ تحفظ اور عزت و احترام عطا کیا ہے، جس کی نظیر ہمیں کسی دوسرے نظام زندگی میں نہیں ملتی۔( خلع کی مزید تفصیل کے لیے فصل سوئم میں ملاحظہ کیجئے)۔

اسی طرح اسلام نکاح کے مقدس رشتے کو حتی الامکان استوار رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔اس کی کوشش کے باوجود اگر فریقین میں ناچاقی ہو جائے،اس رشتے کو توڑ دینے کی اجازت بھی دیتا ہے۔لیکن یہ اجازت ناگزیر حالات کے ساتھ مخصوص ہے۔پھر طلاق کی بنیاد بھی اخلاقی اور دینی حدود پر رکھی گئی ہے۔اس میں حد درجہ کا اعتدال آجاتا ہے۔بات بات پر اس رشتے کو توڑ کر نہ بازیچہ اطفال بنایا جائے اور نہ ہی اس کی حدود کو ناقابل شکست قرار دیا جائے۔

## ۹۔وراثت کا حق

اسلام کی ایک امتیازی خصوصیات یہ بھی ہے کہ اس نے خاوند اور بیوی کے حقوق میں توازن پیدا کیا ہے۔ خاوند اور بیوی کو ایک دوسرے کے حقوق کا برابر محافظ قرار دیا۔اسلام سے پہلے بیوی کو وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا۔جب کہ اسلام نے عورت کو "اصحاب الفروض" میں شامل کرکے وراثت میں حصّہ دار بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ﴾[1]

ترجمہ:اور تمہاری بیویوں کا تمہارے چھوڑے ہوئے (مال) میں سے چوتھا حصّہ ہے۔بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر تمہاری کوئی اولاد ہو،تو ان کے لیے تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصّہ ہے۔تمہارے اس (مال) کی نسبت کی ہوئی وصیت (پوری کرنے) یا تمہارے قرض کی ادائیگی کے بعد۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بیوی شوہر کے ترکے کی وارث ہے۔ مفصل بحث مقالہ ہذا کی اسی فصل کے مبحث وراثتی حقوق میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ اسلام نے عورتوں کا حقوق کے باب میں اتنا زیادہ خیال رکھا ہے کہ دنیا کا کوئی معاشرہ اس کی نظیر نہیں دے سکتا،اسلام نہ صرف مرد کی منکوحہ بلکہ مطلقہ اور بیوہ کی حیثیت میں بھی اس کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔

---

[1]۔سورۃ النساء:۴/ ۱۲

## عورت بحیثیت بیوہ کا حق

جاہلیت میں جب تک عورت کا شوہر زندہ ہوتا، اسوقت تک تو اسے کچھ حثیت حاصل ہوتی مگر شوہر کے مرنے کے بعد جو سلوک اس مظلوم بیوہ کے ساتھ ہوتا، وہ ناگفتہ بہ ہے۔ قرآن نے خود اس طرف اشارہ کیا ہے کہ کسی عورت کا خاوند جب فوت ہو جاتا تو ورثا اس پر زبردستی قبضہ کر لیتے۔ اس کے پاس جو کچھ مال وغیرہ ہوتا، اس سے چھین لینے کی کوشش کرتے، اسی غرض سے وہ اس کو کسی اور سے نکاح بھی نہ کرنے دیتے تھے۔ حتیٰ کہ اسے موت نہ آجاتی یا وہ سارا مال ورثا کے حوالے نہ کر دیتی۔ اس کے علاوہ خاوند کا بڑا بیٹا زبردستی اس سے نکاح کر کے اسے مقبوضہ بنالیتا تھا۔

قرآن کریم نے جاہلیت کی ان تمام ظالمانہ رسومات کو یکسر ختم کر دیا اور اس سلسلے میں صاف ارشاد فرمایا

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ﴾[1]

ترجمہ: مومنو! تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور (دیکھنا) اس نیت سے کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے کچھ لے لو۔

اور اسی طرح بیٹوں کو اس طرح منع کیا

﴿ وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ﴾[2]

ترجمہ: اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو، ان سے نکاح نہ کرنا مگر (جاہلیت میں جو ہو چکا سو ہو چکا) یہ نہایت بے حیائی اور (خدا کی) ناخوشی کی بات تھی اور بہت بُرا دستور تھا۔

اس طرح قرآن نے بیوہ کو ورثاء کے ظالمانہ ہتھکنڈوں سے بچا کر اس کی جان ومال کا تحفظ فراہم کر دیا۔ اس کے علاوہ قرآن کریم نے بیوہ عورت کے لیے چار مہینے دس دن کی مدت مقرر کی، جو وہ اپنے مرحوم خاوند کے ہاں ہی گزارے گی۔ اس کے بعد وہ آزاد ہے، اپنے لیے جو بھی مناسب تدبیر اختیار کرے۔ اسے پورا حق حاصل ہے۔

---

[1]- سورۃ النساء: ۱۹/۴

[2]- سورۃ النسا: ۲۲/۴

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ (۱)

ترجمہ: اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں، تو عورتیں چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں اور جب (یہ) عدت پوری کر چکیں اور اپنے حق میں پسندیدہ کام (یعنی نکاح) کرلیں، تو تم پر کچھ گناہ نہیں اور خدا تمہارے سارے کاموں سے واقف ہے۔

اس آیت میں (يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ) کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بیوہ کا حق ہے کہ وہ اپنے آپ کو اتنا عرصہ عدت میں رکھے۔ اس میں دراصل عورت ہی کا فائدہ ہے کیونکہ اس سے حمل معلوم ہو گا، اور حمل کی صورت میں اس کی عدت وضع حمل تک ہو جائے گی۔ اس سارے عرصے میں اس کا نفقہ و سکنی ورثاء کے ذمے رہے گا۔ نیز اس کے علاوہ عورت چونکہ حساس اور نرم دل ہوتی ہے۔ اس لیے لازمی بات ہے کہ جس شخص کے ساتھ اس نے ایک عرصہ گزارہ ہے، اس کی موت کے صدمے کو بھی وہ زیادہ محسوس کرے گی، ایسا کرنا عورت کے حسن وفاداری کی علامت بھی متصور ہو گی۔ اسی لیے قرآن نے عام مطلقہ سے بیوہ کی عدت زیادہ مقرر کی ہے تا کہ شوہر کے ساتھ ساتھ شوہر کے گھر چھوڑنے کا صدمہ بھی نہ اٹھانا پڑے۔ اسی مصلحت کے تحت اس آیت کی مزید توضیح کے لیے ایک عارضی ہدایت یہ بھی ہوئی کہ

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (۲)

ترجمہ: اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں، وہ اپنی عورتوں کے حق میں وصیت کر جائیں کہ ان کو ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں، ہاں اگر وہ خود گھر سے نکل جائیں اور اپنے حق میں پسندیدہ کام (یعنی نکاح) کرلیں، تو تم پر کچھ گناہ نہیں اور خدا زبردست حکمت والا ہے۔

پھر عدت کے دوران عورت چونکہ اپنے شوہر کے سوگ میں ہوتی ہے، اس لیے دوسرے مردوں کو اس سے روک دیا کہ وہ صریح الفاظ میں اسے پیغام نکاح نہ دیں۔

---

[۱]- سورۃ البقرہ: ۲/۲۳۴

[۲]- سورۃ البقرہ: ۲/۲۴۰

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴾ [۱]

ترجمہ: اور اگر تم کنائے کی باتوں میں عورتوں کو نکاح کا پیغام بھجوایا (نکاح کی خواہش کو) اپنے دلوں میں مخفی رکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں، خدا کو معلوم ہے کہ تم ان سے (نکاح کا) ذکر کرو گے (مگر ایام عدّت میں) اس کے سوا کہ دستور کے مطابق کوئی بات کہہ دو پوشیدہ طور پر ان سے قول و قرار نہ کرنا اور جب تک عدت پوری نہ ہولے، نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرنا اور جان رکھو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔ خدا کو سب معلوم ہے، تو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ خدا بخشنے والا اور حلم والا ہے۔

اس پابندی میں بھی بیوہ کا خیال رکھا گیا ہے کیونکہ دوران عدت وہ کمزور ہوتی ہے۔ اسے پیغام نکاح سے سابقہ شوہر کی یاد آکر ذہنی تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اسے طعنہ دے سکتے ہیں کہ عدت کا وقت بھی پورا نہ کرسکی اور شادی رچائی۔

اس بات کی اجازت ہے کہ ہمدردی کے سلسلہ میں کوئی مناسب کلمہ کہہ دیا جائے جو دل کی غمازی کر دے، جیسے میں کسی صالحہ عورت کا متلاشی ہوں، میں بیوی کے ساتھ حُسن سلوک کرنے والا، اس کے حقوق کا پاس کرنے والا ہوں۔ اس سے عورت بھی مقصد سمجھ جائے گی اور اسے لوگوں کے طعنوں سے بھی سابقہ نہیں پڑے گا۔ [۲]

نیز اس عرصہ میں وہ مزید غور و فکر بھی کر کے اپنے مستقبل یا اس پیغام دینے والے شخص کے بارے میں فیصلہ کر سکے گی۔ عدت پوری کرنے کے بعد بیوہ اپنے معاملے میں پوری طرح آزاد ہے، چاہے دوسرا نکاح کرے، چاہے اپنے بچوں کی خاطر یوں ہی زندگی گزارے۔ البتہ قرآن سے یہ اشارہ ضرور ملتا ہے کہ اس قسم کی عورتوں کے نکاحوں کی اولیاء کو فکر کرنی چاہیے۔

---

[۱]- سورۃ البقرہ: ۲/۲۳۵

[۲]- روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، سید محمود شہاب الدین الالوسی ابو الفضل، دارلکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ، ص: ۴/۱۹۸ ص: ۲/۱۵۰

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكُمْ أَزْكَى لَكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴾ [1]

ترجمہ: اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور ان کی عدت پوری ہو جائے تو ان کو دوسرے شوہروں کے ساتھ جب وہ آپس میں جائز طور پر راضی ہو جائیں، نکاح کرنے سے مت روکو۔ اس (حکم) سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے۔ جو تم میں خدا اور روز آخرت پر یقین رکھتا ہے، یہ تمہارے لیے نہایت خوب اور بہت پاکیزگی کی بات ہے اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

"و انکحوالایامی منکم" اور بے نکاح مردوں اور عورتوں کے نکاح کر دیا کرو کیونکہ ایک بے سہارہ بیوہ کے ساتھ سب سے بڑا سلوک یہی ہے کہ اس کے لیے صالح جوڑا تلاش کر کے اسے حصار نکاح میں محفوظ کر دیا جائے۔ خود پیغمبر ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے علاوہ سب بیواؤں سے نکاح فرما کر مسلمانوں کے لیے عملی نمونہ پیش فرما دیا تاکہ کسی کو بیواؤں سے نکاح کرنے میں کوئی عار محسوس نہ ہو۔ اس کے علاوہ قرآن نے جاہلیت کے خلاف بیوہ عورت کے لیے شوہر کی وراثت میں ایک معقول حصّہ مقرر فرما دیا، جو اولاد نہ ہونے کی صورت میں چوتھا اور اولاد کی صورت میں آٹھواں ہے۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام نے وضاحت کے ساتھ عورت کو اس کے تمام حقوق کی ادائیگی کا طریقہ کار تک بیان کیا ہے۔ عورت ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی صورت میں ہو یا پھر رشتہ ازدواج ختم ہونے کے بعد مطلقہ ہو پھر بھی اس کے حقوق کا تحفظ کرنا مرد پر واجب اور اسے عورت کا حق قرار دیا۔

---

[1] ۔سورۃ البقرۃ:۲/۲۳۲

# فصل دوم: عورت کے معاشی وو راثتی حقوق

## مبحث اول: عورت کے معاشی حقوق

## مبحث دوم: عورت کے وراثتی حقوق

# مبحث اول: عورت کے معاشی حقوق

کوئی انسان خواہ وہ مرد ہو یا عورت، جب تک معاشی لحاظ سے مطمئن نہ ہو وہ اجتماعی زندگی میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتا۔ ایسی صورت میں نہ تو وہ حقوق اللہ ادا کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے فرائض دنیوی پورے کر سکتا ہے۔ اسی لیے سب سے اہم اور ضروری چیز جس کی بدولت تمدن میں انسان کی منزلت قائم ہوتی ہے اور جس کے ذریعے سے وہ اپنی منزلت کو برقرار رکھتا ہے، وہ اس کی معاشی حیثیت کی مضبوطی ہے۔ اسلام کے سواء تمام قوانین نے عورت کو معاشی حیثیت سے کمزور کیا اور یہی معاشی بے بسی ماضی میں معاشرت میں عورت کی غلامی کا سب سے بڑا سبب بنتی رہی ہے۔

اسلام نے آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے خواتین کو معاشی حقوق دِیے، ان حقوق میں بہت سی چیزیں شامل ہیں۔ نان و نفقہ، حق مہر، وراثت میں حصہ کے علاوہ ایک عاقل و بالغ عورت خواہ شادی شدہ ہو، یا غیر شادی شدہ، وہ بغیر کسی پابندی کے اپنی مرضی سے اپنے مال کے معاملے میں وہ تمام فیصلے کر سکتی ہے جو ایک مرد کر سکتا ہے۔

اسلام نے عورت کو وہ حقوق دِیّے، جن سے وہ عرصہ دراز سے محروم چلی آرہی تھی۔ اسلام نے وسیع تر حقوق دے کر عورت کی اس حیثیت کو مضبوط کیا ہے کہ

وہ اپنے نان و نفقے کی خود مکلف نہیں، بلکہ شادی سے پہلے اس کے تمام مصارف کی ذمہ داری اس کے باپ، بھائی اور شادی کے بعد اس کے نان و نفقہ کی ذمہ داری اس طرح شوہر پر ڈالی گئی ہے کہ اس کا نفقہ (خورد و نوش، رہائش، لباس) ادا کرے۔[۱]

اور اس اعتبار سے مرد کو خاندان کا منتظم اور ناظم اعلیٰ قرر دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾[۲]

ترجمہ: مرد عورتوں کے کارفرما اور کفیل ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو بعض پر (خاص خاص باتوں میں) فضیلت دی ہے۔ اور اس لیے بھی کہ مرد اپنی کمائی (عورتوں پر) خرچ کرتے ہیں۔

---

۱۔ معارف القرآن، مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۱۹۹۱ء، ص:۲/۳۹۸

۲۔ سورۃ النساء:۴/۳۴

مزید برآں سورۃ طلاق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ﴾ [۱]

ترجمہ: خوشحال آدمی اپنی خوشحالی کے لحاظ سے خرچ کرے، اور جو تنگ دست ہو، وہ اسی میں سے خرچ کرے، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے۔

شریعت نے خرچ کا یہ معیار بتا دیا کہ کشادہ حال کو اپنے کشادہ مال کے معیار پر خرچ کرنا پڑے گا اور تنگ حال کو اپنی آمدنی کے برابر۔ نہ کشادہ حال کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے معیار زندگی سے ان کو فروتر حال میں رکھے اور نہ غریب پر اس کی حیثیت سے زیادہ بوجھ ڈالا جائے گا۔ اللہ نے ہر شخص پر یہ ذمہ داری اس کی حیثیت کے اعتبار سے ڈالی ہے۔

**نان ونفقہ**

مرد کی عورت پر قوامیت کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ عورت پر اپنی کمائی خرچ کرتا ہے۔ یعنی اس کی جملہ ضروریات کا کفیل ہے، اور یہ کیا ہیں؟ اس کی خوراک، سکونت، لباس، زیورات وغیرہ، مرد کا فرض ہے کہ وہ اپنی حیثیت اور آمدنی کے مطابق اپنی بیوی کی ان ضروریات کا خیال رکھے۔ یہ مہر کے علاوہ مالی ذمہ داری ہے۔ مہر ایک تحفہ ہے جو نکاح کے ساتھ ہی بیوی کو ادا کیا جاتا ہے۔ اب اُس خرچ کا ذکر ہو رہا ہے، جو "نان ونفقہ" کے نام سے مشہور ہے اور جب تک عورت اس کے عقد نکاح میں ہے، یہ مرد کا فرض ہے۔

نفقہ سے مراد کھانا، پینا، کپڑا، رہنے کا مکان اور دیگر ضروریات لازمہ ہیں۔ شرعی نقطہ نگاہ سے بصورت نکاح صحیح بیوی کا نفقہ مرد پر واجب ہے۔

لغت میں نفقہ سے مراد ہے

**"هی لغة ما ينفقه الانسان على عياله، وشرعا هی الطعام السكوه والسكنى"** [۲]

ترجمہ: لغت میں نفقہ سے مراد ہے کہ جو آدمی اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے اور شریعت میں نفقہ کھانا، کپڑا اور مکان کا نام ہے۔

---

[۱]-سورۃ الطلاق:۷/۶۵

[۲]-ردالمختار علی درالمختار، ابن عابدین شامی، كِتَابُ الطَّلَاقِ، بَابُ النَّفَقَةِ ،ص:۳/۵۷ص:۲/۴۶۲؛ معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، ص:۲/۳۹۷

جس طرح مہر کا وجوب ثابت ہوتا ہے، اسی طرح نفقہ کا وجوب بھی ثابت ہوتا ہے۔ اگر شوہر اس ذمہ داری کو ادا نہ کرے تو قانون اس کو ادا کرنے پر مجبور کرے گا اور بصورت انکار یا بصورت عدم استطاعت اس کا نکاح فسخ کر دے گا۔

**نفقہ کا اصطلاحی مفہوم**

شرح الوقایا میں نفقہ کی تعریف یہ ہے۔

**"هی الطعام وما يتعلق به والمراد الطعام وما يتعلق به والكسوة وما يتعلق بهاوالسكنی وما يتعلق بها "** [۱]

ترجمہ: نفقہ کھانے اور اس سے متعلق اشیاء لباس اور اس سے متعلق لوازمات مکان اور اس سے متعلق اشیاء کو کہتے ہیں۔

بلغۃالسالک میں نفقہ کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے

**"انها مابه قوام معتاد مال الآدمی دون سرف"** [۲]

ترجمہ: آدمی کے مال کے مطابق درمیانی مقدار میں خرچ کرنے کو نفقہ کہتے ہیں۔

کنزالدقائق میں ہے

**"والسكنی فی بيت خال عن اهله واهلها"** [۳]

ترجمہ: اور شوہر بیوی کا حق سکنی ہے، جس میں شوہر اور بیوی کے متعلقین میں سے کوئی نہ ہو۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ﴾ [٤]

ترجمہ: عورتوں کو (ایام عدت میں) اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں خود رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ دو۔

اگر چہ یہ آیت مطلقہ عورتوں کے بارے میں ہے۔ تاہم اگر عورت طلاق کی عدت میں نفقہ وسکنی کی مستحق ہے تو بیوی بدرجہ اوّل حق رکھتی ہے۔

---

۱- عمدۃ الرعایہ لحل شرح الوقایہ، محمد عبدالحئی لکھنوی، شاہی کتب خانہ، دیوبند، (س-ن)، کتاب الطلاق، ص:۲/۱۷۷

۲- بلغۃالسالک، احمد الصاوی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ، ص:۱/۵۱

۳- تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق، عثمان بن علی الزیلعی، مکتبہ امدادیہ، ملتان، ۱۹۸۵، ص:۵۳

۴- سورۃ الطلاق:۶۵/۶

نفقہ میں بالعموم تین چیزیں خوراک، لباس اور مسکن مراد لی جاتی ہے۔[1]

مختصراً، نفقہ سے مراد خرچ کی ذمہ داری ہے۔ اصل میں کسی دوسرے شخص کی محنت کے معاوضہ میں اس کو ضروریات زندگی فراہم کرنا ہے، مثلاً روٹی، لباس، مکان اور اس سے متعلقہ دوسری اشیاء تیل روشنی اور پانی وغیرہ۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ﴾[2]

ترجمہ: مرد عورتوں پر قوام (ذمہ دار) ہیں اس لیے کہ خدا نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

یعنی قوّام (ذمہ دار) ہونے کی ایک وجہ طبعی یا حسی ہے۔ مرد، مرد ہے اور عورت، عورت۔ ایک فعال ہے اور دوسرا انفعال پذیر۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مرد کماتا ہے اور گھر پر خرچ کرتا ہے اور وہ بیوی کے نان و نفقہ کا ذمہ دار ہے۔[3]

بعض وجوہات اور مردوں میں موجود خصوصیات کے پیش نظر یہ ذمہ داری مردوں کو ہی سونپی گئی ہے، فکری توانائی کا جذبات، لُطف اور احساسات پر غلبہ۔ خاندان کی عزت و آبرو اور تقدس کا دفاع کرنے کی جسمانی طاقت اور بیوی بچوں کی پرورش کے لیے مالی اخراجات برداشت کرنے جیسی مردانہ خصوصیات کی بناء پر اسے قوامیت دی گئی ہے۔ یہ سرپرستی ازدواجی زندگی کے نظم و انتظام کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، جس نے مرد کو عورتوں کے اُمور کا ذمہ دار بنایا ہے۔ شوہر یا کسی اور قریبی رشتہ دار کی عدم موجودگی میں معاشرے کا فرض ہے کہ وہ عورت کی ضروریات کا اپنی دولت سے انتظام کرے تاکہ معاش کی ضرورت سے مجبور ہو کر گھر سے باہر کی زندگی میں اسے اپنے آپ کو مبتلا نہ کرنا پڑے۔ کیوں کہ حتی الامکان عورت کی زندگی کو منزلی دائرے میں محدود رہنا چاہیے۔ اور ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ عورت خارجی زندگی کے مصائب اور تکلیفوں سے محفوظ رہے اور قدرت نے اس کو جس دائرے میں محدود کر دیا ہے، اس سے وہ باہر نکلنے پر مجبور نہ ہو۔

---

[1] ۔فتاوی عالمگیری، سید امیر علی، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، ص:۲/۱۴۴؛ فقہ علی المذاہب الاربعۃ، عبدالرحمٰن الجزیری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ، ص ۴/۵۵۳

[2] ۔سورۃ النساء: ۴/۳۴

[3] ۔خاتون اسلام کا دستور حیات، مولانا عبدالقیوم ندوی، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، ص: ۹۳

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا، جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے خواتین کو اطمینان دلایا ہے کہ تم اللہ کی حدود کے احترام کے لیے یہ بوجھ اٹھاؤ گی تو وہ تمہیں وہاں سے رزق فراہم کرے گا جہاں سے تمہیں گمان بھی نہ ہو۔[2]

ایک دوسری آیت میں زیادہ تاکید سے مرد کو حکم دیا گیا ہے کہ

﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ﴾[3]

ترجمہ: اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے ذمہ ہے انکا کھانا اور کپڑا قاعدے کے مطابق۔

قرآن مجید عورت کو اتنا محتاج و دست نگر نہیں بناتا کہ وہ اپنی پسند کی چیزوں کے لیے ترستی رہے بلکہ اس نے ایسا نظام کر دیا ہے کہ عورت کو کبھی بھی کسی بھی مرحلے پر معاشی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ چنانچہ غور کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ شادی کے ابتدائی دنوں میں خاوند بیوی کو ایک دوسرے سے شرم و جھجک اور کچھ اجنبیت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے بیوی اپنے مطالبات خاوند کے سامنے پیش نہیں کر سکتی۔ اس لیے قرآن مجید نے مہر کو پہلے لازم کر دیا ہے تاکہ عورت اپنی مرضی سے اس میں تصرف کر سکے۔ جب کہ بعد میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دونوں کی باہم مزاج شناسی ہو جاتی ہے اور پھر بیوی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنے جائز مطالبات و ضروریات کا اظہار شوہر سے کر سکتی ہے۔ شوہر کے لیے اپنی استعداد کے مطابق بیوی کی جائز ضروریات پوری کرنا لازمی ہے۔ اگر شوہر بیوی کو خرچہ نہ دیتا ہو، یا بخل سے کام لیتا ہو، تو شارح قرآن مجید جناب رسول ﷺ کے قول مبارک کے تحت بیوی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر حسب ضرورت اپنے اور اپنے بچوں کے لیے اس کے مال سے لے سکتی ہے۔[4]

---

[1]- سورۃ الطلاق:٦٥/٣

[2]- تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، ص:٧/٤٣٩

[3]- سورۃ البقرہ:٢/٢٣٣

[4]- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ النَّفَقَاتِ، بَابُ اذَا لَمْ يُنْفِقِ الرَّجُلُ فَلِلْمَرْاةِ انْ تَاخُذَ بِغَيْرِ عِلْمِهِ مَا يَكْفِيهَا وَوَلَدَهَا بِالْمَعْرُوفِ حدیث: ٥٣٦٤، ص:٧/٦٥ (متفق علیہ: ہند بنت عتبہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ابو سفیان ایک بخیل شخص ہے۔ جو مجھے میری ضرورت کے مطابق خرچ نہیں دیتا۔ کیا میں اس کو بتائے بغیر اس کے مال میں سے لے سکتی ہوں؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا " خذی ما یکفیك وولدك بالمعروف" اپنی اور اپنے بچے کی ضرورت کے لیے مناسب طریقے سے لے لو)

اسی طرح دوسری حیثیتوں میں بھی عورت کی معاشی ضروریات کا تحفظ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ماں کی حیثیت میں جب کہ اس کا شوہر فوت ہو چکا ہو تو بیٹوں پر اس کی کفالت واجب ہے۔ بہن ہونے کی صورت میں اس کی کفالت کی ذمہ داری ہوتی ہے اور بیٹی کی حیثیت سے اس کی ضروریات پوری کرنا واجب ہے۔

اسلام نے عورت کی معاشی بنیادیں مظبوط کیں، اس کو گھر کے محاذ پر جمے رہنے کی تلقین کی اور اس کا نان و نفقہ مرد پر لازم قرار دیا۔ باپ، بیٹا، شوہر، بھائی سب کی وراثت میں اس کو مقررہ حصّہ کا حقدار بنایا اور شوہر سے اس کو حق مہر دلایا۔ ان تمام حقوق کی بناء پر عورت معاشی طور پر مظبوط ہو جاتی ہے"۔

اسی موضوع کے بارے میں ابن العربی کہتے ہیں

" الْحَضَانَةُ بِدَلِيلِ هَذِهِ الْآيَةِ لِلْأُمِّ وَالنُّصْرَةُ لِلْأَبِ، لِأَنَّ الْحضَانَةَ مَعَ الرَّضَاعِ"[۱]

ترجمہ: حضانت کے لیے کیونکہ آیت میں ماں کو تاکید کی گئی اور باپ کی مدد کا ذکر ہوا کیوں کہ حضانت رضاعت کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔

ماں پر اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلانے کی ذمہ داری ہے۔ اگر طلاق دینے والا شوہر یہ چاہتا ہے کہ وہ رضاعت کی مدت پوری کرے تو اس مُدّت میں بچے کے باپ پر مطلقہ خاتون کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری ہے۔ شوہر کی حیثیت اور عورت کی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر فریقین یہ فیصلہ کرینگے کہ عورت کو نان ونفقہ کیا دیا جائے؟ فریقین میں سے کسی پر طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالا جائے گا، نہ بچے کے بہانے سے ماں کو اور نہ بچے کی آڑ لے کر باپ پر کوئی ناروا دباؤ ڈالا جائے گا۔[۲]

اسی موضوع کی وضاحت کرتے ہوئے ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں

"عورت کے بعد مرد پر عورت کے مصارف کی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ ایسی حالت میں عورت بچہ کو دودھ پلانے کی اُجرت لے سکتی ہے"۔[۳]

---

۱۔ احکام القرآن، ابو بکر محمد بن عبد اللہ، دار لمعرفہ، بیروت، ۱۹۷۲ء، ص:۱/ ۲۷۵

۲۔ تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، ص:۱/ ۵۰۱

۳۔ تفسیر المظہری، محمد ثناء اللہ پانی پتی، ص:۱۰/ ۱۶۰

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾[1]

ترجمہ: اور اگر وہ حمل والیاں ہوں تو وضع حمل تک ان پر اپنا مال خرچ کرو۔

پوری امت کا اجماع ہے کہ وضع حمل تک شوہر پر نفقہ واجب ہے۔ اگر طلاق رجعی ہے تو عورت کے نان و نفقہ بھی شوہر پر واجب ہے۔[2]

اور اگر عدت ختم ہو چکی ہے تو معاوضہ دو اگر تمہارے بچے کو دودھ پلائیں، جو معاوضہ دستور کے مطابق اور مرد کے معیار زندگی کے مطابق ہو۔ عدت کے دوران مطلقہ کی پوری ذمہ داری آدمی پر ہے۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ﴾[4]

ترجمہ: عورتوں کو (ایام عدت میں) اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں خود رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ دو۔

مطلقہ خاتون کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری شوہر کی حیثیت کو پیش نظر رکھ کر فریقین فیصلہ کریں گے کہ عورت کو نان نفقہ کیا دیا جائے۔[5]

زمانہ عدت میں مطلقہ عورتوں کے ساتھ رکھنے کا طریقہ ایسا نہیں ہونا چاہیئے جن سے ان کی خودداری مجروح ہو، بلکہ تمہاری آمدنی کے لحاظ سے رہائش کا جو معیار ہو وہی معیار اس کے لیے بھی مہیا کرو۔

"اور اس دوران کسی پہلو سے انہیں تنگ کرنے کی تدبیریں نہ اختیار کرو کیونکہ چند ہی دنوں میں پریشان ہو کر وہ تمہارا گھر چھوڑنے پر مجبور نہ ہو جائیں"۔[6]

سرکار دوعالم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا

---

[1] - سورۃ الطلاق: ۶۵/ ۶

[2] - تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، ص: ۱/ ۵۰۱

[3] - معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، ص: ۲/ ۴۹۱

[4] - سورۃ الطلاق: ۶۵/ ۶

[5] - تفسیر المظہری، محمد ثناء اللہ پانی پتی، ص: ۱۰/ ۵۶۰

[6] - تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، ص: ۷/ ۴۴۳

((فَاتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذَلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ.)) [۱]

ترجمہ: تم لوگ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم لوگوں نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امان میں لیاہے۔ تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم (نکاح) سے ان کی شرمگاہوں کو اپنے اوپر حلال کر لیا ہے۔ تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں، جس کا آنا تمہیں ناگوار ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں اس پر ایسی سزا دو کہ جس سے چوٹ نہ لگے اور ان کا تم پر حق ہے کہ تم اپنی حیثیت کے مطابق ان کو خوراک اور لباس مہیا کرو۔

حکیم بن معاویہ القیشری نے اپنے والد سے روایت کی ، انھوں نے کہا کہ میں نے عورتوں کے حقوق کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

((أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ، وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، وَلَا تَضْرِبْ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ، وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ)) [۲]

ترجمہ: جب تم کھاؤ، تو ان کو بھی کھلاؤ، اور جب تم پہنو تو ان کو بھی پہناؤ اور ان کے منہ پر نہ مارو اور اسے برا بھلا نہ کہو اور گھر کے سوا ان سے علیحدگی اختیار نہ کرو۔

اس موضوع پر حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

((أَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ)) [۳]

ترجمہ: خبردار عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم انہیں لباس مہیا کرنے اور کھانا مہیا کرنے میں ان سے عمدہ سلوک کرو۔

ان احکام سے معلوم ہوا کہ شادی کے بعد شوہر پر بیوی کو ایسے مکان میں رکھنا واجب ہو گا جس میں اس کی بیوی آسانی اور راحت محسوس کرے۔ مشترک خاندان کے تصور سے اس کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کی کفالت اور نان ونفقے کا پابند ہے جس طرح وہ بوڑھے اپنے والدین اور بہن بھائیوں کی کفالت اور ان کی معاشی ضروریات کا بھی پابند ہے۔ پتہ چلتا ہے کہ بیوی بچوں کو الگ گھر اور دیگر ضروریات دینا مرد پر لازم

---

[۱]- صحیح مسلم، امام مسلم، بَابُ حَجَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حدیث:۱۲۱۸، ص:۲/۸۸۶

[۲]- سنن ابوداود، امام ابوداود، كِتَاب النِّكَاحِ، بَابٌ فِي حَقِّ الْمَرْأَةِ عَلَى زَوْجِهَا، حدیث: ۲۱۴۲، ص:۲/۲۴۴

[۳]- سنن ابن ماجہ، امام ماجہ، كِتَابُ النِّكَاحِ , بَابُ حَقِّ الْمَرْأَةِ عَلَى زَوْجِهَا، حدیث نمبر:۱۸۵۱، ص:۱/۵۹۴

ہے۔ مشترک مکان کئی پہلوؤں سے بیوی کے لیے زحمت اور پریشانی کا موجب ہوتا ہے، جس سے اس کا بچایا جانا ضروری ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ بعض مصالح اور گھر کے حالات کے تحت خود اپنے اس حق کو کم کرنے پر رضامند ہو۔[۱]

سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾[۲]

ترجمہ: کسی شخص پر اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔

فقہا نے نفقہ کی ادائیگی کو واجب قرار دیا ہے[۳]

بیوی مالدار ہو یا غریب ہو، جیسی بھی ہو اگر وہ شوہر کے تابع فرمان ہے تو اسے نفقہ دلوایا ہے۔[۴]

اسلام نے عورت کو روزی کی دوڑ دھوپ سے آزاد کر دیا ہے تا کہ وہ پوری یکسوئی اور اطمینان کے ساتھ گھر میں رہ کر خانگی زندگی کے فرائض سر انجام دے۔ اور یہ ذمہ داری مرد پر ڈالی ہے کہ وہ مرد کمائے اور اپنی بیوی کے لیے کھانے پینے کی ضروریات مہیا کرے۔ اور انتہائی محنت اور دماغ سوزی سے کمائی ہوئی دولت خوشی خوشی ان پر صرف کر کے روحانی سکون و مسرت محسوس کرے۔[۵]

عورت نے گھر کی دیکھ بھال، شوہر کی خدمت، بچوں کی پرورش اور نگرانی وغیرہ کی غیر معمولی ذمہ داریاں سنبھال کر بالکل قدرتی انداز میں شوہر پر اپنا یہ حق قائم کر دیا کہ وہ اس کی ضروریات مہیا کرے اور اس کے ذہن و دماغ کو اس فکر سے آزاد رکھے۔ اور اس کی بے مثال رفاقت اور خدمات کی قدر کرتے ہوئے، اسے وہی کھلائے، جو وہ خود کھائے اور وہی پہنائے جو وہ خود پہنے، بلکہ اپنے سے بہتر کھلا پلا کر خوشی محسوس کرے۔ بیوی کے نفقہ کا بار شوہر پر اس لیے ڈالا گیا تا کہ وہ بچہ پیدا کرے، اس کی تربیت کرے، اور نشو و نما میں بیوی بے فکر ہو کر کوشاں رہے۔ جس کا بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ بچے کی نفسیات پر بھی خوشگوار اثر پڑے گا اور وہ افکار کے ہجوم سے طبعی طور پر محفوظ رہے گا۔[۶]

---

[۱]- مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام، سلطان احمد اصلاحی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص:۳۷

[۲]- سورۃ البقرہ: ۲/۲۳۳

۳- فقہ الاسلامی وادلتہ، وھبۃ الزحیلی، دار الفکر، دمشق، باب شرط اتحاد الدین، ص:۱۰ /۸۸

[۴]- اسلام کا نظام عفت و عصمت، محمد ظفیر الدین، دار الاندلس، لاہور، ۱۹۵۴ء، ص:۲۴۱

[۵]- اسلامی معاشرہ اور اس کی تعمیر میں خواتین کا حصہ، محمد یوسف اصلاحی، ادارہ بتول، لاہور، ۱۹۶۸، ص:۲۰۷

[۶]- اسلام کا نظام عفت و عصمت، محمد ظفیر الدین، ص ۲۴

لہٰذا مرد جو کچھ کماتے ہیں اس کا بہترین مصرف ان کے اہل و عیال ہی ہیں اور ان پر محبت اور شفقت کے ساتھ صرف کرنے سے نہ صرف یہ کہ دنیا کی زندگی بنتی ہے بلکہ آخرت میں بھی اس پر بے پایاں اجر و انعام ہو گا۔
جس کے بارے ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ محسن انسانیت ﷺ نے فرمایا

((دِينَارٌ أَنْفِقْتَهُ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَدِينَارٌ فِي الْمَسَاكِينِ، وَدِينَارٌ عَلَى أَهْلِكَ، وَدِينَارٌ فِي الرِّقَابِ، وَدِينَارٌ فِي نَسِيَهُ يَحْيَى، أَفْضَلُهَا دِينَارًا دِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ))[1]

ترجمہ: ایک دینار وہ ہے جو تم نے خدا کی راہ میں خرچ کیا۔ ایک دینار وہ ہے جو تم نے کسی فقیر کو صدقہ میں دے دیا، اور ایک دینار وہ ہے جو تم نے اپنے گھر والوں پر صرف کیا۔ ان میں سب سے زیادہ اجر و ثواب اس دینار کا ہے جو تم نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا۔

خود نبی کریم ﷺ کا اپنے گھر والوں کے نان و نفقہ کا بندوبست کرنا اس کی مثال ہے۔
"نبی کریم ﷺ نے نخل بنی نضیر کو فروخت فرمادیا اور اس کی قیمت، اپنے اہل و عیال کے سال بھر کے نفقہ کے لیے جمع فرمادیتے"۔[2]

## کام کاج میں عورت کا حق

اسلام نے عورت کو عمل اور کام کاج میں بھی پورا پورا حق دیا ہے اور اس کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ وہ خرید و فروخت، معاہدات اور لین دین بھی کر سکتی ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

((إِنَّمَا النِّسَاءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ))[3]

ترجمہ: عورتیں مردوں کی جنس میں سے ہیں۔

یعنی وہ بھی مردوں کی طرح خصلتیں اور عادتیں رکھتی ہیں کیونکہ مردوں میں سے نکلی ہیں، اس لیے کہ حوّا آدم سے نکلی تھی۔ اسلام عورتوں کو اپنی جائز کمائی پر تصرف رکھنے کا اتنا ہی اختیار دیتا ہے جتنا کہ مرد کو دیا گیا ہے۔

---

[1]- سنن الکبری، ابو عبد الرحمن خراسانی، كِتَابُ عِشْرَةِ النِّسَاءِ، بَابُ الْفَضْلُ فِي ذَلِكَ، حدیث: ۹۱۳۹، ص:۸/۲۷۰

[2]- صحیح مسلم، امام مسلم، كِتَاب الزَّكَاةِ، بَابُ فَضْلِ النَّفَقَةِ عَلَى الْعِيَالِ وَالْمَمْلُوكِ، وَإِثْمِ مَنْ ضَيَّعَهُمْ أَوْ حَبَسَ نَفَقَتَهُمْ عَنْهُمْ، حدیث: ۹۹۵، ص:۲/ ۶۹۲

[3]- سنن ابو داؤد، امام ابو داؤد، كِتَاب الطَّهَارَةِ، بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَجِدُ الْبِلَّةَ فِي مَنَامِهِ، حدیث: ۲۳۶، ص:۱/ ۶۱

سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ﴾ [۱]

ترجمہ: مردوں کو اپنی کمائی سے حصہ ہے، اور عورتوں کو اپنی کمائی سے حصّہ ہے۔

لہٰذا مذکورہ اصول کے تحت درجہ بندی کا کوئی جواز اسلام نے روا نہیں رکھا بلکہ یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ دونوں اپنی اپنی کمائی پر قادر ہونگے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ جب تقسیم کار کا انداز بدلے گا تو عورت کی ذمہ داری گھریلو معاملات سے ماورا معاملات میں بھی ہو گی اور وہ معاش کے میدان میں بھی مردوں کا ساتھ دے سکے گی۔ اور ایسی صورت میں اپنی کمائی ہوئی دولت پر اسے پورا پورا اختیار ہو گا۔

"عورت کو اپنی کمائی پر ہی تصرف کا حق نہیں بلکہ وہ مرد کی طرح آزاد ہے۔ وہ چاہے تو جائیداد رکھے، اور اس کا انتظام و انصرام کر کے اس سے آزادانہ استفادہ کرے۔ اور جائیداد کے حسب منشاء استعمال کے راستے میں اگر اس کا شوہر مزاحم ہو تو یہ بات فسخ نکاح کے لیے ایک وجہ بھی بن سکتی ہے"۔ [۲]

تاریخ انسانی میں اسلام نے پہلی مرتبہ عورت کو مستقل قانونی تشخص عطا کیا ہے۔

چنانچہ "اسلام میں عورت کا مقام" کے مصنف لکھتے ہیں

"عورت اپنی ذاتی ملکیت رکھ سکتی ہے اور اس کو حق ملکیت بھی حاصل ہے اور اس تصرف پر اختیار بھی ہے"۔ [۳]

Status of Woman in Islam (اسلام میں عورت کا مقام) کے مصنف لکھتے ہیں

"Islam placed women and man on the same footing in economic, independence, property rights and legal process, She might follow any legitimate profession, keep her earnings, inherit property, and dispose for her belongings at will" [4]

---

۱- سورۃ النساء: ۴/ ۳۲

۲- فکری ارتقاء اور اسلام، ذکا اللہ لودھی، ثانی کمیونیکیشنز، کراچی، ص: ۳۵۸

۳- اسلام میں عورت کا مقام، اسرار احمد، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص: ۱۷

4-Aftab Husain, *Status of Woman in Islam,* (Lahore: Law Publishing Co,1987), 464.

ترجمہ: اسلام نے مرد اور عورت کو معاشی آزادی، مالی حقوق اور قانونی طریق کار میں مساوی درجہ دیا ہے، وہ کوئی بھی جائز پیشہ اختیار کر سکتی ہے۔ اپنی آمدنی کی مالک بن سکتی ہے وراثت میں حصّہ پا سکتی ہے اور اپنی مرضی سے اپنی ملکیت میں تصرف کر سکتی ہے۔

اسی کتاب (Status of Woman in Islam) میں مزید لکھا ہے کہ

"The property of a woman, as well as her earnings, before or after her marriage, are exclusively her own, and her husband, or any other guardian, does not have any interest in or seizing over it" (1)

ترجمہ: عورت کو جائیداد اور اس کی کمائی خواہ شادی سے پہلے ہو، یا بعد وہ صرف اسی کی ملکیت ہوتی ہے اور اس کے شوہر یا کسی اور سرپرست کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس میں کوئی تصرف کر سکے۔

اسی طرح جوزف جینٹ (۲) "Woman in Muslim Rural Society"(عورت مسلمان شہری معاشرے میں) میں لکھتے ہیں۔

"عورت ان سے مالی مفادات حاصل کر سکتی ہے۔ نہ ساس اور نہ بہو کوئی بھی ملکیت نہیں رکھ سکتی ہے لیکن قانون کہتا ہے کہ عورت جائیداد حاصل کر سکتی ہے اور قانونی طور پر اس کی ملکیت کو تحفظ حاصل ہے۔ بلکہ قانون یہ کہتا ہے کہ عورت جو مال اپنے باپ کے گھر سے بطور جہیز لائے، یا جو کچھ اسے شادی کے موقع پر تحفے میں ملے وہ سب اس کی ملکیت ہے۔ کوئی دوسرا، حتیٰ کہ شوہر بھی اس کے مال کو ہاتھ نہیں لگا سکتا"۔ (۳)

---

1 -Hussain, *Status of woman in Islam*, 201.

۲-جوزف جینٹ (Joseph Ginat)(۱۹۳۶-۲۰۰۹): اسرائیلی ماہر بشریات، مصنف اور ہائفہ یونیورسٹی (اسرائیل) میں پروفیسر تھا۔

3-Joseph Ginat, *Women in Muslim rural society: Status and Role in Family and Community,* ( New Brunswick: N.J.Transaction Books, 1982), 173.

اس سلسلے میں صلاح الدین ناسک ،'افکار سیاسی مشرق و مغرب 'میں مزید لکھتے ہیں کہ

"اسلام میں عورت کے پاس جو کچھ بھی مال ہے۔ اس کی ملکیت قبضہ و تصرف کے پورے پورے حقوق اسے حاصل ہیں۔ وہ اپنے مال کی خرید و فروخت ، رہن ، ہبہ کر سکتی ہے۔ چاہے تو اسے کسی تجارت میں بھی لگا سکتی ہے"۔ (۱)

حضرت جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ میری خالہ کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی۔ عدت کے دن انہیں گھر میں ہی گزارنے چاہیے تھے۔ لیکن اُنھوں نے عدت کے دوران اپنے کھجور کے چند پیڑ کاٹنے اور فروخت کرنے کا ارادہ کیا تو ایک صاحب نے سختی سے انھیں منع کیا کہ (عدت کے دوران گھر سے نکلنا جائز نہیں) یہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں استفسار کے لیے گئیں، تو آپ ﷺ نے جواب دیا

((اخْرُجِي فَجُدِّي فَلَعَلَّكَ أَنْ تَصَدَّقِي أَوْ تَفْعَلِي خَيْرًا)) (۲)

ترجمہ: (کھیت) جاؤ اور اپنے کھجور کے درخت کاٹو (اور فروخت کرو) اس رقم سے بہت ممکن ہے۔ تو صدقہ و خیرات، یا کوئی بھلائی کا کام کر سکو۔

ان الفاظ کے ذریعے سے نبی کریم ﷺ نے حضرت جابر کی خالہ کو انسانیت کی بہی خواہی اور فلاح و بہبود کی ترغیب دی۔ اس حدیث نبوی ﷺ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ پاکیزہ مقاصد کے حصول اور امور خیر کی تکمیل کے لیے عورت گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور یہ کہ دورِ اول کی خواتین ضرورت پر بازار اور کھیت میں کام کے لیے جایا کرتی تھیں۔ اگر پہلے سے کوئی عمومی ممانعت ہوتی تو حضرت جابرؓ کی خالہ کھیت جانے کا قصد ہی کیوں کرتیں؟۔

دوسری روایت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ

حضرت عائشہؓ احکام حجاب کے نازل ہونے کے بعد کا واقعہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سودہؓ کو باہر دیکھ کر تنقید کی، وہ گھر واپس چلی آئی اور حضور ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا۔ اس کے فوراً بعد آپ ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہو گئی اور جب یہ کیفیت ختم ہوئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا

((قَدْ أُذِنَ أَنْ تَخْرُجْنَ فِي حَاجَتِكُنَّ)) (۳)

ترجمہ: بے شک (اللہ نے) تمہیں اپنی ضروریات کے لیے (گھر سے) باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔

---

۱- افکار سیاسی مشرق و مغرب، صلاح الدین ناسک، عزیز پرنٹرز، لاہور، ۱۹۷۵، ص:۲۴۵

۲- سنن ابو داؤد، امام ابو داؤد، كِتَاب الطَّلَاقِ، بَابٌ فِي الْمَبْتُوتَةِ تَخْرُجُ بِالنَّهَارِ، حدیث: ۲۲۹۷، ص:۲ /۲۸۹

۳- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ الوُضُوءِ، بَابُ خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى البَرَازِ، حدیث: ۱۴۷، ص:۱/۴۱

ان کی عملی سرگرمیوں نے اس امر کے قطعی اور یقینی شواہد فراہم کر دیئے ہیں کہ اس نے امور خانہ داری کے علاوہ دوسری بہت سی مصروفیات اندرون خانہ، و بیرون خانہ جاری رکھیں اور اسلامی معاشرہ کبھی ان میں حائل نہیں ہوا۔ قبیلہ نامی ایک صحابیہؓ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا

((إِنِّي امْرَأَةٌ أَبِيعُ وَأَشْتَرِي)) [1]

ترجمہ: میں ایک ایسی عورت ہوں جو مختلف چیزیں بیچتی ہوں اور خریدتی رہتی ہوں۔

(یعنی تاجر ہوں) اور پھر آپ ﷺ سے خرید و فروخت سے متعلق مسائل دریافت کیے۔

حضور ﷺ کے عہد مبارک میں خواتین کھیتی باڑی کا کام کرتی تھیں مگر یہ تمام صحابیات کا مشغلہ نہ تھا بلکہ سرسبز مقامات کے باشندوں کے ساتھ مخصوص تھا۔ مدینہ منورہ میں انصار کی تمام عورتیں کاشت کاری کرتیں اور خاص کر سبزیاں بوتی تھیں۔ [2]

سھل بن سعدؓ ایک خاتون کا ذکر کرتے ہیں، جو اپنی کھیتی میں پانی کی نالیوں کے اطراف چقندر کاشت کیا کرتی اور جمعہ کے دن سھلؓ اور دیگر صحابہ کو چقندر اور آٹے سے تیار کردہ حلوہ کھلاتی تھیں۔ [3]

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ابن سعدؒ نے ذکر کیا ہے

خولہ بنت ثعلبہؓ سے ان کے شوہر نے غیر ارادی طور پر کہہ دیا کہ آج سے تمہاری حثیت میری ماں کی سی ہے، چنانچہ ہم دونوں مسئلہ دریافت کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چونکہ اس وقت تک اس مسئلہ میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس لیے نبی پاک ﷺ نے شوہر کو حکم دیا

((لا تَدْنُ مِنْهَا وَلا تَدْخُلْ عَلَيْهَا حَتَّى آذَنَ لَكَ، قَالَتْ خَوْلَةُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا لَهُ مِنْ شَيْءٍ وَمَا يُنْفِقُ عَلَيْهِ إِلا أَنَا)) [4]

---

[1]- سنن ابن ماجہ، امام ابن ماجہ، كِتَابُ التِّجَارَاتِ، بَابُ السَّوْمِ، حدیث:۲۲۰۶، ص:۲/۷۴۳

[2]- طبقات الکبری (طبقات الکبیر)، ابو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع الھاشمی بالولاء، البصری، البغدادی المعروف ابن سعد، مکتبہ العلوم والحکم، مدینہ منورہ، ۱۴۰۸ھ، ص:۸/۳۶۰

[3]- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ الجُمُعَةِ، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: (فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلاَةُ فَانْتَشِرُوا فِي الأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ)، حدیث:۸۹۶، ص:۱/ ۲۳۱۸

[4]- طبقات الکبری، ابن سعد، باب و من نساء القواقلة و هم بنو عوف بن خزرج، ص:۸/۳۷۸

ترجمہ: اجازت ملنے تک تم اپنی بیوی سے الگ رہو۔ بیوی نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! ان کے پاس تو خرچ کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، میں ہی ان پر خرچ کرتی ہوں، پھر وہ مجھ سے الگ رہ کر کس طرح زندگی گزار سکتے ہیں؟

اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کے دور میں عورتوں کو کمانے کا حق حاصل تھا۔ خولہ بنت ثعلبہؓ کی یہ مثال واضح کر دیتی ہے کہ وہ خود کماتی تھیں اور اپنے شوہر کا خرچ بھی اٹھاتی تھیں۔

اسی سلسلے میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا

((نَرَى الْجِهَادَ أَفْضَلَ الْعَمَلِ، أَفَلَا نُجَاهِدُ؟ قَالَ: لَا، لَكِنَّ أَفْضَلَ الْجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُورٌ))[1]

ترجمہ: یا رسول اللہ ﷺ ہم سمجھ رہی ہیں کہ جہاد سب سے افضل عمل ہے، کیا ہم جہاد نہ کریں؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ لیکن سب سے افضل جہاد (عورتوں کے لیے) حج مبرور ہے۔

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ عورت کسی خاص ضرورت کے تحت گھر سے باہر جا سکتی ہے۔ عام حالات میں اس کے باہر نکلنے پر شریعت نے مختلف قیود لگائیں، جیسے شرم و حیا اور اللہ کا خوف اس کے دل میں ہو۔ مگر شریعت نے اضطراری کیفیت میں عورت کو گھر سے باہر نکل کر کام کرنے کی اجازت دی ہے اور احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے عورت کو غیر مردوں سے خلوت میں ملنے سے منع کیا۔ کیونکہ شیطان، مرد اور عورت دونوں کے دلوں میں مختلف وسوسے ڈال سکتا ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے عورتوں اور مردوں کو نظریں نیچی رکھنے کی ہدایت کی۔

لیکن بہت کم عورتیں اس بات کو سمجھتی ہیں۔ اگر کوئی عورت باہر کام کرنے پر مجبور ہو اور اس کے معاشی حالات اسے گھر سے باہر کام کرنے پر مجبور کر دیں تو اس کے لیے شرط یہ ہے کہ بغیر میک اپ اور بناؤ سنگھار اور مردوں سے عدم خلوت ہو، وگرنہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گنہگار ہو گی۔

## مہر

عورت کے معاشی حقوق میں مہر کا حق انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اسلام نے مرد کو حکم دیا ہے کہ جس عورت سے اس کا نکاح ہو وہ اسے لازماً مہر ادا کرے۔ قرآن مجید نے اس کے لیے فریضہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی مہر لازمی ادا کرنا ہوتا ہے اور اس فریضہ کو خوشدلی سے ادا کرنے کے لیے "نحلہ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے بغیر نکاح صحیح

---

[1]- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ الحَجِّ، بَابُ فَضْلِ الحَجِّ المَبْرُورِ، حدیث: ۱۵۲۰، ص:۲/ ۱۳۳

نہیں ہوتا بلکہ حیثیت کے تعین کے لیے عرف پر اس کا انحصار رکھا گیا ہے۔اگر شوہر چاہے تو بیوی کو ڈھیروں مال بھی دے سکتا ہے۔اور اگر اس کی مالی حیثیت کمزور ہے، تو لوہے کی انگوٹھی پر بھی نکاح ہو سکتا ہے۔

## مہر کی لغوی تعریف

لفظ مہر "م۔ھ۔ر" کا مادہ ہے۔اس کی جمع مُھُور ہے اور اس کا باب یَمْھَر مَھْراً ومُھُوراً ومَھارة ومِھارة سے آتا ہے۔[1] اگر اس کا ماضی ہمزہ کے بغیر آجائے تو معنی مہر عطا کرنا آتا ہے " مَھَرْتُ المرأةُ أَمْھَرُھا مَھْراً وأَمْھَرْتُھا"۔[2] اور اگر ہمزہ کے ساتھ آجائے تو پھر دوسرے کی طرف سے مہر ادا کرنے کے معنی میں آتا ہے، چنانچہ "امھَرَ ھَا" کا مطلب ہو گا اس عورت کو دوسرے کی طرف سے مہر ادا کیا۔

## مہر کی اصطلاحی تعریف

"اسْمٌ لِلْمَالِ الَّذِي يَجِبُ فِي عَقْدِ النِّكَاحِ عَلَى الزَّوْجِ فِي مُقَابَلَةِ الْبُضْعِ إِمَّا بِالتَّسْمِيَةِ أَوْ بِالْعَقْدِ"[3]

ترجمہ: مہر اس مال کا نام ہے جو شوہر کے ذمے بیوی کے منافع نفس کے عوض مقرر کرنے پر یا صرف عقد نکاح واجب ہوتا ہے۔

تاج العروس میں مہر کے بارے میں فرمایا گیا ہے

"هُوَ مَهْرُ المَرْأَةِ إذا وُطِئَتْ على شُبْهَةٍ فسَمَّاه مَهْراً"[4]

ترجمہ: مہر اس مال کو کہتے ہیں۔جو عورت کو وطی کے بدلے میں دیا جاتا ہے اسے مہر کہتے ہیں

مہر بمعنی اجرت بھی استعمال ہوتا ہے۔جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔

((مَهْرُ البَغِيِّ خَبيثٌ))[5]

ترجمہ: فاجرہ کی اجرت ناپاک ہے۔

---

[1] - لسان العرب، محمد بن مکرم بن علی، ابو الفضل، جمال الدین ابن منظور الانصاری الرویفعی الافریقی، دار صادر، بیروت، ۱۴۱۴ھ، ص:۵/۱۸۵

[2] - صحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، ابو نصر اسماعیل بن حماد الجوھری الفارابی، بَابُ الْمَهْرِ، ص:۲/۸۲۱

[3] - رد المختار علی الدر المختار، ابن عابدین شامی، بَابُ الْمَهْرِ، ص:۳/۱۰۱

[4] - تاج العروس من جواھر القاموس، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، دار الھدایہ، مصر، (س۔ن)، ص:۱۳/۱۰۶

[5] - رد المختار علی الدر المختار، ابن عابدین شامی، مَطْلَبٌ فِي اجَارَةِ الْبِنَاءِ، ص:۶/۵۲؛ تاج العروس من جواھر القاموس، محمّد الحسيني، ص:۵/۲۳۷

قرآن مجید میں کئی جگہ مہر کے لیے مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

**۱-لفظ نِحْلَةً کے ساتھ**

﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ [1]

ترجمہ: اور تم لوگ بیویوں کو انکے مہر خوش دلی سے ادا کرو

**۲۔ لفظ اجر کے ساتھ**

﴿فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ [2]

ان کو مہر دو جو کچھ مقرر کر چکے ہو۔

**۳-لفظ فریضۃ کے ساتھ**

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ [3]

ترجمہ: تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی قبل اس کے کہ انہیں ہاتھ لگایا ہو یا ان کے لیے مہر مقرر کیا ہو۔

مہر شرعاً واجب ہے اور اس کا وجوب شریعت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے۔

﴿وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ﴾ [4]

ترجمہ: اور عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئیں کہ اپنے مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو۔

امام ابو بکر جصاص [5] اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں

**فعقد الإباحة بشريطة إيجاب بدل البضع وهو مال فدل عَلَى مَعْنَيَيْنِ أَحَدُهُمَا أَنَّ بَدَلَ الْبُضْعِ وَاجِبٌ أَنْ يَكُونَ مَا يَسْتَحِقُّ بِهِ تَسْلِيمُ مَالٍ وَالثَّانِي أَنْ يَكُونَ الْمَهْرُ مَا يُسَمَّى أَمْوَالًا** [6]

---

[1]-سورۃ النساۃ ۴/۴

[2]-سورۃ النساء:۴/۲۴

[3]-سورۃ البقرہ:۲/۲۳۶

[4]- سورۃ النساء:۴/۲۴

[5]-احمد بن علی الرازی ،ابوبکر الجصاص ( ۳۰۵ ۔ ۳۷۰ ھ):مشہور فقیہ اور حنفی مسلک کے مجتہد عالم تھے۔ چونے کا کام کرتے تھے اسی وجہ سے جصاص کہلاتے ہیں ۔بغداد میں سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پاگئے ۔آپؒ نے مفید کتابیں تصنیف کیں جن میں احکام القرآن مشہور ہے۔

[6]-احکام القرآن، احمد بن علی ابو بکر الرازی الجصاص، دار احیاء التراث العربی، بیروت،(س۔ن)، بَابُ الْمُهُورِ، ص:۳/۸۶

ترجمہ: نکاح کو مال کے عوض مباح کرنے سے دو معنوں پر دلالت ہوتی ہے ایک یہ کہ نکاح مہر سے خالی نہیں ہو سکتا اور تسلیم نفس مال کو واجب کرنے کا استحقاق رکھتا ہے۔ دوسرے یہ کہ مہر وہ چیز ہونی چاہیے جو عرفاً مال کا مصداق ہو۔

علامہ الوسی[1] فرماتے ہیں

۱۔ "ای اعطوهن مهورهن" [2]

ترجمہ: ان کو ان کے مہر ادا کرو۔

۲۔ امام محمد بن جریر الطبری[3] لکھتے ہیں

"واعطوا النساء مهورهن عطية واجبة و فريضة لازم" [4]

ترجمہ: عورتوں کو انکے مہر خوش دلی سے دو۔ یعنی عورتوں کے اولیاء (سرپرستوں) کو کیونکہ وہی ان کے مہر وصول کرتے ہیں۔

۳۔ سنن ابی داؤد میں ہے

" كَانَ الرَّجُلُ إِذَا مَاتَ كَانَ أَوْلِيَاؤُهُ أَحَقَّ بِامْرَأَتِهِ مِنْ وَلِيِّ نَفْسِهَا إِنْ شَاءَ بَعْضُهُمْ زَوَّجَهَا أَوْ زَوَّجُوهَا وَإِنْ شَاءُوا لَمْ يُزَوِّجُوهَا " [5]

ترجمہ: دور جاہلیت میں جب کوئی شخص مر جاتا، تو اس کے اولیاء اس کی بیوی کے وارث اور حقدار بن جاتے، وہ خود اس سے شادی کرتے، یا کسی اور سے کر دیتے، اور کبھی کوئی سرپرست اپنا کپڑا اس پر ڈال کر اس کا وارث بن جاتا۔

---

[1]۔ ابو الثناء شہاب الدین سید محمود بن عبد اللہ بن محمود الحسینی الوسی بغدادی (۱۸۰۲-۱۸۵۴) عالم دین تھے۔ اپنی تصنیف تفسیر روح المعانی کے باعث مشہور ہیں۔

[2]۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، سید محمود شہاب الدین الالوسی، ص: ۴/۱۹۸

[3] - ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری (۸۳۸-۹۲۳) عہد عباسی کے مشہور مفسر و مورخ تھے۔ تفسیر جامع البیان عن تاویل ای القرآن اور تاریخ الرسل والملوک ان کی مقبول تصانیف ہیں۔

[4]- جامع البیان فی تفسیر القرآن، محمد بن عبد الرحمٰن الحسن، الکتب الاسلامی، ۱۴۲۴ھ، ص: ۳/۱۶۱، ۱۶۲

[5]- سنن ابی داؤد، امام ابو داؤد، باب قَوْلِهِ تَعَالَى (لا يَحِلُّ لَكُمْ انْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلا تَعْضُلُوهُنَّ)، حدیث: ۲۰۹۱، ص: ۲/۱۹۳

اسلام نے جاہلیت کے ان تمام طریقوں کو ختم کیا اور حق مہر کو عورت کا حق قرار دیا اور اس حق پر ہونے والی تمام زیادتیوں کو ختم کیا۔

اس آیت کریمہ کی تشریح معارف القرآن میں اس طرح بیان کی گئی ہے

﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا﴾ (۱)

ترجمہ: اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں، تو اسے ذوق وشوق سے کھالو۔

آپ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں یہ تعلیم فرمائی گئی ہے کہ عورتوں کا مہر ایک حق واجب ہے۔ اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ جس طرح تمام حقوق کو خوشدلی کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے، اسی طرح مہر کو بھی سمجھنا چاہیے۔ اگر وہ بالکل اپنے اختیار اور رضامندی سے کوئی حصہ معاف کر دیں تو وہ تمہارے لیے جائز ہے۔ (۲)

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ﴾ (۳)

ترجمہ: پس ان کے مقرر شدہ مہر دے دو۔

مہر عورت کا ایک حق ہے، جو نکاح کے وقت ہی ادا کرنا چاہیے۔ اور اگر کسی وجہ سے نکاح کے وقت ادا نہ کیا جاسکے، تو نکاح کے بعد مہر ادا کرنے کی فکر ہونی چاہیے کیوں کہ یہ ایک قرض ہے اور قرض کا ادا کرنا بہر حال ضروری ہے۔ عام طور پر لوگ اس لیے نکاح کے وقت بھاری مہر رکھتے ہیں کہ ان کی نگاہ میں مہر کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ سوچنے کا انداز یہ ہے کہ کون لیتا اور کون دیتا ہے، اس لیے اپنی حیثیت سے کئی زیادہ مہر مقرر کرتے ہوئے بھی ان کے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں ہوتا۔ ایسا نکاح شریعت کی نگاہ میں نہایت ناپسندیدہ ہے اور اسلام اس مزاج اس کو ہرگز قبول نہیں کرتا۔ (۴)

سورہ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ (۵)

ترجمہ: اور عورتوں کے مہر بلا بدل دو۔

---

[۱] ۔سورۃ النساء: ۴/۴

[۲] ۔معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، ۲/ ۲۹۸۔۲۹۷

[۳] ۔سورۃ النساء: ۴/ ۲۴

[۴] ۔اسلامی معاشرہ اور اس کی تعمیر میں خواتین کا حصہ، محمد یوسف اصلاحی، ص: ۱۱۱، ۱۱۲

[۵] ۔سورۃ النساء: ۴/ ۴

یعنی عورتوں کا مہر ایک حق واجب ہے، اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ اور جس طرح عام حقوقِ واجبہ کو خوشدلی کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے، اسی طرح مہر کو بھی سمجھنا چاہیے۔ مہر کے بارے میں ایک ظلم یہ بھی ہوتا تھا کہ بہت سے شوہر یہ سمجھ کر کہ بیوی ان سے مجبور رہے، مخالفت نہیں کر سکتی، دباؤ ڈال کر ان سے مہر معاف کرا لیتے تھے جس سے درحقیقت معافی نہیں ہوتی تھی، مگر وہ یہ سمجھ کر بے فکر ہو جاتے تھے کہ مہر معاف ہو گیا۔

اس ظلم کے انسداد کے لیے آیت مذکور میں ارشاد فرمایا

﴿فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا﴾ (۱)

ترجمہ: ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں، تو اسے ذوق و شوق سے کھالو۔

یعنی مہر عورت کا حق ہے۔ اور پھر حقدار کو یہ حق ہے کہ جب چاہے وہ اپنا حق چھوڑ دے یا سب کا سب جبر و اکراہ اور دباؤ کے ذریعے معافی حاصل کرنا تو کوئی چیز نہیں۔ اس سے کچھ معاف نہیں ہوتا لیکن اگر وہ رضامندی سے مہر کا واپس کر دیں یا لینے کے بعد واپس کر دیں، تو وہ تمہارے لیے جائز ہے اور درست ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

((مَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً عَلَى صَدَاقٍ وَهُوَ يَنْوِي أَنْ لَا يُؤَدِّيَهُ فَهُوَ زَانٍ، وَمَنِ ادَّانَ دَيْنًا وَهُوَ يَنْوِي أَنْ لَا يُؤَدِّيَهُ إِلَى صَاحِبِهِ)) (۲)

ترجمہ: جس نے عورت سے ایک مہر پر شادی کی اس ارادے سے کہ وہ اسے ادا نہیں کرے گا، وہ زیادتی ہے۔ اور جس نے قرض لیا کہ وہ اسے ادا نہیں کرے گا وہ چور ہے۔

"Muhammadan Law" (قانونِ محمدی) کے مصنف فرماتے ہیں

"When she has obtained actual possession over her husband's property, under her claim for dower, she cannot be dispossessed from it, unless the dower is paid to her or is paid up from the income of property"[3]

---

۱- سورۃ النساء: ۴/۴

۲- ترغیب والترھیب من الحدیث الشریف، عبد العظیم بن عبد القوی المنذری ابو محمد، کتاب البیوع و غیرھا الترغیب فی الاکتساب، حدیث: ۲۷۸۰، ص: ۲/۳۷۴

3-Syed Ameer Ali, *Muhammadan Law*, Vol. 2 (Allahabad: Law Emporium,1982), 408.

ترجمہ: جب عورت کو شوہر کی طرف سے حق مہر مل گیا اور قبضہ ہو گیا، تو اب اسے اس سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ اسے ہر حال میں حق مہر ملے گا اور شوہر کی جائید اد یا مال سے اس کی ادائیگی ہو گی۔

اب رہا یہ سوال کہ مہر کی مقدار کتنی ہونی چاہیے ؟ اگرچہ شریعت نے مہر کے لیے کوئی خاص مقدار مقرر نہیں کی لیکن اسلامی شریعت کے حکیمانہ الفاظ سے یہ اُصول ضرور ملتا ہے کہ مہر شوہر کی مالی حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے، جسے وہ آسانی سے ادا کرسکے اور ادا کر کے کسی تنگی میں نہ پڑے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے

﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ﴾[1]

ترجمہ: کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو۔ اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے، اسی میں سے (حسب حیثیت) دے۔ کسی شخص کو اللہ تکلیف نہیں دیتا، مگر اتنی جتنی طاقت اسے دے رکھی ہے۔ اللہ تنگی کے بعد آسانی وفراغت بھی کر دے گا۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ مہر حسب توفیق ہے، نہ اپنی ہمت سے زیادہ نہ کم، اپنی خواہش سے ایک خزانہ بھی مقرر کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ ایک روایت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کا طرز عمل اس معاملے میں کیا تھا۔

حضرت ابو سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کا مہر کتنا تھا؟

(كَانَ صَدَاقُهُ لِأَزْوَاجِهِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً وَنَشًّا، (قَالَتْ:أَتَدْرِي مَا النَّشُّ؟) قَالَ: قُلْتُ: لَا، قَالَتْ: (نِصْفُ أُوقِيَّةٍ، فَتِلْكَ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ) [2]

ترجمہ: انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ کا مہر اپنی بیویوں کے لیے بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا۔ پھر حضرت عائشہؓ نے کہا نش کو جانتے ہو؟ میں نے کہا نہیں، اُنہوں نے کہا کہ نصف اوقیہ اور سب ملا کر پانچ سو درہم ہوئے۔

---

[1]- سورۃ الطلاق:۶۵/۷

[2]- صحیح مسلم، امام مسلم، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ الصَّدَاقِ، وَجَوَازِ كَوْنِهِ تَعْلِيمَ قُرْآنٍ، وَخَاتَمَ حَدِيدٍ، وَغَيْرَ ذَلِكَ مِنْ قَلِيلٍ وَكَثِيرٍ، وَاسْتِحْبَابِ كَوْنِهِ خَمْسَمِائَةِ دِرْهَمٍ لِمَنْ لَا يُجْحِفُ بِهِ، حدیث: ۱۴۲۶، ص:۲/۱۰۴۲

حضرت عمرؓ کے زمانے میں عجمی لوگوں کے رسم ورواج سے متاثر ہو کر مسلمان بھاری بھاری مہر مقرر کرنے لگے تو آپ نے خطبہ میں لوگوں کو توجہ دلائی اور بتایا کہ مسلمانوں کے سوچنے کا انداز ہ کیا ہونا چاہیے۔ حضرت عمرؓ ابن خطاب کہتے ہیں

((أَلَا لَا تَغْلُوا صُدُقَ النِّسَاءِ، فَإِنَّهُ لَوْ كَانَ مَكْرُمَةً وَفِي الدُّنْيَا، أَوْتَقْوَى عِنْدَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، كَانَ أَوْلَاكُمْ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَا أَصْدَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِ، وَلَا أُصْدِقَتْ امْرَأَةٌ مِنْ بَنَاتِهِ، أَكْثَرَ مِنْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً))[۱]

ترجمہ: خبردار! عورتوں کا مہر زیادہ نہ باندھو۔ اگر زیادہ مہر باندھ دینا عظمت کا سبب اور اللہ کے ہاں تقویٰ کا باعث ہوتا تو نبی کریم ﷺ اس کے زیادہ حق دار تھے۔اور مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی بیوی یا بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ رکھا ہو۔

ایک اور روایت میں بیان ہوا ہے کہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا

((أَلَا لَا تُغَالُوا فِي صَدَاقِ النِّسَاءِ، فَإِنَّهُ لَا يَبْلُغُنِي عَنْ أَحَدٍ سَاقَ أَكْثَرَ مِنْ شَيْءٍ سَاقَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ سِيقَ إِلَيْهِ إِلَّا جَعَلْتُ فَضْلَ ذَلِكَ فِي بَيْتِ الْمَالِ" ثُمَّ نَزَلَ، فَعَرَضَتْ لَهُ امْرَأَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ، فَقَالَتْ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَكِتَابُ اللهِ تَعَالَى أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَوْ قَوْلُكَ؟ قَالَ:" بَلْ كِتَابُ اللهِ تَعَالَى، فَمَا ذَاكَ؟ " قَالَتْ:نَهَيْتَ النَّاسَ آنِفًا أَنْ يُغَالُوا فِي صَدَاقِ النِّسَاءِ وَاللهُ تَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: (وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا) (النساء: ۲۰) فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: " كُلُّ أَحَدٍ أَفْقَهُ مِنْ عُمَرَ " مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا , ثُمَّ رَجَعَ إِلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ لِلنَّاسِ: " إِنِّي كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ أَنْ تُغَالُوا فِي صَدَاقِ النِّسَاءِ أَلَا فَلْيَفْعَلْ رَجُلٌ فِي مَالِهِ مَا بَدَا لَهُ "هَذَا مُنْقَطِعٌ))[۲]

ترجمہ: اے لوگو! تم عورتوں کا مہر زیادہ نہ باندھو، اور مجھے جس شخص کے بارے میں اطلاع ملے گی کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مہر باندھا ہے، تو میں زیادہ مقدار کو لے کر بیت المال میں جمع کرا دوں گا۔ یہ کہہ کر آپ ممبر سے اترے۔ تو قریش کی ایک عورت سامنے آئی۔ اس نے کہا۔ کہ اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ کی کتاب زیادہ پیروی کے قابل ہے، یا آپ کا قول؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اللہ

---

۱۔ سنن الکبری، ابوعبد الرحمن خراسانی، كِتَاب النِّكَاحِ، باب الْقِسْطُ فِي الْأَصْدِقَةِ، حدیث:۵۴۹۳، ص:۶/۱۱۷

۲۔ سنن الکبری بیہقی، ابو بکر البیهقي، كِتَابُ الصَّدَاقِ، بَابُ لَا وَقْتَ فِي الصَّدَاقِ كَثُرَ أَوْ قَلَّ، حدیث: ۱۴۳۳۶، ص:۷/۳۸۰

تعالیٰ کی کتاب۔ اس عورت نے کہا کہ ابھی آپ نے لوگوں کو منع کیا ہے کہ وہ عورتوں کے مہر میں زیادتی نہ کریں۔ اور اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ اگر تم نے کسی کو زیادہ مال دیا ہے، تو طلاق کے بعد اس میں سے کچھ نہ لو۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہر ایک شخص عمر سے زیادہ جانتا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ دوبارہ ممبر پر آئے اور لوگوں سے کہا۔ میں نے تم لوگوں کو عورتوں کا مہر باندھنے سے روکا تھا۔ اب ہر آدمی کو اختیار ہے کہ وہ اپنے مال میں سے جو چاہے خرچ کرے، آپؓ نے مزید فرمایا! مہر اگر آخرت میں بلندی اور عظمت کی چیز ہوتی، تو یقیناً رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیاں اس کی زیادہ مستحق تھیں۔

شریعت میں مہر کی کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ رقم کا تعین کیا گیا ہے۔ لیکن مختلف مسالک نے اس کی حد بندیاں کی ہیں۔ حنفی اور شافعی فقہا دس درہم کو کم از کم مہر قرار دیتے ہیں۔ لیکن مالکی تین درہم کو اور یہ فرق مختلف ملکوں میں جہاں ان مسالک کو اختیار کیا گیا ہے وہاں کے معاشی حالات کے مطابق الگ الگ ہے۔ (۱)

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ (۲)

ترجمہ: اور اگر تم نے عورتوں کو ڈھیر سارا مال بھی دیا ہو تو اس میں سے تم کچھ واپس نہ لو۔

یہ تو محض کم سے کم مہر کے متعلق ہے لیکن اگر کوئی آدمی خوشی سے زیادہ مہر مقرر کرے تو اس کی اجازت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے قانون میں مہر کے لیے کوئی آخری حد مقرر نہیں کی گئی۔

نواب صدیق حسن خان بھوپالی (۳) نے ترجمان القرآن میں اس آیت کی تشریح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بظاہر آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرع میں مہر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، زوجین اپنی رضامندی سے جتنا مہر مقرر کرنا چاہیں کر سکتے ہیں چاہے اس کی تعداد کروڑوں میں ہو۔ (۴)

اشرف علی تھانوی (۵) بیان القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

---

۱- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، اسلام محمد یامین قریشی سہارنپوری، اسلامی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص: ۱۳۸/۳

۲- سورۃ النساء: ۴/۲۰

۳- نواب صدیق حسن خان (۱۸۲۳-۱۸۹۰): ہندوستان کے مشہور اہلحدیث عالم تھے۔

۴- ترجمان القرآن، صدیق حسن خان، مطبع گردید، لاہور، ص: ۲/۱۵۰

۵ - اشرف علی تھانوی (۱۸۶۳-۱۹۴۳): قرآن وحدیث اور فقہ و تصوف کے عالم تھے۔ آپ کی تصانیف اور رسائل کی تعداد ۸۰۰ تک ہے۔ تفسیر بیان القرآن ان کی مشہور تصنیف ہے۔

"یہ آیت اس بات کی صریح دلیل ہے کہ عورتوں کے مہر پر کوئی پابندی نہیں کہ بڑے بڑے فرضی مہر باندھ دیئے جائیں، بلکہ مہر وہی ہے، جو ادا کر دیا جائے۔ اس آیت میں "قِنْطَارًا" کا لفظ استعمال ہوا ہے، جو کہ ایک غیر محدود مقدار ہے۔ مگر اُتیتم کا لفظ بڑھا کر اور دوسری جگہ پر "وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً " کا حکم دے کر صاف بتا دیا گیا ہے کہ مہر دینے کی چیز ہے، ایسا مہر نہ باندھو جو دے نہیں سکتے۔ ایسا کرنا خلاف قانون و شریعت ہے"[۱]

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے

((إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مُئُونَةً))[۲]

ترجمہ: وہ نکاح برکت والا ہے جس میں محنت کم ہو (یعنی مہر اور خرچ کم ہو)

مہر رقم کی صورت میں بھی دیا جا سکتا ہے اور کسی چیز کی صورت میں بھی۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی مقدار حسب استطاعت مقرر کی جائے اور اتنی ہو کہ آدمی سہولت کے ساتھ اسی وقت ادا کر سکے۔

مہر کی کم سے کم حد کے بارے میں فقہائے کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مہر کی کم سے کم مقدار اتنی ہو کہ اس کے ذریعے سے ضرورت کی کوئی چیز خریدی جا سکے ہر وہ رقم مہر بن سکتی ہے۔ جو کسی چیز کی قیمت ہو۔[۳]

المختصر مہر کی مقدار مقرر کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ مہر نہ تو اتنا کم ہو کہ باعث عار ہو اور نہ اتنا زیادہ ہو کہ شوہر کے لیے اس کی ادائیگی مشکل ہو۔ پھر ہر ایسی جائز شے قرار پائی جا سکتی ہے جو اپنے اندر مالیت رکھتی ہو۔ چنانچہ نقدی، مال تجارت، جائیداد وغیرہ مہر میں طے کی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ مہر جو چاہے اسے استعمال کرنے پر مکمل اختیار رکھتی ہے۔ اس طرح اسلام میں عورت کی معاشی حیثیت اتنی مستحکم ہو گئی ہے کہ بسا اوقات وہ مرد سے زیادہ بہتر حالت میں ہوتی ہے۔

## مہر کی اقسام

مہر کی متعدد قسمیں ہیں اور ان میں سے مہر کی دو قسمیں زیادہ مشہور ہیں ۱۔ مہر مسمی ۲۔ مہر مثل

---

[۱]۔ بیان القرآن، محمد اشرف علی تھانوی، المکہ پریس، لاہور، ۱۹۳۳ء، ص: ۴۸۱

[۲]۔ مسند احمد، امام احمد بن حنبل، حدیث: ۲۴۵۲۹، ص: ۴۱/ ۷۵

[۳]۔ فقہ علی المذاہب الاربعۃ، عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب حکم النکاح، باب مبحث في مهر السر والعلانية وهدية الزوج وجهاز المرأة، ص: ۴/ ۱۵۷

## ۱-مہر مسمی (متعین شدہ مہر)

اس سے مراد وہ مہر ہے جس کی مقدار پر شادی سے پہلے موافقت کی جاتی ہے اور اسے عقد نکاح کے وقت مقرر کیا جاتا ہے اور اگر اس وقت ادا نہ ہو سکے تو بعد میں مقررہ مقدار میں ادا کر دیا جائے۔[1]

## ۲- مہر مثل

جب عقد کے وقت مہر پر کوئی موافقت نہ ہو اور عقد کے بعد ہم بستری ہو گئی ہو تو وہ مہر دیا جائے گا جو بیوی کی ہم مرتبہ عورتوں کو دیا جاتا ہے۔ مہر کی اس قسم کو مہر المثل کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ مہر جو اس جیسی دوسری عورتوں کے برابر ہو۔ (مثلاً تعلیم، عمر، پیشہ اور دوسری خصوصیات کو مد نظر رکھتے ہوئے عُرف اور اس علاقے میں رائج اور مرسوم مہر معین کیا جاتا ہے)

مہر مسمی کی مزید دو قسمیں ہیں

۱-مہر معجل ۲-مہر مؤجل

مہر معجل: اس مہر کو کہتے ہیں جو نکاح کے وقت ادا کیا جائے۔ مہر موجل اس مہر کو کہتے ہیں جو طلاق یا میاں بیوی میں کسی کی وفات سے قبل ادا کیا جائے۔[2]

### مہر کی مزید دو صورتیں

عورت کو طلاق ہونے کی صورت میں ادائیگی مہر کی مختلف صورتیں ہیں

### ۱- قبل دخول اور مہر متعین کرنے سے پہلے طلاق

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ﴾[3]

ترجمہ: اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے اور ان کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو، تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ ہاں ان کو دستور کے مطابق کچھ خرچ ضرور دو (یعنی) مقدور والا اپنے مقدور کے مطابق دے اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق نیک لوگوں پر یہ ایک طرح کا حق ہے۔

---

[1]- موسوعۃ الفقہیۃ، وزارت الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، کویت، ۱۴۰۴-۱۴۲۷ھ، ص:۳۹/۵۳

[2]- فقہ علی المذاھب الاربعۃ، عبد الرحمن الجزیری، کتاب النکاح، باب تأجيل الصداق وتعجيله، ص:۴/۱۴۱

[3]- سورۃ البقرۃ:۲/۲۳۶

**۲- قبل دخول اور مہر متعین کرنے کے بعد طلاق**

﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ [1]

ترجمہ: اور اگر تم عورتوں کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ تم نے انہیں ہاتھ نہیں لگایا ہو، اور تم نے ان کا مہر بھی مقرر کر دیا، تو مقرر مہر کا آدھا مہر دے دو۔ یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے بہت نزدیک ہے اور آپس کی فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

**۳-دخول کے بعد طلاق**

قرآن پاک میں ارشاد ہے

﴿وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا﴾ [2]

ترجمہ: اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت کرنی چاہو اور پہلی عورت کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ مت لینا۔ بھلا تم ناجائز طور پر اور صریح ظلم سے اپنا مال اس سے واپس لو گے۔

اس کے علاوہ بھی مہر کی ادائیگی مختلف طریقوں سے ہو سکتی ہے۔ جن میں سے چند یہ ہیں

**۱- تعلیم القرآن**

امام شافعی کے نزدیک تمام قرآن مجید یا نصف یا چوتھائی حصّہ پڑھانے کی تحریر کے ساتھ مہر مقرر کرنا جائز ہے۔ جب کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قرآن کی تعلیم کو مہر مقرر کرنا جائز نہیں۔ [3]

**۲-خدمت**

علمائے کرام کے پیش نظر حضرت موسیٰ کا حضرت شعیب کی خدمت کرنا بطور مہر ہے۔ [4]

---

[1] -سورۃ البقرہ:۲/ ۲۳۷

[2] -سورۃ النساء:۴/ ۲۰

[3] - فقہ علی المذاہب الاربعۃ، عبد الرحمن بن محمد عوض الجزیری، کتاب النکاح، باب، شروط المهر، ص:۴/ ۹۸

[4] -الام، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن عبد المطلب بن عبد مناف المطلبی القرشی المکی الشافعی، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ، كِتَابُ النَّفَقَاتِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي النِّكَاحِ عَلَى الْإِجَارَةِ، ص:۵/ ۱۷۳

### ۳-عورت کی آزادی

حضرت انسؓ سے روایت ہے

(( عَنْ النَّبِيِّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَعْتَقَ صَفِيَّةَ، وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا)) (۱)

ترجمہ: رسول کریم ﷺ نے حضرت صفیہ کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو مہر بنایا۔

حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ تینوں قیمتیں مہر کی جائز نہیں، جب کہ بعض علماء اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔

امام شافعی کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو آزاد کرے اور اس کی آزادی کو اس کا مہر قرار دے۔ اور اس شرط پر نکاح کرے کہ تو مجھ سے آزادی کے عوض نکاح کر لے تو لونڈی نے اسے قبول کر لیا۔ تو یہ آزادی ہی اس کا مہر ہو گی۔ (۲)

---

۱- صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج، باب فضیلة اعتاقة امته ثم یتزوجها، حدیث:۳۵۶۹، ص:۱۴۶/۴

۲- نھایة المطلب فی درایة المذھب، عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف بن محمد الجوینی، ابو المعالی، رکن الدین،، دار المنهاج، ۱۴۲۸ھ، کتاب النکاح، باب الاستطاعة للحرائر وغیر الاستطاعة، ص:۲۶۳/۱۲

# مبحث دوم: عورت کے وراثتی حقوق

اسلام نے مختلف طریقوں سے عورت کی مالی حیثیت کو مستحکم کیا تاکہ وہ بالکل دوسروں کی دست نگر نہ بن جائے اس کے لیے وراثت میں حصہ مقرر کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کا نفقہ صرف اس کے شوہر پر ہی واجب نہیں، بلکہ شوہر نہ ہونے کی صورت میں باپ، بھائی، بیٹے یا دوسرے اولیاء پر اس کی کفالت واجب ہوتی ہے۔ کیونکہ عورت کی کفالت کا ذمہ اس کے وارث مردوں پر ہوتا ہے اس لیے وراثت میں اس کا حصہ مرد کی نسبت کم ہے۔ احکم الحاکمین نے زیر دستوں کی کفالت کے مقصد اور فتنوں کے انسداد کے لیے مرد کی طرح عورت کو بھی حق وراثت بخشا۔ جس کی صراحت اس حکم ربانی میں موجود ہے۔

﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ﴾(۱)

ترجمہ: مردوں کا اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کا بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہوا۔

عورت جو اب تک میراث سے محروم تھی، ان کو اسلام نے نہ صرف میراث دی، بلکہ اسے عزت سے نوازا کیوں کہ اسلام سے پہلے عورت کو ایک منقولہ جائیداد کی طرح تقسیم کیا جاتا تھا۔ اسلام نے جب عورت کو وراثت میں حصّہ دار بنایا، تو لوگوں کو بہت تعجب ہوا کہ ان کو بھی حصّہ ملے گا، جب کہ یہ عورتیں جنگ میں بھی شریک نہیں ہو سکتی، اور قرآن مجید میں عورت کے حصّہ کا اعلان کر دیا گیا۔(۲)

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾(۳)

ترجمہ: اللہ تمہاری اولاد کے حق میں تمہیں حکم دیتا ہے، ایک مرد کا حصّہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ پھر اگر دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو ان کے لیے دو تہائی حصّہ چھوڑے گئے مال میں سے ہے۔ اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے۔ اور اگر میت کی اولاد ہے تو اس کے والدین میں سے ہر

---

۱۔ سورۃ النساء:۴/ ۷

۲۔ اسلام کا نظام عفت و عصمت، محمد ظفیر الدین، ص:۵۳

۳۔ سورۃ النساء:۴/ ۱۱

ایک کو کل مال کا چھٹا حصّہ ملنا چاہیے۔ اور اگر اس کی کوئی اولاد نہیں اور ماں باپ ہی اس کے وارث ہیں تو اس کی ماں کا ایک تہائی حصّہ ہے۔ پھر اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصّہ ہے (یہ حصّہ ہو گا) اس کی وصیت یا قرض کی ادائیگی کے بعد تمہارے باپ یا تمہارے بیٹے۔ تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون تمہیں زیادہ نفع پہنچانے والے ہیں۔ اللہ کی طرف سے یہ حصّہ مقرر کیا ہوا ہے۔ بے شک اللہ خبر دار حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

﴿ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ﴾[1]

ترجمہ: اگر میت صاحب اولاد ہو، اور اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصّہ ملنا چاہیئے۔

یہاں عورت کو ماں کی حیثیت میں باپ کے ساتھ برابر حصّہ دیا گیا ہے۔ اسی طرح خاوند کی میراث میں بیوی کو حصّہ اسلام نے دیا۔ جیسے شوہر بیوی کا وارث گردانا گیا ہے، ٹھیک اسی طرح بیوی کو شوہر کا وارث گردانا گیا ہے، کوئی شخص بیوی کو اس کے شوہر کے مال سے محروم نہیں کر سکتا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ﴾[2]

ترجمہ: اور تمہاری اولاد نہ ہو، تو بیویوں کا چوتھا حصّہ ہے۔ اور اگر اولاد ہو، تو پھر آٹھواں حصّہ ہے۔ اور تقسیم تمہاری وصیت کی تعمیل اور تمہارے قرضے کی ادائیگی کے بعد ہو گی۔ اور اگر کسی مرد یا عورت کی میراث ہو اور اس کے باپ سے بیٹا نہ ہو اور دوسری ماں سے اس کے بھائی بہن ہوں، تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصّہ ہے۔ اور اگر ایک سے زیادہ ہوں، تو ایک تہائی میں سب شریک، یہ حصّے بھی میت کی وصیت کی تعمیل اور ادائے قرض کے بعد دیئے جائیں گے، بشرطیکہ میت نے وصیت کرنے میں کسی کو نقصان نہ پہنچایا ہو۔ یہ اللہ کا فرمان ہے۔ اور اللہ سب کچھ جانتا اور بہت بردبار ہے۔

اس آیت کریمہ سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کے ترکے میں اپنا جائز حق رکھتی ہے۔ اسی طرح ان آیات سے بھی یہ واضح ہوا کہ مسلمان عورت اپنے خاوند سے الگ اپنی جائیداد رکھ سکتی ہے اور اس کا خود انتظام کر سکتی ہے۔ اور خاوند کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ بیوی کی مرضی کے بغیر اس کی جائیداد پر قبضہ کر سکے۔

---

[1]- سورۃ النساء: ۴/ ۱۱

[2]- سورۃ النساء: ۴/ ۱۲

قرآن مجید نے ان احکام وراثت کو حدود اللہ بتایا ہے اور ارشاد ہوا ہے کہ جو ان حدود پر عمل کرے گا، اس کا اجر مرنے کے بعد ہے۔ اور جو ان کی نافرمانی کرے گا وہ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ کے لیے جلے گا۔[1]

قرآن کریم کی سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُو الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴾[2]

ترجمہ: اگر تقسیم کے وقت کوئی دور کے رشتے دار اور یتیم اور مسکین جمع ہو جائیں، تو انہیں بھی ترکے میں سے کچھ دے دو، ورنہ کم سے کم اچھے طریقے پر نرمی اور عمدگی سے بات ہی کر لو۔

اس آیت میں یہ ترغیب دی گئی ہے کہ اس بات پر خداوند کریم کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں مال دیا ہے۔ اور اس شکر کا عملی اظہار یوں کرو کہ ان لوگوں کو بھی اس میں سے کچھ سے دو۔ یوں بھی ہر ایک شخص کا فرض ہے کہ وہ صلہ رحمی کا خیال رکھے اور اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی خبر گیری کرے، لیکن اگر وہ یتیم اور مسکین بھی ہوں تو اس صورت میں یہ ذمہ داری دگنی ہو جاتی ہے۔ اس آیت کے آخر میں یہ فرمایا گیا کہ اگر کسی وجہ سے انہیں کچھ نہ دے سکو تو کم از کم ان سے نرمی سے پیش آؤ اور کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے انہیں اپنی محرومی اور مفلسی کا احساس ہو۔ بلکہ سختی سے پیش آنے کی جگہ ان سے عمدہ طریقے سے گفتگو کر کے عذر کر دو۔

پھر اس طریقے کی ضرورت اور اہمیت ذہن نشین کرنے کے لیے ارشاد فرمایا گیا

﴿ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴾[3]

ترجمہ: اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر کہیں وہ اپنے پیچھے (کم سن اور) ضعیف اولاد چھوڑ جائیں تو انہیں ان کے بارے میں کس قدر اندیشہ ہو گا، پس اللہ سے ڈرو اور مناسب اور با محل بات کہو۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مثال دی ہے، جو ہر ایک کو کسی نہ کسی دن پیش آنے والی ہے۔ موت کا علم کسی کو نہیں اور کون جانتا ہے کہ موت کے وقت میری مالی حالت کیسی ہو گی اور میرے بیوی بچوں کا میرے بعد کیا حال ہو گا۔ اس لیے فرمایا کہ اگر تمہاری موت کا وقت قریب آجائے تو تمہیں اپنے یتیم بچوں سے متعلق کیا کچھ اندیشہ

---

[1]۔ خاتون اسلام کا دستور حیات، مولانا عبد القیوم ندوی، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، ص:۸۸

[2]۔ سورۃ النساء:۴/۸

[3]۔ سورۃ النساء:۴/۹

ہو گا۔اسی طرح خاندان کے ان یتیموں کا خیال کرو۔ ان سے حُسن سلوک سے پیش آؤ اور گفتگو میں موقع و محل کا خیال رکھو۔

اسی طرح ابن عباسؓ سے مروی ہے

((كَانَ المَالُ لِلْوَلَدِ، وَكَانَتِ الوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ، فَنَسَخَ اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ مَا أَحَبَّ، فَجَعَلَ لِلذَّكَرِ مِثْلَ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ، وَجَعَلَ لِلْأَبَوَيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسَ، وَجَعَلَ لِلْمَرْأَةِ الثُّمُنَ وَالرُّبُعَ، وَلِلزَّوْجِ الشَّطْرَ وَالرُّبُعَ)) [1]

ترجمہ: (ابتداء میں) مال (میراث کا) اولاد کو ملتا تھا اور والدین کے لیے وصیت ضروری تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جس طرح چاہا! اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ پھر لڑکے کا حصّہ دو لڑکیوں کے برابر قرار دیا اور والدین میں سے ہر ایک کا چھٹا حصّہ اور بیوی کا (اولاد کی موجودگی میں) آٹھواں حصّہ اور (اولاد کے نہ ہونے کی صورت میں) چوتھا حصّہ قرار دیا۔ اسی طرح شوہر کا (اولاد نہ ہونے کی صورت میں) آدھا (اولاد ہونے کی صورت میں) چوتھائی حصّہ قرار دیا۔

وراثت میں عورت حقدار ہے اور اسے یہ حق اسلام نے دے کر اس کو معاشی تحفظ دیا ہے۔ کوئی بھی عورت کو اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن مجید کی رُو سے ایک ایسا معاشرہ قائم ہوتا ہے جس میں اکتساب رزق کی ذمہ داری بنیادی طور پر مرد کے ذمے ہوتی ہے۔ اکتساب رزق کی ذمہ داری کا مرد پر ہونا ان حالات کا خاصہ تھا جن حالات میں قرآن مجید نازل ہوا۔ جس معاشرہ میں اکتساب معاش کی ذمہ داری مرد کے سر پر ہو اس میں معاشی اسباب کی تقسیم میں مرد کا حصّہ زیادہ ہونا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ ترکہ میں لڑکے کا حصّہ دو لڑکیوں کے برابر رکھا گیا ہے۔ لڑکیوں کے ذمہ نہ اپنے اخراجات کی کفالت تھی، نہ اپنے خاندان کے رزق کی کفالت۔ اس کے برعکس لڑکے نے اپنے لیے بھی اکتساب رزق کرنا تھا اور اپنے بیوی بچوں کے لیے بھی۔ اس لیے اسے زیادہ حصّہ ملنا ضروری ٹھہرا۔ جہاں ایسی صورت نہیں وہاں عورت کا حصّہ مرد کے برابر رکھا گیا ہے۔ مثلاً ماں باپ میں سے ہر ایک کا حصہ ۱/۶ یا کلالہ کی صورت میں بہن اور بھائی میں سے ہر ایک کا حصہ ۱/۶ ہے۔

## میاں اور بیوی کے حصّے

سب سے پہلے اولاد کے حصّے بیان کئے گئے، اور ان کی جائیداد میں والدین کا حصّہ بتایا گیا۔ تیسری صورت یوں بیان فرمائی۔

---

[1] صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ الفَرَائِضِ، بَابُ مِيرَاثِ الزَّوْجِ مَعَ الوَلَدِ وَغَيْرِهِ، حدیث: ۶۷۳۹، ص:۸/۱۵۲

﴿ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ﴾[۱]

ترجمہ: تمہاری بیویوں کے ترکے میں سے تمہارے لیے نصف ہے۔ اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو، اور اگر ان کے اولاد ہو تو تمہارے لیے انہوں نے جو ترکہ چھوڑا ہے اس میں سے اس کا چوتھائی ہے۔ یہ تقسیم ان کی وصیت کی تعمیل اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہو گی۔

وراثت کے احکام میں بیوی کے لیے اولاد نہ ہونے کی صورت میں چوتھائی اور اولاد ہونے کی صورت میں آٹھواں حصّہ ہے اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں، تو ان سب کو بھی یہی حصّہ ملے گا۔ وہ آپس میں اس حصّہ کو مساوی تقسیم کر سکتی ہیں۔

جیسے خاوند کی وفات کی صورت میں قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴾[۲]

ترجمہ: اور تمہارے ترکے میں سے تمہاری بیویوں کا ایک چوتھائی حصّہ ہے۔ اگر تمہارے کوئی اولاد نہیں۔ اگر تمہاری اولاد بھی ہو تو تمہارے ترکے میں سے ان کا حصّہ آٹھواں ہے۔ یہ تقسیم تمہاری وصیت کی تعمیل اور تمہارے قرض کی ادائیگی کے بعد ہو گی۔

خاوند کی وراثت تقسیم کرنے کے دو صورتیں ہیں۔ خاوند کی کوئی اولاد نہ ہو نہ لڑکا نہ لڑکی، نہ موجودہ بیوی سے نہ کسی دوسری بیوی سے تو چوتھائی بیوی کو ملے گا۔ خواہ ایک ہو یا زیادہ اور اگر خاوند کی اولاد ہو تو بیوی کو آٹھواں حصّہ ملے گا۔ ایک ہو یا زیادہ۔ بقیہ دیگر وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

اگر اس کے وارث اخیافی بہن بھائی ہوں (یعنی ماں کی طرف سے سگے) تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو ایک بھائی یا بہن وارث ہو گی تو اس صورت میں اس کو چھٹا حصّہ ملے گا۔ اور اگر وہ ایک سے زائد ہوں تو تو سب کو تہائی حصّہ ملے گا اور سب میں برابر تقسیم ہو گا۔

---

[۱]- سورۃ النساء: ۴/ ۱۲

[۲]- سورۃ النساء: ۴/ ۱۲

قرآن حکیم نے وصیت کے لیے غَيْرَ مُضَآرٍّ کی قید لگائی اور نبی مکرم ﷺ نے اس کی حد ۱/۳ مقرر فرما دی اور وصیت کی اجازت صرف ان لوگوں کے لیے دی گئی ہے جو وارث نہیں ہیں کیونکہ اگر وارث کے لیے بھی وصیت جائز رکھی جاتی تو پھر قواعد میراث بالکل معطل ہو کر رہ جاتے۔ (۱)

اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا

((إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ)) (۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حصّہ عطا فرما دیا ہے۔

لہٰذا اب کسی وارث کے لیے وصیت کی اجازت نہیں۔ کیونکہ یہاں اس کی تصریح کی اس لیے ضرورت پڑی کہ جب انسان کی اولاد یا والدین نہیں ہوتے تو وہ اپنے دوسرے وارثوں کو محروم کرنے کے لیے طرح طرح کے حیلے بہانے کرتا ہے۔ کسی کو بلاوجہ وصیت کر دی، کسی کا فرضی قرضہ اپنے اوپر تسلیم کر لیا تاکہ اس کی جائیداد بٹ جائے اور اس کے وارثوں کو نہ ملے اسلیے یہاں "مُضَآرٍّ" کے الفاظ صراحۃً ذکر فرما دیئے۔

شریعت اسلامیہ کا یہ حکم ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہو جائے تو تجہیز و تکفین کے بعد اس کا قرض ادا کیا جائے۔ بعد ازاں اس کی وصیت پر عمل کیا جائے۔ اس کے بعد بقیہ ترکہ حسب احکام قرآنی وارثوں میں تقسیم کیا جائے۔ (۳)

ابن کثیر کے نزدیک اگر بیوی فوت ہو گئی، اور اس کے اولاد نہیں البتہ ماں باپ ہیں تو خاوند کو نصف ملے گا باقی نصف کا ایک تہائی ماں کو اور دو تہائی باپ کو اس طرح مقررہ اصول پر یہ تقسیم ہو گی۔ اگر مرنے والے کے لڑکیاں اور لڑکے دونوں ہوں، تو فرمایا کہ لڑکی کو جتنا آئے اس سے دوگنا لڑکے کو دیا جائے۔ یعنی ایک لڑکی ایک لڑکا ہے، تو کل مال کے تین حصّے کر دیئے جائیں گے۔ دو حصّے لڑکے کو ایک حصّہ لڑکی کو دے دیا جائے گا۔ (۴)

یہ تقسیم اس صورت میں ہے جب دونوں (لڑکے اور لڑکیاں موجود ہوں) اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ سارے کا سارا مال مرد اپنے قبضے میں لے لیں۔ بلکہ وہ عورت کو بھی وراثت کے مال میں حصّہ دار ٹھہراتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں اصناف کے درمیان مساوات نہیں رکھی گئی۔ اسلام نے عورت کی مالی حیثیت کو اس کی بعض فطری کمزوریوں کی بناء پر بہت زیادہ محفوظ اور مضبوط کر دیا ہے۔ جب کہ مرد کی اقتصادی حالت ہر آن غیر یقینی اور

---

۱- ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵، ص:۱/۳۲۶

۲- سنن ابن ماجہ، امام ابن ماجہ، باب لاوصیۃ للوارث، حدیث:۲۷۱۳، ص:۲/۹۰۵

۳- نیل الاوطار، محمد بن علی شوکانی، كِتَابُ الْقَرْضِ، بَابُ سُقُوطِ وَلَدِ الْأَبِ بِالْإِخْوَةِ مِنْ الْأَبَوَيْنِ، ص:۶/۶۹

۴- تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، ص:۱/۴۵۵

غیر مستحکم ہے۔ وہ اگر وراثت میں عورت کا آدھا حصّہ مقرر کرتا ہے تو دونوں طریقوں سے اس کی تلافی بھی کرتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ بیوی کو شوہر سے مہر دلاتا ہے، جس کی وہ بلا شرکت غیر حقدار ہوتی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ شادی میں جو مال، زیور اور تحفے تحائف دیئے جاتے ہیں۔ ان کا بھی عورت کو ہی مالک قرار دیتا ہے۔ اسلام پورے خاندان کی معاشی، تعلیمی، تربیتی ذمہ داری مرد پر ڈالتا ہے اور عورت اس سے بالکل مستثنیٰ ہے۔ اور عورت کا معاشی بوجھ شادی سے پہلے سرپرست کو اور شادی کے بعد خاوند کو اٹھانے پر مجبور کرتا ہے۔

ابن کثیر [1] اس بارے میں کہتے ہیں

**"فجعل للذكر مثل حظ الأنثيين؛ وذلك لاحتياج الرجل إلى مؤنة النفقة والكلفة ومعاناة التجارة والتكسب وتجشُّم المشقة، فناسب أن يُعْطَى ضعْفَيْ ما تأخذه الأنثى"** [2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کا حصّہ دو عورتوں کے حصّہ کے برابر رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد کو نان و نفقہ کا بوجھ اور تکلیف تجارت اور کسب معاش کی دشوریاں اور اس سلسلہ کی دوسری مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ عورت جو حصّہ پاتی ہے، اس سے دوگنا مرد کو دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں کی سرپرستی دی کیونکہ عمومی طور پر اللہ تعالی نے مردوں کو ان کی زیادتی عقل، نیز مردوں کا اپنی بیویوں کو مہر کی ادائیگی کرنے، اور ان کا نان و نفقہ برداشت کرنے کی وجہ سے عورتوں پر فوقیت دی ہے۔ اور پھر عورت کے ذمہ مرد کے حقوق متعین کر دیئے ہیں، چنانچہ عورت پر یہ فرض قرار دیا کہ وہ گھریلو مناسب کام کاج، بچوں کی تربیت اور بچپنے میں بچے کی دیکھ بھال وغیرہ کرے، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے لیے وہی حقوق ان پر فرض کئے ہیں، جو ان کی اپنی طبیعت کے مناسب ہوں۔

---

[1]- اسماعیل بن عمر بن کثیر (۷۰۱ -۷۷۴ھ): دمشق کے رہنے والے تھے۔ عالم اسلام کے معروف محدث، مفسر، فقیہ اور مورخ تھے۔ پورا نام اسماعیل بن عمر بن کثیر، لقب عماد الدین اور عرفیت ابن کثیر ہے۔

[2]- تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، ص: ۱۱/۴

اسی سلسلے میں ابن قیّم فرماتے ہیں

**"وأما الميراث فحكمة التفضيل فيه ظاهرة فإن الذكر أحوج إلى المال من الأنثى لأن الرجال قوامون على النساء والذكر أنفع للميت في حياته من الأنثى وقد أشار سبحانه وتعالى إلى ذلك بقوله بعد أن فرض الفرائض وفاوت بين مقاديرها آباؤكم وأبناؤكم لا تدرون أيهم أقرب لكم نفعا وإذا كان الذكر أنفع من الأنثى وأحوج كان أحق بالتفضيل"** [۱]

ترجمہ: مرد کو میراث زیادہ ملنے کی وجہ بالکل واضح ہے۔ اسے عورت کے مقابلے میں مال کی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ قوّام ہے۔ (اسے عورت کے اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں) اس کے علاوہ میت کو اس کی زندگی میں مرد سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے۔ اس حقیقت کی طرف اللہ تعالیٰ نے وراثت کے حقوق متعین کرنے اور ان کی مقدار میں فرق کرنے کے بعد اشارہ فرمایا ہے کہ تم اس بات کو نہیں جانتے کہ تمہارے باپ اور تمہاری اولاد میں سے تمہارے لیے کون زیادہ نفع بخش ہے۔ جب میت کی زندگی میں اسے عورت سے زیادہ مرد سے فائدہ پہنچتا رہا ہے اور وہ مال کا حاجت مند بھی زیادہ ہے تو وہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اسے وراثت میں ترجیح دی جائے۔

اسلام فطری مذہب ہے اس لیے اس نے انسانی فطرت کا لحاظ کر کے زوجین میں سے ایک کو قوّام اور صاحب اَمر اور دوسرے کو مطیع اور ماتحت بنانا ضروری سمجھا اور قوامیت کے لیے اس فریق کا انتخاب کیا جو فطرتاً یہی درجہ لے کر پیدا ہوا ہے۔ مرد کے فرائض میں سب سے پہلا عورت کا مہر ہے کیونکہ اس کو عورت پر جو حقوق زوجیت حاصل ہوتے ہیں وہ مہر کا معاوضہ ہیں۔ شوہر کا دوسرا فرض نفقہ ہے، عورت کو ضروریات زندگی فراہم کرنا مرد کی ذمہ داری ہے۔ یہ دوسری چیز ہے جس کی بناپر شوہر کو اپنی بیوی پر فضیلت کا ایک درجہ دیا گیا اور یہ چیز قوامیت کے مفہوم میں داخل ہے۔

اسی حوالے سے رشید مصری [۲] کہتے ہیں

---

۱- اعلام الموقعین عن رب العالمین، محمد بن ابی بکر ایوب الزرعی ابوعبداللہ ابن قیم، دارالجیل، بیروت، ۱۹۷۳ء، باب فصل الحكمة فی مساواة المراة للرجل فی بعد، ص: ۱۶۹/۲

۲- محمد رشید بن علی رضا بن محمد شمس الدین مصری (۱۸۶۵-۱۹۳۵): تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ اور عربی ادب کے انیسویں صدی عیسوی اور بیسویں صدی عیسوی کے اکابرین میں سے تھے۔

**"والحكمة فى جعل حظ الانثيين هى ان الذكر يحتاج الى الانفاق على نفسه و على زوجه فكان له سمعان: واما الانثى فهى تنفق على نفسها فان تزوجت كانت نفقتها على زوجها ولهذا الاعتبار ويكون نصيب الانثى من الارث اكثر من نصيب الذكر فى بعض الحالات بالنسبة والى نفقا تهما"** (۱)

ترجمہ: ایک مرد کا حصّہ دو عورتوں کے برابر رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ مرد کا اپنے اوپر بھی اور اپنی بیوی پر بھی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا اس کے دو حصّے ٹھہرے۔ عورت اپنی ذات پر خرچ کرتی ہے۔ اگر شادی ہو جائے تو اس کا نفقہ بھی اس کے شوہر پر واجب ہو جاتا ہے۔ نان ونفقہ کی ذمہ داریوں کے پہلو سے بعض حالات میں عورت کا حصّہ مرد کے حصّے سے زیادہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مالی ذمہ داریاں تمام مردوں پر ہیں۔ عورتوں کا تو یہ حال ہے کہ شادی سے پہلے ان کے تمام مصارف کی ذمہ داری باپ پر ہوتی ہے اور شادی کے بعد شوہر پر۔ اس لیے اگر غور کیا جائے، تو مرد کو دوہرا حصّہ دینا اس کو زیادہ دینا نہیں ہے۔ وہ پھر لوٹ کر عورتوں کو ہی پہنچ جاتا ہے۔ (۲)

ان تفاصیل سے معلوم ہوا کہ وراثت کے معاملہ میں کہیں بھی عورت کے ساتھ وراثت میں حق تلفی نہیں ہوئی۔ اسلام نے ایک طرف میت سے عورت کے رشتہ کو اہمیت دی ہے، تو دوسری جانب مرد کی معاشی ذمہ داریوں کو سامنے رکھا ہے۔ اس بنیاد پر وراثت میں عورت کا حصّہ کہیں کم ہے، تو کہیں زیادہ۔ اور بعض حالات میں عورت اور مرد دونوں کے حصّہ مساوی بھی رکھے گئے ہیں۔ یہ قرابت داروں اور معاشی ذمہ داریوں کے درمیان بے مثال توازن ہے۔ یہ توازن اسلامی شریعت کی وہ نمایاں خصوصیت ہے، جو اسے دوسرے مذاہب اور نظریات سے ممتاز کرتی ہے۔

## کلالہ

کلالہ "اکلیل" کا مشتق ہے۔ اکلیل اس تاج کو کہتے ہیں کو جو سر کو ہر طرف سے گھیر لے، یہاں مراد یہ ہے کہ اس کے وارث ارد گرد حاشیہ کے لوگ ہیں "اصل" اور "فرع" یعنی جڑ یا شاخ نہیں۔ (۳)

---

۱۔ تفسیر القرآن الحکیم، محمد رشید بن علی بن علی رضا بن محمد شمس الدین، الھئیۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، مصر، ۱۹۹۰ء، ص:۴/۴۰۶؛؛ فتح البیان فی مقاصد القرآن، ابو الطیب محمد صدیق خان بن حسن بن علی ابن لطف اللہ الحسینی البخاری القِنّوجی، المکتبۃ العصریۃ ،بَیروت:۱۴۱۲ھ، ۳/۴۶

۲۔ معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، ص:۲/۳۹۱۔۳۹۸

۳۔ تفسیر القرآن العظیم، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی، دار طیبہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ، ص:۲/۲۳۰

یعنی کلالہ اس مرد یا عورت کو کہا جاتا ہے جس کی نہ اولاد ہو اور نہ اس کے والدین زندہ ہوں ۔ گویا کلالہ یا تو اس لیے کہتے ہیں کہ سلسلہ نسب اس تک پہنچنے سے عاجز ہو گیا ہے اور یا اس لیے کہ وہ نسب کسی ایک جانب یعنی جانب اصل یا جانب فرع سے اس کے ساتھ بالواسطہ پہنچتا ہے۔ یہ دو احتمال اس لیے ہیں کہ نسبی تعلق دو قسم پر ہے انتساب بالعمق (یعنی براہ راست تعلق) جیسے باپ بیٹے کا باہمی تعلق اور نسبت بالعرض (بالواسطہ تعلق) جیسے بھائی یا چچا کے ساتھ (رشتے کی نسبت اور روایت میں بھی اسی آیت کا اترنا آیا ہے)۔

پس اللہ فرماتا ہے

﴿ يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلَالَةِ ﴾[1]

ترجمہ: لوگ تجھ سے کلالہ کے بارے میں اللہ کا حکم پوچھتے ہیں۔

صرف ابو بکر صدیق ؓ سے کلالہ کا معنی پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں میں اپنی رائے سے جواب دیتا ہوں، اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اور اللہ اور رسول ﷺ اس سے بری الذمہ ہیں، کلالہ وہ ہے جس کا نہ لڑکا ہو نہ باپ[2]

حضرت عباس ؓ کہتے ہیں

" كُنْتُ آخِرَ النَّاسِ عَهْدًا بِعُمَرَ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: الْقَوْلُ مَا قُلْتُ " قُلْتُ: وَمَا قُلْتَ؟ قَالَ:" الْكَلَالَةُ: مَنْ لَا وَلَدَ لَهُ "[3]

ترجمہ: میں حضرت محمد ﷺ کا سب سے آخری زمانہ پانے والا ہوں میں نے آپ ﷺ سے سنا، فرماتے تھے، بات وہی ہے جو میں نے کہی، ٹھیک اور درست یہی ہے، کہ کلالہ اسے کہتے ہیں جس کا ولد نہ ہو

---

[1]- سورۃ النساء:۴/۱۷۶

[2]- شرح السنۃ، ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی، المکتب الاسلامی ، دمشق، بیروت، ۱۴۰۳ھ، بَاب مِيرَاثِ الاخْوَةِ، حدیث:۲۲۱۹، ص:۸/۳۳۸

[3]- شرح مشکل الاثار، ابو جعفر احمد بن محمد بن سلام بن عبد الملک بن سلم الازدی الحجری المصری المعروف بالطحاوی، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ، بَابُ بَيَانِ مُشْكِلِ مَا رُوِيَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمُرَادِ بِالْكَلَالَةِ، مَنْ هُوَ؟، حدیث: ۵۲۲۶، ص:۱۳/۲۲۷

اکثر علماء نے کہا ہے کہ کلالہ وہ ہے جس میت کے لڑکے، پوتے نہ ہوں اور بعض کا قول یہ بھی ہے کہ جس کے لڑکے نہ ہوں۔[1]

حضرت سیدنا جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں

"جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُنِي، وَأَنَا مَرِيضٌ لاَ أَعْقِلُ، فَتَوَضَّأَ وَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ، فَعَقَلْتُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَنِ المِيرَاثُ؟ إِنَّمَا يَرِثُنِي كَلاَلَةٌ، فَنَزَلَتْ آيَةُ الفَرَائِضِ" [2]

ترجمہ: اللہ کے رسول ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے، میں بیماری کے سبب بے ہوش پڑا تھا کہ آپ نے وضو کیا اور وہی پانی مجھ پر ڈالا، جس سے مجھے افاقہ ہوا اور میں نے کہا نبی کریم ﷺ وارثوں کے لحاظ سے میں کلالہ ہوں، میری میراث کیسے بٹے گی؟

اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت فرائض نازل فرمائی

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَه وَلَدٌ وَلَه اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَاتَرَكَ وَهُوَيَرِثُهَآاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَاوَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ﴾ [3]

ترجمہ: (اے پیغمبر) لوگ تم سے (کلالہ کے بارے میں) حکم (خدا) دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ خدا کلالہ کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کے اولاد نہ ہو (اور نہ ماں باپ) اور اس کی بہن ہو تو اس بہن کو بھائی کے ترکے میں سے آدھا حصہ ملے گا اور اگر بہن مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو اس کے تمام مال کا وارث بھائی ہو گا اور اگر (مرنیوالے بھائی کی) دو بہنیں ہوں تو دونوں کو بھائی کے ترکے میں سے دو تہائی۔ اور اگر بھائی اور بہن یعنی مرد اور عورتیں ملے جلے

---

[1] ۔ بعض کی رائے میں کلالہ وہ شخص ہے جو لا ولد بھی ہو اور جس کے باپ اور دادا بھی زندہ نہ ہوں۔ اور بعض کے نزدیک محض لا ولد مرنے والے کو کلالہ کہا جاتا ہے۔ لیکن عامہ فقہاء نے حضرت ابو بکرؓ کی اس رائے کو تسلیم کر لیا ہے کہ اس کا اطلاق پہلی صورت پر ہی ہوتا ہے۔ اور خود قرآن سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیوں کہ کلالہ کی بہن کو نصف ترکہ کا وارث قرار دیا گیا ہے حالانکہ اگر کلالہ کا باپ زندہ ہو تو بہن کو سرے سے کوئی حصّہ پہنچتا ہی نہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے ایک مرتبہ ایک خطبہ میں اس معنی کی تصریح کی تھی اور صحابہ میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہ کیا۔ اس بنا پر یہ مجمع علیہ مسئلہ ہے۔ یعنی بھائی اس کے پورے مال کا وارث ہو گا اگر کوئی اور صاحب فریضہ نہ ہو اور اگر کوئی صاحب فریضہ موجود ہو، مثلاً شوہر تو اس ایک حصّہ ادا کرنے کے بعد باقی تمام ترکہ بھائی کو ملے گا۔ یہی حکم دو سے زائد بہنوں کا ہے۔ (تفہیم القرآن، سید ابو الاعلیٰ مودودی، ص:۱/۴۳۱)

[2] ۔ صحیح بخاری، امام بخاری، بَابُ صَبِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضُوءهُ عَلَى المُغْمَى عَلَيْهِ، حدیث: ۱۹۴، ص:۱/۵۰

[3] ۔ سورۃ النساء: ۴/۱۷٦

وارث ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔ (یہ احکام) خدا تم سے اس لیے بیان فرماتا ہے کہ بھٹکتے نہ پھرو۔ اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

اس کے بعد اگر کلالہ کے علاتی بھائی بہن ہوں، یعنی باپ الگ اور مائیں الگ الگ ہوں۔ تو اس صورت میں حکم ربانی ہے

﴿ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙغَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴾[1]

ترجمہ: اور جو مال تمہاری عورتیں چھوڑ مریں، اگر ان کے اولاد نہ ہو تو اس میں نصف حصہ تمہارا اور اگر اولاد ہو تو ترکے میں تمہارا چوتھائی حصہ (لیکن یہ تقسیم) وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو انہوں نے کی ہو یا قرض کے (ادا ہونے کے بعد جو ان کے ذمہ ہو کی جائے گی) اور جو مال تم مرد چھوڑ مرو۔ اگر تمہارے اولاد نہ ہو تو تمہاری عورتوں کا اس میں چوتھا حصہ اور اگر اولاد ہو تو ان کا آٹھواں حصہ (یہ حصے) تمہاری وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو تم نے کی ہو اور (ادائے) قرض کے بعد تقسیم کیے جائیں گے اور اگر ایسے مرد یا عورت کی میراث ہو جس کے نہ باپ ہو نہ بیٹا مگر اس کے بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ۔ اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے (یہ حصے بھی) ادائے وصیت و قرض بعد کے بشر طیکہ انسے میت نے کسی کا نقصان نہ کیا ہو (تقسیم کیے جائیں گے) یہ خدا کا فرمان ہے اور خدا نہایت علم والا (اور) نہایت حلم والا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (اے مردو) تمہاری عورتیں جو چھوڑ کر مریں اگر ان کی اولاد نہ ہو تو اس میں سے آدھوں آدھ حصّہ تمہارا ہے اور اگر ان کے بال بچے ہوں تو تمہیں چوتھائی ملے گا، وصیت اور قرض کے بعد۔ ترتیب اس طرح ہے پہلے قرض ادا کیا جائے پھر وصیت پوری کی جائے پھر ورثہ تقسیم ہو، یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر تمام علماء امت کا اجماع ہے، پوتے بھی اس مسئلہ میں حکم میں بیٹیوں کی ہی طرح ہیں بلکہ ان کی اولاد در اولاد کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کی موجودگی میں خاوند کو چوتھائی ملے گا۔ پھر عورتوں کو حصّہ بتایا کہ انہیں یا چوتھائی ملے گا یا آٹھواں حصّہ، چوتھائی تو اس حالت میں کہ مرنے والے خاوند کی اولاد نہ ہو، اور آٹھواں حصّہ اس حالت میں کہ اولاد ہو، اس

[1]- سورۃ النساء:۴/۱۲

چوتھائی یا آٹھویں حصّے میں مرنے والے کی سب بیویاں شامل ہیں چار ہوں تو ان میں یہ حصّہ برابر برابر تقسیم ہو جائے گا تین یا دو ہوں تب بھی اور اگر ایک ہو تو اسی کا یہ حصّہ ہے۔

لیکن اگر اس کا بھائی یا بہن ہو یعنی ماں زاد، تو ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے اگر زیادہ ہوں تو ایک ثلث میں سب شریک ہیں، ماں زاد بھائی باقی وارثوں سے کئی وجہ سے مختلف ہیں، ایک تو یہ کہ یہ باوجود اپنے ورثے کے دلانے والے کے بھی وارث ہوتے ہیں مثلاً ماں، دوسرے یہ کہ ان کے مرد و عورت یعنی بہن بھائی میراث میں برابر ہیں، تیسرے یہ کہ یہ اسی وقت وارث ہوتے ہیں جب کہ میت کلالہ ہو پس باپ دادا کی یعنی پوتے کی موجودگی میں یہ وارث نہیں ہوتے، چوتھے یہ کہ انہیں ثلث سے زیادہ نہیں ملتا تو گو یہ کتنے ہی ہوں مرد ہوں یا عورت۔ اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر میت کے وارثوں میں خاوند ہو اور ماں ہو یا دادی ہو اور دو ماں زاد بھائی ہوں اور ایک یا ایک سے زیادہ باپ کی طرف سے بھائی ہوں تو جمہور تو کہتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند کو آدھا ملے گا اور ماں یا دادی کو چھٹا حصہ ملے گا اور ماں زاد بھائی کو تہائی ملے گا اور اسی میں سگے بھائی بھی شامل ہوں گے قدر مشترک کے طور پر جو ماں زاد بھائی ہے۔ (۱)

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں ایک ایسی ہی صورت پیش آئی تھی تو آپؓ نے خاوند کو آدھا دلوایا اور ثلث ماں زاد بھائیوں کو دلوایا تو سگے بھائیوں نے بھی اپنے تئیں پیش کیا آپؓ نے فرمایا تم ان کے ساتھ شریک ہو، حضرت عثمانؓ سے بھی اسی طرح شریک کر دینا مروی ہے، اور دو روایات مسعود اور زید بن ثابتؓ اور ابن عباسؓ سے بھی مروی ہیں۔ (۲)

مندرجہ بالا آیتوں سے وراثت کے بارے میں جو اصول واضح ہوتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں

۱۔ جہاں صرف اولاد ہو کوئی دوسرا وارث نہ ہو اور اولاد میں بھی تمام لڑکے ہوں تو ان تمام کو مساوی حصّہ ملے گا۔ اور اگر لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو ایک لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصّہ ملے گا۔ اور اسی اصول پر تمام تقسیم ہو گی۔ اور اگر صرف ایک لڑکی ہو لڑکا کوئی نہ ہو تو لڑکی کو نصف ملے گا۔ اور اگر لڑکیاں زیادہ ہوں تو انھیں دو تہائی ملے گا۔

---

۱۔ تفسیر ابن کثیر، (مترجم) مولانا محمد جوناگڑھی، مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۶ء، ص: ۱/۷۵۸

۲۔ المصنف، ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الیمانی الصنعانی، المجلس العلمی الھند، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۳ھ، بَابُ فَرْضِ الْجَدِّ، حدیث: ۱۹۰۶۲، ص: ۱۰/۲۶۷

۲-اولاد نہ ہو صرف بہن بھائی ہوں تو اس صورت میں ماں کو ایک تہائی کی جگہ چھٹا حصّہ ملے گا۔ دوسرا چھٹا ان بہن بھائیوں کو ملے گا۔ اور باپ کو دو تہائی ملے گا۔ اور اگر بہن بھائی زیادہ ہوں تو ان سب کو ایک تہائی باپ کو نصف اور چھٹا حصّہ ماں کو ملے گا۔

۳-اور اگر بیوی اولاد چھوڑ کر مرے تو خاوند کو ترکے کا چوتھائی اور باقی تین چوتھائی اولاد میں تقسیم ہوگا اور اگر اولاد نہ ہو تو خاوند کو نصف اور باقیہ دوسرے رشتہ داروں کو۔ اگر خاوند اولاد چھوڑ کر مرے تو بیوی کا آٹھواں حصّہ ہے اور اگر اولاد نہ ہو تو چوتھا ہے باقی ترکہ دوسرے رشتہ داروں میں تقسیم ہوگا۔

جہاں عیانی یا علاّتی یا اخیافی بہن بھائی ہوں جیسا کہ بیان ہوا ہے تو تقسیم اس ترتیب سے ہوگی۔ سب سے پہلے خاوند یا بیوی کو حصّہ ملے گا پھر والدین کو اور پھر اولاد کو۔ اگر اولاد اور والدین دونوں نہ ہو تو پھر بہن بھائی حقدار ہوں گے۔ یہ اہل الفرائض کہلاتے ہیں کیونکہ ان کے حصّے نص قرآنی سے ثابت ہو چکے ہیں۔ اور اگر اہل الفرائض کے حصّے تقسیم کر دینے کے بعد جائیداد کا حصّہ بچ جائے تو اس صورت میں قریبی رشتے دار کا حق ہے

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾[1]

ترجمہ: تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت قریب آجائے، تو اگر وہ اپنے والدین اور اقربا کے لیے بڑا سرمایہ ترکے میں چھوڑ رہا ہے۔ تو وہ دستور کے مطابق اچھی طرح وصیت کرے۔ یہ متقین پر ایک فرض ہے۔

اس آیت کریمہ سے عرب کے ایک جاہلانہ رواج میں اصلاح فرمائی۔ اہل عرب کا یہ دستور تھا کہ مرتے وقت اپنے مال کی وصیت ایسے لوگوں کے نام کر جاتے جن سے ان کا دور کا واسطہ بھی نہ ہوتا۔ اور اپنے زعم میں اسے سخاوت سے تعبیر کرتے۔ اگر کوئی وصیت کیے بغیر مر جاتا تو وراثت صرف اولاد اور بیوی میں بٹ جاتی۔ والدین اور دوسرے رشتہ دار بالکل محروم رہتے۔ یہ دونوں صورتیں کیونکہ صریح ظلم تھیں اس لیے قرآن حکیم نے اس کی اصلاح فرمادی۔ لیکن یک لخت سارے سابقہ نظام کو درہم برہم نہیں کیا، بلکہ آہستہ آہستہ اصلاح فرمائی تاکہ طبیعتوں میں بے چینی بھی پیدا نہ ہو اور اصلاح کا مقصد پورا ہو جائے اس لیے اس سے پہلے کہ وراثت کی تقسیم کا منظم و مکمل قانون نافذ کیا جاتا انہیں ان آیات میں وصیت کا حکم دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کریں اور ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق حصّہ دے دیں۔

---

[1]-سورۃ البقرہ:۲/۱۸۰

اس آیت کریمہ کے حوالہ سے عورت بھی اپنے مال کو جس شخص کے بارے میں وصیت کرنا چاہے، کر سکتی ہے۔مال کا ایک تہائی (۱/۳) حصہ اپنے غیر وارث رشتہ داروں کے حق میں وصیت کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔ (۱)

جو اس کے خاندان میں مدد کے مستحق ہوں، یا جس میں خاندان کے باہر محتاج اعانت پاتا ہو، یا رفاہ عامہ کے کاموں میں سے جس کی بھی وہ مدد کرنا چاہے کر سکتی ہے۔

اس بارے میں ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں

کوئی یتیم بھائی، بہن، بھاوج، بھتیجا یا کوئی ایسا ہو، جو سہارے کا محتاج نظر آتا ہے تو اس کے حق میں وصیت کے ذریعہ سے حصّہ مقرر کیا جاسکتا ہے۔ جس طرح مرد کو یہ اختیار حاصل ہے اسی طرح عورت کو بھی، اپنے مال کی وصیت میں ۱/۳ کا پورا پورا اختیار ہے۔ (۲)

حضور اکرم ﷺ نے احکام وصیت اور احکام وراثت کی وضاحت فرماتے ہوئے دو قاعدے بیان کیے۔

پہلا قاعدہ تو یہ ہے کہ ان رشتہ داروں کے لیے وصیت کی ممانعت کر دی جو وراثت میں حصّہ دار ہیں۔ ان کے حصّوں میں نہ تو کمی بیشی کی جاسکتی ہے نہ کسی وارث کو وراثت سے محروم کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ کسی وارث کو اس کے قانونی حصّے کے علاوہ کوئی چیز بذریعہ وصیت دی جاسکتی ہے۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ وصیت کو مال متروکہ کے تیسرے حصّے تک محدود فرمادیا۔ ایک تہائی (۱/۳) حصّہ تک اپنے غیر وارث رشتہ داروں یا دوسرے مستحق لوگوں یا رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کر سکتا ہے۔ (۳)

سعد بن ابی وقاص ؓ کہتے ہیں کہ میں حجۃ الوداع کے دوران میں ایسا سخت بیمار ہوا کہ موت کے کنارے پہنچ گیا۔ رسول کریم ﷺ میری عیادت کے لیے میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا! یارسول اللہ ﷺ میں کافی مالدار ہوں اور ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں۔ کیا میں اپنے سارے مال کی وصیت کر سکتا ہوں؟

((قَالَ: (لاَ) قُلْتُ: فَالشَّطْرِ؟ قَالَ: (لاَ) قُلْتُ: فَالثُّلُثِ؟ قَالَ: الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ، أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ فِي أَيْدِيهِمْ)) (۴)

ترجمہ: (آپ ﷺ نے) فرمایا نہیں! میں نے عرض کیا دو تہائی مال کی؟ آپ ﷺ نے نہیں میں جواب دیا۔ پھر میں نے عرض کیا آدھے مال کی وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ میں نے

---

۱۔ معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، ص:۱/۴۳۹

۲۔ تفہیم القرآن، سید ابو اعلیٰ مودودی، ص:۱/۳۲۷-۳۲۸

۳۔ تفہیم القرآن، سید ابو الاعلیٰ مودودی، ص:۱/۱۴۱

۴۔ صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ النَّفَقَاتِ، بَابُ فَضْلِ النَّفَقَةِ عَلَى الأَهْلِ، حدیث:۵۳۵۴، ص:۷/۶۲

عرض کیا ایک تہائی مال کی وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ! نے فرمایا! ہاں تہائی مال کی خیرات کرو۔ اور تہائی بھی بہت ہوتا ہے اگر تم اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو مفلس اور محتاج چھوڑو اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔

۱۔ وصیت کرنا اس صورت میں جائز ہے جب کوئی شخص اپنے وارثوں کے لیے کافی جائیداد ترکے میں چھوڑ رہا ہو اور حکم بھی یہی ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے والدین اور عزیزوں کے لیے خیر، یعنی مالِ کثیر ترکے میں چھوڑنے والا ہے تو وہ پسندیدہ اور معروف طریقے سے وصیت کرے۔

۲۔ وصیت ورثا کے حق میں نہیں کی جاسکتی، کیونکہ انہیں تو بہر حال ترکہ ملے گا۔ اس کے علاوہ ایک اور امر بھی قابل غور ہے۔ اگر کسی وارث کے لیے وصیت کے ذریعے کچھ چھوڑا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اسے ترکے میں سے اپنے حصّے سے زیادہ مل جائے گا۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے وارثوں کے متعلق وصیت کرنے سے منع فرمایا۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے

((إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، أَلَا لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ)) [۱]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حصّہ عطا فرمادیا ہے، اس لیے اب کسی وارث کے لیے وصیت کی اجازت نہیں۔

اور وصیت کرنے والا اس بات کا حق رکھتا ہے کہ وہ اپنی جائیداد میں سے تیسرے حصّے تک کی جیسی چاہے وصیت کر دے۔ مثلاً بعض ایسے رشتہ دار ہوں کہ احکام وراثت کی رُو سے انہیں کچھ نہیں ملے گا تو وہ وصیت کے ذریعے سے انہیں کچھ دے سکتا ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ وارثوں کو نقصان پہنچانے کی خاطر دوسروں کے لیے وصیت نہ کرے۔

۳۔ وصیت کسی غیر مذہب والے کے حق میں بھی ہو سکتی ہے۔ اور ورثاء کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کی تعمیل میں کوتاہی نہ کریں۔

"اُم المومنین حضرت صفیہؓ نے مرتے وقت ایک لاکھ درہم ترکے میں چھوڑا اور وصیت کی کہ اس کا ایک تہائی میرے بھانجے کو دے دیا جائے۔ حضرت صفیہؓ پہلے یہودیہ تھیں اور انہوں نے بعد میں اسلام قبول کیا۔ حضور ﷺ کے عقد میں آئیں۔ جب کہ ان کا بھانجا ابھی تک یہودی تھا، اس لیے لوگوں نے اس وصیت کی تعمیل میں تامل کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے

---

[۱]۔ سنن ابوداوَد، امام ابوداوَد، كِتَاب الْوَصَايَا، باب مَا جَاءَ فِي الْوَصِيَّةِ لِلْوَارِثِ، حدیث: ۲۸۷۰، ص: ۳/۱۱۴

غضب سے ڈرو اور حضرت صفیہؓ کی وصیت پر عمل کرو۔ تب لوگوں نے ان کے بھانجے کا حق انہیں دیا"۔(۱)

۴۔ اگر کوئی شخص غلط وصیت کرنے کا ارادہ کرے تو دوسروں کا فرض ہے کہ وہ اسے اس سے روکیں اور اس کی اصلاح کریں۔ وصیت کرنے والے کا فرض ہے کہ وہ وصیت کرتے وقت کسی کو نقصان پہنچانے کا خیال نہ کرے۔ تقسیم ترکہ کا حکم ایسی وصیت ہی کی تعمیل کے بعد ہے۔ جس کا مقصد کسی حقدار کو نقصان پہنچانا نہ ہو۔

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ اسلام نے مسلمان عورتوں پر بڑا احسان کیا کہ مال اور جائیداد کے معاملے میں بھی اس کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ بیوی، ماں، بیٹی اور بہن اپنی اپنی حیثیت میں اپنا حق پاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جہاں اسلام نے ان کو حقوق سے نوازا ہے وہاں ان پر عائد ہونے والے حقوق کو ادا کرنے کا فریضہ بھی عائد کیا ہے، اس فریضہ کی ادائیگی صورت میں اجرِ عظیم اور جنت کی بشارت دی ہے۔

اس کا اعتراف مغربی مفکرین جو کہ غیر مسلم ہیں، وہ بھی کرتے ہیں۔ جس کا ذکر کتاب "Muhammdan Law" (قانونِ محمدی) میں سر ولیم جونز (Sir William Jones)(۲) کے قول کو یوں نقل کر کے کیا ہے۔

"I am strongly disposed to believe that no possible question could occur on the Muhammad Law of succession .which might not be rapidly and correctly answered" (3)

ترجمہ: میں یہ بات پوری قوت اور اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ شریعت محمدی ﷺ کے قانون وراثت پر ایسا کوئی سوال نہیں جس کا فوری اور واضح جواب موجود نہ ہو۔

اسلام نے وراثت میں عورت اور مرد کی ضروریات کو مدّ نظر رکھ کر حصّے مقرر کئے ہیں۔ عورت کا کفیل مرد کو مقرر کیا گیا ہے اس لیے مرد کا فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی (عورت) اور اولاد پر خرچ کرے لیکن عورت کیلیے لازم نہیں کہ وہ کسی کی کفالت کرے، بلکہ عورت چاہے تو اپنی ذاتی ضروریات پر بھی خرچ نہ کرے تو اسے اختیار ہے، یہ بات یاد رکھنے والی ہے کہ عورت کا ہر قسم کی جائیداد میں حصّہ مقرر کیا گیا ہے خواہ وہ والدین، بہن بھائیوں کی طرف سے ہو یا پھر سسرال والوں کی طرف سے ہو، وہ دونوں جانب سے وراثت میں حصّہ دار ٹھہرائی گئی ہے۔

---

۱۔ سنن الکبری بیھقی، ابو بکر البیھقي، كِتَابُ الْوَصَايَا، بَابُ الْوَصِيَّةِ لِلْكُفَّارِ، حدیث: ۱۲۶۵۱، ص:۶/۴۵۹

۲۔ سر ولیم جونز (Sir William Jones)(۱۷۴۶-۱۷۹۴) برطانوی ماہر لسانیات، فورٹ ولیئم کورٹ بنگال کا ممبر جج تھا، ہندوستان میں یورپی اور ہندوستانی زبانوں کا فلاسفر تصور کیا جاتا تھا۔

3-Ameer, *Muhammadddan Law*,12.

# فصل سوم: عورت کے سماجی و سیاسی حقوق

## مبحث اول: عورت کے سماجی حقوق

## مبحث دوم: عورت کے سیاسی حقوق

# مبحث اول: عورت کے سماجی حقوق

## زندہ رہنے کا حق

سب سے پہلے دین اسلام میں عورت کو دیئے گئے بنیادی معاشرتی حقوق کا ذکر کرتے ہیں جو ہر انسان کو حاصل ہونے چاہییں۔ سب سے پہلے اسلام نے عورت کو مرد کی طرح بحیثیت انسان زندہ رہنے کا حق دیا اور بیٹیوں کو قتل کرنے کی قبیح روایت کا خاتمہ کیا۔ اسلام یہ حفاظت بیٹے اور بیٹیوں دونوں کو فراہم کرتا ہے اور قتل اولاد کو حرام قرار دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴾ [1]

ترجمہ: اور جب زندہ گاڑھی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی۔

اسی طرح سورت الانعام میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْــًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ﴾ [2]

ترجمہ: (اے نبی ﷺ) کہو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں۔ یہ کہ کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو، والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔

اسلام صرف بچی کے قتل پر ہی پابندی نہیں لگاتا بلکہ اسلام تو اس طرز عمل کی بھی مذمت کرتا ہے کہ بچے کی پیدائش پر خوشیاں منائی جائیں اور بچی کی پیدائش کی خبر سن کر افسوس کیا جائے۔

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ [3]

---

۱۔ سورۃ التکویر: ۸۱/ ۸-۹

۲۔ سورۃ الانعام: ۶/ ۱۵۱

۳۔ سورۃ النحل: ۱۶/ ۵۹-۵۸

ترجمہ: اور جب ان میں سے کسی کی بیٹی کی خوشخبری دی جائے تو اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غمگین ہوتا ہے۔ اس خوشخبری کی برائی کے باعث لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے، آیا اسے ذلت قبول کر کے رہنے دے یا اس کو مٹی میں دفن کر دے، دیکھو کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں۔

## تعلیم کا حق

اسلام نے عورت پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ عورت کو علم کے نُور سے نہ صرف فیض یاب کرنے کی تاکید کی بلکہ اس کے لیے تعلیم و تربیت کو بہت ضروری قرار دیا۔ قرآن مجید کی سب سے پہلے آیات نازل ہوئیں وہ سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات تھیں۔

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ------ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾[1]

ترجمہ: پڑھو! اے نبی (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا (انسان کو) جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے۔۔۔۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ وہ نہ جانتا تھا۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھیے کہ بات آج سے چودہ سو سال پہلے کی ہو رہی ہے جب خواتین کو کسی بھی قسم کے حقوق حاصل نہ تھے۔ ان کی حیثیت ذاتی ملکیت سے بڑھ کر نہ تھی۔ اسلام نے اُس وقت خواتین کی تعلیم پر زور دیا جس وقت دُنیا میں کوئی تصور ہی موجود نہیں تھا۔ اسلام نے علم کے دروازے عورت اور مرد دونوں کے لیے کھلے رکھے۔ اور اس نے خاص طور پر لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دلائی، نیز اس کی ترغیب دی۔

چنانچہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا

((مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ، فَأَدَّبَهُنَّ، وَزَوَّجَهُنَّ، وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ، فَلَهُ الْجَنَّةُ)) [2]

ترجمہ: جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی، انھیں تعلیم و تربیت دی، ان کی شادی کی، اور ان کے ساتھ (بعد میں بھی) حُسن سلوک کیا، تو اس کے لیے جنت ہے۔

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے علم سیکھنے میں عورت کا بھی اتنا ہی حق قرار دیا جتنا کہ مرد کا حق ہے۔

چنانچہ حدیث نبوی میں ہے۔

---

[1]- سورۃ العلق: ۹۶/ ۱-۵

[2]- سنن ابوداوٗد، امام ابوداوٗد، كِتَاب الْأَدَبِ، بَابٌ فِي فَضْلِ مَنْ عَالَ يَتِيمًا، حدیث: ۵۱۴۷، ص: ۴/ ۳۳۸

((وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا، وَلَا دِرْهَمًا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ))[1]

ترجمہ: علماء انبیائے کرام کے وارث ہیں، انبیاء نے علم کی وراثت دی ہے۔ جس کو علم مل گیا، اسے بہترین نعمت میسر آگئی۔

یعنی جو علم حاصل کرے وہ نبی کا وارث بنتا ہے اور اس طرح وہ نبی کی وراثت میں سے بہت کچھ پالیتا ہے۔ اور علم حاصل کرنے پر صنف کی قید نہیں لگائی گئی۔ عورت کو بھی علم حاصل کرنے کا حق اُسی طرح حاصل ہے جیسے مرد کا حق ہے۔ بلکہ عورت کو تعلیم دینے پر زیادہ دُگنا ثواب کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا

((ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ: الرَّجُلُ تَكُونُ لَهُ الأَمَةُ، فَيُعَلِّمُهَا فَيُحْسِنُ تَعْلِيمَهَا، وَيُؤَدِّبُهَا فَيُحْسِنُ أَدَبَهَا، ثُمَّ يُعْتِقُهَا فَيَتَزَوَّجُهَا فَلَهُ ))[2]

ترجمہ: تین آدمی ایسے ہیں جنہیں دوگنا ثواب دیا جاتا ہے۔ اوّل وہ شخص جس کی کوئی خادمہ ہو، وہ اُسے احسن طریقے سے تعلیم دے، اسے ادب سکھائے اور ادب سکھانے میں بھی احسن طریقہ اختیار کرے پھر اسے آزاد کرائے اور اس کی شادی کر دے تو اس کے لیے دُگنا اجر ہے۔

یعنی بیٹوں کو پڑھانے کا بھی اجر ہے مگر جو بیٹیوں اور بچیوں کو پڑھائے گا اُس کو دوگنا اجر ملے گا۔ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صرف اپنی بیٹی یا بہن نہیں بلکہ خادمہ تک کو تعلیم دینا باعث ثواب قرار دیا۔ ایک صحابیہ حضرت شفاء بنت عدویہ ؓ تعلیم یافتہ خاتون تھیں، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا

((أَلَا تُعَلِّمِينَ هَذِهِ رُقْيَةَ النَّمْلَةِ كَمَا عَلَّمْتِيهَا الْكِتَابَةَ، وَكَانَتِ الشِّفَاءُ كَاتِبَةً فِي الْجَاهِلِيَّةِ))[3]

ترجمہ: تم نے جس طرح حفصہ کو نملہ (پھوڑے) کا رقیہ سکھایا ہے، اسی طرح لکھنا بھی سکھادو۔

چنانچہ اس سلسلہ میں تمام معاشرتی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ جمعہ و عیدین کے خطبات کے علاوہ کئی مرتبہ نماز کے بعد انہیں احکام کی تعلیم دینے کے لیے تشریف لے جاتے یا کسی نمائندے کو بھیجتے۔ جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کو بھیجا تھا، بعد میں آپ ﷺ نے عورتوں کے مطالبہ پر ہفتہ میں ایک دن ان کی تعلیم کے لیے مختص فرمادیا تھا۔

---

1۔ سنن ابو داوٗد، امام ابو داوٗد، كِتَاب الْعِلْمِ، بَابُ الْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ، حدیث: ۳۶۴۱، ص: ۳/ ۳۱۷

2۔ صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَاب الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ ، بَابُ فَضْلِ مَنْ اسْلَمَ مِنْ اهْلِ الْكِتَابَيْنِ، حدیث: ۳۰۱۱، ص: ۴/ ۶۰

3۔ فتوح البلدان، احمد بن یحییٰ بلاذری، ص ۴۵۴

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ

(کسی عورت نے عرض کیا) حضور آپ ﷺ کے ارد گرد مرد رہتے ہیں۔ ہمارے لیے بھی ایک دن مقرر فرمادیں۔ اس پر حضور ﷺ نے عورتوں کے لیے بھی ایک دن وعظ و نصیحت کے لیے مخصوص فرمایا۔(۱)

اسلام نے حصول علم میں مرد و عورت کو مساوی قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسماء الرجال، حدیث، فقہ، تفسیر، علم اسرار دین، سیاسات اور طب وغیرہ کے شناسا موجود تھے تو خواتین کی صفوں میں بھی گوہر ہائے گراں نمایاں کی کمی نہ تھی۔ صحابہ کرام کے دور میں ہمیں متعدد عالمہ خواتین کی مثالیں نظر آتی ہیں۔ سب سے اہم مثال حضرت عائشہ صدیقہ کی ہے جن سے صحابہ کرام اور خلفائے راشدین تک ہدایت اور رہنمائی حاصل کرتے رہے۔ آپ کے ممتاز ترین شاگرد عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں

**"ما رأيت أحدا من الناس أعلم بالقرآن ولا بفريضة ولا بحلال وحرام ولا بشعر ولا بحديث العرب ولا النسب من عائشة رضي الله عنها"(۲)**

ترجمہ: میں نے تفسیر قرآن، فرائض، حلال و حرام، ادب و شعر اور تاریخ عرب کا حضرت عائشہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں دیکھا۔

وہ نہ صرف علوم دینیہ کی ماہرہ تھیں بلکہ دیگر علوم مثلاً طب پر بھی ماہرانہ دسترس رکھتی تھیں۔ صحابہؓ میراث کے مسائل ان سے دریافت کرتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری جو ایک بڑے عالم ہیں فرماتے ہیں

ہم اصحاب رسول ﷺ کو جب بھی کسی مسئلہ میں کوئی مشکل پیش آئی ہم نے اس مسئلہ کے بارے میں سیدہ عائشہؓ سے پوچھا تو ہم نے اس کا علم ان کے پاس پایا۔(۳)

"جب صحابہ کرام کو کسی معاملے کے بارے میں علم نہ ہوتا تو ہم حضرت عائشہؓ سے دریافت کرتے اور وہ ہماری رہنمائی کرتیں"(۴)

---

۱- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ العِلْمِ، بَابٌ: هَلْ يُجْعَلُ لِلنِّسَاءِ يَوْمٌ عَلَى حِدَةٍ فِي العِلْمِ، حدیث: ۱۰۱، ص:۱/۳۲

۲-تذکرۃ الحفاظ، شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز الذہبی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ، ص:۱/۲۵

۳- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ أَصحَاب النبيِّ صلّى الله عليه وسلّم، بَابُ فَضْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، حدیث: ۳۷۶۹، ص:۵/۲۹

۴-تذکرۃ الحفاظ، شمس الدین الذہبی، ص:۱/۲۵

آپؓ کے بارے میں کہاجاتا ہے کہ ۸۸ علماء نے آپ سے تعلیم حاصل کی یعنی آپ کو "استاذالاساتذہ" کا مقام حاصل ہے[۱]۔

حضرت عائشہؓ کے علاوہ بھی متعدد صحابیات کے علم و فضل کی شہادت ملتی ہے۔

حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، اُم سلمیٰؓ، اُم ورقہؓ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا تھا۔[۲]

تفسیر میں حضرت عائشہؓ کو خاص کمال تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے خواتین نے تعلیم حاصل کی، سیدہ عائشہؓ انصار عورتوں کی تعریف میں فرماتی ہیں

(نِسَاءُ الأَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الحَيَاءُ أَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ)[۳]

ترجمہ: انصار کی عورتیں بہترین عورتیں ہیں۔ دین کی سمجھ اور تفقہ حاصل کرنے میں انہیں حیا مانع نہیں ہوتی۔

یعنی انصار کی عورتیں بہت ہی اچھی ہیں کہ دین کا فہم حاصل کرنے میں حیاء ان کے آڑے نہیں آتی۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں

"لو جمع علم الناس كلهم ثم علم أزواج النبي صلى الله عليه و سلم لكانت عائشة أوسعهم علما"[۴]

ترجمہ: اگر تمام مردوں کا علم ایک جگہ جمع کیا جاتا تو اُمہات المومنین سیدہ عائشہؓ کا علم ان سب سے زیادہ گہرائی والا ہو گا۔

تعلیم و تربیت کے اسی عمومی ماحول کا اثر ہے کہ جماعتِ صحابیاتؓ میں بلند پایہ اہل علم خواتین کے ذکرِ جمیل سے آج تاریخ اسلام کا ورق ورق درخشاں و تاباں ہے؛ چنانچہ یہ امر محقق ہے کہ امہات المومنین میں حضرت عائشہؓ و حضرت ام سلمہؓ فقہ و حدیث و تفسیر میں رتبہ بلند رکھنے کے ساتھ ساتھ تحقیق و درایت کے میدان کی بھی شہہ سوار تھیں، حضرت اُم سلمہؓ کی صاحبزادی زینب بنت ابو سلمہؓ جو آپ ﷺ کی پروردہ تھیں۔

---

[۱]-سیر اعلام النبلا، شمس الدین الذہبی، مطبوعہ بیروت لبنان، (س۔ن)، ص:۲/ ۱۳۶-۱۳۹

[۲]-سیر الصحابیات، مولاناسعید احمد انصاری، مولاناسعید انصاری، شوکت بک ڈپو، گجرات، ۱۹۵۳ء، ص:۱۱

[۳]- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ العِلْمِ، بَابُ الحَيَاءِ فِي العِلْمِ، حدیث:۱۲۹، ص:۱/ ۳۸

[۴]-مستدرک علی الصحیحین الحکم، محمد بن عبد اللہ ابو عبد اللہ الحاکم النیسابوری، دار لکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۱ھ، حدیث:۶۷۳۴، ص: ۴/ ۱۲

یہ ساری مثالیں اُس دور کی ہیں جب عورت کے ساتھ بہت بُرا سلوک ہوتا تھا۔ جب لوگ بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہیں زندہ دفنا دیا کرتے تھے اور اسی دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں نہ صرف علم دین بلکہ طب اور سائنس جیسے علوم کی ماہر خواتین بھی موجود تھیں۔

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ دور اوّل میں جس طرح مردوں میں علم پھیلا، اسی طرح علم عورتوں میں بھی عام ہوا۔ صحابہ کے درمیان قرآن و حدیث کا علم رکھنے والی عورتیں کافی مقدار میں موجود تھیں ۔ اُمہات المومنین، صحابیات اور ان کے بعد تاریخ اسلام میں ایسی بے شمار عورتیں ملتی ہیں جنہوں نے مختلف ادوار میں علم سے بحرِ وافر حاصل کیا اور اپنی اولاد کو بھی علم کی دولت سے مزّین کیا۔ تاریخ نے ان کے ناموں کو اپنے صفحات میں محفوظ رکھا ہوا ہے۔ جن میں سے قابل ذکر چند خواتین کی خدمات کا جائزہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

| نمبر شمار | نام | وجہِ شہرت |
|---|---|---|
| ۱۔ | اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ [۱] | روایتِ حدیث، فقہ و قانون، تاریخ، علم الانساب، شعر، طب، علم نجوم |
| ۲۔ | اسماء بنت ابی بکرؓ [۲] | روایتِ حدیث |
| ۳۔ | اُم عبداللہ بن زبیرؓ [۳] | روایتِ حدیث |

---

[۱]۔ حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ ہیں۔ آپؓ کو اُم المومنین کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد عہد خلفائے راشدین میں آپؓ کی شخصیت بہت نمایاں نظر آتی ہے۔ علم الحدیث میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایات کے بعد سب سے زیادہ روایاتِ حدیث کا ذخیرہ آپؓ سے ہی روایت کیا گیا ہے۔ سنہ ۵۸ھ / ۶۷۸ء میں آپؓ کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا۔ آپؓ کے مناقب و فضائل کثیر ہیں، جن سے اپ کی عظمت و شان جلالت مسلم خواتین پر نمایاں ہے۔ (مسند احمد، امام احمد بن حنبل، ص:۶/ ۹۳-۱۰۷)

[۲]۔ حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر (۵۹۵ء-۶۹۲ء) یہ امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت عائشہؓ کی بہن اور حضرت زبیر بن العوامؓ کی بیوی ہیں، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ ان ہی کے شکم سے پیدا ہوئے۔ یہ محنتی ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی بہادر اور ہمت والی عورت تھیں۔ ہجرت کے وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مکان میں جب حضور ﷺ کا توشہ سفر ایک تھیلے میں رکھا گیا اور اس تھیلے کا منہ باندھنے کے لیے کچھ نہ ملا، تو حضرت بی بی اسماء نے فورا اپنی کمر کے پٹکے کو پھاڑ کر اس سے توشہ دان کا منہ باندھ دیا، اسی دن سے ان کو ذات النطاقین (دو پٹکے والی) کا معزز لقب ملا۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ، ص:۴/ ۳۴۵ )

[۳]۔ حضرت اُم عبداللہ بن زبیرؓ حضرت اسماءؓ حضرت ابو بکر صدیق کی بڑی بیٹی اور حضرت عائشہؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، زبیر ابن العوامؓ کے صاحبزادے تھے۔ حضرت اسماءؓ کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

| | |
|---|---|
| ۴۔ شفاء العدویہؓ (۱) | قرأت وکتابت کی ماہر |
| ۵۔ عائشہؓ بنت طلحہ (۲) (حضرت عائشہؓ کی شاگردہ وبھانجی) | شعر وادب، نجوم، علم الافلاک کی ماہرہ |
| ۶۔ اُم فضل کریمہؓ بنت حارث (۳) | شعر وادب اور روایت حدیث کی ماہرہ |
| ۷۔ فاطمہؓ بنت قیس (۴) | عالمہ، فقیہہ، واعظہ، |
| ۸۔ نفیسہؓ بنت حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب (۵) | عالمہ فاضلہ |

---

۱۔ شفاء نام، قبیلہ قریش کے خاندان عدیؔ سے ہیں۔ ابوحشمہ بن حذیفہ عدوی سے نکاح ہوا۔ ہجرت کے قبل مسلمان ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ سے ان کو بہت محبت تھی، آپؐ کبھی ان کے گھر تشریف لے جاتے تو ارام فرماتے تھے۔ انہوں نے آپؐ کے لیے علیحدہ ایک بچھونا اور ایک تہبند رکھ چھوڑی تھی، چونکہ ان میں آنحضرت کا پسینہ جذب ہوتا تھا، یہ بڑی متبرک چیزیں تھیں۔ آپؓ اُم المومنین حضرت حفصہؓ کی معلمہ تھیں۔ حضرت شفاءؓ کے بعد ان کی اولاد نے ان تبرکات کو نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا۔ حضرت شفاءؓ نے انحضرت ﷺ اور حضرت عمرؓ سے چند احادیث روایت کی ہیں۔(اصابہ فی تمییز الصحابہ، احمد بن علی بن حجر ابو الفضل العسقلانی الشافعی، دار الجیل، بیروت،، ۱۴۱۲ھ، ص:۸/۱۲۱، ۲۰)

۲۔ حضرت عائشہ بنت طلحہؓ مشہور تابعیہ ہیں، بڑی ذاکرہ تھیں۔ ان کی زبان صبح وشام ذکر الٰہی سے تر رہا کرتی تھی۔ ان کا نفس پاکیزہ ہو چکا تھا جس نے انھیں تمام عورتوں میں ممتاز کر دیا تھا، انھیں بہت ساری باتیں خواب کے ذریعہ معلوم ہو جاتی تھیں۔(دلائل النبوۃ، احمد بن الحسین خراسانی، ص:۵/۴۱۷، ۴۱۶)

۳۔ امّ الفضلؓ حضرت محمد ﷺ کی چچی تھیں۔، لبابہ نام، امّ الفضل کنیت، کبریٰ لقب۔ حضرت عباس سے جو آنحضرت ﷺ کے عم (چچا) محترم سے نکاح ہوا۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیم وتربیت نے ام الفضل کے مقام ومرتبہ کو چار چاند لگا دیئے۔ حضرت ام الفضلؓ نے نبی کریم ﷺ سے احادیث روایت کیں۔(سیر اعلام النبلاء، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز الذھبی، مؤسسہ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۵ھ، ص:۲/)۳۱۵

۴۔ فاطمہ بنت قیس بڑی عاقلہ اور صاحب علم فاضل اور فقہیہ صحابیات میں سے تھی۔ اور یہ حدیث روایت کرنے والی صحابیات میں سے تھی۔ حفظ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے بڑا ملکہ عطا کیا تھا۔ ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ سے ان کا نکاح ہوا۔ وفات کا سال معلوم نہیں، ابن زبیر کے زمانہ خلافت تک زندہ رہیں۔ ۲۳ھ میں جب عمر فاروق نے انتقال کیا۔ تو مجلسِ شوریٰ کا اجلاس فاطمہ ہی کے مکان میں ہوتا تھا۔(طبقات الکبری، ابن سعد، ص، ۸/۳۵۰)

۵۔ حضرت نفیسہؓ بنت حسنؒ دوسری صدی ہجری کی مشہور عالمہ وعارفہ تھیں۔ اپ حضرت حسن بن زید بن علی بن ابو طالب کی صاحبزادی تھیں اور اسحٰق بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علی کی اہلیہ تھیں۔ آپؓ ۱۴۵ھ میں پیدا ہوئیں۔ حافظ قرآن تھیں، تفسیر، حدیث اور دوسرے علوم میں کمال حاصل کیا۔ زیادہ تر وقت عبادت وریاضت میں گزارتیں۔ آپ سے لاتعداد لوگوں نے کسب فیض حاصل کیا اور "نفیسۃ العلم والمعرفت" کے لقب سے مشہور ہو گئیں۔ 208 ہجری میں حضرت نفیسہؒ نے وفات پائی۔

| | | |
|---|---|---|
| ۹- | لیلیٰؓ بنت بلال (۱) | روایت حدیث کی ماہرہ |
| ۱۰- | اُم ایمن حبشیہؓ (۲) | عالمہ، فاضلہ |
| ۱۱- | شفاء بنت عبد اللہ عدویہؓ (۳) | روایت حدیث کی ماہرہ |
| ۱۲- | ام ورقۃ الانصاریہؓ (۴) | عالمہ، فاضلہ روایت حدیث کی ماہرہ |
| ۱۳- | زینبؓ بنت ابو معاویہؓ (۵) | عالمہ فاضلہ |

[1]- لیلیٰؓ بنت بلال او بلیل انصاریہ، صحابیہ ہیں جو بہن تھیں ابی لیلی عبد الرحمن بن ابی لیلی کی پھوپھی تھیں ابو عمر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی اور روایت بھی کرتی تھیں۔ سن وفات معلوم نہیں۔(الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ابن حجر عسقلانی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور ۸، ص:۸/۳۵۵)

[2]- برکہ بنت ثعلبہؓ جنہیں عام طور ام ایمن کے نام سے جانا جاتا ہے، پیغمبر اسلام کے والد بزرگوار عبد اللہ بن عبد المطلب کی خادمہ تھیں۔ جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو وہ بھی گئیں، اور وہاں سے ہجرت کے بعد مدینہ واپس ائیں۔ غزوۂ احد میں شرکت کی۔ اس موقع پر وہ لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں، غزوۂ خیبر میں بھی شریک ہوئیں۔ (سیر الصحابیات، مولانا سعید انصاری، ص:۷۸)

[3]- شفاء نام، قبیلہ قریش کے خاندان عدی سے ہیں۔ ان کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

[4]- ام ورقہؓ بنت عبد اللہ بن حارث الانصاریہ انصار کی ان عالم فاضل خواتین میں سے تھی۔ جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت، اطاعت اور رضائے الہیٰ کے حصول کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ اسلام میں سبقت نے جانے والی خواتین میں ام ورقہ سر فہرست تھی۔ اس نے نبی کریم ﷺ کی بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ اور آپ سے حدیث روایت کرنے کا شرف بھی حاصل کیا۔(طبقات الکبری، محمد بن سعد بن منیع ابو عبد اللہ البصری الزھری، ص:۵/۶۲۶)

[5]- زینب بنت ابو معاویہ عبد اللہ بن مسعود کی زوجہ تھیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے نکاح ہوا، چونکہ ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اور زینب دستکار تھیں، اس لیے اپنے شوہر اور اولاد کی خود کفیل ہوئیں۔ ایک دن کہنے لگیں کہ تم نے اور تمہاری اولاد نے مجھ کو صدقہ و خیرات سے روک رکھا ہے، جو کچھ کماتی ہوں تم کو کھلا دیتی ہوں، بھلا اس میں میرا کیا فائدہ؟ ابن مسعود نے جواب دیا تم اپنے فائدہ کی صورت نکال لو، مجھ کو تمہارا نقصان منظور نہیں۔ زینبؓ انحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور عرض کی کہ میں دستکار ہوں اور جو کچھ اس سے پیدا کرتی ہوں شوہر اور بال بچوں پر صرف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ میرے شوہر کا کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہے اس بنا پر میں محتاجوں کو صدقہ نہیں دے سکتی، اس حالت میں کیا مجھ کو کچھ ثواب ملتا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! ہاں تم کو ان کی خبر گیری کرنی چاہیے۔ عمر فاروقؓ اور ابن مسعودؓ سے چند حدیثیں روایت کیں۔(سیر الصحابیات، سعید احمد انصاری، ص:۱۱۴)

۱۵-　ہندؓ بنت ابی امیہ [1]　　　روایت حدیث کی ماہرہ

۱۶-　فاطمہؓ بنت الیمان [2]　　　حدیث نبوی کی راویہ

تاریخ اسلامی کی ان چند جھلکیوں سے بہ خوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں عورتوں کے اندر حصولِ علم کے تئیں کس قدر شوق اور جذبہ بے پایاں پایا جاتا تھا اور آپ ﷺ بھی ان کے شوقِ طلب اور ذوقِ جستجو کی قدر کرتے ہوئے، ان کی تعلیم وتربیت کا کتنا اہتمام فرماتے تھے۔ اسلام نے جس طرح مردوں کے لیے تعلیم کی تمام تر راہیں وا رکھی ہیں ان کو ہر قسم کے مفید علم کے حصول کی نہ صرف آزادی دی ہے بلکہ اس پر ان کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے، جس کے نتیجے میں قرونِ اول سے لے کر آج تک ایک سے بڑھ کر ایک عالم و محقق پیدا ہوتے رہے اور زمانہ ان کے علوم سے مستنیر و مستفیض ہوتا رہا، بالکل اسی طرح اس دین حنیف نے خواتین کو بھی تمدنی، معاشرتی اور ملکی حقوق کے بہ تمام وکمال عطا کرنے کے ساتھ ساتھ تعلیمی حقوق بھی اس کی صنف کا لحاظ کرتے ہوئے مکمل طور پر دیے۔ چنانچہ ہر دور میں مردوں کے شانہ بہ شانہ دخترانِ اسلام میں ایسی باکمال خواتین بھی جنم لیتی رہیں، جنھوں نے اطاعت گزار بیٹی، وفاشعار بیوی اور سراپا شفقت بہن کا کردار نبھانے کے ساتھ ساتھ علم وفضل سے دُنیا کو فیض پہنچایا۔

## نکاح کا حق

اسلام سے پہلے مذاہب اور تہذیبوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں عورت کو شیطان کا آلہ کار سمجھا جاتا تھا، یعنی خیال کیا جاتا تھا کہ شیطان عورت کے ذریعے انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ اسلام میں عورت کا تصور بالکل اُلٹ ہے کیوں کہ اسلام عورت کو "محصنہ" قرار دیتا ہے یعنی شیطان سے بچنے کا ذریعہ خیال کرتا ہے۔ جب

---

[1]- ام المومنین ہندؓ بنت ابی امیہؓ، ام سلمہؓ ان کی کنیت اور اسی سے مشہور ہیں، انحضور ﷺ کی زوجہ تھیں۔ ہند کے والد ابو امیہ سہیل بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم تھے۔ اور والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ جو بنو فراس سے تھیں۔ اور نبی اکرم کی پھوپھی زاد تھیں۔ حضرت ام سلمہ نہایت عقلمند اور مدبر خاتون تھیں۔ آنحضرت ﷺ آپؓ کا بہت احترام کرتے تھے۔ حضرت عائشہ کے بعد سب سے زیادہ احادیث آپؓ سے مروی ہیں۔ طبری، مسعودی، اور واقدی کی تحقیق ہے کہ آپؓ کا انتقال ۵۹ھ میں ہوا۔ (سیر الصحابہ، ص:۶/۵۵)

[2]-فاطمہ بنت یمان بن جابر العبسیہ الاشھلیۃ الانصاریہ ان خواتین میں سے تھی۔ جنھوں نے حدیث نبوی کو روایت کیا۔ فاطمہ بن یمان ان فاطمہ نامی صحابیات میں سے ہے۔ جنھیں نبی کریم ﷺ کے ہاں عزت کا مقام ومرتبہ حاصل تھا۔ سن وفات معلوم نہیں۔ (طبقات الکبری، محمد بن سعد بن منیع ابو عبد اللہ البصری الزھری، ص:۸/۳۲۵)

ایک مرد کی شادی ایک نیک عورت سے ہوتی ہے تو وہ اس کے لیے شیطانی ترغیبات سے بچنے کا ذریعہ بن جاتی ہے اور اسے راہ پر چلانے کا باعث بنتی ہے جسے قرآن نے صراط مستقیم قرار دیا ہے۔

صحیح بخاری کی روایت کردہ ایک حدیث کا مفہوم ہے۔

((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ البَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ))[1]

ترجمہ: اے (مسلمان) جوانوں کے گروہ! جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہو ضرور نکاح کرے، اس طرح ان کے لیے اپنی نگاہ کی حفاظت اور پاک دامنی برقرار رکھنا آسان ہو جائے گا۔

نکاح کے لیے فریقین کی رضامندی ایک لازمی شرط ہے۔ یعنی عورت اور مرد دونوں کو اس رشتے کے لیے راضی ہونا چاہیے۔ خواہ لڑکی کا والد ہی کیوں نہ ہو اپنی بیٹی کی شادی زبردستی نہیں کر سکتا۔ اسلام نے مرد اور عورت کی سماجی حیثیت میں کوئی فرق نہیں رکھا سوائے ایک پہلو کے اور وہ پہلو قیادت کا ہے۔

## عصمت وعفت کا حق

معاشرے میں عورت کی عزت واحترام کو یقینی بنانے کے لیے اس کی عصمت کا تحفظ ضروری ہے۔ اسلام نے عورت کو حق عصمت عطا کیا اور مردوں کو بھی پابند کیا کہ وہ اس کے حق عصمت کی حفاظت کریں۔

﴿قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ﴾[2]

ترجمہ: مومنوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے پاکیزگی کا موجب ہے۔ اللہ اس سے واقف ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

اس کے بعد عورتوں کو حکم ہوتا ہے

﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾[3]

---

[1] - صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ البَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، لِأَنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ) وَهَلْ يَتَزَوَّجُ مَنْ لاَ أَرَبَ لَهُ فِي النِّكَاحِ)، حدیث: ۵۰۶۵، ص:۷/۳

[2] - سورۃ النور: ۳۰/۲۴

[3] - سورۃ النور: ۳۱/۲۴

ترجمہ : اور مومنہ عورتوں سے کہہ دو کہ (مردوں کے سامنے آنے پر) وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت و آرائش کی نمائش نہ کریں سوائے جسم کے اس حصہ کو جو اس میں کھلا ہی رہتا ہے۔

"فرج" کے لغوی معنی میں تمام ایسے اعضاء شامل ہیں، جو گناہ کی ترغیب میں معاون ہو سکتے ہیں، مثلاً آنکھ، کان، منہ، پاؤں اور اس لیے اس حکم کی روح یہ قرار پاتی ہے کہ نہ بُری نظر سے کسی کو دیکھو، نہ فحش کلام سنو اور نہ خود کہو، اور نہ پاؤں سے چل کر کسی ایسے مقام پر جاؤ، جہاں گناہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

اسلام نے قانون کے نفاذ میں بھی عورت کے اس حق کو مستحضر رکھا۔ خلفائے راشدین کا طرز عمل ایسے اقدامات پر مشتمل تھا جن سے نہ صرف عورت کے حق عصمت کو مجروح کرنے والے عوامل کا تدارک ہوا بلکہ عورت کی عصمت وعفت کا تحفظ بھی یقینی ہوا۔

"ایک شخص نے ہذیل کے کچھ لوگوں کی دعوت کی اور اپنی باندی کو لکڑیاں کاٹنے کے لیے بھیجا۔ مہمانوں میں سے ایک مہمان کو وہ پسند آ گئی اور وہ اس کے پیچھے چل پڑا اور اس کی عصمت لوٹنے کا طلب گار ہوا لیکن اس باندی نے انکار کر دیا۔ تھوڑی دیر ان دونوں میں کشمکش ہوتی رہی۔ پھر وہ اپنے آپ کو چھڑانے میں کامیاب ہو گئی اور ایک پتھر اٹھا کر اس شخص کے پیٹ پر مار دیا جس سے اس کا جگر پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔ پھر وہ اپنے گھر والوں کے پاس پہنچی اور انہیں واقعہ سنایا۔ اس کے گھر والے اسے حضرت عمرؓ کے پاس لے کر گئے اور آپؓ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمرؓ نے معاملہ کی تحقیق کے لیے کچھ لوگوں کو بھیجا اور انہوں نے موقع پر ایسے آثار دیکھے، جس سے دونوں میں کشمکش کا ثبوت ملتا تھا۔ تب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ نے جسے مارا ہے اس کی دیت کبھی نہیں دی جا سکتی"[1]

اسلام نے عورت کے وقار واعتبار کی بحالی، انسانی سماج میں اسے مناسب مقام دلانے، ظالم قوانین، غیر منصفانہ رسم و رواج سے نجات دلائی۔ اسلام نے عورت کو عزت ورفعت سے سرفراز کیا، عورتوں کے بارے میں اسلام کے احکام نہایت واضح ہیں، اس نے عورتوں کو ہر اس چیز سے بچانے کی کوشش کی ہے جو عورتوں کو تکلیف پہنچائے اور ان پر دھبہ لگائے۔

[1] ۔ سنن الکبری بیھقی، ابو بکر البیھقي، كِتَابُ الْأَشْرِبَةِ وَالْحَدُّ فِيهَا، بَابُ: الرَّجُلُ يَجِدُ مَعَ امْرَأَتِهِ الرَّجُلَ فَيَقْتُلُهُ، حدیث: ۱۷۶۴۹، ص: ۸/۵۸۶

# مبحث دوم: عورت کے سیاسی حقوق

اسلام کی حقوق نسواں کی تاریخ درخشاں روایات کی امین ہے۔ روزِ اوّل سے اسلام نے عورت کے مذہبی، سماجی، معاشرتی، قانونی، آئینی، سیاسی اور انتظامی کردار کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ اس کے جملہ حقوق کی ضمانت بھی فراہم کی۔ اسلام نے ان تمام قبیح رسوم کا قلع قمع کر دیا جو عورت کے انسانی وقار کے منافی تھیں اور عورت کو وہ حقوق عطا کیے جس سے وہ معاشرے میں اس عزت و تکریم کی مستحق قرار پائی، جس کے مستحق مرد ہیں۔

اسلام نے مرد کی طرح عورت کو بھی عزت، تکریم، وقار اور بنیادی حقوق کی ضمانت دیتے ہوئے ایک ایسی تہذیب کی بنیاد رکھی۔ جہاں ہر فرد معاشرے کا ایک فعال حصّہ ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں خواتین اسلام کے عطا کردہ حقوق کی برکات کے سبب سماجی، معاشرتی، سیاسی اور انتظامی میدانوں میں فعال کردار ادا کرتے ہوئے معاشرے کو اِرتقاء کی اعلیٰ منازل کی طرف گامزن کرنے کا باعث بنتی ہیں۔

## عورت کا سیاسی کردار

اسلام میں عورت کا کردار صرف خاندان یا معاشرے تک ہی محدود ہی نہیں بلکہ اہلیت کی بنیاد پر عورت کو ریاستی سطح پر بھی کردار دیا گیاہے۔ قرآن حکیم میں مسلم معاشرے میں ذمہ داریوں کا تعین کرتے ہوئے مرد خواتین دونوں کو برابر اہمیت دی گئی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ [1]

ترجمہ: اوراہل ایمان مرد اور اہل ایمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق و مدد گار ہیں وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بجالاتے ہیں، ان لوگوں پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا، بیشک اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں خواتین اور مردوں کو ایک دوسرے کا اس طرح مدد گار ٹھہرایا گیاہے کہ

(الف)۔ سماجی و معاشرتی دائرہ میں معروف کے قیام اور منکر کے خاتمے

(ب)۔ مذہبی دائرہ میں اقامت صلوٰۃ

---

[1] ۔ سورۃالتوبۃ: ۹/ ۷۱

(ج)۔ اقتصادی دائرہ میں نظام زکوٰۃ کے قیام

(د)۔ سیاسی دائرہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی اطاعت کے ذریعے ایک مثالی اسلامی معاشرہ تشکیل دیں۔

اسلام نے عورت کو ایک مکمل قانونی فرد تسلیم کرتے ہوئے سربراہ کے چناؤ، قانون سازی اور دیگر ریاستی معاملات میں مردوں کے برابر رائے دہی کا حق دیا ہے۔ عورتوں کو حق رائے دہی دینے کی انسانی، معاشرتی اور تہذیبی اہمیت کا اندازہ اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب ہم عورت کے اس حق کے عالمی سطح پر اعتراف کی تاریخ کا جائزہ لیں۔

## عورت کا حق رائے دہی

ریاست مدینہ کے مقام کے ساتھ ہی حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی سُنت مبارکہ سے عورت کے حق رائے دہی کو قانونی بنیاد فراہم فرمائی۔ آپ ﷺ کی اسی سُنت مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے خلفائے راشدین نے اپنے ادوار میں خواتین کی رائے کی ریاستی معاملات میں شمولیت یقینی بنائی۔ خلفائے راشدین کے دور تک ہر مسلمان پر لازم تھا کہ وہ خلیفہ وقت کی بیعت کرے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اسلام میں داخل ہونے والی عورتوں سے بیعت لیتے تھے۔ قرآن حکیم عورتوں کی بیعت سے متعلق فرماتا ہے

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ﴾[1]

ترجمہ: اے نبی! جب آپ ﷺ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں، آپ ﷺ سے بیعت کریں اس پر کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی، اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ کوئی بہتان گھڑ کر لائیں گی۔ اپنے ہاتھ اور پاؤں کے درمیان اور دستور کے مطابق کسی کام میں آپ ﷺ کی نافرمانی نہ کریں گی تو انہیں بیعت فرمالیا کریں اور ان کے لیے اللہ سے استغفار فرمائیں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اسی طرح مختلف احادیث میں ہے کہ صحابیات حضور نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتیں۔ حضرت عروہؓ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے

---

[1]-سورۃ الممتحنہ:۶۰/ ۱۲

((فَمَنْ أَقَرَّ بِهَذَا الشَّرْطِ مِنَ المُؤْمِنَاتِ، قَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (قَدْ بَايَعْتُكِ) كَلاَمًا، وَلاَ وَاللَّهِ مَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِي المُبَايَعَةِ، مَا يُبَايِعُهُنَّ إِلَّا بِقَوْلِهِ: (قَدْ بَايَعْتُكِ عَلَى ذَلِكِ)) [1]

ترجمہ: جو مسلمان عورتیں ان شرائط (شرک، چوری، بدکاری، قتل، بہتان سے انکار جو سورۃ الممتحنہ میں بیان ہوئیں) کا اقرار کرتیں تو رسول اللہ ﷺ ان عورتوں سے فرمادیا کرتے کہ میں نے تمہیں بیعت کرلیا۔ اور خدا کی قسم، بیعت کرتے وقت آپ ﷺ کے دست مبارک نے کسی عورت کا ہاتھ قطعاً نہیں چھوا۔ آپ ﷺ کا عورتوں کو بیعت کرنا صرف زبانی کلامی ہوتا تو فرمادیتے کہ میں نے تمہیں فلاں بات پر بیعت کرلیا ہے۔

حضرت اُم عطیہؓ روایت کرتی ہیں کہ ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ سے بیعت کی تو آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی ((أَنْ لا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا (الممتحنة: ۱۲)، وَنَهَانَا عَنِ النِّيَاحَةِ، فَقَبَضَتِ امْرَأَةٌ مِنَّا يَدَهَا، فَقَالَتْ: فُلاَنَةُ أَسْعَدَتْنِي، وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَجْزِيَهَا، فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا، فَذَهَبَتْ ثُمَّ رَجَعَتْ، فَمَا وَفَتِ امْرَأَةٌ إِلَّا أُمُّ سُلَيْمٍ، وَأُمُّ الْعَلاَءِ، وَابْنَةُ أَبِي سَبْرَةَ امْرَأَةُ مُعَاذٍ ، أَوِ ابْنَةُ أَبِي سَبْرَةَ وَامْرَأَةُ)) [2]

ترجمہ: اور تم اللہ کا کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور ہمیں نوحہ کرنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ ہم میں سے ایک عورت نے اپنا ہاتھ روک لیا اور عرض گزار ہوئی کہ فلاں عورت نے نوحہ کرنے میں میری مدد کی تھی اور میں اس کا بدلہ اتارنا چاہتی ہوں۔ آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا، وہ چلی گئی اور پھر لوٹ کر آئی۔ یہ باتیں اُم سلیمؓ، اُم العلاءؓ، ابو سبرہؓ کی صاحبزادی اور معاذؓ کی بیوی کے سوا دیگر عورتوں سے پوری طرح نبھائی نہ جاسکیں۔

آپ ﷺ کی اس سنت مبارکہ پر عمل خلافت راشدہ کے دور میں بھی جاری رہا اور رائے دہی کے معاملات میں خواتین کو بھرپور شمولیت دی گئی۔ حضرت مسور بن مخرمہؓ سے مروی روایت میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنے بعد جانشین کے انتخاب کے لیے چھ رکنی کمیٹی تشکیل دی تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو عوامی رائے حاصل کرنے کے لیے نامزد کردیا گیا انہوں نے استصواب عام کے ذریعے مسلسل تین دن گھر گھر جاکر لوگوں کی آراء معلوم

---

[1]- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ تَفْسِيرِ القُرْآنِ، بَابُ :إِذَا جَاءَكُمُ المُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ، حدیث: ۴۸۹۱، ص:۶/ ۱۵۰

[2]- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ تَفْسِيرِ القُرْآنِ، بَابُ إِذَا جَاءَكُمُ المُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ، حدیث: ۴۸۹۱، ص:۶/ ۱۵۰

کیں۔ جن کے مطابق بھاری اکثریت نے حضرت عثمان غنیؓ کو خلیفہ بنائے جانے کے حق میں فیصلہ دیا۔ اس انتخابی عمل میں خواتین بھی شامل ہوئیں اور تاریخ میں پہلی بار ایسی مثال قائم کی گئی۔[۱]

اسلام سے قبل خواتین کو کسی بھی سماجی یا سیاسی کردار کا اہل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے عورت کو سماجی و معاشرتی زندگی میں پروقار عطا کیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی سنت مبارکہ سے خواتین سے مشاورت کی تعلیم دی۔ آغازِ نبوت میں حضرت خدیجہؓ کا کردار اس کی واضح نظیر ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرامؓ کفار مکہ سے معاہدہ کے بعد ظاہری صورت حال کے پیش نظر مغموم تھے، آپ ﷺ نے جب انہیں ارشاد فرمایا

((قُومُوا فَانْحَرُوا ثُمَّ احْلِقُوا))[۲]

ترجمہ: کھڑے ہو جاؤ اور قربانی کرو اور بال کٹواؤ۔

تو صحابہ کرامؓ میں سے کوئی بھی کھڑا نہ ہوا۔ اس پر آپ ﷺ اپنی قیام گاہ پر حضرت اُمّ سلمہؓ کے پاس تشریف لائے، اور ان سے مشورہ کیا۔

توحضرت اُم سلمہؓ نے آپ ﷺ کو مشورہ دیتے ہوئے فرمایا

((يَا نَبِيَّ اللَّهِ، أَتُحِبُّ ذَلِكَ، اخْرُجْ ثُمَّ لاَ تُكَلِّمْ أَحَدًا مِنْهُمْ كَلِمَةً، حَتَّى تَنْحَرَ بُدْنَكَ، وَتَدْعُوَ حَالِقَكَ فَيَحْلِقَكَ، فَخَرَجَ فَلَمْ يُكَلِّمْ أَحَدًا مِنْهُمْ حَتَّى فَعَلَ ذَلِكَ نَحَرَ بُدْنَهُ، وَدَعَا حَالِقَهُ فَحَلَقَهُ، فَلَمَّا رَأَوْا ذَلِكَ قَامُوا، فَنَحَرُوا وَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَحْلِقُ بَعْضًا حَتَّى كَادَ بَعْضُهُمْ يَقْتُلُ بَعْضًا غَمًّا))۔[۳]

ترجمہ: اے اللہ کے نبی! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ وہ آپ کے حسب حکم قربانی کریں اور سر منڈوائیں۔ ۔۔۔۔ (تو پھر) آپ ﷺ ان کی طرف تشریف لے جائیں اور ان میں سے کسی سے بھی گفتگو نہ کریں۔ بلکہ اپنی قربانی کا جانور ذبح فرمائیں اور حجام کو بلائیں جو آپ ﷺ کے بال کاٹے گا۔ اس پر آپ ﷺ باہر تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے کسی سے کلام نہ فرمایا بلکہ اسی طرح کیا یعنی قربانی کا جانور ذبح کیا اور حجام کو بلایا، جس نے آپ ﷺ کے بال کاٹے جب صحابہ

---

۱- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ الأَحْكَامِ، بَابٌ: كَيْفَ يُبَايِعُ الامَامُ النَّاسَ، حدیث: ۷۲۰۷، ص:۹/۷۸

۲- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ الشُّرُوطِ، بَابُ الشُّرُوطِ فِي الجِهَادِ وَالمصَالحَةِ مَعَ أَهْلِ الحَرْبِ وَكِتَابَةِ الشُّرُوطِ، حدیث: ۲۷۳۱، ص۳/۱۹۳

۳- صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ الشُّرُوطِ، بَابُ الشُّرُوطِ فِي الجِهَادِ وَالمصَالحَةِ مَعَ أَهْلِ الحَرْبِ وَكِتَابَةِ الشُّرُوطِ، حدیث ۲۷۳۱، ص:۳/۱۹۳

کرامؓ نے یہ دیکھا تو کھڑے ہو گئے، اور قربانی کرنے لگے اور ایک دوسرے کے بال بنانے لگے۔
حالانکہ ان کی شدت غم کا یہ عالم تھا کہ گویا ایک دوسرے کو (اس غم سے) قتل کر دیتے۔
آپ ﷺ کی اس تعلیم پر خلفائے راشدین بھی عمل پیرا رہے۔ مثلاً حضرت عمرؓ نے عسکری خدمات انجام دینے والے افراد کے گھر سے باہر رہنے کی مدت کا تعین اُم المؤمنین حضرت حفصہؓ کے مشورہ سے کیا۔

## اظہار رائے کا حق

اسلام نے ریاست کے اجتماعی امور چلانے کے لیے باہمی مشاورت کا ضابطہ تجویز کیا۔
قرآن مجید کا ارشاد ہے

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ﴾ [۱]

ترجمہ: (ان مسلمانوں) کے تمام امور باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔
قرآن مجید کے اس ارشاد میں مرد اور عورتیں سب شامل ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے عطا کردہ زریں اُصولوں پر خلفائے راشدین بھی کاربند رہے۔ حضرت عمرؓ فاروقؓ نے مختلف ریاستی معاملات میں خواتین سے مشاورت کی۔

جیسا کہ حضرت عمرؓ کا مشاورت سے حضرت شفا بنت عبد اللہ عدویہؓ کو بازار کا نگران مقرر کرنا۔[۲]
اسی طرح آپؓ کا ایک اور واقعہ مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ ایک رات مدینہ منورہ میں لوگوں کے مسائل سے آگہی کے لیے گھوم رہے تھے کہ ایک گھر سے آپؓ نے ایک عورت کے اشعار سنے، جس میں وہ اپنے شوہر کی جدائی کا ذکر کر رہی تھی۔ جس کا شوہر جہاد پر جانے کی وجہ سے کافی عرصہ سے گھر سے دور تھا۔ اس معاملہ نے آپؓ کو پریشان کر دیا اور آپؓ نے واپس آتے ہی اُم المومنین حضرت حفصہؓ سے اس پر مشاورت کی۔ اور ان کے مشورہ سے مجاہدین کے گھر سے دور رہنے کی زیادہ سے زیادہ مدت چار ماہ مقرر فرمائی۔[۳]
حضرت عمرؓ کے نظام خلافت کی تفاصیل سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی مجلس شوریٰ میں بھی خواتین کی رائے شامل تھی۔

---

۱- سورۃ الشوریٰ: ۴۲/ ۳۸

۲- المحلی، ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبی الظاہری، دار الفکر، بیروت، (س۔ن)، ص: ۹/ ۴۲۹

۳- تاریخ الخلفاء، امام جلال الدین سیوطی، (مترجم) مولانا عبد الاحد قادری، ممتاز اکیڈمی، لاہور، ۲۰۱۶، ص: ۱۳۹

ایک موقع پر جب آپ نے مجلس شوریٰ سے عورتوں کے مہر کی مقدار متعین کرنے پر رائے لی تو مجلس شوریٰ میں موجود ایک عورت نے کہا، آپ کو اس کا حق اور اختیار نہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا ﴾ (۱)

ترجمہ: اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم سے ڈھیروں مال دے چکے ہو تب بھی اس میں سے کچھ واپس مت لو۔ کیا تم ظلم و دہشت کے ذریعے اور کھلا گناہ کر کے وہ مال (واپس) لو گے۔

اس پر حضرت عمرؓ نے اپنی تجویز واپس لے لی اور فرمایا

((إِنَّ امْرَأَةً خَاصَمَتْ عُمَرَ فَخَصَمَتْهُ)) (۲)

ترجمہ: ایک عورت نے عمر سے بحث کی، اور وہ اُس پر غالب آگئی۔

دوسری روایت کے مطابق آپؓ نے فرمایا

((امرأةٌ أصابَتْ ورَجلٌ أخطأَ)) (۳)

ترجمہ: عورت نے صحیح بات کی اور مرد نے غلطی۔

ایک عام عورت کی بات سن کر حضرت عمرؓ نے فوراً اپنی رائے سے رجوع کر لیا اور کہا کہ عمر غلط تھا اور یہ عورت درست کہہ رہی تھی۔ اندازہ کیجیے کہ عام عورت کو بھی اتنا حق حاصل تھا۔ وہ یقیناً ایک عام عورت تھی۔ اگر وہ کوئی مشہور خاتون ہوتی تو یقیناً اس کا نام لیا جاتا لیکن چونکہ نام نہیں لیا گیا لہٰذا پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی عام خاتون تھی، اور پھر بھی اسے یہ حق تھا کہ وہ خلیفہ وقت سے اختلاف کی جرات کر سکے اور اس پر اعتراض کر سکے۔ اس واقعہ کی رو سے یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ سیدنا عمرؓ کسی عوامی جگہ یعنی بازار وغیرہ میں ریاستی معاملہ پر بحث نہیں کر رہے تھے بلکہ یہ مسئلہ مجلس شوریٰ میں زیر غور تھا۔ جس کا مطلب ہے کہ عامۃ الناس کے بجائے منتخب افراد ہی اس عمل پر مشاورات میں شریک تھے۔ لہٰذا ایک خاتون کا کھڑے ہو کر بِل پر اعتراض کرنے سے یہ مفہوم نمایاں طور پر اخذ ہوتا ہے کہ

---

۱۔ سورۃ النساء: ۴/ ۲۰

۲۔ المصنف، ابو بکر عبد الرزاق صنعانی، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ غَلَاءِ الصَّدَاقِ، حدیث: ۱۰۴۲۰، ص: ۶/ ۱۸۰

۳۔ نیل الاوطار، محمد بن علی شوکانی، كِتَابُ الصَّدَاقِ، بَابُ جَوَازِ التَّزْوِيجِ عَلَى الْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ وَاسْتِحْبَابِ الْقَصْدِ فِيهِ، ص: ۶/ ۲۰۱

اس دور میں خواتین کو ریاستی معاملات میں اظہار رائے ، اور حکومت کی بہتری کے لیے تنقید کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ مزید بر آں حضرت عمرؓ کا بل واپس لے لینا اور اپنی غلطی کا اعتراف کر لینا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اسلام میں جنسی امتیاز کے لیے کوئی جگہ نہیں اور مرد و زن کو یکساں حقوق حاصل ہیں۔ اگر آج کل کی تکنیکی اصطلاحات میں بات کی جائے تو ہم کہیں گے کہ اس خاتون نے 'آئین کی خلاف ورزی' پر اعتراض کیا تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کا آئین تو قرآن ہے۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام عورت کو قانون سازی میں شرکت کا بھی حق دیتا ہے۔ ثانیاً اس واقعہ سے اسلامی ریاست کے آئینی و قانونی معاملات چلانے کے بارے میں بھی ہدایات ملتی ہیں۔ اسلامی ریاست میں بل پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور پھر ہر رکن پارلیمنٹ اس کے بارے میں اپنی رائے دیتا ہے۔ اگر مخالفت میں دلائل ٹھوس اور مضبوط ہوں تو بل واپس بھی لیا جاتا ہے ورنہ باہمی اتفاق رائے سے وہ بل قانون بنا دیا جاتا ہے۔

**انتظامی و دفاعی ذمہ داریوں اور سفارتی مناصب پر فائز ہونا**

مسلم معاشرے میں خواتین کو صرف حق رائے دہی ہی حاصل نہیں تھا، بلکہ وہ مختلف انتظامی ذمہ داریوں پر بھی فائز رہیں۔ مثلاً حضرت عمرؓ نے شفا بنت عبداللہ عدویہؓ کو بازار کا نگران مقرر کیا تھا۔ وہ قضاء الحسبہ (Accountability Court) اور قضاء سوق (Market Administration) کی ذمہ دار تھیں۔ شفاءؓ بڑی سمجھ دار اور باصلاحیت خاتون تھیں۔ حضرت عمرؓ ان کی رائے کو مقدم رکھتے تھے اور پسند فرمایا کرتے تھے اور دوسروں پر فضیلت دیتے تھے۔[۱]

حضرت سمراء بنت نہیک اسدیہؓ نے حضور ﷺ کا زمانہ مبارک پایا تھا اور کافی عمر رسیدہ تھیں۔ وہ جب بازار میں سے گزرتیں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی تھیں۔ اُن کے پاس ایک کوڑا تھا جس سے ان لوگوں کو مارتی تھیں جو کسی برے کام میں مشغول ہوتے۔[۲]

ریاستی معاملات میں عورت کے کردار پر اسلام کے اعتماد کا نتیجہ تھا کہ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے دور خلافت میں ۲۸ھ میں حضرت اُم کلثومؓ بنت علی کو ملکہ رُوم کے دربار میں سفارتی مشن پر بھیجا۔

---

۱- المحلی، ابو محمد قرطبی، ص:۹/ ۴۲۹

۲- استیعاب فی معرفۃ الاصحاب، یوسف عبد اللہ محمد عبد البر ابو عمر، دار الجیل، بیروت، ۱۴۱۲ھ، ص:۴/ ۳۳۵

((وبَعَثَتْ أُمُّ كُلْثُومٍ بِنْتُ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ إِلَى مَلِكَةِ الرُّومِ بِطِيبٍ،وَمَشَارِبَ وَأَحْفَاشٍ،مِنْ أَحْفَاشِ النِّسَاءِ،وَدَسَّتْهُ إِلَى الْبَرِيدِ،فَأَبْلَغَهُ لَهَا وَأَخَذَ مِنْهُ،وَجَاءَتِ امْرَأَةُ هِرَقْلَ، وَجَمَعَتْ نِسَاءَهَا، وَقَالَتْ:هَذِهِ هَدِيَّةُ امْرَأَةِ مَلِكِ الْعَرَبِ،وَبِنْتِ نَبِيِّهِمْ )) [۱]

ترجمہ: حضرت ام کلثوم بنت علی ابو طالبؓ کو روم کی ملکہ کی طرف خوشبو، مشروبات اور عورتوں کے سامان رکھنے کے صندو قچے دے کر بھیجا گیا۔۔۔ آپ کے استقبال کے لیے ہرقل کی زوجہ آئی اور اس نے (رُوم کی) خواتین کو جمع کیا اور کہا! یہ تحفے عرب کے بادشاہ کی بیوی اور ان کے نبی کی بیٹی لے کر آئی ہیں۔ اس طرح آپ نے سفارتی مناصب پر عورتوں کی تقرری کی نظیر قائم فرمائی۔

اگرچہ اسلام نے ریاست کے دفاع کی ذمہ داری عورتوں کے کاندھوں پر نہیں ڈالی۔ مگر ضرورت پڑنے پر مسلمان خواتین دین اللہ کی حفاظت کے لیے مردوں کے ساتھ میدان جنگ میں کافروں کو نامراد کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔ مدافعت کے لیے مرد ناکافی ہوں، یا عورتوں پر حملہ ہو جائے تو شمشیر بکف ہو کر مقابلہ کرنا مستورات پر شرعاً واجب ہے۔ [۲]

حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارک میں عورتیں جہاد میں بھی حصہ لیتی تھیں۔ عورتوں کی یہ حیثیت اسلامی معاشرے میں ان کے فعال کردار اور نمایاں مقام کا مظہر ہے

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ بنت ملحانؓ کے گھر جلوہ افروز ہوئے، تو ٹیک لگائی اور سو گئے، پھر ہنسے تو انہوں نے دریافت کیا! یارسول اللہ! آپ کو کس چیز نے ہنسایا ہے؟ فرمایا، میری امت کے کچھ افراد راہ خدا میں سرسبز سمندر پر سواری کر رہے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ اپنے تختوں پر بیٹھتے ہیں۔ عرض گزار ہوئیں! یارسول اللہ! دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں شمار فرمالے۔ آپ ﷺ نے دعا کی! اے اللہ! اسے ان میں شامل فرمالے۔ آپ ﷺ پھر سو گئے اور پھر ہنسے اور پھر اسی طرح پوچھا گیا، تو آپ ﷺ نے پہلے کی طرح جواب دیا۔ انہوں نے التجا کی کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے، مجھے اس گروہ میں شامل فرمالے۔ فرمایا تمہارا شمار پہلے گروہ میں ہے نہ کہ دوسرے میں، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد انہوں نے حضرت عبادہ بن صامت سے نکاح کر لیا۔ پھر یہ

---

۱- تاریخ الامم والملوک، محمد بن جریر الطبری ابو جعفر، بیت الافکار الدولیہ، (س۔ن)، بیروت، ص: ۲/ ۲۰۱

۲- اسلام کا سیاسی نظام، مفتی محمد سراج الدین، ایفاء پبلشنرز، نئی دہلی، ۲۰۱۴ء، ص: ۲۹۴

(حضرت معاویہ کی بیوی) بنت قرظہ کے ہمراہ بحری سفر پر نکلیں، جب واپس لوٹیں تو اپنے جانور پر سوار ہونے لگیں، لیکن اس سے گر پڑیں اور جاں بحق ہو گئیں۔[1]

حضرت انسؓ فرماتے ہیں

((لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ، انْهَزَمَ النَّاسُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: وَلَقَدْ رَأَيْتُ عَائِشَةَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ، وَأُمَّ سُلَيْمٍ وَإِنَّهُمَا لَمُشَمِّرَتَانِ، أَرَى خَدَمَ سُوقِهِمَا تَنْقُزَانِ القِرَبَ، وَقَالَ غَيْرُهُ: تَنْقُلاَنِ القِرَبَ عَلَى مُتُونِهِمَا، ثُمَّ تُفْرِغَانِهِ فِي أَفْوَاهِ القَوْمِ، ثُمَّ تَرْجِعَانِ فَتَمْلَآَنِهَا، ثُمَّ تَجِيئَانِ فَتُفْرِغَانِهَا فِي أَفْوَاهِ القَوْمِ))[2]

ترجمہ: جب جنگ احد میں لوگ حضور نبی اکرم ﷺ سے دور ہو گئے، تو میں نے حضرت عائشہؓ بنت ابو بکر اور حضرت اُم سلیمؓ کو دیکھا کہ دونوں نے اپنے دامن سمیٹے ہوئی ہیں اور میں ان کے پیروں کی پازیب دیکھ رہا تھا، دونوں اپنی پیٹھ پر پانی کی مشکیں لاتیں، اور پیاسے مسلمانوں کو پانی پلاتیں۔

اسی طرح ثعلبہؓ بن ابو مالک روایت کرتے ہیں کہ

((إِنَّ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَسَمَ مُرُوطًا بَيْنَ نِسَاءٍ مِنْ نِسَاءِ المَدِينَةِ، فَبَقِيَ مِرْطٌ جَيِّدٌ، فَقَالَ لَهُ بَعْضُ مَنْ عِنْدَهُ: يَا أَمِيرَ المُؤْمِنِينَ، أَعْطِ هَذَا ابْنَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي عِنْدَكَ، يُرِيدُونَ أُمَّ كُلْثُومٍ بِنْتَ عَلِيٍّ، فَقَالَ عُمَرُ: أُمُّ سَلِيطٍ أَحَقُّ، وَأُمُّ سَلِيطٍ مِنْ نِسَاءِ الأَنْصَارِ، مِمَّنْ بَايَعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُمَرُ: فَإِنَّهَا كَانَتْ تَزْفِرُ لَنَا القِرَبَ يَوْمَ أُحُدٍ)) [3]

ترجمہ: حضرت عمرؓ بن خطاب نے مدینہ منورہ کی مستورات میں کچھ چادریں تقسیم کی تھیں۔ ایک عمدہ چادر باقی بچی رہی۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا، اے امیر المؤمنین! یہ رسول ﷺ کی اس صاحبزادی کو دے دیجیے، جو آپؓ کے حرم میں ہے۔ ان کی مراد اُم کلثوم بنت علیؓ سے تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اُم سلیط زیادہ حق دار ہیں، اور اُم سلیط انصار کی ان عورتوں میں سے ہیں، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ اور یہ اس لیے بھی زیادہ حقدار ہیں کہ جنگ اُحد میں ہمارے لیے مشک بھر بھر کر لاتی تھیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ

---

[1] - صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ الجِهَادِ وَالسِّيَرِ، بَابُ غَزْوِالمَرْأَةِ فِي البَحْرِ، حدیث: ۲۷۲۲، ص: ۳/ ۱۰۵۵

[2] - صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ الجِهَادِ وَالسِّيَرِ، بَابُ غَزْوِ النِّسَاءِ وَقِتَالِهِنَّ مَعَ الرِّجَالِ، حدیث: ۲۸۸۰، ص: ۴/ ۳۳

[3] - صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ الجِهَادِ وَالسِّيَرِ، بَابُ حَمْلِ النِّسَاءِ القِرَبَ إِلَى النَّاسِ فِي الغَزْوِ، حدیث: ۲۸۸۱، ص: ۴/ ۳۳

((كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُو بِأُمِّ سُلَيْمٍ وَنِسْوَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ مَعَهُ إِذَا غَزَا، فَيَسْقِينَ الْمَاءَ، وَيُدَاوِينَ الْجَرْحَى)) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ اُم سلیمؓ اور کچھ انصاری خواتین کے ہمراہ جہاد فرماتے تھے۔ یہ خواتین پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

حضرت اُم عطیہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول ﷺ کے ساتھ سات جہاد کیے۔ میں غازیوں کی منزلوں میں ان کے پیچھے رہتی تھی۔ ان کے لیے کھانا پکاتی تھی، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھی۔ [۲]

حضور اکرم ﷺ کے دور مبارک میں ایسی خواتین کا تذکرہ ملتا ہے، جنہوں نے بے مثال عسکری خدمات انجام دیں۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت نسیبہؓ بنت کعب نے غزوہ اُحد میں شرکت کی، صفیہؓ بنت عبد المطلب نے غزوہ خیبر میں یہودی کو قتل کیا۔ ازرہؓ بنت الحارث نے اہل بیسان کے خلاف لڑائی میں حصّہ لیا۔ اُم عطیہ الانصاریہؓ نے آپ ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی۔ اُم حکیمؓ بنت الحارث روم کے خلاف معرکے میں شریک تھیں۔ یہی نہیں، کتب تاریخ بے شمار دیگر خواتین کے عسکری کردار کا تذکرہ بھی پیش کرتی ہیں۔ [۳]

لیکن چونکہ اسلام نے مرد کو عورت کا محافظ قرار دیا ہے اس لیے جنگی صورتحال میں بھی اُس کے تحفظ کا ذمہ دار مرد ہے۔ صرف اضطراری اور ناگزیر صورتِ حال میں ہی عورت میدانِ جنگ میں خدمات سرانجام دے سکتی ہے۔ عام حالات میں جہاد بالسیف مرد ہی کی ذمہ داری ہے اور یہ ذمہ داری اسی کو ادا کرنی چاہیے۔ اسلام ناگزیر صورتِ حال میں ہی خواتین کو میدانِ جنگ میں آنے کی اجازت دیتا ہے لیکن وہاں بھی حجاب اور دیگر اسلامی اُصولوں اور اخلاقی معیار کی پابندی اور پاسداری کرنا ہوگی۔

## عورت کا حقِ اَمان دہی اور معاشرتی کردار

عورت کے ریاستی کردار کا نمایاں اظہار آپ ﷺ کی طرف سے عطا کردہ حق امان دہی سے بھی ہوتا ہے۔

---

۱- صحیح مسلم، امام مسلم، كِتَابُ الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ، بَابُ غَزْوَةِ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ، حدیث: ۱۸۱۰، ص: ۱۴۴۳/۳

۲- صحیح مسلم، امام مسلم، كِتَابُ الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ، بَابُ النِّسَاءِ الْغَازِيَاتِ يُرْضَخُ لَهُنَّ وَلَا يُسْهَمُ، وَالنَّهْيِ عَنْ قَتْلِ صِبْيَانِ أَهْلِ الْحَرْبِ، حدیث: ۴۷۹۳، ص: ۱۹۹/۵

۳- دلائل النبوۃ، احمد بن الحسین بن علی بن موسی الخسروجردی الخراسانی، ابو بکر البیھقی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۸ھ، ص: ۱۲/۲ ۷

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر ابو العاص بن الربیع کو امان دی۔ جسے آپ ﷺ نے بر قرار رکھا۔[۱]

۲۔ حضرت اُم ہانی بنت ابی طالب نے اپنے دیوروں میں سے دو اشخاص کو امان دی اور رسول اکرم ﷺ نے ان کی امان کو بھی بر قرار رکھتے ہوئے فرمایا

((قَدْ أَمَّنَا مَنْ أَمَّنْتِ ))[۲]

ترجمہ: (اے اُم ہانی!) جسے تم نے امان دی اُسے ہم نے بھی امان دی۔

۳۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

((إِنَّ الْمَرْأَةَ لَتَأْخُذُ لِلْقَوْمِ يَعْنِي تُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ))[۳]

ترجمہ: عورت پوری قوم کے لیے امان دے سکتی ہے، یعنی مسلمانوں کی طرف سے امان دے سکتی ہے۔

۴۔ عورت کی امان کا صحیح ہونا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانہ میں ایک عام بات تھی، یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا

((إِنْ كَانَتِ الْمَرْأَةُ لَتُجِيرُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ فَيَجُوزُ))[۴]

ترجمہ: اگر کوئی عورت (مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف بھی) کسی کو امان دے دے، تو جائز ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ اسلام نے تفصیلاً بیان کرتے ہوئے عورت کے حقوق کو عطا کیے۔ جن میں عورت کے انفرادی حقوق میں کفالت کا حق، عصمت و عفت، عزت اور رازداری کا، تعلیم و تربیت، حرمت نکاح، مہر، خیار بلوغ کے حقوق عطاء کیے اور عورت کو اس کی ہر حیثیت یعنی ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کے الگ الگ حقوق بیان کیے ہیں۔ میراث اور معاش میں اس کا حصہ بیان کیا اور مرد کو عورت کا ذمہ دار بناتے ہوئے اس کے حقوق کا تحفظ یقینی بنایا ہے۔ اسلام نے تمام شعبوں میں عورت کی جنس کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس پر ذمہ داریاں عائد کیں اور سماجی حیثیت واضح کرتے ہوئے بحیثیت انسان عورت کو وہ تمام حقوق مہیا کیے جو معاشرے میں ایک مرد کو حاصل ہوتے ہیں اور قانون اور سماج میں اس کا رُتبہ برابر رکھا ہے۔

---

۱۔ سیرۃ النبویہ، ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک حمیری، دار الجیل، بیروت، ۱۴۱۱ھ، ص:۱/۶۵۷

۲۔ سنن ترمذی، امام ترمذی، أَبْوَابُ السِّيَرِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي أَمَانِ العَبْدِ وَالمَرْأَةِ، حدیث: ۱۵۷۹، ص:۳/۱۹۴

۳۔ سنن ترمذی، امام ترمذی، أَبْوَابُ السِّيَرِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،بَابُ مَا جَاءَ فِي أَمَانِ العَبْدِ وَالمَرْأَةِ، حدیث: ۱۵۷۹، ص:۴/۱۴۱

۴۔ سنن ابو داؤد، امام ابو داؤد، كِتَاب الْجِهَادِ، بَابٌ فِي أَمَانِ الْمَرْأَةِ، حدیث: ۲۷۶۴، ص:۳/۸۴

# باب سوم: مغرب میں حقوقِ نسواں (بنیادی تصورات)

فصل اول: مغرب میں خاندانی نظام

فصل دوم: مغرب میں عورت کی حیثیت

فصل سوم: مغرب میں عورت کی آزادی اور مساوات

# فصل اول: مغرب میں خاندانی نظام

## مبحث اوّل: خاندان کا مفہوم

## مبحث دوم: مغرب کا خاندانی نظام

# مبحث اول: خاندان کا مفہوم

انسان فطری طور پر معاشرت پسند ہے، اسی فطری تقاضے اور خارجی ماحول کی ضرورت کے پیش نظر اجتماعیت اختیار کرنا ایک ناگزیر امر ہے۔ انسانی کی اس اجتماعیت کی ابتداء خاندانی تنظیم سے ہوتی ہے اور خاندان کی ابتداء مرد اور عورت کے باہمی تعلق سے ہوتی ہے۔ اسی بنیادی تعلق کی بدولت حیات انسانی کا یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہے، بچے جوان ہوتے ہیں، تو پھر ازدواجی رشتے بنتے ہیں اور اس طرح کُنبے اور قبیلے وجود میں آتے ہیں۔ خون کے رشتے پھیلتے ہیں اور یہ وحدت پھیل کر معاشرہ بن جاتا ہے۔ انسان کی ارتقائی کڑیاں یونہی سنورتی چلی جاتی ہیں۔ غرض یہ کہ خاندان کی سادہ اور ابتدائی صورت مرد وعورت کا مستحکم تعلق ہے اور وسیع تربیت میں وہ تمام عناصر ہیں جو مرد وعورت کے ساتھ کسی نہ کسی طرح وابستہ ہیں۔ اس سے پہلے کہ خاندان سے متعلق تفصیل سے بحث کی جائے، لغت کے اعتبار سے خاندان کے مفہوم کی وضاحت ضروری ہے۔

## خاندان کا مفہوم

خاندان اردو زبان کا لفظ ہے، جسے عربی میں "الاسرۃ، عائلہ" اور فارسی زبان میں "خانوادہ" کہا جاتا جو عرف عام میں کُنبہ، قبیلہ، برادری کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

"الاسرۃ" خاندان کے لیے مستعمل عربی لفظ ہے، جس کا مادہ "اس ر" ہے اور اگر ان حروف کو ملا کر ایک لفظ کی شکل دی جائے تو "اسر" بنتا ہے۔ جو کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ البتہ "اسرۃ" خاندان کو کہا جاتا ہے۔

لسان العرب کے مصنف ابن منظور "الُاسرۃ" کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

" عَشِيرَةُ الرَّجُلِ وأَهل بَيْتِهِ "[1]

ترجمہ: کسی آدمی کے رشتہ دار اور اس کے گھر والے

اسر مختلف حرکات کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ گویا یہ مختلف حرکات کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، جیسے اَسَرَ، اُسِرَ، اسر، یا اسے لمبا کر کے اور کھینچ کر پڑھا جاتا ہے۔ جیسے اسیرا، اسار، اسیرۃ یہ **"الحبس ولامساک"** یعنی یہ گرفتار کرنے یا قید کرنے کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔[2]

الاسرۃ کا مترادف العائلہ کا لفظ آیا ہے۔ العائلہ اسم فاعل بمعنی مفعول ہے اور عائلہ عربی میں کہا جاتا ہے، جس کے معنی ہیں خاندان، کُنبہ، گروہ۔[1]

---

۱۔ لسان العرب، ابن منظور انصاری، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۸ء، ص: ۴/ ۲۰

۲۔ موسوعۃ الاسرۃ، عبدالمحسن الخرافی، الجنۃ لاستشاریۃ العلیا، کویت، ۱۴۲۴ھ، ص: ۷۰

الاسر سختی، مضبوطی اور پختگی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور ڈھال کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

جیسا کہ القاموس المحیط میں ہے۔

"والأُسْرَةُ، بالضم: الدِّرْعُ الحَصِينَةُ"[۲]

ترجمہ: کُنبہ قلعہ بند ڈھال کی طرح ہے

قرآن مجید میں ہے

﴿نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ﴾[۳]

ترجمہ: ہم نے ان کو پیدا کیا اور ان کے مفاصل کو مضبوط بنایا۔

**"ای رکبنااعضاء هم و احکمنا خلقها وتر کیبها بحیث یشد بعضها بعض و یقوی بعضها بعضا"**[٤]

ترجمہ: ہم نے اس کے اعضا کو مرتب کیا اور اس کی تخلیق کو مضبوط کیا اور بعض کو بعض سے طاقت دی۔

مذکورہ بالا عبارت کا مقصود یہ ہے کہ الاسر اپنے مادے اور اپنی اصل کے لحاظ سے مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے خاندان، قیدی، کسی چیز کو پوشیدہ رکھنا، مضبوطی اور پختگی، ترتیب و تنظیم وغیرہ۔ مذکورہ تمام معانی میں سے ہمارا مقصود "خاندان" ہے جس کے لیے "الاسرۃ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس کے لیے مختلف الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں جن کا ذکر مذکور بالا میں اختصار کے ساتھ ہو چکا ہے۔

انگریزی میں خاندان کے لیے "Family" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جس کا تعریف یہ ہے۔

"A family is a domestic or social group"[5]

خاندان ایک گھریلو سماجی گروہ کا نام ہے۔

---

۱- اُردو لغت: تاریخی اصول پر، ترقی اردو بورڈ، کراچی، ۲۰۰۶، ص:۱۳/۲۹۸

۲- قاموس المحیط، امجد الدین فیروز آبادی، باب الراء، فَصْل الهَمْزة، ص:۱/۳۴۳

۳- سورۃ الدھر:۷٦/۲۸

۴- موسوعۃ الاسرہ، ابی القاسم سلیمان بن احمد، الطبرانی، وزارۃ اوقاف، عراق، ۱۴۰۰ھ، ص:۲/۸۰

5- *A Dictionary of Sociology*, "Family., n, Oxford University Press 1998

خاندان (Family) لاطینی زبان کے لفظ "Familia" سے سے نکلا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ افراد کا تعلق درج ذیل بنیادوں پر ہو: شادی یا دوسرے کسی رشتہ کی صورت میں، مشترک رہائش کی صورت میں، مشترک گھر، مشترک جائیداد، گھر کے افراد بشمول رشتہ دار اور خادم سب خاندان میں شامل ہیں۔ قریبی خاندان (Immediate Family) میں میاں بیوی، والدین، بھائی، بہنیں، بیٹے اور بیٹیاں شامل ہیں۔ اور وسیع خاندان (Extended Family) میں اجداد، خالہ، پھوپھی، چچا، ماموں، چچازاد، ماموں زاد، بھانجا بھانجی، بھتیجا بھتیجی اور دوسرے سسرالی رشتہ دار شامل ہیں۔

انگریزی لغت میں خاندان کی تعریفات یوں ہیں

"Family: (Noun) The basic unit in society traditionally consisting of two parents rearing their children. A group of individuals living under one roof and usually under one head. A group of persons of common ancestry"[1]

ترجمہ: خاندان (اسم) معاشرے میں بنیادی اکائی ہے، عمومی طور پر والدین جو اپنے بچوں کو پالتے پوستے ہوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ کسی ایک کی سرپرستی میں ایک چھت کے نیچے رہنے والے افراد۔ افراد کا گروہ جن کے آباواجداد ایک ہوں۔

لُغوی مفہوم متعین کرنے کے بعد، اب ہم "اسرة" کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ "موسوعة الفقھیہ" میں اسرۃ کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

**"أسرة الإنسان: عشيرته ورهطه الأدنون، مأخوذ من الأسر، وهو القوّة ، سمّوا بذلك لأنه يتقوّى بهم ، والأسرة : عشيرة الرجل وأهل بيته"**[۲]

ترجمہ: انسانی خاندان، اس کی آل اولاد اور باپ کی طرف سے قریبی رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے۔ اور اسرۃ "اسر" سے ماخوذ ہے اور 'اَسر' قوت کو کہا جاتا ہے۔ اس کا یہ نام اس لیے پڑا کہ انسان اپنی آل

---

1- Webster's Third New International Dictionary of English Language, "Family, n.," (New York: The World Publishing Company, 1993), 490.

۲- موسوعۃ الفقھیۃ، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیۃ، کویت، ۱۴۱۸ھ، ص: ۴/ ۲۲۳؛ تاج العروس، محمد مرتضی الزبیدی، دار الفکر بیروت، ۱۹۹۴ء، ص: ۳/ ۱۳

اولاد کے ذریعے سے قوت محسوس کرتا ہے اور آدمی کے اپنے گھر والوں کی گزر بسر کے انتظام کو "اسرہ" کہتے ہیں۔

علم الحیاتیات (Biology) میں خاندان (Family) کی تعریف یوں ہے۔

"خاندان ایک جیسے نسبی مادوں کا مجموعہ ہے۔ جو اپنے اصل نسبی مادہ کے مشابہ ہوتا ہے جس میں عام طور پر ایک جیسے کیمیائی افعال ہوتے ہیں"۔ [(۱)]

سوشل سائنسز ڈکشنری کے مطابق خاندان سے مراد ہے

"انسانی خاندان ایک ایسا سماجی ادارہ ہے جو کم از کم دو بالغ افراد سے تشکیل پاتا ہے۔ (جن کا آپس میں خونی رشتہ نہ ہو اور دونوں مخالف صنف سے تعلق رکھتے ہوں، وہ آپس میں شادی کریں) یہ کم از کم دو بالغ افراد اور بچوں پر مشتمل ہوتا ہے"۔ [(۲)]

پس ثابت ہوتا ہے کہ خاندان کا مفہوم عربی، اُردو، انگریزی، علم الحیاتیات، سوشل سائنسز میں ایک ہی ہے یعنی جس میں ماں باپ، اولاد شامل ہوں، جن کا نسب ایک ہو، جو آپس میں قریبی رشتہ دار (Immediate Relatives) ہوں خاندان کہلاتا ہے۔

## خاندان کا ارتقاء و استحکام

ایک مستحکم خاندان کی بنیاد مرد اور عورت کے باہمی تعلق کی نوعیت ہے۔ اس سے بچہ سکون محسوس کرتا ہے، جو ماں کی گود میں اور بہن بھائیوں میں کھانے اور کھیلنے میں محسوس کرتا ہے۔ بچے کے لیے اور آخری سہارا ماں باپ ہوتے ہیں تاکہ وہ بڑا ہو کر آزاد اور خود مختار ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ بوڑھے والدین اور چھوٹے بہن بھائیوں کا سہارا بن جاتا ہے۔

خاندان بھی دوسرے معاشرتی اداروں کی طرح ترکیبی و انتظامی تبدیلیوں سے دوچار ہوتا رہا ہے۔ اس کے ارتقاء میں استحکام کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ مختلف مراحل پر خاندان کے استحکام اور عدم استحکام ہی سے اس کا

---

[1] – Oxford Dictionary of Biology, "Family", (England: Oxford University Press, 1996), 118

[2] – *Dictionary of Social Sciences*, "Family", (England Oxford University Press, 2000), 257

تعین ہوتا رہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خاندان کا آغاز وارتقاء ایک ایسا مسلسل عمل ہے۔ جس میں ہر فرد دوسرے کا سہارا ہوتا ہے۔[1]

انسان نے بالکل آغاز ہی میں محسوس کر لیا تھا کہ اس کی زندگی کا انحصار خاندان پر ہے۔ تمدن کے ابتدائی درجے سے لے کر دور حاضر تک خاندان کی بنیادی حیثیت تبدیل نہیں ہوئی۔ علمائے معاشرت کا کہنا ہے کہ اچھے معاشرے کا دارومدار مستحکم خاندان پر ہے۔

تاریخ انسانی پر نظر رکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ تہذیبوں اور تمدنوں کے زوال کا باعث خاندان کا انتشار ہے۔ رُومی تہذیب اسی کے سبب زوال کا شکار ہوئی اور دور حاضر کے متمدن اور مہذب معاشرے بھی اسی کے انتشار کا شکار ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خاندان ایسا ادارہ ہے جو انسانی روّیے اور طرز عمل کی تشکیل کرتا ہے۔ اس کے ذریعے معاشرتی تربیت ہوتی ہے۔

مولانا صدر الدین لکھتے ہیں کہ

> "انسانی تمدن کی جو بنیاد ایک مرد اور عورت کی باہمی رفاقت سے وجود میں آتی ہے۔ انہی دو انسانوں سے مل کر بننے والا چھوٹا سا کُنبہ انسان کی تمدنی زندگی کی سب سے پہلی کڑی ہے۔ اس کُنبہ کو انسان کی عائلی زندگی اور اس کے لیے جو ضابطے استعمال ہوتے ہیں، انہیں عائلی نظام کہتے ہیں"[2]

خاندان ہی وہ ادارہ ہے جو فرد کو اپنے فرائض کا احساس دلاتا ہے اور اسے فرق مراتب کا شعور بخشتا ہے۔ اگر خاندان کا استحکام ختم ہو جائے تو انسانی طرز عمل، معاشرتی فرائض کا شعور اور افراد معاشرہ کے مراتب کا تعین سب کچھ ختم ہو جائے۔ ان قدروں کا فقدان، معاشرتی بحران پر منتج ہوتا ہے جسے قومی ہلاکت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

امریکی محققین خاندانی انتشار کے اس پہلو سے سخت پریشان ہیں اور اپنی تحریروں میں جابجا اس ہلاکت خیز رجحان کا ذکر کرتے ہیں ۔ ان کے خیال میں موجودہ معاشرہ زوال پذیر ہے کیونکہ اس کا خاندانی نظم منتشر ہو رہا ہے۔ عصر حاضر میں خاندان کا ادارہ جس انتشار کا شکار ہے اس کا اندازہ ان روّیوں سے لگایا جا سکتا ہے جو جدید انسان اختیار کر رہا ہے۔

---

1- Purnell Handy Benson, *Religion in Contemporary Cultures: A study of Religion Social Science* (New York: Happer Brother Publisher, n.d), 777.

۲ - اسلام ایک نظر میں، صدر الدین اصلاحی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص: ۶۳

"دور حاضر میں عمرانیات (Sociology) اور بشریات (Anthropology) کے نام سے جو علوم متعارف ہوئے ہیں، اِن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خاندان کی تعریف سے لے کر اس کے فرائض تک میں ایک تبدیلی آئی"۔[۱]

جارج پیٹر مُرڈاک (George Peter Murdock)[۲] نے اپنی کتاب "Social Structure" (معاشرتی ڈھانچہ) میں خاندان کے ادارے کا مطالعہ کرتے ہوئے دو سو پچاس معاشروں کے نمونوں کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ خاندان کا ادارہ کسی نہ کسی صورت میں انسانی معاشروں میں موجود رہا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

"The Family is social group characterized by common residence. Economic cooperation and reproduction .It includes adults of both sexes. At least two of whom maintain a socially approved sexual relationship and one or more own or adopted children, of sexually cohabiting adults"[3]

ترجمہ: خاندان معاشرتی گروہ ہے جس میں مشترکہ سکونت، معاشی تعاون اور تولید کی خصوصیات ہوں۔ اس میں دو مختلف جنس ہوں جن میں معاشرے کے منظور کردہ طریقے کے مطابق باہم جنسی تعلقات قائم ہوں اور ایک یا ایک سے زائد بچے جو اُن کے اپنے یا گود لیے گئے ہوں اور وہ اکٹھے رہتے ہوں۔

کارل مارکس (Karl Marx)[۴] نے خاندان کے ادارہ کو استحصال کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ وہ معاشرتی تنظیم کے لیے سامراجی معاشرہ (Feudal Society) غلام سماج (Slave Society) اور سرمایہ دار معاشرہ

---

1-Bell and Hayman, *Sociology: Themes and Perspectives,* (London: Bell and Hyman Ltd, 1995), 326.

۲-جارج پیٹر مُرڈاک (George Peter Murdock) (۱۸۹۷-۱۹۸۵) امریکی ماہر نفسیات، اخلاقیاتی مطالعہ میں تجرباتی نقطہ نظر اور مختلف ثقافتوں کے درمیان خاندان اور ملکیت کے ڈھانچے کے مطالعہ میں اسے یاد کیا جاتا ہے.

3- Murdock George, *Social Strucutre,* (New York: The Macmillan, 1949), 8.

۴-کارل مارکس (Karl Marx) (۱۸۱۸-۱۸۸۳) مشہور جرمن فلاسفر، ماہر اقتصادیات، مؤرخ، ماہر سماجیات و سیاسی نظریات، صحافی اور سماجی انقلابی رہنما تھا۔

(Capitalist Society) کی اصطلاحیں استعمال کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بچے کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ کس طرح "اطاعت" کرنی ہے، یہ نہیں سکھایا جاتا کہ کس طرح 'جینا' ہے۔ اصل روّیہ تو آزادی کا روّیہ ہے۔ [۱]

## خاندان کے عناصر ترکیبی

خاندان کے اجزائے ترکیبی میں مرد و عورت اولاد، والدین اور دیگر رشتہ دار ہیں۔ اس سے متعلق امور میں عورت کی حثییت، نکاح و طلاق، تربیت اولاد، حقوق والدین، صلہ رحمی اور خاندان کی ہم آہنگی زیر بحث آتے ہیں۔

## خاندان میں عورت کی حثییت

عورت خاندانی نظام کی وہ اکائی ہے جس کے بغیر خاندان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ خاندان شادی سے معرض وجود میں آتا ہے اور عورت کو اس میں مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ عورت گھر کے اندرونی معاملات کی ناظم ہوتی ہے۔ عورت کی حیثیت، اس کا کردار و عمل اور اس کی حیات بخش صلاحیتیں معاشرے کے عروج و زوال کا سامان ہیں۔ عورت خواہ کسی معاشرے کی ہے وہ شوہر کو سکون، اولاد کو شفقت اور محبت سے پروان چڑھاتی ہے اور ان کی تربیت کرکے معاشرے میں انہیں جینے کا گُر سکھاتی ہے۔ خاندان کے لیے عورت اپنا آپ تک قربان کر دیتی ہے۔ ایک تحقیقی جریدے نے عورت کے بارے میں رپورٹ پیش کی کہ

> "شادی شدہ عورتیں اپنے گھریلو فرائض سر انجام دینے کے لیے ملازمتوں کی قربانی دیتی ہیں، وہ استعفیٰ دے کر ایک گھریلو خاتون بن کر رہتی ہیں۔ یہ افسوس ناک ہے کہ کیوں کہ اس سے اُن کی صلاحیتیں ہمیشہ کے لیے دفن ہو جاتی ہیں۔ ممتاز اور ناقابل شکست خواتین کو چاہیے کہ وہ مقابلہ کریں اور دونوں کردار ادا کریں۔ تاہم شوہر اور بیوی کے درمیان تفہیم ہونا ضروری ہے انہیں اپنے خاندان اور ایک دوسرے کو مکمل کرنا ہوگا"۔ [۲]

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت بلا تفریق معاشرہ قربانی کا دوسرا نام ہے، وہ اپنے گھر اور افراد کنبہ کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیتی ہے۔ اس کی اہمیت گھر میں اس طرح ہے جس طرح خلیے میں مرکزے کی حیثیت ہوتی ہے۔ اس کے بغیر خاندان جیسے ادارے کا وجود ممکن ہی نہیں ہے۔ گھر کے اندر کی زندگی میں عورت کو فوقیت حاصل

---

1- Mark Harris, *The Origin of Family: Private Property and the State,* (London: Hottingen Zurich, n.d), 154

2 - Niniek Fariati Lantara, "The Roles of Woman as Leader and Housewife", *Journal of Defense Management,* Volume 5. 2015.

ہے کیونکہ اس کے ذمہ نئی نسل کی پرورش ہوتی ہے اور اس نئی نسل کی صحیح پرورش وپرداخت پر قوم کے مستقبل کا دارمدار ہوتا ہے اس لیے عورت کا شرف و امتیاز اس کی ماں ہونے کی وجہ سے ہے۔ ایک عورت اپنا کردار خاندان کے درج ذیل شعبوں میں ادا کرتی ہے۔

**تربیت اولاد**

خاندان میں مردوعورت کے تعلق کے بعد سب سے اہم بچوں کی تربیت ہے اس لیے ان کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ ہر خاندان اولاد کی افزائش کے سبب معزز سمجھا جاتا تھا۔ گو بعض معاشروں میں بچیوں کو ناپسند کیا جاتا تھااور عرب کے چند جاہل قبائل لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ لیکن اسلام نے بچوں اور بچیوں کی تربیت کو عبادت اور احسان سے تعبیر کیا۔

بچیوں کی تربیت کرنے کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے

((مَنْ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنْ الْبَنَاتِ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ, كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنْ النَّارِ)) [1]

ترجمہ:جو شخص بیٹیوں کی پرورش سے آزمایا گیا اور اس نے اس پر صبر کیا تو وہ (بیٹیاں) اس کے اور آگ کے درمیان ڈھال بن جائیں گی۔

اسلام میں بیٹیوں کی پرورش کرنے والے کو اجر و ثواب کا مستحق قرار دیا گیاہے۔ تربیت اولاد کی نوعیت بھی معاشرتی ارتقاء کے ساتھ بدلتی رہی۔ اولاد کی تربیت میں زرعی تعلیم، پیشہ ورانہ ہُنرمندی، فوجی تربیت اور مذہبی تعلیم شامل رہی ہے۔ معاشرتی اطوار کی وسعت کے ساتھ تربیت اولاد کے گوشے بھی بدلتے گئے۔ تاہم ہر معاشرہ اپنے مخصوص اخلاقی اُصولوں کو تربیت کیلیے ضروری قرار دیتا تھا۔ دورِ حاضر کی صنعتی معاشرت کی بدولت زندگی زیادہ پیچیدہ اور وسیع ہوگئی ہے۔

کوئی بھی معاشرہ ہو، عورت کا بنیادی کردار گھر بار سنبھالنا اور اولاد کی پرورش کرنا ہی رہا ہے اور فطری طور پر بھی عورت کا سماجی کردار اس کے گھر سے متعلق ہے۔ حال ہی میں عورت کے سماجی کردار پر ایک تحقیقی رپورٹ نے بھی یہ ثابت کیا ہے کہ ایک عورت کے لیے قابل ترجیح کون سا سماجی کردار ہے۔

"اُمویت سے متعلق سماجی کردار وقت، ثقافت اور سماجی طبقوں کے مطابق سے تبدیل ہوتے رہے۔ تاریخی طور پر ماں کا کردار کسی حد تک بیوی اور ماں تک محدود تھا، عورتیں انہی کرداروں میں اپنی

[1]۔ سنن ترمذی، امام ترمذی، أَبْوَابُ البِرِّ وَالصِّلَةِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّفَقَةِ عَلَى البَنَاتِ وَالأَخَوَاتِ، حدیث:۱۹۱۳، ص:۴/۳۱۹

زیادہ تر توانائیاں وقف کرنے کی توقع رکھتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ وقت اپنے گھر کی دیکھ بھال میں صرف کرنا چاہتی ہیں" (۱)

کیوں کہ فطری طور پر عورت کو اولاد کی تربیت، گھریلو امور کی منتظم، منصوبہ بندی، صلاح کاری اور مشاورت اور سرگرمیوں کا ناظم ہونا پسند ہے اس لیے قدرت نے اسے ذمہ داری بھی گھر کی ریاست کی عطاء کی ہے۔ تمام مذاہب میں عورت کا بنیادی کردار گھر کی ریاست کے اندر ہی ملتا ہے۔

## نگہداشت خاندان

بزرگوں کی نگہداشت اور ان کا مرتبہ بھی خاندان کا لازمی عنصر ہے۔ بوڑھے والدین خاندان کی تنظیمی بنیاد ہیں۔ چونکہ والدین اپنی زندگی کا بہترین حصّہ اولاد کی خدمت میں صرف کرتے ہیں اس لیے وہ بجا طور پر اس کے مستحق سمجھے جاتے کہ نوجوان اولاد ان کے بڑھاپے کا سہارا بنے۔ ابتدائی معاشروں میں والدین خاندان کا لازمی جُزّ تھے اور اولاد کیلیے ضروری تھا کہ والدین کی خدمت کریں۔ دور حاضر میں خاندانی نظم کمزور ہونے، ہر فرد کے آزاد ہونے اور معاشی اعتبار سے خود مختار بن جانے کی وجہ سے ان کی نگہداشت کا اندازہ کچھ بدل گیا ہے۔ اس دور کی ہلاکت خیزی ہے کہ بوڑھے باپ کانپتے ہاتھوں اور لڑکھڑاتی ٹانگوں سے ضروریات زندگی فراہم کر رہے ہیں اور بیٹے جوانی کی صحت مندی پہ نازاں علیحدہ بیٹھے ہیں۔ اسلام نے تربیت اولاد اور نگہداشت بزرگان کا جامع عملی منصوبہ دیا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾ (۲)

ترجمہ: اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سواء کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی (کرتے رہو)۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہنا اور نہ ہی انہیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا۔

بچے کی پرورش کی ذمہ داری کا صرف یہ مطلب نہیں کہ ماں باپ اس کی جسمانی پرورش و نمو کا سامان میسر کریں بلکہ اس کی جسمانی نشو و نما کے ساتھ ساتھ اس کے ذہن، اخلاق و کردار اور اس کی تعلیم و تادیب کا بھی مناسب

---

1- Terry Arendell, "Conceiving and Investigating Motherhood: The Decade's Scholarship", *Journal of Marriage and Family*, 20 May 2005, 62

۲- سورۃ بنی اسرائیل: ۱۷/ ۲۳

بندوبست کرنا ہوتا ہے۔ بنیادی طور پر یہ ایک عورت کا ہی کردار ہوتا ہے جو گھر میں موجود بڑوں کا ادب، نگہداشت کر کے اپنی اولاد کے لیے مثال بنتی ہے اور معاشرے میں بزرگوں کے ادب واحترام کی تربیت دیتی ہے۔

## خاندانی ہم آہنگی

ایک اچھے خاندان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے تمام فرائض ادا کرے اور اس کے عناصر ترکیبی مکمل ہوں۔ خاندانی ہم آہنگی کے معنی ہی یہ ہیں کہ مرد وعورت کے تعلق مستحکم ہوں۔ سربراہ خاندان اس طرح کا ہو کہ اس کا ہر فرد، خواہ وہ زرعی معاشرے کا ہو یا صنعتی کا، اس کے فیصلوں کا پابند ہو۔ معاشرتی استحکام کی بنیاد خاندانی ہم آہنگی ہے۔ جس معاشرے کے خاندانی نظام میں بگاڑ پیدا ہو جائے، بچے خاندان کا لازمی جُزو نہ ہوں اور بزرگوں کا احترام نہ ہو، وہ معاشرہ جنسی بے راہ روی اور مجرمانہ تغافل کا شکار، شفقت ورحم سے عاری اور انسانی ہمدردی سے خالی ہو جاتا ہے۔ علمائے معاشرہ کے مطابق خاندانی ہم آہنگی فرد کے جذباتی تحفظ کا باعث بنتی ہے۔ دَور حاضر کے معاشرتی انتشار کا سبب یہی 'خاندانی بد نظمی' ہے۔

خاندانی ہم آہنگی میں یہ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اعتماد اور بھروسے کا رشتہ صرف میاں بیوی کے درمیان ہونا چاہیے۔ دراصل اس رشتے کا والدین اور بچوں کے درمیان ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ ایک دوسرے کے احساسات و جذبات سے آگاہی، ناکامیوں اور تکلیفوں کو مل کر بانٹنے اور خوشیوں میں ایک دوسرے کو شریک کرنے سے ہی خاندان کو ایک وحدت کی حیثیت ملتی ہے جس میں بنیادی کردار ایک عورت کا ہوتا ہے۔ عورت ہی خاندان میں ایک پُل کی حیثیت سے تمام رشتوں کو آپس میں جوڑے رکھتی ہے۔

## خاندان کی اہمیت

خاندان معاشرے کا سب سے اہم اور بنیادی عنصر ہے جو مرد اور عورت کے درمیان رشتہ ازدواج سے وجود میں آتا ہے۔ معاشرے کی ترقی اور نشوونما کا انحصار جہاں خاندان پر ہے، وہاں معاشرے کی تنزلی و انتشار کا انحصار بھی اسی خاندان پر ہے، کیونکہ خاندان ہی معاشرے کی اساسی اکائی کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی سے معاشرے وجود میں آتے ہیں۔ جس قدر خاندان کی اکائی مضبوط اور مستحکم ہو گی، اسی قدر ہی معاشرہ اور ریاست مضبوط اور مستحکم ہوں گے۔ خاندان کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خاندان کی بقاء اور تحفظ کو شریعت کے بنیادی مقاصد میں شمار کیا گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا ایک مکمل شعبہ جو مناکحات یا اسلام کے عائلی نظام سے موسوم ہے، اسی مقصد کے لیے وجود میں لایا گیا ہے۔ قرآن میں ایک تہائی سے زائد احکام، عائلی نظام کو منضبط کرنے کے لیے آئے ہیں۔ خاندان سب سے بڑا معاشرتی ادارہ ہے جو بیک وقت اہم وظائف کی ادائیگی کرتا ہے۔ اس کو بنیادی گروہ کی

حیثیت حاصل ہے کیونکہ خاندان میں افراد مل جل کر رہتے ہیں اور اپنی تمام تر ضروریات کی تسکین پاتے ہیں اور تحفظ وسکون کی زندگی گزارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾ [1]

ترجمہ: لوگو! اللہ سے ڈرو، جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی جان سے اِس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں دُنیا میں پھیلائے۔

تخلیقِ آدم وحوّا کے بعد اَفزائشِ نسلِ اِنسانی کا ذریعہ بنایا گیا۔ وہ زوجین تھے اور اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں ایک ایسا جذبہ رکھا جس سے نسلِ اِنسانی کے فروغ میں آسانی اور اِس کی حفاظت ونگہبانی کا اہتمام ہو۔ پہلے اِنسانِ کی تخلیق کے بعد پیدائش اِنسانی کا جو خاندانی نظام بنایا گیا ہے، وہ کسی طاقت ورعب کے زیر اثر نہیں بلکہ جذباتِ محبت اور سکون قلب کے ساتھ جوڑ کر پُرکشش بنایا گیا تاکہ میاں بیوی، بچے کی پیدائش کے بعد اُس کی پرورش فطری محبت کے ساتھ کریں۔ اِس طرح قیامت تک نسل اِنسانی کی فراوانی بڑی اِحتیاط کے ساتھ ہوتی چلی جائے اور نسلاً بعد نسلٍ پہلے کی جگہ دوسرا لے اور مقصدِ زندگی کو فروغ ملے۔

مردوزن کا تعلق بیان کرتے ہوئے محمد قطب لکھتے ہیں

"جذباتی ٹھہراؤ بھی مردوزن کی ایسی نفسیاتی ضرورت ہے جس کی تلافی جسمانی راحتوں اور اقتصادی آزادی سے نہیں ہو سکتی۔ اس ٹھہراؤ اور سکون کے لیے یقیناً گھر اور خاندان کی ضرورت ہوتی ہے۔ نفسِ انسانی کے اس گہرے اور عمیق فطری جذبے کے جواب میں انسان کے اندر خاندان بنانے کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے اور اس جذبے کے تحت مردوزن باہم مل جل کر محبت واُلفت، سکون واطمینان کے ساتھ رہتے ہیں اور اسی طرح رہنے سہنے میں انہیں وہ خوشی اور اطمینان نصیب ہوتا ہے جو عائلی زندگی کے علاوہ اور کسی صورت میں نہیں ہو سکتا۔ عورت اور مرد کا ازدواجی تعلق درحقیقت انسانی تمدن کا سنگ بنیاد ہے" [2]

سماجی ہم آہنگی کے لیے خاندان ضروری ہیں، بچوں کی انفرادیت اور انفرادی خوشحالی کی بنیاد خاندان ہے، جہاں بچوں اور بالغوں کو معاشرے میں اپنے کردار کے بارے میں سیکھنے کے مواقع میسر آتے ہیں۔ خصوصاً

---

[1]- سورۃ النساء:۴/۱

[2]- اسلام اور جدید مادی افکار، محمد قطب، (مترجم) سجاد احمد کاندھلوی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص:۳۶۶

معاشرے کے محروم اور ضرورت مند طبقات کی دیکھ بھال کرنے کا عمل، بزرگوں کا احترام اور بچوں سے شفقت جیسے امور خاندان میں ہی سیکھنے کو ملتے ہیں۔ والدین کے تعلقات کی کیفیت بچوں کے لیے ایک اہم سماجی عنصر ہے۔

سماجی ہم آہنگی معاشرے کی مشترکہ اقدار کی وضاحت کرتی ہے۔ سماجی ہم آہنگی مقامی اور قومی حکومتوں کے لیے بھی ضروری ہے کیوں کہ اس کی موجودگی یا فقدان ملک یا معاشرے کی ترقی پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہی۔ ملک یا معاشرے کی فلاح کے لیے باہمی تعلقات کا مضبوط ہونا بہت ضروری ہے۔ سماجی ہم آہنگی عوام میں موجود اعتماد کی سطح کا تعین کرتی ہے۔ معاشرے کے افراد میں احساس بیدار ہوتا ہے کہ ملک و معاشرے کو درپیش مسائل اُن کے مسائل ہیں جن کے حل کے لیے اُنہیں کردار ادا کرنا چاہیے کیوں کہ وہ بھی اس کا حصہ ہیں۔ [۱]

خاندان ہی معاشرے میں ہم آہنگی کا تصور وضع کرتا ہے۔ معاشرہ خاندان کی اہمیت پر جتنا زیادہ زور دے گا، لوگ اتنا ہی زیادہ اپنے خاندانوں کو بنانے اور برقرار رکھنے کی کوشش کریں گے۔ اگر معاشرہ بذات خود فاسد ہے، جس میں بے راہ روی بڑی حد تک پھیلی ہوئی ہے تو یہ کہنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ کوئی شخص بھی اپنے کندھوں پر ایسی کسی ذمہ داری کا بوجھ ڈالنا قبول کرے گا جس کا تقاضا خاندانی زندگی کرتی ہے۔

---

1- Maxwell, J., "Social Dimensions of Economic Growth", *Eric John Hanson Memorial Lecture Series, Vol. 8.* Alberta: University of Alberta, 1996, 13

# مبحث دوم: مغرب کا خاندانی نظام

خاندان کی بنیاد شادی ہے، مغرب میں شادی کو معاشرتی معاہدے کا درجہ حاصل ہے جس میں مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں، یہی نہیں بلکہ مغرب میں تاریخی طور پر شادی سے مراد، دو افراد یا دو خاندانوں کا تعلقات میں شامل ہونا بھی شادی ہے۔ بہت سی ثقافتوں میں شادی کو محبت اور خلوص کے تعلقات کے بجائے کاروباری لین دین کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے۔ مغرب میں شادی کی حیثیت صرف دو افراد کی قانونی انجمن کی ہے۔ یہ مذہبی ذمہ داری نہیں بلکہ معاشرتی معاہدہ ہے۔

آکسفورڈ ڈکشنری میں "شادی" کی بیان کردہ تعریف کے مطابق

"دو افراد کے ذاتی تعلقات (تاریخی اور قانونی طور پر ایک مرد اور عورت کے درمیان تعلقات) میں رسمًا یا قانونًا تسلیم کی گئی شراکت داری شادی کہلاتی ہے"[1]

مغرب میں چونکہ خاندان کا تصور وقت کے ساتھ بدل چکا ہے۔ اس لیے وہاں خاندانی نظام مختلف صورتوں میں موجود ہے جسے معاشرتی اور قانونی طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ مغرب میں خاندانی نظام بذیل صورتوں میں موجود ہے۔

### بنیادی / مرکزی خاندان (Nucelar Family)

ایسا خاندان جو صرف ماں باپ اور بچوں پر مشتمل ہو نیوکلیئر فیملی (بنیادی یا مرکزی خاندان) کہلاتا ہے۔ نیوکلیئر فیملی کو "Conjugal Family" (ازدواجی خاندان یا متفق خاندان) بھی کہا جاتا ہے۔ اس خاندانی نظام میں مرد اور عورت کا شادی شدہ ہونا ضروری نہیں، ان کے درمیان صرف ازدواجی تعلق کا ہونا ضروری ہے جن کے بچے اپنے ہوں یا لے پالک ہوں نیوکلیئر فیملی کہلاتی ہے۔[2]

امریکہ میں ازدواجی خاندان (Conjugal Family) فیملی کا تصور عام ہے۔ جس میں عام طور پر میاں بیوی اور نابالغ بچے شامل ہیں۔[3]

---

1 – Oxford Dictionaries, "Marriage,. n," , London: Oxford Univesity Press, 1989

2 – Encyclopædia Britannica, "s.v, Nuclear family". Encyclopædia Britannica.

3– Smith, Court. "Definitions of Anthropological Terms". *Oregonstate.edu.* Retrieved 12 April 2017.

عام طور پر بنیادی خاندان اور ازدواجی خاندان ایک ہی معنی میں استعمال کیے جاتے ہیں مگر چند ماہرین سماجیات مرکزی(Nuclear)اور ازدواجی خاندان (Conjugal) میں تفریق ظاہر کرتے ہیں ۔ ان کے نزدیک نیوکلیئر فیملی میں خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ قریبی تعلقات موجود ہوتے ہیں ۔ جب کہ ازدواجی خاندان (Conjugal Family)میں خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ تعلقات نسبتاً کم ہوتے ہیں۔ وقت کے ساتھ خاندان کے تصور میں تبدیلیوں سے ازواجی یا متفق (Conjugal)خاندان کا تصور وجود میں آیا جس میں دونوں والدین کا تعلق مختلف جنس سے ہو۔

مغرب میں نیوکلیئر فیملی کا تاریخی پس منظر پانچویں صدی عیسوی سے ظاہر ہوتا ہے۔

The pattern of nuclear households dates from at least Anglo-Saxon times, although many couples had parents and relatives living close at hand. Research on the Halesowen court rolls for the period between 1270 and the Black Deaths shows that most people lived in nuclear households, although there were also households with extended families. The number of extended families fell after 1349.(1)

ترجمہ :نیوکلیئر فیملی کا طریقہ کار اینگلو سیکسن دور(پانچویں صدی جب جرمنی کے لوگ انگلستان میں آباد ہوئے) سے چلا آرہا ہے۔ اگرچہ اکثر والدین اور رشتہ داروں کے بہت قریبی تعلق بھی ہوتے۔ہیلزاون کی عدلیہ جس کی مدت ۱۲۷۰ءتک رہی اور وبائی امراض سے ہونے والی اموات پر تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زیادہ تر خاندان انفرادی خاندان تھے اگرچہ وسیع خاندان (کنبہ ) بھی موجود تھے۔ وسیع خاندان(کنبہ) کی تعداد میں ۱۳۴۹ءکے بعد کمی واقع ہوئی۔

مغربی معاشرے میں شادی کو رسمی معاہدے کے بجائے قانونی معاہدہ تصور کیا جاتا ہے۔ جس میں دونوں والدین بچوں کی پرورش اوران پر ملکیت کا حق رکھتے ہیں۔ بطور والدین بچوں کی حفاظت کے لیے دونوں کے اپنے اپنے کردار ہیں اور معاشرے میں بچوں کی ترقی اور بقاء کی نگرانی کرتے ہیں۔ چند صورتوں میں والدین اپنی اپنی آمدن سے

---

1- Z.Razi, *Intra familial Ties and Relationships in the Medieval Village : A Quantitative Approach Employing Manor Court Rolls*, (Oxford: Clarendon Press, 1996), 370

کچھ حصّہ خاندان کے لیے مختص کر دیتے ہیں۔ جب کہ عام حالات میں کوئی ایک خاندان کے لیے کماتا ہے اور دوسرے کو دیکھ بھال کرنا پڑتی ہے۔ [۱]

نیوکلیئر فیملی کی اقدار کو سوتیلے خاندان (Step Family)، اکیلے والدین (Single Parents)اور گھریلو شراکت داری(Domestic Partnership) جیسی خاندانی ساختوں نے چیلنج کر رکھا ہے۔ [۲]

سوتیلا خاندان(Step Family) جسے مرکب خاندان(Blended Family)اور اضافی خاندان (Bonus Family) بھی کہا جاتا ہے۔ جہاں والدین میں سے کسی ایک کا بچوں سے نسبی یا جینیاتی تعلق نہ ہو۔ سوتیلے خاندان میں بچے اپنے نسبی ماں یا باپ کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔

## مفرد مورث خاندان (Single Parent Family)

مفرد مورث خاندان سے مراد ایسا خاندان جس میں دوسرا شریک حیات (میاں، بیوی) نہ ہو۔ عموماً یہ خاندان شریک حیات کی موت، طلاق، مصنوعی یا غیر ارادی حمل سے معرض وجود میں آتا ہے۔ جس میں فرد واحد (ماں، باپ) بچوں کی کفالت کرتا ہے۔ تاریخی طور پر مفرد مورث خاندان(Single Parent Family)کی بڑی وجہ شریک حیات کی موت تھی۔ دوسری وجہ بڑھتی ہوئی شرح طلاق ہے۔ طلاق کے بعد اکثر والدین نے دوسری شادی کے بجائے بچوں کی پرورش کو زیادہ اہمیت دی۔ اور تیسری بڑی وجہ مصنوعی حمل ہے، حالیہ برسوں میں مصنوعی طور پر حاملہ ہونے والی خواتین کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے جس سے مفرد مورث خاندان (Single Parent Family)کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔

خاندان کی مردم شماری میں انفرادی خاندان میں رہنے والے بچوں کی تعداد میں دُنیا بھر میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ مفرد مورث خاندان امریکہ میں معمول بن چکا ہے اور بہت سے دوسرے مغربی ممالک میں اس کا رجحان ہے۔ امریکہ میں انفرادی خاندان کی اخلاقی مناسبت کافی عرصہ سے زیر بحث ہے۔ [۳]

---

[1]- National Council on Family Relations, "Conjugal Power and Resources: An Urban African Example". *Journal of Marriage and Family*, Vol 4, 1970.

[2]-Tartakovsky, M. "Surviving and Thriving As a Stepfamily", *Psych Central*. (2011) Retrieved on July 19, 2017

[3]- *Marriage and Family Encyclopedia*, "Single-Parent Families- Demographic Trends". Net Industries and its Licensors. Retrieved 1 October 2017.

شادی شدہ والدین کے مقابلے میں واحد مائیں (Single Mothers) پانچ گنا زیادہ غریب ہیں۔ مغربی یورپی ممالک میں یہ موضوع کم زیر بحث ہے کیوں کہ وہاں ریاستی کفالت کا منظم بندوبست ہے۔

ترقی یافتہ ممالک میں امریکہ سر فہرست ملک ہے جہاں مفرد مورث خاندان (Single Parent Family) کی سب سے زیادہ تعداد ہے۔ ۱۹۹۸ء میں امریکہ کے ۳۴ فیصد خاندان، کینیڈا ۲۲ فیصد، آسٹریلیا ۲۰ فیصد اور ڈنمارک میں ۱۹ فیصد انفرادی خاندانی نظام تھا۔[1]

امریکی ادارہ مردم شماری کی رپورٹ ۲۰۱۷ء کے مطابق

"بارہ ملین (ایک کروڑ بیس لاکھ) مفرد مورث خاندانوں میں سے چار ملین (چالیس لاکھ) ایسے مفرد مورث خاندان ہیں جہاں ۸۰ فیصد ۱۸ سال سے کم عمر بچے ہیں جنہیں صرف اُن کی مائیں پال رہی ہیں"[2]

## گھریلو شراکت داری (Domestic Partnership)

گھریلو شراکت داری خاندانی نظام دو افراد کے درمیان باہمی تعلقات کی بناء پر قائم ہوتا ہے۔ جس میں دونوں مشترکہ گھریلو زندگی گزارتے ہیں لیکن شادی شدہ (نہ آپس میں نہ ہی کسی دوسرے کے ساتھ) نہیں ہوتے۔ گھریلو شراکت داری کی اصطلاح چند قانونی پیچیدگیوں کے باعث عام طور پر مستعمل نہیں۔ چند ریاستوں مثلاً آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، امریکہ میں کیلیفورنیا، میئن، نیواڈا، اوریگان، واشنگٹن اور وسکونسن میں گھریلو شراکت داری (Domestic Partnership) کے بجائے معاشرتی شراکت داری (Civil Partnership) معاشرتی اتحاد (Civil Union) اور رجسٹرڈ شراکت داری (Registered Partnership) کی اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں۔ جن میں شراکت داروں کے محدود حقوق و فرائض شامل ہوتے ہیں۔ چند ریاستوں میں گھریلو شراکت داری کا آئینی ضابطہ مقرر ہے۔ اور کچھ ریاستوں میں مخالف جنس اور ہم جنس شادیوں کو تسلیم کرنے کے لیے گھریلو شراکت داری کا تعین کر کے قانون سازی بھی ہے۔

چند ریاستوں میں گھریلو شراکت دار عرصہ دراز تک ساتھ رہتے ہیں مگر وہ شادی کے عمومی قوانین کے تحت قانونی تحفظ کا استحقاق نہیں رکھتے۔ چونکہ گھریلو شراکت داری قانونی طور پر تسلیم شدہ تعلق ہے جس کے تحت محدود

---

1-Amato, Allen, and M. A. Fine, "Diversity within Single-Parent Families." *Handbook of family diversity*, (New York: Oxford University Press, 2000), 12

2- United States Census Bureau, "America's Families and Living Arrangements: 2017".

حقوق بھی حاصل ہوتے ہیں اس لیے چند شراکت دار جنسی تعلق قائم کیے بغیر بھی گھریلو شراکت داری زبانی یا تحریری کر لیتے ہیں۔اور شادی کی طرح اس تعلق سے بھی جائیداد کا حق جیسے چند دوسرے حقوق حاصل کرتے ہیں۔[۱]

گھریلو شراکت داری نظام سے مشابہہ ایک اور اصطلاح مغرب میں استعمال ہوتی ہے جسے ہم خانگی (Cohabitation) کہتے ہیں۔ ہم خانگی میں دو افراد کے درمیان محبت اور جنسی تعلقات ہوتے ہیں، یہ تعلقات مختصر یا طویل عرصہ کے لیے ہو سکتے ہیں۔ مغرب میں ہم خانگی کی اصطلاح کا آغاز سولہویں صدی کے وسط سے ہوا۔ گزشتہ چند دہائیوں سے مغربی ممالک میں ہم خانگی تیزی سے عام ہو رہی ہے۔ امریکہ میں یہ رجحان نوجوانوں میں تیزی سے بڑھ رہا ہے۔نوجوان لڑکے لڑکیوں کے اختلاط کو ہم خانگی کی بڑی وجہ قرار دیا گیا ہے۔

شادی شدہ دو تہائی جوڑوں کا یہ کہنا ہے کہ وہ شادی سے قبل بھی اکٹھے رہتے تھے۔ ۱۹۹۴ء میں امریکہ میں تین اعشاریہ سات (3.7) ملین جوڑے ہم خانگی کی زندگی گزار رہے تھے۔[۲]

ڈاکٹر گلینا روہوڈس (Galena Rhoades)[۳] کہتی ہیں۔

"۱۹۷۰ سے قبل شادی کے بغیر اکٹھے رہنا اتنا عام نہ تھا لیکن ۱۹۹۰ء کے آخر میں ۵۰ سے ۶۰ فیصد جوڑے شادی سے قبل اکٹھے رہتے تھے"[۴]

مغربی معاشرے میں ہم خانگی مختلف وجوہات کی بناء پر شروع ہوئی۔ سروے رپورٹس میں ہم خانگی کی ذیل وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

لوگ مختلف وجوہات کی بناء پر اکٹھے رہتے ہیں، ان وجوہات میں پیسے کی بچت اور مکان جیسی وجوہات، خصوصاً کم آمدن والے افراد جنہیں معاشی مسائل کا سامنا ہوتا ہے، اور وہ بھی جو شادی سے اس لیے گریز کرتے ہیں کہ شادی

---

1- *Gay & Lesbian Review*, "A Brief History of Domestic Partnerships", July-August 2008,

2 - Brown, S.L., & Booth, Maya Angelo, "Cohabitation versus marriage: A Comparison of Relationship Quality", *Journal of Marriage and Family*,1996), 58

۳- گلینا روہوڈس (Galena Rhoades) ڈینور یونیورسٹی میں شعبہ نفسیات کی پروفیسر اور محقق ہے۔

4- Rhoades, G.K.; Stanley, S.M.; Markman, H.J. "A Longitudinal Investigation of Commitment Dynamics in Cohabiting Relationships". *Journal of Family Issues*. (2012).33

کے اخراجات اور دیگر ذمہ داریاں برداشت نہیں کرسکتے یا اس بات کا بھی خوف ہوتا ہے کہ طلاق کی صورت میں انہیں مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔[۱]

## مخلوط یا مرکب خاندان (Blended Family)

مخلوط یا مرکب خاندان مخلوط والدین اور بچوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یعنی والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں دوسری شادی کرلیں اور دونوں کے بچے بھی ہوں جنہیں وہ اکٹھے پالتے ہیں۔ مخلوط یا مرکب خاندان کو سوتیلا خاندان (Step Family) بھی کہا جاتا ہے۔ ماہرین سماجیات کے مطابق ان کی دو اقسام ہیں، روایتی اور غیر روایتی۔ روایتی خاندان درمیانے طبقے میں ہوتے ہیں جہاں باپ کماتا ہے اور ماں گھر کی دیکھ بھال کرتی ہے جب کہ غیر روایتی خاندان میں ماں کماتی ہے اور باپ گھر کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ روایتی کی اصطلاح کا استعمال کنبہ یعنی وسیع خاندان کے لیے استعمال ہوتا ہے، نیوکلیئر فیملی کے لیے روایتی کی اصطلاح استعمال نہیں کی جاتی۔ امریکہ میں نیوکلیئر فیملی کی اصطلاح ۱۹۶۰ سے ۱۹۷۰ کے درمیان عام ہوئی جب ایشیاء اور یورپ سے غیر ملکی امریکہ میں داخل ہوئے۔ جب کہ انگلینڈ میں اس کا تصور پہلے سے موجود تھا۔ مخلوط خاندانی نظام کے اثرات ہر عمر کے بچوں پر مرتب ہوتے ہیں۔ کچھ بچوں کی نئے خاندان سے ہم آہنگی جلد ہو جاتی ہے جب کہ کچھ بچوں کو خاندان میں اپنا مقام بنانے میں خاصی جدوجہد کرنا پڑی ہے۔ وسیع خاندان میں تعلقات کا طریقہ کار ہے کہ کس طرح خاندان کا ایک فرد دوسرے سے تعلقات قائم رکھے۔ تعلقات کا ایک طریقہ روایتی انداز ہے جس میں عقائد اور اقدار پر کوئی اختلاف نہیں ہوتا اور دوسرا مطابقت کا طریقہ جس میں خاندانوں کو عقائد اور اقدار کے بارے میں اختلاف کا حق ہوتا ہے۔[۲]

امریکی مردم شماری رپورٹ ۲۰۰۴ء کے مطابق

"۴۲ فیصد نوجوانوں کے سوتیلے رشتہ دار ہیں، ۳۰ فیصد نوجوانوں کا ایک سوتیلا بہن یا بھائی ہے۔ ۶۰ فیصد افریقی امریکن کے سوتیلے رشتے دار ہیں جب کہ ۴۵ فیصد لوگوں کے سوتیلے بہن بھائی ہیں مخلوط، مرکب یا سوتیلا خاندان طلاق کی صورت میں وجود میں آتا ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق

---

1- Fam Relat, “The Specter of Divorce: Views From Working- and Middle-Class Cohabitors” *Miller AJ, Sassler S, Kusi-Appouh D* (2011). 60

2- Cherlin, A. J., “Demographic trends in the United States: A review of the research in the 2000s”, *Journal of Marriage and Family*, (2010)., 72,

۹۲ فیصد مرو خواتین نے ۵۰ سال کے عمر میں دوسری شادیاں کیں، ۴۳ فیصد شادیوں میں ۱۵ سالوں کے اندر طلاق واقع ہوئی"۔ (۱)

جب کہ ایک تحقیقی رسالہ کے سروے کے مطابق

"۲۵ فیصد مرد وخواتین نے دو یا دو سے زائد مرتبہ شادیاں کی جن کی عمر ۵۰ سال کے قریب تھی۔ ۴۲ فیصد افراد نے دوبارہ پہلے زوج سے شادیاں کی۔ ۵۷ فیصد نے دوسری شادیاں کیں جن میں سے ۶۵ فیصد افراد نے اپنے پہلے بچوں کو ساتھ رکھا۔ ۶۰ فیصد ایسے افراد ہیں جنہوں نے دوسری شادیاں کیں اور انہیں پھر طلاق ہوئی۔ ۱۵ فیصد جوڑوں میں شادی کے تین سال میں طلاق واقع ہوتی ہے، ۲۵ فیصد جوڑوں میں ۵ سال اور ۳۹ فیصد جوڑوں میں دس سال کے اندر طلاق رونما ہوتی ہے۔ اب تک کے حکومتی اعداد و شمار کے مطابق اس مردم شماری میں اُن خاندانوں کو شامل کیا جاتا ہے جہاں بچہ رہ رہا ہو۔ اگر بچہ طلاق شدہ، انفرادی مورث یا غیر شہری افراد جو دوسری شادی کر لیں اور بچہ اُن کے ساتھ رہ رہا ہو تو بچے کو اُس خاندان کے فرد کی حیثیت سے درج نہیں کیا جاتا"۔ (۲)

مخلوط، مرکب یا سوتیلے خاندان کی تشکیل کی سب سے بڑی وجہ طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح ہے۔ مردم شماری رپورٹ اور سروے رپورٹ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ طلاق کے بعد بالآخر دوسری شادیوں کی صورت میں مخلوط خاندانی نظام وسیع پیمانے پر معرض وجود میں آرہا ہے۔

## وسیع خاندان (Extended Family)

وسیع خاندان جو کہ انفرادی خاندان سے بڑا ہوتا ہے جس میں والدین، بچے، شوہر کے بہن بھائی اور اُن کے بچے شامل ہوتے ہیں جو اسی خاندان میں رہتے ہیں۔ یعنی شادی کے بعد شوہر یا بیوی سسرالی رشتہ داروں کے مشترکہ طور پر رہتے ہیں۔ بعض اوقات وسیع خاندان میں قریبی رشتہ دار بھی رہائش پذیر ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی بزرگ رشتہ دار جو اپنی عمر کے سبب ان کے ساتھ رہائش پذیر ہو۔ جدید مغربی ثقافت میں اس کے لیے "قریبی خاندان پر غلبہ" کی اصطلاح کی جاتی ہے۔ یہ اصطلاح عام طور پر داد، دادی، چچا، چچی، پھوپھی، کزن کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ تاہم یہ خاندان ایک اکائی کی طرح تصور کیا جاتا ہے۔

---

1-U.S. Census, "Current Population Survey –Definitions and Explanations, 2004.

2- Adler-Baeder, F., "Understanding stepfamilies: Family life education for community professionals", *Journal of Extension* (2002) 40

کچھ ثقافتوں میں اس کے لیے "معتبر خاندان" (Consanguineous Family)کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔ عام طور پر ایسا خاندانی نظام جنوبی ایشاء، وسط ایشیاء، مشرقی یورپ، جنوبی یورپ، لاطینی امریکہ کے ممالک میں ہے اور ہندوستان میں روایتی خاندان کی شکل میں موجود ہے۔ انگلینڈ میں وسیع خاندان کا وجود کہیں کہیں ہے۔ امریکہ میں دو اعشاریہ چھ (2.6)ملین خاندان وسیع خاندانی نظام کے تحت ہیں۔ جب کہ امریکی ریاست میکسیکو میں وسیع خاندان میں تین تین نسلیں اکٹھی رہتی ہیں۔ (۱)

## مادر سربراہی خاندان(Matrifocal Family)

ایسا خاندان جس میں ماں اور بچے شامل ہوں، عموماً یہ بچے اُس کے حیاتیاتی اولاد ہوتے ہیں مگر اب تقریباً تمام مغربی معاشروں میں لے پالک بچوں کا بھی رواج عام ہے۔ خاندان کی یہ قسم وہاں پائی جاتی ہے جہاں خواتین کے پاس اپنے بچوں کی کفالت کا بندوبست کرنے کے لیے تمام وسائل میسر ہوتے ہیں، اُن کے خاوند زیادہ تر گھر سے باہر رہتے ہیں اور کبھی کبھار گھر جاتے ہیں۔ گھروں میں خاوند کی ثانوی حیثیت ہوتی ہے۔ بچوں کی ماں کا خاوند ہی اُن کا باپ ہو یہ لازمی نہیں ہوتا۔ عام الفاظ میں اس خاندان کا مرکز و محور ماں اور بچے ہی ہوتے ہیں۔ زندگی کے روزمرہ معمول کی منتظم عورت ہی ہوتی ہے۔

مادر سربراہی خاندان مغرب کے مختلف شہروں اور ریاستوں میں موجود ہے۔ خاندان کا یہ نظام چھوٹے افریقی جزائر(Afro- Caribian)میں عام طور پر پایا جاتا ہے۔لندن میں بیتھ نل گرین (Bethnal Green) میں ۱۹۵۰ء سے یہ خاندانی نظام موجود ہے۔ وسط امریکہ میں میسی کیٹو (Misikitu)نسل اور ریاست ہونڈورس (Honduras)میں مادر سربراہی خاندان موجود ہے۔ (۲)

## پسند کا خاندان (Family of Choice)

پسند کے خاندان کے لیے اکثر منتخب خاندان(Chosen Family)کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔ لغوی اور اصطلاحی مفہوم میں یہ خاندان ہم جنس پرست مرد(Gays)اور ہم جنس پرست عورتوں (Lesbian)کی پسند کی بناء پر بنتے ہیں۔ جس میں دونوں شریک حیات اپنا اپنا گھریلو کردار نبھاتے ہیں یعنی ایک شوہر اور دوسرا بیوی

---

1-Andersen, Margaret L and Taylor, Howard Francis, *Sociology: Understanding a diverse society*, (United States: Thomson Wadsworth, 2006), 396

2- Herlihy, Laura Hobson "Matrifocality and women's power on the Miskito Coast", Ethnology, 2007, 46

ہوتا ہے۔ مغربی ممالک میں پسند کے خاندان کے لیے ایل جی بی ٹی (LGBT) گروپ کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے یعنی ہم جنس مرد، ہم جنس عورتیں، دوہری جنس رکھنے والے اور ہیجڑے اس خاندان کا حصہ ہوتے ہیں۔ اس خاندان میں دو یا دو سے زائد افراد پسند کی بنیاد پر شامل ہو کر اکٹھے رہتے ہیں۔ اگر ان میں خاندان کا کوئی فرد خاندان کو چھوڑ دے تو اسے اُن کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ پسند کے خاندان میں شامل ہونے کے لیے ۱۲ شرائط ہیں جو انہیں مضبوط خاندانی تعلقات میں باندھے رکھتی ہیں۔ [۱]

## یک زوجگی (Monogamous Family)

یک زوجگی سے مراد ایسا خاندان جس میں فرد اپنی زندگی میں صرف ایک ہی قانونی زوج (میاں، بیوی) رکھتا ہے۔ یا ایک وقت میں صرف ایک شریک حیات رکھتا ہو۔ یعنی ایک ہی وقت متعدد قانونی زوج نہ ہوں۔ [۲]

مغربی یورپی معاشروں میں یک زوجگی عائلی اقدار میں شامل ہے اور دُنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں قانونی طور پر نافذ ہے۔ جاپان میں ۱۸۸۰ میں، چین میں ۱۹۵۳ء، بھارت میں ۱۹۵۵ء اور نیپال میں ۱۹۶۳ء میں دو ازواج رکھنے پر پابندی عائد کی گئی۔ [۳]

تحریک حقوق نسواں نے بھی صرف یک زوجگی شادیوں کو قانونی حیثیت دینے کی سفارش کی اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی ۱۹۷۹ء میں سیڈا کنونشن کو اپناتے ہوئے یک زوجگی پر اتفاق کیا اور دُنیا کے ۱۸۰ ممالک میں اس نظام کے اطلاق کے لیے سفارشات کیں۔ [۴]

---

1- ALGBTICAL LGBT Glossary of Terminology", ALGBTICAL Association for Lesbian, Gay, Bisexual, and Transgender Issues in Counseling of Alabama. 2005.

2- Alean Al-Krenawi, John R. Graham, "A Comparison of Family Functioning, Life and Marital Satisfaction, and Mental Health of Women in Polygamous and Monogamous Marriages", "*International Journal of Social Psychiatry*, 2006.

3- Joseph Henrich, Robert Boyd and Peter J. Richerson, "The puzzle of monogamous marriage ", *Philosophical Transactions of the Royal Society Series B, Biological Sciences*, 2012; 367

4- Committee on the Elimination of Discrimination against Women". Archived from the original on 14-09-2017

مغربی معاشرے آزادانہ جنسی تعلقات رکھنے کی قانونی اجازت سے یک زوجگی پوری طرح ممکن ہی نہ ہو۔

اقوام متحدہ کی رپورٹ ۲۰۰۳ء کے مطابق دُنیا میں ۸۹ فیصد لوگ ۴۰ سال کی عمر میں شادی کرتے ہیں، تمام شادیاں سماجی طور پر یک زوجگی (Monogamous) نہیں ہوتیں۔ ۸۰ سے ۸۵ فیصد معاشرے میں کثیر ازدواجی شادیوں کی اجازت ہے۔ سماجی طور پر یک زوج خاندان (Monogamous Family) چند وجوہات کی بناء پر وجود میں آتا ہے۔ جن میں اردگرد کے ماحول میں وسائل کی دستیابی، جغرافیائی تقسیم، جسم فروشی سے پھیلنے والے امراض، شریک حیات کا پر تحفظ رویہ اور تعلقات کے بارے میں ذہنی سوچ جیسے عوامل شامل ہیں"۔[۱]

## کثیر زوج خاندان (Polygamous Family)

کثیر الزوج خاندان سے مراد جہاں ایک سے زائد ازواج کے ساتھ بیک وقت شادی کا تعلق ہو۔ میاں، بیوی دونوں بیک وقت دو افراد کے ساتھ یہ تعلق قائم کر سکتے ہیں۔ ایک وقت میں ایک سے زائد بیویاں رکھنے مرد کے لیے پولی گائنی (Polygyny) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اور بیک وقت دو مردوں کے ساتھ شادی کرنے والی عورت کے لیے پولی میری (Polymory) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

تمدنی طور پر بیک وقت ایک سے زائد بیویاں رکھنے کا رواج مشرق وسطیٰ، افریقہ اور اسلامی ممالک میں موجود ہے مگر بیک وقت ایک سے زائد شوہر کی اجازت مغربی معاشروں میں ہے، جب کہ نیپال، چین اور انڈیا میں بھی ایک عورت بیک وقت دو بھائیوں سے شادی کر سکتی ہے جس کے لیے برادر پولینڈری (Fraternal Polyndary) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔[۲]

## تشکیل خاندان کے عالمی رجحانات

خاندان کے ادارہ میں حالیہ برسوں میں بڑی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ یورپ کے روایتی انفرادی خاندان جو والدین اور بچوں پر مشتمل ہوتا تھا آج اُس کی صرف اختیاری حیثیت رہ گئی ہے مردوں اور عورتوں کے کرداروں میں

---

[1] _ L. M. Mathews, "Tests of the Mate-guarding Hypothesis for Social Monogamy: Male Snapping Shrimp prefer to Associate with high value Females," *Behavioral Ecology,* vol.14, 2003, 63.

[2]- Zeitzen, Miriam Koktvedgaard, *Polygamy: a cross-cultural analysi,* (New York: Berg Publisher, 2008), 3

بھی تبدیلی آئی ہے۔ عورت اور مرد تعلیم اور روزگار کے برابر مواقع سے فیضاب ہو رہے ہیں۔ ان تبدیلیوں کے نتیجہ میں بھی خاندان کی تشکیل اور اقدار میں ناقابل یقین تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

شادیوں کی شرح میں کمی، طلاق میں اضافہ، اور ہم خانگی کی وسیع حد تک قبولیت، ہم جنس شادیوں کی قانونی سازی، افزائش نسل کی شرح میں کمی سے یورپی یونین میں افراد کنبہ کی تعداد ۲ اعشاریہ ۱۴افراد فی گھرانہ کر دی ہے۔ (۱)

۲۰۱۵ء میں امریکن انٹرپرائز انسٹی ٹیوٹ واشنگٹن نے وال سٹریٹ جرنل میں "خاندان کی عالمی پرواز" کے نام سے خاندان کے تشکیل کے عالمی رجحان کی وضاحت کی۔ اعداد شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۲۰۱۳ء میں ۴۰ فیصد بچے بغیر شادی کے پیدا ہوئے۔ مردم شماری بیوروکا تخمینہ ہے کہ ۲۷ فیصد بچوں کے ایسے گھروں میں رہتے ہیں والد نہیں، یورپ میں بے اولاد نوجوانوں میں ۴۰ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ سویڈن اور سوئٹزر لینڈ میں ہر پانچ میں سے چار عورتیں بے اولاد ہیں، اٹلی میں چار میں سے ایک، برلن میں تین میں ایک عورت بے اولاد ہے۔ نام نہاد روایتی خاندانوں میں بھی یہی رجحان ہے۔ جاپان میں تقریبا ہر چھ میں سے ایک عورت شادی نہیں کرتی اور تقریباً ۳۰ فیصد خواتین ایسی ہیں جو بے اولاد ہیں"۔ (۲)

جب کہ سویڈن کے اعداد و شمار ۲۰۱۳ء کے مطابق سال ۲۰۰۰ ء سے مختلف ممالک میں چند ہی بچوں کو والدین کی طلاق کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ سویڈن میں بے اولادی کم ہو رہی ہے اور شادیوں کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ لوگوں کے لیے تیسرے بچے کی پیدائش عام ہو چکی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نیوکلیئر فیملی میں بتدریج کمی نہیں ہو رہی ۔شادی کی شرح میں کمی اور طلاق کی شرح میں اضافے نے انفرادی مورث خاندانوں، اور مخلوط خاندانوں کی تعداد میں اضافہ کیا۔ اقتصادی تعاون و ترقی کے تنظیمی ممالک (OECD)(یورپی ممالک) میں ۱۹۷۹ ءسے ۲۰۰۹ء تک شادی کی شرح ۸ فیصد سے کم ہو کر ۵ فیصد رہ گئی ہے۔ دوسرے ممالک میں بھی ایسا ہی تغیر پایا گیا ہے۔ اس عرصہ میں کوریا، امریکہ، ترکی، چلی، لکسمبرک اور اٹلی میں شادیوں کی شرح بدستور رہی۔ اقتصادی تعاون و ترقی کی تنظیم کے ممبر ممالک ہر ایک ہزار خاندانوں میں شرح طلاق ۲ اعشاریہ ۴ فیصد رہی۔ جب کہ امریکہ میں شرح طلاق میں بے

---

[1]- Anke Uhlenwinkel, “Teaching about the Family Values of Europeans”, *The European Values Education* (EVE, University of Potsdamer, 2013.

[2]- Nicholas Eberstadt “The Global Flight From the Family”, *Wall Street Journal*, (February 21, 2015), , retrieved February 26, 2017

پناہ اضافہ ہوا۔ چیک ریپبلک، بلجیئم، اٹلی، میکسیکو میں شرح طلاق کم رہی۔ اس طرح مجموعی طور پر وہاں کم سے کم شادیاں ہو رہی ہیں اور شادی شدہ جوڑوں میں طلاق کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ (۱)

مجموعی طور پر نئی نسلوں میں خاندانوں کی تشکیل کا طریقہ کار بدل رہا ہے۔ یورپی ممالک میں ۲۰ سے ۳۴ سال کے نوجوان ہم خانگی (Cohabiting) پچھلی نسل سے زیادہ پسند کی جاتی ہے۔ زیادہ تر ممالک میں نئی نسل میں اکیلے رہنے کا رجحان کم ہوتا جا رہا ہے اور ہم خانگی کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ ہم خانگی کا زیادہ رجحان فرانس، شمالی یورپ، انگریزی بولنے والے ملکوں میں ہے۔ جب کہ مصر، اٹلی، پولینڈ، ترکی اور جمہوریہ سلاویہ میں ہم خانگی کا رجحان انتہائی کم ہے۔

طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح کی وجہ سے شادی کا عنصر معاشرے میں کم ہوتا جا رہا ہے۔ جس کا ثبوت ایک تنظیم کے تحقیقی جریدے میں اس طرح درج ہے

> The declining marriage rate is not so much a reflection that marriage is no longer desired, but that, in a culture of distrust and divorce, it is fragile[2]

> شادی کی شرح میں کمی اس بات کی عکاسی نہیں کرتی کہ شادی کی ضرورت اب نہیں رہی لیکن بے اعتمادی اور طلاق کی ثقافت میں یہ ایک انتہائی نازک تعلق ہے۔

خود مختاری، رازداری، خود پسندی اور ذاتی خوشی کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ آزادی حاصل ہونے سے بڑوں کی اطاعت میں کمی اس کا واضح ثبوت ہے۔ آج کل یورپ میں انفرادی طور پر خاندان کی اہمیت موجود ہے مگر خاندان سے زیادہ دوست کی فکر کی جاتی ہے، کام، تفریح، سیاست اور مذہب میں دوست زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ (۳)

---

1 – Jack Goody, "Comparing Family Systems in Europe and Asia: Are There Different Sets of Rules?" *Population and Development Review*, Vol. 22, No. 1, (New York: Population Council, 1996) 13

2– Amber and David Lapp, "A Generation Conflicted About Marriage", *Index of Culture and Opportunity*, 2016, Washington :Heritage Foundation, 2016,

3– European Values Study (EVS), "Comparison of importance of Family and Friends to Europeans, 2008 (Survey).

مغرب کے خاندانی رجحانات پر مغربی مفکرین کیارائے دیتے ہیں اس کا اندازہ اُن کی تحقیقات سے کیا جا سکتا ہے۔

رچرڈ آئر (Richard Eyre)[1] لکھتا ہے

"ابراہم لنکن نے ایک دفعہ کہا تھا کہ اگر کبھی امریکہ تباہ ہوا تو یہ تباہی بیرونی قوتوں کے ذریعے نہیں بلکہ اندرونی طور پر آئے گی۔ اب ۱۴۰ برس گزر چکے ہیں، ہم دیکھ رہے ہیں اندرونی طور پر امریکہ میں معاشرتی خرابیاں حد سے بڑھ چکی ہیں۔ مثلاً اقدار ختم ہو چکی ہیں، ذمہ داری کا کسی کو احساس نہیں، خود کفالتی ایک خواب بن چکا ہے اور خاندانی نظام منتشر ہو چکا ہے۔ اب ہمیں خود سے یہ ضرور کہنا چاہیے کہ 'اگر امریکہ کسی طور پر محفوظ رہ سکتا ہے، تو پھر سے ہمارے گھروں کی حفاظت کے ذریعے سے اور بس امریکہ کی بقاء کے لیے مضبوط خاندان اور گھرانے امید کا آخری چراغ ہیں اور والدین اس چراغ کے رکھوالے ہیں"۔ [۲]

ولیم ایف او گبرن (William Fielding Ogburn) [۳] اپنے مضمون "امریکی خاندان کا زوال" کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ

" اس میں کوئی شک نہیں کہ خاندان ایک معاشرتی ادارے کے لحاظ سے زوال پذیر ہے کیونکہ ہم خاندان کے متعلق اسی طرح سوچنے کے عادی ہیں جیسے ہم پتھر کے زمانے کے خاندان کے متعلق سوچتے ہیں۔ مگر کچھ حصّہ ایسا بھی ہے جو فطرت اور ساخت میں لازمی طور پر غیر متبدل رہتا ہے، مثلاً معاشرے کی بنیاد۔ ورنہ بذات خود تہذیب کا وجود نہ ہوتا اور پھر جب دن بدن معمولی تبدیلیاں ہوتی ہیں تو ہم انہیں محسوس نہیں کرتے۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے اگر وہ طویل غیر حاضری کے بعد لوٹیں تو اس وقت اس وقوع پذیر عظیم تبدیلی کو ان لوگوں سے زیادہ بہتر دیکھ سکیں گے جو کہیں دور نہیں گئے"۔ [۴]

---

[1]-رچرڈ ائر (Richard Eyre) (پیدائش ۱۹۴۴): امریکی ریاست یوٹا کا سیاستدان اور کئی کتابوں کا مصنف ہے۔

[2]- Richard Eyre, Linda Eyre, *Three Steps to a Strong Family* (New York: Simon & Schuster, 1994), 47.

[۳]-ولیم فیلڈنگ او گبرن (William Fielding Ogburn) (۲۹جون۱۸۸۶-۲۷اپریل۱۹۵۹): امریکی ماہر عمرانیات، ماہر شماریات اور ماہر تعلیم تھا۔

[4]- H.E Bamees, "Social Institutions 1927," *New York Megzine*,1994, 12.

اسی طرح مغرب میں معاشرتی بحران کا منظر بیان کرتے ہوئے ڈینیئل بیل (Denial Bell)[1] لکھتا ہے۔

"We are living in a period of cultural crises. It seems as if the very foundations of contemporary society are being threatened from within and without. The family as a basic and most sensitive institution of culture is being undermined by powerful and destructive forces".[2]

ترجمہ: ہم ثقافتی بحران کے ایک دور میں رہ رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ معاصر معاشرے کی بہت سی بنیادوں کو اپنے اندر اور باہر دونوں طرف سے خطرات لاحق ہیں۔ خاندان جو ثقافت کا بنیادی اور انتہائی حساس ادارہ ہے جسے طاقتور اور تباہ کن قوتوں کی طرف سے کھوکھلا کیا جارہا ہے۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مغرب میں عورت کو خاندان کے نظام سے الگ کر کے معاشی اور سیاسی سرگرمیوں میں مصروف کرنے کا جو نتیجہ برآمد ہوا ہے اس کی وجہ سے وہاں کے اہل نظر بیک وقت خاندان، معاشرہ اور ریاست تینوں کی تباہی کے اندیشوں سے پریشان ہیں۔

---

نوٹ: قاری اندازہ کر سکتا ہے کہ امریکی خاندان کے زوال کی بات ۱۹۲۷ء میں ہو رہی ہے۔ ۱۹۴۸ء میں باقاعدہ علمی انداز میں جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔ اب امریکی خاندان نامی ادارے کی حیثیت صرف ڈھانچے کی ہے۔ سرمایہ دارانہ انفرادیت نے مغرب میں خاندان کے ادارے کو تباہ کر دیا ہے۔

1- ڈینیئل بیل (Denial Bell)(۱۹۱۹-۲۰۱۱): امریکی ماہر سماجیات، مصنف، ایڈیٹر اور ہارورڈ یونیورسٹی میں پروفیسر تھا۔

2-Daniel Bell, *The Coming of Post-Industrial Society: A Venture in Social Forecasting,* (London: Basic Books, 1976), 7

# فصل دوم: مغربی معاشرے میں عورت کی حیثیت

## مبحث اول: مغرب میں عورت کی حیثیت کا مختصر تاریخی جائزہ

## مبحث دوم: مغربی معاشرے میں عورت کی حیثیت

# مبحث اول: مغرب میں عورت کی حیثیت کا مختصر تاریخی جائزہ

عورت جسے اگر ایک وقت میں جنسِ لطیف، وجہِ سکون اور صنف نازک کے خوب صورت الفاظ سے تعبیر کیا گیا تو دوسرے لمحے اُسے لونڈی، داشتہ اور وجہِ شر وفساد بھی قرار دیا گیا۔ درحقیقت عورت اور مرد نوع انسانی کے دو جُزو ہیں اور ہر جُزو دوسرے جُزو کا لازمی حصّہ ہے۔ انسانی معاشرے کو اگر گاڑی سے تشبیہ دی جائے تو مرد و عورت اس گاڑی کے دو پہیے ہیں، ان میں سے ایک پہیہ بھی نکل جائے یا اُس میں نقص آجائے تو گاڑی نہ صرف اپنا توازن کھو دے گی بلکہ اپنی خصوصیت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گی۔

مغربی معاشرے میں عورت کی حیثیت جاننے سے پہلے بہتر ہو گا کہ مغرب کی تاریخ میں عورت کی قدر و قیمت کو اِک نظر دیکھ لیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ علم و ادب اور فن و سائنس کا ماخذ گردانے جانے والے عورت کو کیا سمجھتے تھے؟ ہر معاشرہ اپنے انداز کے مطابق دُنیا کو دیکھتا ہے۔ کسی ایک زمانے کا مطالعہ جب دوسرے زمانے میں رہنے والے افراد کرتے ہیں تو غلطیوں کا احتمال ممکن ہے۔ قدیم اور عصر حاضر کی دُنیا بہت سے پہلوؤں سے مختلف ہے لیکن ماضی میں خواتین کی حیثیت اور مقام کا مقالہ کی تحقیق پر گہرا اثر اہے۔

خواتین کی تاریخ کے بارے میں جائزہ لیتے ہوئے جینیفر وارڈ(Jennifer Ward)[۱] کہتی ہے

"Women's worlds show continuity and change, stemming from ideas about the nature of women, their place in society, economic and political circumstances, and religious and cultural developments."

عورت کی دُنیا میں تسلسل اور بدلاؤ رہا۔ جس میں بنیادی عمل دخل خواتین کی فطرت کے بارے میں تصورات، معاشرے میں اُن کا مقام، معاشی اور سیاسی حالات اور مذہبی اور تمدنی ترقی کا رہا ہے۔[۲]

تاریخ کے سفینے میں قیام دنیا کے بعد بے شمار تہذیبوں نے فروغ حاصل کیا، ان کے ماننے والوں نے اپنی تعلیمات کو بساطِ قوت سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کی، جس کے عوض اس قوم کو اپنے ہی دور میں تہذیب ساز جیسے خطاب ملے۔ ایسی تہذیب اور سوچ رکھنے والی اقوام کی دو چار تاریخی مثالیں ملاحظہ ہوں۔ تاریخی طور پر مغرب کی

---

[1]۔ جینیفر وارڈ(Jennifer Ward)(پیدائش ۱۹۶۳): امریکی مصنفہ ہے جس نے بچوں اور عورتوں کی نفسیات پر کتب تحریر کیں ہیں۔

[2]-Jennifer Ward, *Women in England*, (New York: Hambledon Continuum, 2006), 9

تاریخ تین ادوار قرون اولیٰ، قرون وسطیٰ اور دورِ حاضر پر مشتمل ہے۔ ان ادوار کے مختصر جائزہ سے مغربی معاشرے میں عورت کی حیثیت کو سمجھنے میں خاطر خواہ معلومات میسر ہوں گی۔

## قرون اول میں مغربی عورت Women in Ancient Times

اقوام قدیمہ میں سے جس قوم کی تہذیب سب سے زیادہ شاندار نظر آتی ہے وہ اہل یونان ہیں اور ان کے بعد جس قوم کو دنیا میں عروج نصیب ہوا، وہ اہل روم تھے۔ جب یہ دونوں تہذیبیں اپنے ادوار میں عروج تک پہنچیں تو وہاں عورت کو عزت و شرافت، عصمت و عفت کی علامت سمجھا جاتا تھا اور انہیں قانونی حیثیت بھی حاصل تھی۔ عورت کا روایتی و فطری کردار بچوں کی دیکھ بھال اور امور خانہ داری تک محدود تھا۔[۱]

عورت معاشی اور سماجی سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی تھی،[۲]

سیاسی طور پر عورت نہ تو رائے دہی کرتی سکتی تھی اور نہ ہی سیاست کا حصہ بن سکتی تھی۔[۳]

رفتہ رفتہ ان اقوام پر نفس پرستی اور شہوانیت کا غلبہ شروع ہوا تو یہ اقوام زوال کا شکار ہو گئیں اور دوبارہ نہ اٹھ سکیں۔ عصمت فروشی اور قحبہ گری کا عروج ہوا، عورت کے بارے میں اس سوچ نے عورت کی حیثیت کو زوال بخشا جس کے نیتجے میں عورت کو بالکل بے بس کر کے مردوں کے قابوں میں دے دیا گیا۔[۴] عورت کے بارے میں تصورات جو اہل یونان اور روم کے فلسفیوں نے قائم کیے اُن سے اُس وقت کی عورت کی حیثیت کے بارے میں عمومی رائے قائم کی جا سکتی ہے، مثلاً

جب قدرت کسی مرد کو بنانے میں ناکام ہو جاتی ہے تو اسے عورت بنا دیتی ہے (ارسطو)

گھوڑا اچھا ہو یا بُرا، اسے مہمیز کی ضرورت ہے، عورت اچھی ہو یا بری اسے مار کی ضرورت ہوتی ہے (اطالوی ضرب المثل)۔

---

1-Barchiesi, A. *The Oxford Handbook of Roman Studies*. (USA: Oxford University Press, 2010), 45

2-John Anthony Crook, *Law and life of Rome*, (New York : Cornell University Press, 1967), 95

3- Richard A.Bauman, "A. Women and politics in ancient Rome", *Routledge*, Feb 1992.

4- Thomas A. J. McGinn, *Prostitution, Sexuality, and the Law in Ancient Rome*, (New York: Oxford University Press, 1998), 233

"یونانی عورت کو ایک کم درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے" "اسپارٹا میں اس بدنصیب عورت کو مار ڈالتے تھے جس سے کسی قومی سپاہی کے پیدا ہونے کی امید نہ ہوتی" نیز "یونانی اپنے تمدن کے کسی دورِ عروج میں بھی بجز طوائفہ کے کسی عورت کو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے"۔[۱]

ارسطو (Aristotle) کہتا ہے

"Man is by nature superior to the female and so the man should rule and the woman should be ruled.[2]

ترجمہ: مرد فطری طور پر عورت سے بہتر ہے اس لیے مرد کو حاکم اور عورت کو محکوم ہونا چاہیے۔

کتاب 'یونانی قانون کے خطبات' میں ڈیموستھین (Demosthene)[۳] کا بیان درج ہے کہ

"We keep hetaerae for the sake of pleasure, females slaves for our daily care and wives to give us legitimate children and to be the guardians of our households."[4]

ترجمہ: ہم اپنے لطف کے لیے داشتہ، روزمرہ کاموں کے لیے لونڈی اور جائز بچوں اور گھر کی نگرانی کے لیے بیوی رکھتے ہیں۔

جب کہ عورت کو تعلیم دینے کے بارے میں یہ نقطہ نظر تھا کہ

"A man who teaches a woman to write should know that he is providing poison to an asp."[5]

ترجمہ: ایک شخص اگر کسی عورت کو لکھنا سکھاتا ہے تو وہ جان لینے وہ اُسے زہر قاتل دے رہا ہے۔

---

۱- تمدن عرب، گستاؤلی بان، ص: ۳۷۳

2-B.Jowtt, M.A, *The Politics of Aristotle*, Vol II Part I (Trans), (London: Oxford University Press, 1885), 175

۳- ڈیموستھین (Demosthene) (۳۸۴-۳۲۲ ق م) چوتھی عیسوی صدی کا یونانی خطیب تھا۔

4- Michael Gagarin, *Speeches from Athenian Law*, (United States: University of Texas Press, 2011), 122

5 - C. Willink, *Phaedra And 'Chorus' In Euripides' Hippolytus, Collected Papers on Greek Tragedy*, (London: Hacket Publishing Company, Inc., 2004), 663

کتاب 'لغت: یونانی اور رومن سوانح عمری اور دیوتاؤں کے قصے' میں فیڈرا (Phaedra)[۱] کا کہنا ہے

"I am only a woman, a thing which the world hates".[2]

ترجمہ: میں صرف ایک عورت ہوں، ایسی چیز جس سے دُنیا نفرت کرتی ہے۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ عورت کو مردوں کے لیے لعنت قرار دیتے ہوئے اس طرح بیان کیا

"No cure has been found for a woman's venom, worse than that of reptiles. We are a curse to man".[3]

ترجمہ: عورت کے زہر کا کوئی علاج نہیں، اس کا زہر خزندوں سے زیادہ خطرناک ہے۔ ہم مرد کے لیے لعنت ہیں۔

ہائپریڈیز (Hyperides)[۴] کہتا ہے

"A woman who travels outside her house should be old enough that people ask whose mother she is, not whose wife she is."[5]

ترجمہ: ایک عورت جو گھر سے باہر نکلے اُس کی عمر اتنی ہو جسے دیکھ کر لوگ یہ پوچھیں کہ یہ کس کی ماں ہے نہ کہ یہ کس کی بیوی ہے۔

تاریخ دان یونانی تہذیب میں عورت کی حیثیت کے بارے میں تحقیق کے بعد ایک جامع نتیجہ پر پہنچے کہ

---

۱- فیڈرا (Phaedra) (س۔ن) یونانی بادشاہ تھیس یس (Theseus) کی بیوی تھی جو تھیس یس کے پہلے بیٹے ہیپو لائٹس (Hippolytus) کی محبت میں گرفتار تھی۔

2-Smith Willia, *Dictionary of Greek and Roman Biography and Mythology*, (London: John Murray, 1873), 301.

3- J. Michael Walton, Andromache. *In Plays: V. Cannon*, Trans, Robert, (London: Methuen, Classical Greek Dramatists ser, 1997), 42

۴-ہائپریڈیز (Hyperides) (۳۹۰-۳۲۲ق م): یونانی لوگو گرافر تھا۔

5- Euripides. Ed. J. Michael Walton, *Andromache.*, Trans, Robert, 102

"It seems clear, then, that Athenians saw women as beguiling creatures capable of causing considerable harm to themselves and others, and weaker in mind and body than men.".(1)

ترجمہ: یہ واضح ہوتا ہے کہ یونانیوں نے عورت کو گمراہ کن مخلوق گردانا جو اُنہیں اور باقیوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اور دماغی اور جسمانی طور پر مردوں سے کمزور ہے۔

اہل روم کے یہاں عورت ذات کے سلسلہ میں نظریات و رجحانات نے اتنا زوال قبول کیا کہ اس کی تصویر کشی مشکل نظر آتی ہے۔ یہاں بھی عورت کی حالت یونانی عورت سے مختلف نہ تھی۔ صرف بادشاہوں اور امیر گھرانوں کی خواتین کو عزت و وقار نصیب ہوتا۔ متوسط گھرانوں کی خواتین کا کردار گھروں تک محدود تھا۔

"قدیم روم میں عورتوں کو حق رائے دہی حاصل نہ تھا اور نہ ہی کسی عہدے پر ان کا تقرر ہو سکتا تھا۔ ان کا معاشرتی کردار محدود تھا۔ صرف طاقت ور طبقہ خاندانوں کی خواتین ذاتی تعلقات کی بناء پر اثر انداز ہو سکتی تھی۔ عام عورت کا معاشرتی کردار انتہائی محدود تھا"۔ (۲)

عورتوں کی بڑی تعداد غلامی میں تھی۔ عورت کو بحیثیت بیوی بھی حقوق حاصل نہ تھے۔ مرد خاندان کا سردار تھا، اس کو اپنی بیوی و بچوں پر پورے حقوقِ مالکانہ حاصل تھے، بلکہ بعض حالات میں وہ بیوی کو قتل کر دینے کا بھی مجاز ہوتا۔ تاریخ میں اس کی منظر کشی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

"Female slaves were at the mercy of predatory masters. Wives protested and society expressed disapproval (albeit in a very minor way), but the law was on the side of the errant husband".(3)

---

1- Ann Ellis Hanson, "Diseases of Women", *Hippocrates*, Vol 1, The University of Chicago Press, 1975, 67

2- Kristina Milnor, "Women in Roman Historiography", *Cambridge Companion to the Roman Historians*, (London: Cambridge University Press, 2009), 278

3- James C. Thompson, *Women In The Ancient World: The status, role and daily life of women in the ancient civilizations of Egypt, Rome, Athens, Israel and Babylonia*, (USA: iUniverse, n.d) 19.

ترجمہ :لونڈیاں اپنے آقاؤں کے رحم و کرم پر تھیں۔ بیویوں نے احتجاج کیا اور معاشرے نے ناپسندیدگی کا(انتہائی معمولی سا) اظہار کیا لیکن قانون آوارہ شوہر کا طرف دار تھا۔

قدیم تاریخ میں مصر کی عظمت کے پرچم بھی دنیا بھر میں لہرائے ہوئے تھے مگر وہاں بھی عورت مظلوم ہی تھی۔ دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے عورتوں کی قربانی دی جاتی تھی، اور ہر سال ایک دوشیزہ کو دریائے نیل میں بھینٹ چڑھا دیا جاتا تھا، غرض یہ کہ عورت کو عملی زندگی کی تعمیر میں کسی بھی نوعیت کا اختیار حاصل نہیں تھا، مرد کی مکمل تقلید مصری عورتوں کا مقدر بن چکی تھی۔

## قرون وسطیٰ میں مغربی عورت(Woman in Medieval Ages)

مغرب کی تاریخ کا دوسرا حصہ پانچویں صدی عیسوی (۴۷۶) سے پندرہویں صدی عیسوی (۱۵۰۰ء) تک محیط ہے۔ جسے تین حصوں میں منقسم گردانا جاتا ہے۔ ابتدائی دور ۴۶۷ء سے ۱۰۰۰ء پر مشتمل ہے، درمیانی دور ۱۰۰۰ء سے ۱۳۰۰ء اور آخری دور ۱۳۰۰ء سے ۱۵۰۰ء تک ہے۔ قرون وسطیٰ کے ابتدائی دور میں عورت کی حیثیت کا تصور کافی حد تک بدل گیا اور اس عرصہ میں کئی قوتیں عورت کی زندگی پر اثر انداز ہوئیں۔ یورپی قانون گرجا کے قوانین، رومن قوانین یا روایتی قوانین (اکثر ان تینوں کا مرکب) تھا۔ رومن کا قانون خاص طور پر اٹلی، سپین، پرتگال اور فرانس میں مضبوط تھا۔ یورپ میں شخص کی قانونی حیثیت صنف پر منحصر تھی۔[۱]

ابتدائی عرصہ میں رہبانیت کے نظام میں عورت کو چرچ میں محدود کردار ملا اور عورت مذہبی کارکن (Nun) کے روپ میں نظر آنے لگی۔ عورت سے کسان (Peasant)، کاریگر (Artisan) کے طور پر کام کروایا جاتا تھا۔ دایہ کا پیشہ عورت کے لیے اسی دور میں مقبول ہوا اور شراب سازی بھی عورت ہی کرتی تھی۔[۲]

عورت کو جائیداد کی ملکیت کا حق بھی دیا گیا تھا۔ جب کہ فرانس، انگلینڈ، اٹلی اور جرمنی کے کچھ حصوں میں وراثتی قانون پریموجنیٹر (Primogeniture) (پہلا بیٹا وراثت کا حقدار) منظور کیا گیا جس کے تحت وراثت کا حقدار صرف مرد کو قرار دیا گیا۔ اس قانون نے خواتین میں جائیداد کی منتقلی ختم کر دی۔ سامراجیت کے ختم ہونے پر

---

[1]-Mayr Harting, H., *The coming of Christianity to Anglo-Saxon England.* (Pennsylvania: Pennsylvania State University Press, 1991), 133.

[2]-Allen Prudence, *The Early Humanist Reformation, 1250-1500,* (Cambridge: William. B. Eerdmans Publishing, 2002), 127

اشرافیہ نے ریاست پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے اسی قانون کے تحت صرف مردوں کو وارث قرار دیا۔ جب عورت شادی کرتی تو اس کی جائیداد کا متولی اس کا شوہر ہوتا۔ (۱)

نجکاری کے عمل کے دوران عورت کے ملکیتی حقوق ختم کر دیے گیے اور جاگیردار عورت بھی خادمہ یا مزدور کی حیثیت سے کام کرنے لگی۔ (۲)

تاریخ میں اس دوران عورت کا سیاسی کردار گنتی کی چند خواتین کا ملتا ہے۔ عورت کو سیاست میں حصہ لینے کا حق حاصل نہ تھا اور نہ ہی اُسے سیاست میں رائے دہی کا حق حاصل تھا۔ (۳)

کسانوں، غلاموں اور نوکرانیوں کو آقا کی ملکیت سمجھا جاتا تھا۔ آقاؤں کے نزدیک ان کی اہمیت بس ایک پالتو جانور کی طرح تھی۔ صرف بادشاہوں کے خادموں، کسانوں اور نوکرانیوں کو آزاد انسانوں کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ (۴) اگر آزاد پیدا ہونے والی عورت کسی غلام سے شادی کر لے تو اس کی آزادی اور اس آزادی سے حاصل ہونے والی سہولیات سلب کر لی جاتی تھیں۔ اُس سے جائیداد رکھنے کا حق چھین لیا جاتا اور اُس کی بھی وہی حیثیت ہوتی جو ایک غلام کی ہوتی۔ (۵)

پدرانہ نظام میں خاوند یا باپ گھر کی عورتوں کے ذمہ دار تھے۔ قانونی حیثیت خاوند کو حاصل تھی کہ وہ اپنی بیوی کو سزا دے سکے۔ عموماً روایتی قوانین کے علاقوں میں عورتوں کو زیادہ حقوق حاصل تھے۔ انگلینڈ میں خواتین کو زیادہ آزادیاں حاصل تھیں جب کہ لاطینی ممالک میں اس کے برعکس تھا۔

---

1- Carole Shammas, "English Inheritance Law and Its Transfer to the Colonies", *American Journal of Legal History*,1987

2- Jane Whittle, "Rural Economy". *Handbook of Women and Gender in Medieval Europe*, (London: Oxford Univesity Press, 2010). 28

3-Diana H. Coole, *Women in Political Theory: From Ancient Misogyny to Contemporary eminism* (USA: Prentice-Hall, 1993), 42

4-Theodore John Rivers, *The Laws of Salian and Ripuarian Franks. AMS studies in the Middle Ages*, Vol. 8 ( New York: AMS Press, 1986), 97

5-Margaret Schaus C., *Women and gender in medieval Europe: an encyclopedia*, (New York; Routledge Taylor and Francis Group, 2006), 35

"Rural women faced limitations fundamentally similar to those restricting women of the more privileged sectors of medieval society. Norms of female and male behaviour in the medieval countryside drew heavily upon the private subordination of wives to their husbands". (1)

ترجمہ قرون وسطیٰ کی دیہاتی عورتوں کو مستحکم شعبوں سے وابستہ خواتین کی نسبت زیادہ بنیادی پابندیوں کا سامنا تھا۔ قرون وسطیٰ میں مرد اور عورت کے رویوں کے معیار نے بیوی کو شوہر کی ذاتی ماتحت بنا دیا تھا۔

فرمان بردار بیوی کو مثالی بیوی تصور کیا جاتا تھا۔ رومن قوانین کے تحت جسم فروشی میں پکڑی گئی عورت کے خاوند کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اُسے وہیں قتل کر دے، مگر روایتی قوانین میں جان لینے کا اختیار نہیں تھا بلکہ اسے اپنے حاصل شدہ اختیارات کے تحت گھر میں قید کر سکتا تھا۔ گرجا کے قوانین میں دوہرے معیار کی مذمت کی گئی جب کہ روایتی قوانین میں عورت کو قانوناً تسلیم کیا گیا(۲)

اسی طرح قُرون وسطیٰ میں کیتھولک چرچ کا رویہ خطرناک حد تک عورت دشمن (Anti-woman) تھا۔ کتابِ پیدائش کا تصور (Genesis)(۳)، سینٹ پال (St. Paul)(۴) کی تحریریں اور مشہور مسیحی متکلم تھامس ایکویناس (Thomas Aquinas)(۵) کے خیالات عورت دشمن متصور ہوتے تھے۔ عورت کے لیے "Misbegotten Male" (گمراہ کُن برائے مرد) اور "Door of the Devil" (شیطان کا دروازہ) جیسی اصطلاحیں مسیحی مذہبی ادب کا حصّہ ہیں۔(۶)

---

1-Bennett, Judith M., *Women in the Medieval English Countryside: Gender and Household in Brigstock Before the Plague*, (New York: Oxford University Press, 1989), 56

2-Brundage, J.A., *Law, Sex and Christian Society in Medieval Europe* (Chicago: University of Chicago Press, 1987), 34

۳- انجیل مقدسات کی پہلی کتاب، جس میں زمین اور انسانیت کی تخلیق کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہودی اور عیسائی دونوں کا اس پر ایمان ہے۔

۴-سینٹ پال (Saint Paul) (۵-۶۷عیسوی): (المعروف پولوس رسول) پہلی صدی میں "عیسیٰ کی انجیل" دُنیا کو سکھانے والے

۵- تھامس ایکویناس (Thomas Aquinas) (۱۲۲۵-۱۲۷۴): اٹلی میں کیتھولک پادری تھا جو ڈومنیکین نظریات کا حامی تھا۔ فلاسفر، ماہر قانون دان اور مدرسیت (Scholasticism) کا فقیہی تھا۔

۶۔ کتاب مقدس، باب گنتی، آیت: ۳۰/۳۔۷

پھر بعض عیسائی تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ عورت اپنی انوثت (زنانہ پن) کو ختم کرکے ہی نجات حاصل کر سکتی ہے۔ "Women could achieve salvation by symbolic denial of their femaleness" ان تحریروں میں عورت کے لیے بعض خصوصی صفات کا تذکرہ بھی ملتا ہے ۔ مثلاً کینہ پرور (Malicious) بے وفا (Disloyal) سنگدل (Heartiness) وغیرہ۔ وہ صرف مثالی نسوانی کردار (Ideal female role) کے ذریعہ سے ہی نجات (Salivation) حاصل کر سکتی ہے۔[۱]

انگلستان کے مشہور شاعر شیکسپئیر[۲] کی بھی یہی رائے ہے کہ عورت ایک ناپاک شیطان ہے جسے آج تک نہ کوئی سمجھا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے۔ بس لوگ اس سے دُور رہیں۔[۳]

قُرون اُولی کی طرح قُرون وسطیٰ میں بھی انسانی تہذیب عروج وزوال کا شکار رہی، ابتدائی اور ثانوی ترقی کے ادوار میں عورت کو معاشی آزادیاں بھی ملیں، سماج میں عورت شریک رہی مگر جب تہذیب زوال کا شکار ہوئی تو عورت سے یہ حقوق سلب کر لیے گئے۔

**ابتدائی دورِ جدید میں مغربی عورت (Women In Early Modern Ages)**

تاریخ جدید کا ابتدائی دور یورپی تاریخ کا یہ دور قرون وسطیٰ کے اوخر (۱۴۰۰ء) سے شروع ہوا۔ ۱۵۰۰ء سے ۱۶۵۰ء تک کے دور کو نشاۃ ثانیہ (Renaissance) (دوبارہ پیدائش) اور دوبارہ تشکیل (Reformation) کا دور بھی کہا جاتا ہے جو ہے۔ پھر یورپی ممالک کے عروج کا دور شروع ہوا جو ۱۸۰۰ء تک جاتا ہے جس میں روشن خیالی (Enlightenment) اور مطلق العنانیت (Absolutism) کے تصورات وجود میں آئے۔ اٹھارویں اور اُنیسویں صدی (۱۷۷۰ سے ۱۸۱۵) سے انقلاب (Revolution) کا زمانہ شروع ہوا۔ دور جدید کی تاریخ نے قابل ذکر سنگ میل عبور کیے جن میں امریکی انقلاب (۱۷۷۵ء-۱۷۸۳ء)، صنعتی انقلاب (۱۷۶۰ء-۱۸۴۰ء) اور انقلاب فرانس (۱۷۸۹ء-۱۷۹۹ء) شامل ہیں۔

یورپ پر یونانی ورومن ثقافت کا اثر اہم تھا۔ رومن نے خواتین کو سیاست سے دور گھر میں رکھا، جب کہ یونانیوں نے جمہوریت کی روایات توڑالیں مگر عورت کو ووٹ کا حق نہیں دیا۔ ثقافتی روایات کے مطابق صرف مرد کو

---

1-Pat Holden, *Women Religious Experience* (New York: Routledge Library Editions, 1983), 3

۲-ولیئم شیکسپیئر (William Shakespeare) (۱۵۶۴-۱۶۶۱) انگلستان کا مشہور شاعر، ڈرامہ نگار اور اداکار تھا۔

3-Andrew Gurr, *Shakespeare's Workplace Essayes on Shakespeare Theatre* (England: Cambridge University Press, 2007), 232.

ہی اختیارات کا حق حاصل تھا۔ سردار، مالک یا بادشاہ صرف مرد ہی ہو سکتا تھا۔ ما سوائے چند حالات کے جہاں بیویاں، مائیں اور بیوہ عورتیں مردوں کی عدم موجودگی میں (جنگ میں گئے مردوں کے لوٹ آنے تک یا اولاد کے جوان ہونے تک) اختیارات استعمال کر پائیں۔[1]

اگر کسی عورت نے اختیارات کی بات کی بھی تو اسے اس کی غلطی، عفریت، نفسیاتی الجھن کا شکار اور غیر محفوظ سمجھا جاتا تھا۔[2]

نشاۃ ثانیہ (Renaissance) قدیم تصورات اور ماضی میں کیتھولک اور انسانی اُصولوں کی روایات کا مجموعہ تھی۔ قرون وسطیٰ کے دور کے پیروکاروں نے قرون وسطیٰ کی طرح یا تو نیک اور پارسا یا پھر گمراہی اور چال باز کا تشخص پیش کیا۔ جب کہ احیاء العلوم و تمدن کے مفکرین نے حضرت حوا اور حضرت مریم کو بطور نمونہ پیش کرتے ہوئے خواتین کی نمائندگی کی۔ اس دور میں علم و فنون، ثقافتی اور سیاسی تبدیلیوں کی راہ دوبارہ تعمیر ہوئی جس سے صرف مرد کی ترقی اور مغلوب عورت کا تصور پیش ہوا کہ معاشرے میں عورت کو صرف استعمال کیا جاتا ہے، بطور بیٹی وہ شادی کی صورت میں خاندان کی مدد کرتی ہے، بطور بیوی وہ گھر کی دیکھ بھال کرتی اور بچوں کو پالتی ہے، خاندان کے لیے وہ کھیتوں میں کام کرتی ہے۔[3]

سولہویں صدی کے عقائد اور اطوار خواتین کے لیے انتہائی دُشمن تھے۔ فرڈنینڈ لنڈبرگ (Ferdinand Lundberg)[4] نے "Modern Women the Lost Sex" (جدید عورت صنف گم گشتہ) کے نام سے تحریک نازن کے خلاف بہت موثر کتاب لکھی۔ اس کتاب کے پہلے باب کا عنوان "رجولیت پسند" عورتوں کے خلاف

---

1-Sharon L. Jansen, *Women and Sovereignty, The Monstrous Regiment of Women; Female Rulers in Early Modern Europe*, ed Louise Olga Fradenburg, (Edinburgh: University of Edinburgh Press, 1992), 102

2- Olwen Hufton, " Women in History. Early Modern Europe", *Oxford University Journal*, (London: Past & Present Socity Oxford University Press, Nov 1983), 141

3-Elaine Fantham, *Women in the Classical World: Image and Text*, (London: Oxford University Press, 1994), 294

۴- فرڈینڈ لنڈبرگ: ۱۹۰۵ء میں شکاگو میں پیدا ہوا۔ بیسوی صدی کا معاشی راہنما، امریکی صحافی اور نسائیت کا ناقد اور مصنف ہے۔

کس قدر نفرت کے جذبات لیے ہوئے ہے۔ ملاحظہ کیجئے "Chimaera or Modern Woman" (چڑیل یا جدید عورت)(۱)

Chimaera یونانی اصنام پرستی (Mythology) میں ایک چڑیل عورت کو کہتے ہیں۔ جو منہ سے آگ کے شعلے نکالتی تھی۔ جس کا سر شیر کا تھا۔ جسم بکری کا اور دُم سانپ کی تھی۔ (۲)

پندرہویں صدی (۱۴۲۸) سے جاری "ساحرہ کا احتساب" (Witch Trial) کے بعد سولہویں اور سترہویں صدی میں "ساحرہ کا شکار" (Witch Hunt) کے نام پر قتل عام کیا گیا، (۳) اس دوران ۷۵ فیصد سے ۹۵ فیصد تک یہ قتل عام جرمنی، انگلینڈ، فرانس، بولویا، سپین، اٹلی، سکاٹ لینڈ میں ہوا۔ (۴) عورت کو مردوں کے زوال کے لیے مورد الزام ٹھہرایا جانے لگا۔ (۵) اختیارات کے حوالے سے سیاسیات اور طبیات نے عورت کی صلاحیتوں کو ناقابل اعتماد اور نامناسب ثابت کیا۔ تاہم اس وقت عورت پادری کی حیثیت میں بھی مقبول ہوئی۔ (۶)

نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے دور میں عورت کو مرد سے کمتر سمجھا جاتا تھا اور معاشرے میں ان کا بنیادی کردار گھریلو تھا۔ سماجی تشخص میں عورت سے معاشرتی رویہ بھی ایک اہم عنصر بنا۔ عورت کی جنسیت، سماجی حیثیت خاص طور پر اشرافیہ کی عورتوں کے لیے شادی سے قبل پاک دامنی اور قانونی وراث (Chastity and Legitimacy of heirs) کے اُصول بنائے گئے جن کے تحت اگر شادی کے بعد کسی عورت پر شادی سے قبل

---

1-Ferdinand Lundberg and Marynia F. Farnham, *Modern Women: The Lost Sex* (New York: The University of Virginia, 1947), 44.

2-W*ebster's Third New International Dictionary of English Language*, "Chimaera or Modern Woman, n.," (New York: The World Publishing Company, 1993), 389.

3- Mitchell, James,. *Killing Women Gender, Sorcery, and Violence in Late Medieval Germany*, (Germany: Grin Publishing, 2010), 102

4- Brain Levack, P., *The Witch-Hunt in Early Modern Europe* (2nd ed.). (London: Longman, 1995), 98

5-Robin Briggs, *Witches and Neighbours:The Social and Cultural Context of European Witchcraft,* (New York: Harper Collins, 1996), 77

6- Chris Middleton, "Peasants, patriarchy and the feudal mode of production in England; Feudal lords and the subordination of peasant women", *Sociological Review*, (1981).

جنسی تعلق کا الزام ہوتا جس کا دعویٰ شادی کے بعد کیا جاتا تو اس کے بیٹے کو قانونی وارثت اور تخت کا حقدار تسلیم نہیں جاتا تھا۔ (۱)

عورت کسی قسم کا بھی معاملہ کرنے میں آزاد نہیں تھی۔ وہ اپنے اختیار سے کوئی معاہدہ نہیں کر سکتی تھی۔ (۲)

نشاۃ ثانیہ سے عصر تنویر (Enlightenment) تک عورت کو مسلسل مرد سے کم تر تصور کیا جاتا تھا تاہم عورت کے رویے اور نمائندگی نے عورت کے تشخص میں بتدریج بہتری پیدا کی۔ عصرِ تنویر (Enlightenment Age) (دانشوری اور فلاسفی کا دور) کے دانشورانہ رجحانات ( مثلاً! ناولز، دیوان خانے، سماجی تنظیم سازی) نے عورت کو عوامی آواز حاصل کرنے میں مدد دی۔ عصرِ تنویر کی متوسط طبقے کی عورتوں نے ان رجحانات سے فائدہ اٹھایا اور مخصوص صنفی کرداروں نے برطانوی مصنف میری وولسٹون کرافٹ (Marry Wollstonecraft) کی تحریروں میں پہلی بار حقوق نسواں کی علامات دیکھیں، جس نے عورت کے حقوق کی آواز بلند کی (۳)

دور جدید کے ان ادوار میں جنگوں، سائنسی ایجادات اور ملکی قوانین میں تبدیلیوں سے یورپی معاشرے میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ابتدائی دورِ جدید میں یورپ میں ایجادات اور تجارت شروع ہوئی۔ کپڑا سازی اور لوہا سازی کا کام بڑے پیمانے پر شروع ہوا، گھریلو صنعت میں کپڑا سازی عورت روایتی طور پر کر رہی تھی، اور سرمایہ داروں کے لیے ایک بہترین اور سستا عامل پیدائش عورت کی شکل میں موجود تھا۔ (۴)

اس لیے سستی اور زیادہ لیبر کے حصول کے لیے خواتین کو ہدف بنایا گیا۔ انہیں احساس دلایا گیا کہ چار دیواری میں وہ محفوظ نہیں بلکہ قید ہیں۔ اس لیے وہ باہر نکلیں اور معاش کی تگ و دو میں لگ کر اپنا مقام بنائیں۔ اپنی حیثیت منوائیں اور مردوں کی حاکمیت جو عورتوں کی بدترین غلامی ہے سے چھٹکارا حاصل کریں۔ یہ اس کا فطری حق

---

1- Elena Woodacre, *Review of The Rule of Women in Early Modern Europ,*(ed) Anne J. Cruz, (Chicago: Chicago University Press, 2009), 165

2-Michael M. Sheehan, *The Will in Medieval England: from the Conversion of the Anglo-Saxons to the End of the Thirteenth Century* (Toronto: Pontifical Institute of Mediaeval Studies. 1963), 359

3- Olwen Hufton, *The Prospect Before Her:A History of Women in Western Europe, 1500-1800,* (New York: Alfred A. Knopf, 1996), 87

4- Bellavitis, Anna, *Women's Work and Rights in Early Modern Urban Europe*, (New York: Springer International Publishing, 2018), 35.

ہے کہ وہ اپنی معاشی حیثیت کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے آزادی سے دوڑ دھوپ کرے۔ صنعت و حرفت، تجارت وزراعت اور ملکی انتظام و انصرام میں مرد کی طرح حصہ لے۔ اس کے نتیجہ میں عورت اور مرد کے کام کے دائرے جو الگ الگ تھے، وہ ایک ہوگئے اور عورت معاش کے میدان میں مرد کے ساتھ تگ و دو میں مصروف ہوگئی چنانچہ عورت گھر کے مخصوص دائرے اور ذمہ داریوں سے نکل کر بیرونی دُنیا کے وسیع دائرے میں مرد کی طرح محنت و مزدوری اور کسب معاش کے لیے نکلی۔ اس نے نہ صرف معاشرے کی سیاسی، معاشی، تعلیمی اور سائنسی شعبہ جات میں اپنی ذمہ داریاں نبھائیں بلکہ ان مختلف شعبہ ہائے زندگی میں بھی اپنا کردار ادا کیا، جہاں صرف اور صرف مردوں کی حکمرانی تھی۔

عورت کی آزادی کا یہ تصور بعض پہلوؤں سے اس کے حق میں مفید تھا تو بعض پہلوؤں سے نقصان دہ بھی تھا۔ اس میں ایک طرف عورت کو مرد کے ظلم سے نجات دلائی گئی تھی، تو دوسری طرف اس کی قوت و صلاحیت، مزاج اور نفسیات کی قطعاً کوئی رعایت نہیں کی گئی تھی۔ اس دور میں ہونے والی جنگوں نے عورت کی حیثیت پر گہرا اثر مرتب کیا۔ جنگوں سے یورپ، امریکہ، فرانس میں دُنیا کی دُنیا ہی بدل گئی۔ پرتگال، سپین، نیدرلینڈ، انگلینڈ اور فرانس نو آبادیاتی نظام بنایا اور افریقہ، جنوبی ایشیاء اور شمالی اور جنوبی امریکہ میں اپنی کالونیاں بنائیں۔ ترکی نے جنوب مغربی یورپ، مغربی ایشیاء اور شمالی افریقہ میں توسیع کی جب کہ روس نے مشرقی یورپ، ایشیاء اور شمالی افریقہ پر قبضہ کر لیا۔ [1]

دوسری جنگ عظیم کے وقت ۱۵ فیصد شادی شدہ عورتیں کام کر رہی تھیں جب کہ جنگ کے بعد یہ کم ہو کر ۱۲ فیصد رہ گئی۔ جنگوں کے دوران عورتوں کو کام کرنے کے لیے مزدور منڈی (Labour Market) میں لایا گیا جو کہ پہلے صرف مرد کے لیے تھی۔ جنگوں کے خاتمے کے بعد عورتوں کی ملازمت ختم ہوئی اور انہیں پھر سے گھر بھیج دیا گیا۔ [2]

---

1-Alan Taylor, *American Colonies*, (New York: Penguin Books, 2001). 30

2- Jutta Schwarzkopf, Taylor & Francis, "Women's History: Europe" *Encyclopedia of Historians and Historical Writing,* Kelly Boyd, ed.vol 2, 1999,

دوسری جنگ عظیم میں امریکہ میں "روزی رویٹر (Rosie Riveter)کی تمدنی اصطلاح اُن عورتوں کے لیے استعمال ہوئی جنہوں نے جنگ کے دوران فیکٹریوں اور جہازوں میں کام کیا۔ بہت سی خواتین نے اسلحہ سازی اور جنگی سامان تیار کیا۔ جنگ کے بعد ان خدمات کے عوض اُن خواتین کو مردوں کی جگہ ملازمتیں دی گئیں۔ (۱)

تجارتی جمود اور معاشی بحران کے دوران بے روزگاری کی شرح ۲۵ فیصد تک بڑھ گئی، وسیع پیمانے پر یہ مطالبہ شروع ہو گیا کہ خواتین کو گھر بھیجا جائے تاکہ مردوں کے لیے روزگار مہیا ہو سکے۔ جب کہ دوسری طرف عورت کی ضروریات بھی بڑھ چکی تھیں۔ خواتین کے لیے صرف وہی ملازمتیں رہ گئیں جن پر مرد کام کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ ابتدائی دور جدید کے آخری عرصہ میں خواتین کے کام کرنے پر پابندیاں عائد کی گئیں، اور پیشوں میں دوبارہ سے مردوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ شاید اس کی اہم وجہ عورت کی گھریلو صنعت کاری اور اس کی حیثیت میں اضافہ تھا۔ (۲)

تعلیم حاصل کرنے کے باوجود عورت کے بارے میں یہ تصور عام تھا کہ عورت کم عقل ہے اس لیے سیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی، سیکھنے کی صلاحیت صرف مرد کی ہے۔

شہرہ آفاق فلسفی روسو اپنی ایک کتاب میں عورتوں کے متعلق گوہر افشانی کرتا ہے کہ

> " عورت کی جگہ اپنے گھر میں ہے، اسے اپنے خاوند کو آقا سمجھنا چاہیئے۔ البتہ گھریلو معاملات میں عورت ہی کا حکم چلنا چاہیے۔ تعلیم کا اصل مقصد گھریلو فن سکھانا ہے"۔ (۳)

خواتین کے حقوق کے حامی مرد و خواتین مصنفین (۴) نے عورت کی عصمت اور اس کی تعلیم کی اہمیت معاشرے میں اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان مصنفین کی تحریروں نے عورت کے سماجی کردار ان کے مسائل اور انہیں محدود کرنے والی تمدنی حدود پر سوالات اٹھائے۔ اور یہ باور کروایا کہ جب تک عورت تعلیم یافتہ نہ ہو گی وہ مردوں کے برابر حقوق حاصل نہیں کر سکے گی۔

---

1- Tawnya J. Adkins Covert, *Manipulating Images: World War II Mobilization of Women through Magazine Advertising,* (New York: Lexington Books, 2011), 112

2- Erler, Mary C.; Kowaleski, Maryanne. *Gendering the Master Narrative: Women and Power in the Middle Ages.* (Cornell University Press, 2003), 134

3- Yuji Koshimizu, *Women And Children In Rousseau's Theory Of Education,* (Japan: Koyoto University, 2001), 17

۴- جان لوئس وائیوز (سپین)، میری ڈی گورنے (فرانس)، اینا ماریہ (ہالینڈ) شرمین (ہالینڈ)، میری اسٹل (انگلینڈ)

امریکہ میں عورتوں نے اُنیسویں صدی کے آغاز ہی میں دفتروں اور کارخانوں میں کام شروع کر دیا تھا۔ امریکی زندگی کے پس منظر میں یورپی معاشرتی حالات تھے۔ اس لیے یہاں اس سے اگلے مرحلے کے لیے جدوجہد تھی۔ نیو یارک کے قریب سینیکا فالز ( Seneca Falls) کے مقام پر ۱۸۴۸ء میں عورتوں کی ایک ملک گیر کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں ایک منشور منظور کیا گیا جو"جذبات کا منشور" ( Declaration of Sentiments) کے عنوان سے مشہور ہے۔ اس منشور کو خواتین کی تمام معاشرتی سرگرمیوں کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔[1]

عورت کی حق رائے دہی کی تحریک نے ۱۹۲۰ء میں امریکہ، کینیڈا، برطانیہ سمیت کئی یورپی ممالک میں زور پکڑا۔ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۱ءتک امریکہ، برطانیہ سمیت بہت سے جمہوری ممالک نے عورت کے ووٹ کے حق کو تسلیم کیا۔[2]

یہ بات مُسّلمہ ہے کہ عورت معاشرے کا ایک ایسا ناگزیر عنصر ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ سماجی اور تمدنی اصلاح و بقاء کا انحصار تقریباً اسی نوع کی حیثیت پر ہے۔ عورت کی حیثیت، اس کا کردار و عمل اور اس کی حیات بخش صلاحیتیں معاشرے کے عُروج و زوال کا سامان ہیں۔ مغربی معاشرے کا جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تاریخ کے زیادہ تر حصہ میں عورت کو گھر اور معاشرے کے دائرہ میں یکے بعد دیگرے منتقل کیا گیا۔ قدیم تاریخ میں عورت کو قانونی، سیاسی، معاشی حاصل نہ تھے۔ اور عورت کو مرد کے لیے محض ایک عیاشی کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ روایتی طور پر یورپی تاریخ نے عورت کو دو بنیادی دائرہ کاروں یعنی جنسی طور پر ورغلانے والی یا پاک، نیک ماں، بیٹی، یا

---

[1]-Dumenil, Many scholarly sources describe Seneca Falls as the first women's rights convention. (Including Wellman, 2004: The book's title itself include those words); (Isenberg, 1998, P:1; McMillen, 2008, P:115) No scholarly source describes an earlier meeting as Women's Rights Convention. Seneca Falls is given that recognition because it was the first that was organized by women explicitly for the purpose of discussing women's rights as such. It was not, however, the first convention at which the topic of women's rights was among the topics that were discussed.

[2]- June Hannam, Katherine Holden, Mitzi Auchterlonie, *International Encyclopedia of Women's Suffrage*, ( California: ABC CLIO, 2000), 88

بیوی کے کردار میں پیش کیا ہے۔ نشاۃ ثانیہ کے بعد عورت نے علوم و فنون کی بدولت اپنی سماجی حیثیت میں بہتری حاصل کی وگرنہ تاریخ کے زیادہ تر حصہ میں اُسے عوامی رسائی کی اجازت نہ تھی۔

یکے بعد دیگر جنگوں، انقلابات، ہجرتوں، صنعتی ترقی، نو آبادیاتی نظاموں اور تعلیمی میدان میں عورت کی پیش قدمی نے عورت کا معاشرے میں کردار اور مقام بدل کر رکھ دیا۔ مغرب میں عورت کے حقوق کی جدوجہد ایک تاریخ رکھتی ہے، اس جدوجہد یا تحریک کو مختلف نام دیئے گئے۔ حقوق نسواں، سفر یجی تحریک، آزادی نسواں یا تحریک نسائیت کہا گیا۔ عورت کے حقوق سے آشنا کروانے کے لیے کچھ بین الاقوامی کانفرنسیں ہوئیں تاکہ عورت کے مسائل کا حل تلاش کیا جاسکے۔ مساواتِ مرد و زن کا نعرہ بلند ہوا، اور آزادئ نسواں کی تحریک شروع ہوئی۔ جس نے عورتوں کے حقوق کے لیے جدوجہد کی، قانونی اصلاحات کی گئیں اور یورپی عورت نے یکے بعد دیگرے حقوق حاصل کیے۔ مغربی عورت کی موجودہ حثییت اسی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

# مبحث دوم: مغربی معاشرے میں عورت کی حیثیت

معاشرے میں فرد کی سماجی حیثیت کا تعین اور اس کی درجہ بندی واضح طور پر ایک تکنیکی مسئلہ ہے۔ عمرانی علوم میں مغربی عورت کی حیثیت پر بڑھتی ہوئی توجہ کے باوجود عورت کی حیثیت صحیح معنوں میں غیر واضح ہے۔ صنفی عمرانیات (Sociology of Gender) میں عورت کی حیثیت، خود مختاری، پدرانہ نظام، صنفی طبقاتی نظام، حقوق نسواں جیسی اصطلاحات کے باوجود بھی خواتین کی حیثیت سے متعلق تعریف میں کئی تبدیلیاں آئیں۔ مغرب میں عورت کی حیثیت کا اندازہ کرنے سے قبل ضروری ہے کہ مغرب میں "حیثیت" کا مفہوم و معیار اور چند بنیادی اہم نکات کا ذکر کیا جائے تاکہ مغربی معاشرے میں عورت کی حیثیت کے مفہوم کو واضح کیا جا سکے۔

حیثیت کا مفہوم عمرانیات میں یوں ہے۔

"معاشرتی مدارج (Social Starification) کی عمودی درجہ بندی میں کسی فرد کا مطابقاً معاشرتی درجہ حیثیت کہلاتا ہے"[1]

یہ درجات اعزاز و وقار کی بناء پر طے ہوتے ہیں جن میں فرد کا مقام یا عہدہ، حقوق و فرائض اور طرز زندگی شامل ہے۔

حیثیت کی دو اقسام ہیں

۱۔ مفوضہ (Ascribed) حیثیت ۲۔ اکتسابی (Achieved) حیثیت [۲]

مفوضہ (Ascribed) حیثیت: پیدائشی خصوصیات پر مشتمل ہوتی ہے، یا جو فرد کو نسبی طور پر وراثت میں ملتی ہیں۔ مثلاً قومیت (نسل)، بادشاہت وغیرہ۔ بادشاہت ایک خاندان میں رکھنے کے لیے حیثیت کی یہ قسم وسیع پیمانے پر استعمال کی گئی ہے۔ عموماً یہ حیثیت پیدائش کے ساتھ ہی حاصل ہو جاتی ہے۔ جب کہ وہ حیثیت جو فرد اپنی

---

1- Edgar Borgatta, Rhonda J V Montgomery, *Encyclopedia of Sociology*, Vol 3,( New York: Macmillan Reference, 2000), 38.

2- Goffman, Erving, "Symbols of Class Status", *British Journal of Sociology*, Vol.2 No. 4, (1951). 294.

جدوجہد سے حاصل کرتا ہے۔ اسے اکتسابی (Achieved)حیثیت کہتے ہیں، مثلاً تعلیم، ملازمت، آمدن، عہدہ وغیرہ۔[(۱)]

سماج کے "عمودی مدارجی نظام" میں سماجی حرکت پذیری سے حیثیت میں تبدیلی ممکن ہے۔ سماجی حرکت پذیری سے سماجی حیثیت میں ترقی (Upward Mobility)یا تنزلی (Downward Mibility)ہوتی ہے۔ سماجی حرکت پذیری فرد کو اس کی موجودہ سماجی حیثیت سے دوسری سماجی حیثیت میں جانے کی اجازت دیتی ہے۔ سماجی حرکت پذیری اُن معاشروں میں عام ہے جہاں افراد سماجی حیثیت میں مفوضہ (نصیبی) حیثیت کے بجائے اکتسابی (عمل سے حاصل شدہ) حیثیت کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں۔ عموماً سماجی مدارج میں دو افراد کے درمیان یکساں مطابقت کی بناء پر طبقات کی درجہ بندی کی جاتی ہے۔[(۲)]

یہ درجہ بندی صنف، مذہب، سیاست، نسل، آمدن (سب سے زیادہ عام)، جنسیت، معاشی حالات اور شہرت کی بنیاد پر قائم کی جاتی ہے۔ دو افراد کے درمیان ان میدانوں میں یکساں مطابقت رکھنے والے افراد کو ایک طبقہ تصور کیا جاتا ہے۔

جرمنی کے ماہر سماجیات میکس ویبر(Max Weber)[(۳)]نے معاشرتی درجہ بندی کا نظریہ (The Three P's of Starification)پیش کیا۔ جس کی بنیاد جائیداد (Property)،وقار (Prestige)اور طاقت (Power)(سیاسی قوت) ہے اُس نے دعویٰ کیا کہ معاشرتی درجہ بندی دولت، وقار(عزت و احترام) اور طاقت (سیاسی طاقت) کا نتیجہ ہے۔[(۴)]

---

1-Ralph Linton, *The Study of Man: An Introduction*. (New York: Appleton Century Crofts, Inc, 1936).115

2- James J. Heckman, Mosso, S., "The Economics of Human Development and Social Mobility", *Annual Reviews of Economics,* Vol. 6, (San Francisco: 2014), 689

۳۔ میکسی میلین کارل ایمل ویبر(Maximilian Karl Emil Weber) (۱۸۶۴-۱۹۲۰)ایک جرمن ماہر عمرانیات، فلسفی، فقیہ اور سیاسی ماہر معیشت تھا۔

4-Tony Waters, Dagmar Waters , *Weber's Rationalism and Modern Society,* (New Brunswick: Transaction Publishers, 2015), 133

پیئر فلیکس بورڈیو (Pierre Felix Bourdieu) [1] کے 'نظریہ طبقاتی امتیاز' (Theory on class Distinction) کے مطابق سماجی طبقات کی بنیاد جمالیاتی ذوق (ثقافت، طرز معاشرت اور معیشت) ہے کہ ایک فرد معاشرے میں کس طریق کار سے دُنیا کے سامنے اپنی حیثیت منواتا ہے۔ جمالیاتی نمائش (ثقافت، طرز معاشرت اور معیشت) اُس فرد کی حیثیت کو دوسروں کی حیثیت سے ممتاز کرتی ہے۔ [۲]

جدید مغربی معاشروں میں روزگار کو حیثیت ماپنے کا بنیادی معیار سمجھا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ دوسرے عناصر مثلاً نسل، گروہ، مذہب، صنف، تعلق داری، مشغلہ کو بھی روزگار کے ساتھ وابستہ سمجھا جاتا ہے۔ اکتسابی حیثیت (Achieved Status) تعلیم، روزگار اور ازدواجی حیثیت سے حاصل کیا جاسکتا ہے اور حیثیت کے مدارجی نظام میں ان کامیابیوں (مالی کامیابی، تعلیمی کامیابی، سیاسی کامیابی) کی بناء پر ان کے سماجی مقام کا تعین کیا جاتا ہے۔ امریکہ میں حیثیت کا موازنہ کرنے کے لیے روزگار کو بنیادی معیار سمجھا جاتا ہے۔ جو عہدے میں بڑا ہو گا، جس کے پاس اختیار زیادہ ہو گا یا اپنے ساتھ کام کرنے والے پر زیادہ کنٹرول حاصل ہو گا اس کی سماجی حیثیت زیادہ ہے۔ [۳]

ان تصورات سے یہ واضح ہے کہ مغرب میں فرد کی حیثیت کا اندازہ کرنے کے لیے معیشت (روزگار)، وقار (معاشرتی عزت واحترام) اور طاقت (سیاسی قوت) کو بنیادی عناصر گردانا جاتا ہے، جن کی بنیاد پر معاشرے میں فرد کی حیثیت کا تعین کیا جاتا ہے۔ سماجی درجہ بندی کے معیار کو مد نظر رکھتے ہوئے مغربی معاشرے کے درج ذیل شعبوں میں قومی اور بین الاقوامی اداروں کی سروے رپورٹس سے موازنہ کر کے مغربی عورت کی حیثیت کا جائزہ ذیل میں پیش کیا گیا ہے۔

## تعلیم و معیشت میں مغربی عورت کی حیثیت

مغربی معاشروں میں عورت کو بنیادی، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے حقوق میسر ہیں۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد مغربی دُنیا میں خواتین نے بڑی تعداد میں تعلیم تک رسائی حاصل کی۔ اور گزشتہ دو دہائیوں سے تعلیمی میدان میں عورت نے نمایاں ترقی کی۔ بیسویں صدی سے قبل عام طور پر تعلیمی اداروں میں خواتین گھریلو علوم (Domestic Science) سے متعلق پیشہ ورانہ تعلیم مثلاً نرسنگ اور تدریس سے وابستہ تھیں مگر بیسویں صدی

---

[1] - پیئر فلکس بورڈیو (Pierre Felix Bourdieu) (۱۹۳۰-۲۰۰۲)۔ فرانسیسی ماہر عمرانیات، ماہر بشریات، فلسفی اور دانشور تھا۔

[2] - Pierre Bourdieu, *Distinction : A Social Critique of the Judgement of Taste*, Trans: Richard Nice , (Cambridge: Harvard University Press, 1984), 302

[3] - Robert J. Brym, John Lie Brym, *Sociology: Your Compass for a New World*, (United States: Cengage Learning, 2002), 88

میں لڑکیوں کو بھی لڑکوں جیسی تعلیم حاصل کرنے کا حقدار تسلیم کیا گیا جس کے بعد سکولوں، کالجز اور یونیورسٹیز میں دیگر تعلیمی شعبوں میں بھی خواتین کی تعداد بڑھتی گئی۔ [۱]

۱۹۴۵ء میں پہلی بار ہارورڈ میڈیکل سکول میں طالبات کا داخلہ کیا گیا۔ ۱۹۴۸ ء میں انسانی حقوق کے عالمی منشور کی شق نمبر ۲۶ میں پہلی بار عورت کے تعلیمی حق کا دعویٰ کیا گیا۔ امریکہ میں ۱۹۶۵ میں ہائیر ایجوکیشن ایکٹ پاس کیا گیا۔ ۱۹۹۶ء میں ورجینیا سپریم کورٹ نے ملٹری انسٹیٹیوٹ میں خواتین کے داخلے کا حکم صادر کیا۔ [۲]

تعلیم کے شعبہ میں رسائی ملنے کے بعد مغربی خواتین نے اس میدان میں مردوں سے زیادہ ترقی کی، جس کا اظہار امریکہ کے ادارہ مردم شماری کی رپورٹ نے کیا ہے کہ ۱۹۷۰ء سے ۲۰۰۴ ء کے درمیان تعلیمی میدان میں صنفی ترتیب (Gender Composition) اس حد تک منتقل ہوئی کہ ۱۸ سال سے ۲۴ سال کی عمر کے دس اعشاریہ آٹھ (۱۰.۸) ملین نوجوان طلبہ وطالبات میں سے ۵۴ فیصد اکثریت خواتین کی تھی"۔ [۳]

۲۰۰۱ء سے ۲۰۱۵ء تک یورپ اور امریکہ کے تعلیمی اداروں میں خواتین کی تعداد مردوں سے زیادہ سے زیادہ ہوئی۔ ۲۰۰۹ء کی رپورٹ کے مطابق چار سالہ بیچلر ڈگری پروگرام میں ۵۹ فیصد طلبہ وطالبات نے چار سالوں میں ڈگری مکمل کی۔ ۵۶ فیصد مردوں کے مقابلے میں ۶۲ فیصد خواتین نے چار سالہ ڈگری مکمل کی۔ جب کہ ۲۰۱۵ء میں نو اعشاریہ پانچ (۹.۵) ملین طالب علموں میں ۵۶ فیصد خواتین اور ۴۴ فیصد مرد تھے۔ سال ۲۰۰۰ء سے ۲۰۱۵ء کے اعداد وشمار ظاہر کرتے ہیں کہ ہائی سکول اور سیکنڈری سکول کے بعد چھ سالہ ڈگری پروگرام میں خواتین کے مقابلے میں مرد کم تعداد میں حصہ لیتے ہیں۔ [۴]

---

[1] –Joyce Goodman, Rebecca Rogers, James C. Albisetti, *Girls' Secondary Education in the Western World: From the 18th to the 20th Century, Secondary Education in a Changing World*, (England: Palgrave Macmillan, 2010), 168

[2]– Philippa Strum, *Women in the Barracks: The VMI Case and Equal Right*, (Kansas: University Press of Kansas, 2002), 214

[3]– National Center for Education Statistics (NCES), "The Condition of Education 2004", *Washington: U.S Department of Education Institute of Education Sciences*, 72.

[4]– National Center for Education Statistics (NCES), "The Condition of Education 2015".19

عالمی اداروں کے ان اعداد و شمار کے بنیاد پر یہ واضح ہوتا ہے کہ بیسویں صدی میں یورپی ممالک کی عورتوں نے تعلیمی میدان میں اپنا لوہا منوایا ہے۔ عورت جو پہلے صرف گھر اور امور خانہ داری تک محدود تھی، قانونی اور سماجی طور پر تعلیم کی حقدار تسلیم ہونے کے بعد گھریلو علوم سمیت اعلیٰ تعلیم میں بھی مرد سے آگے نکل چکی ہے۔ آج مغربی عورت رسمی تعلیم کے تمام شعبوں میں مردوں کے مساوی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ معاشی میدان میں مغربی عورت زمانہ قدیم میں زرعی امور سر انجام دیتی رہی۔ اٹھارویں صدی کے اواخر میں صنعتی انقلاب اور انیسویں صدی کی تبدیلیوں نے یورپ اور مغربی ممالک میں کام کی نوعیت کو تبدیل کر دیا۔ اُجرت کے عوض کام ہونے لگا اور بالآخر تنخواہ شہری زندگی کا ایک حصہ بن گئی۔

اُنیسویں صدی میں یورپی ممالک کی فیکٹریوں میں خواتین کی تعداد میں اضافہ شروع ہوا۔ بالخصوص کپڑا سازی کی صنعت میں پیداوری شعبہ (Assembly Line)اور لندن کے مزدو طبقہ میں چھوٹے جانوروں کی افزائش نسل کے شعبے میں خواتین کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹ء-۱۹۴۵ء)نے امریکہ کے مزدُور طبقہ میں خواتین کے لیے خلاء مہیا کیا۔ باقی سماجی اور معاشی کفایتوں سمیت پیداواری مانگ بڑھنے کی وجہ سے بہت سی خواتین کو گھروں سے باہر کام کرنے کا موقع میسر آیا۔ اس صدی کے پہلے چوتھائی عرصہ میں خواتین نے فیکٹریوں میں گھریلو ملازمین جیسی ملازمتیں حاصل کیں مگر جنگ کے خاتمے کے بعد خواتین اس قابل ہو گئیں کہ وہ سیلز مین، کلرک، سیکرٹریز کے عہدوں پر ملازمتیں کر سکیں۔ اُنیسویں صدی میں یورپی ممالک کے محنت کش طبقہ میں خواتین کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ ملازم طبقہ میں شامل شادی شدہ خواتین کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ میرج بار (Marriage Bar)[1] کے رواج سے شادی شدہ عورتوں کی ملازمتوں پر پابندی لگائی گئی، خصوصاً شادی کے بعد تدریسی اور کلریکل شعبوں میں شادی کے بعد عورت کے کام کرنے پر پابندی عائد تھی۔ اس رواج کو عورت کو ملازمت سے روکنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں بڑے پیمانے پر روزگار میں ازدواجی حیثیت کو عدم مساوات اور جنسی امتیاز کے طور پر تعبیر کرتے ہوئے عدم مساوات کے قوانین کے ذریعے انہیں ختم کروایا گیا۔ چند مغربی ممالک میں میرج بار کی یہ روایت ۱۹۷۰ء تک قائم رہی۔ نیدر لینڈ میں ۱۹۵۷ء اور آئرلینڈ میں

---

1- A marriage bar is the practice of restricting the employment of married women. Common in Western countries throughout the 1900s, the practice often called for the termination of the employment of a woman on her marriage, especially in teaching and clerical occupations. Further, widowed women with children were still considered to be married at times, preventing them from being hired, as well.

۱۹۷۳ء میں میرج بار کے رواج کو ختم کیا گیا۔ جہاں شادی کے بعد عورت کو ملازمت چھوڑنا پڑتی تھی۔ ۱۹۸۰ء کے وسط میں ملازم طبقہ میں خواتین کی شرکت کم تھی۔ ۳۲فیصد خواتین گھروں کا انتظام سنبھالے ہوئے تھیں۔ ۲۴فیصد خواتین جزوقتی ملازمت کررہی تھیں۔ ۱۹۹۷ء میں یہ تناسب ۲۲فیصد اور ۱۵فیصد تھا۔[۱]

مغربی عورت کو آج بھی تجارتی شعبہ میں نہ صرف معاوضے میں عدم مساوات کا سامنا ہے بلکہ ہر سطح پر خواتین کی ترقیابیوں کی شرح بھی مردوں سے کم ہے۔ ترقیابیوں میں تفاوت کا اندازہ امریکی اور یورپی اداروں کے جاری کردہ اعدادوشمار سے ظاہر ہوتا ہے۔

"امریکی تجارتی شعبہ میں ملازمت کے ابتدائی مراحل میں مردوں کی ترقی عورتوں سے ۳۰فیصد زائد ہے۔ ایک عورت کو ایک عہدے پر پانچ سال سے زائد عرصہ کے بعد ترقی کا موقع میسر آتا ہے۔ امریکی ادارہ شماریات کے اعدادوشمار کے مطابق عورت کی سالانہ اوسط آمدن بھی مرد کی نسبت کم ہے۔ یہ شرح ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۰ء کے درمیان بہت تیزی سے بڑھی جو کہ ساٹھ اعشاریہ دو(۶۰.۲) فیصد سے اکہتر اعشاریہ چھ(۷۱.۶) فیصد تک بڑھی، جب کہ ۱۹۹۰ء سے ۲۰۰۰ء کے درمیان یہ شرح کم تیزی سے بڑی جو کہ اکہتر اعشاریہ چھ(۷۱.۶) فیصد سے تہتر اعشاریہ سات(۷۳.۷) فیصد رہی اور ۲۰۰۰ء سے ۲۰۰۹ء تک یہ شرح تہتر اعشاریہ سات (۷۳.۷) فیصد سے ستہتر (۷۷) فیصد بڑھی"۔[۲]

ایک ہی شعبہ سے وابستہ ہونے کے باوجود آج بھی یورپ، برطانیہ اور امریکہ میں عورتوں کی تنخواہیں مردوں سے کم ہیں۔ اس فرق کو صنفی معاوضے یا تنخواہ کا فرق(Gender Pay Gap) کہاجاتا ہے۔[۳]

---

1- Martin Bobak, James R. Dunn, "Measuring women's social position: The Importance of Theory", *Journal of Epidemiol Community Health*, Oct, 1999.

2- U.S. Census Bureau, "Current Population Reports: Income, Poverty, and Health Insurance Coverage in the United States: 2009" (Washington, DC: U.S. Government Printing Office, 2010), 138

3 - Cambridge Advanced Learner's Dictionary, "Gender Pay Gap., n" also Gender Wage Gape: The difference between the amounts of money paid to women and men, often for doing the same work.

یوروسٹیٹ (Eurostat) کی رپورٹ برائے سال ۲۰۰۸ء میں یورپی یونین کے ۲۷ ممالک میں مردوں اور عورتوں کی تنخواہوں کا فرق سترہ اعشاریہ پانچ (۱۷.۵) فیصد ریکارڈ ہوا۔ جب کہ یورپی یونین کے ممبر ممالک میں بھی مردوں اور عورتوں کی تنخواہوں میں فرق دیکھنے میں آیا۔ جرمنی، سلوانیا، مالٹا، رومانیا، بلجیم، پرتگال اور پولینڈ میں دس (۱۰) فیصد جب کہ سلواکیہ اور نیدرلینڈ، چیک ریپبلک، سائپرس، انگلینڈ، اور یونان میں مردوں اور عورتوں کی تنخواہوں میں بیس (۲۰) فیصد کا فرق تھا۔ تاہم فن لینڈ میں عورتوں نے مردوں سے کئی گھنٹے زائد کام کرنے کے باوجود صرف چار (۴) فیصد زیادہ کمایا۔[1]

جب کہ سال ۲۰۰۹ء کی رپورٹ کے مطابق ۱۰۸ شعبوں میں سے صرف چار شعبوں میں عورت کی آمدن مرد سے زائد تھی۔ جن میں سماجی سائنس، بیکرز، تدریس اور ویٹریس اور بارٹینڈر کے پیشے شامل ہیں۔[2]

صنفی معاوضہ کا فرق (Gender Pay Gap) عموماً صنفی روزگار کا فرق (Gender Employment Gap) کے مخالف سمت میں ہوتا ہے۔ یورپی کمیشن کی رپورٹ "یورپی مرد اور خواتین کے درمیان مساوات" (Report on Equality between Women and Men in EU 2017) سے پتہ چلتا ہے کہ سال ۲۰۱۴ء سے ۲۰۱۶ء تک روزگار میں صنفی فرق گزشتہ سالوں سے کم ہوا مگر معاوضہ میں فرق بڑھا ہے۔ ۲۰۱۴ء میں یہ معاوضوں میں فرق سولہ اعشاریہ تین (۱۶.۳) فیصد قائم رہا جب کہ ۲۰۱۰ء میں یہی فرق چودہ اعشاریہ چھ (۱۴.۶) فیصد تھا۔[3]

عالمی تحقیقی اداروں کی رپورٹس سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ مغربی ممالک میں عورت کو تعلیم کے مواقع تو میسر ہیں، جن سے فائدہ اٹھا کر وہاں کی عورت آج تعلیمی میدان میں مردوں سے آگے ہے۔ معاشی میدان میں اُسے روزگار کا حق تو حاصل ہے جہاں اُسے مردوں کے شانہ بشانہ روزگار میسر آتا ہے مگر وہ معاوضے کی تقسیم میں عدم مساوات کا شکار نظر آتی ہے جسے عالمی ادارے بھی تسلیم کرتے ہیں۔ معاشی طور پر مغربی عورت کی حیثیت مرد سے کم ہے۔ خواتین تحریکوں، ملکی اور عالمی اداروں کے بنائے ہوئے قوانین کے باوجود مغرب کی عورت کو معاوضے کی ادائیگی میں مرد کی برابری ابھی تک میسر نہ ہو سکی ہے۔

---

[1] -European Commission. The situation in the EU, July 12, 2011.

[2]- Ariane Hegewisch, Claudia Williams, and Amber Henderson, "The Gender Wage Gap by Occupation". *Institute for Women's Policy Research*, April 2011

[3]- Deirdre Brennan, "The Femicide Census: Annual Report on Cases of Femicide in 2016", *Women's Aid Federation of England*, (2017), 9

## صحت وتحفظ میں مغربی عورت کی حیثیت

یورپ اور امریکہ میں فیکٹریوں، کارخانوں میں کام کرنے والی خواتین مردوں کے مقابلے میں صحت اور پیشہ وارانہ خطرات کے مسائل سے زیادہ دوچار ہیں۔ ملازمت پیشہ عورتوں میں کارپل ٹنل سینڈروم (Carpal Tunnel Syndrome)، (نسوں کی بیماری) پریشانی، تناؤ، انفیکشن اور سانس کی بیماریاں مردوں کی نسبت زیادہ شرح میں پائی گئی ہیں۔ اس شرح میں فرق کی بنیادی وجہ حیاتیاتی فرق بتایا جاتا ہے۔ تناؤ کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عورتیں بچوں کی نگہداشت اور دیگر گھریلو امور مرد کی نسبت زیادہ کرتی ہیں۔[1]

دوسرا بڑا خطرہ خواتین کے لیے ملازمت گاہوں پر ہلاکتوں کا ہے۔

امریکہ میں ۲۰۰۳ء سے ۲۰۰۸ء کے درمیان ملازمت گاہوں پر ۶۴۸ خواتین قتل ہوئیں، جنہیں ڈکیتوں، گاہکوں اور ساتھی ملازمین یا رشتہ داروں نے قتل کیا۔ ۲۱۲ خواتین ڈکیتیوں کے دوران ہلاک ہوئیں، ۱۸۱ خواتین کو ان کے ساتھی ملازمین نے قتل کیا۔ جب کہ ۲۰۱۲ء میں ۴۷۵ خواتین کو ملازمت گاہوں پر قتل کیا گیا۔ ۲۰۱۲ سے ۲۰۱۴ء کے دوران ملازمت کی جگہوں پر خواتین کے قتل میں ۱۲ فیصد کمی ہوئی۔ ۲۰۱۵ء میں ۴۱۷ خواتین کو ملازمت گاہوں پر قتل کیا گیا۔[2]

ملازمت گاہوں پر قتل اور تشدد جیسے خطرات سے یورپی ممالک کی خواتین بھی دوچار ہیں۔ خواتین کو قتل کیے جانے کے اعداد وشمار کی رپورٹ کے مطابق انگلینڈ، ویلز اور شمالی نیدرلینڈ میں سال ۲۰۱۶ء میں ۱۱۳ خواتین کو ملازمت گاہوں پر قتل کیے جانے مقدمات درج ہوئے۔[3]

مغربی عورت ملازمت میں ترقی حاصل کرنے میں کڑی شرائط اور صحت کے مسائل سے عورت دوچار ہے۔ قانونی طور پر محفوظ قرار دی گئی عورت کئی ممالک میں ملازمت گاہوں پر قتل کیے جانے کے واقعات سے معاشی میدان میں عورت غیر محفوظ نظر آتی ہے۔

---

1- Deirdre Brennan, *The Femicide Census 2016*, 9

2-Tiesman HM, "Workplace Homicides Among U.S. Women: The Role of Intimate Partner Violence", National Institute for Occupational Safety and Health, 2017

3- Deirdre Brennan, *The Femicide Census 2016*, 10

## وقار میں مغربی عورت کی حیثیت

مغرب میں عائلی نظام مشرق سے مختلف ہے۔ خواتین کا روزگار میں رجحان گھریلو زندگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے جس سے گھریلو زندگی میں عورت کا کردار بدل چکا ہے۔ امریکہ اور یورپ میں خاندان کی مختلف اقسام ہیں۔ نیوکلیئر فیملی اور غیر شادی شدہ افراد کی گھریلو شراکت کے نظام سے روایتی خاندان کا تصور ختم ہوتا جا رہا ہے۔ یورپ میں ۱۹۸۰ء میں جب کہ امریکہ میں ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۰ ءکے درمیان خاندان کی ان اقسام کا آغاز ہوا۔ خاندان کے روایتی تصور میں تبدیلی کی بدولت خاندان میں موجود افراد کا کردار بھی تبدیل ہو چکا ہے۔ بلوغت میں پہنچتے ہیں بچوں کو ملنے والی آزادیوں کی بدولت بغیر شادی کے لڑکے لڑکیوں کے اکٹھے رہنے سے شادیوں کی ضرورت ختم ہوتی گئی اور خاندان کی ضرورت اور اہمیت نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ جنسی ضرورت پوری ہونے کی وجہ سے شادی کی ضرورت و اہمیت کے ساتھ ساتھ عورت کی بھی گھر میں وہ اہمیت بھی ختم ہوتی گئی۔

شادی شدہ عورتوں میں ملازمت کا رجحان عام ہے، جس کے باعث ملازمت اور گھریلو امور کی ادائیگی کی بدولت عورت دوہری ذمہ داریوں کا بوجھ برداشت کر رہی ہے۔ اسی دوہری ذمہ داری کے باعث مغرب میں شادی کی شرح کم ہے اور کمی کے اس رجحان کے جاری رہنے کا امکان ہے کیوں کہ پچھلی نسلوں سے شادی نہ کرنا روایت بن چکی ہے۔ ۱۹۸۰ کی دہائی میں پروان چڑھنے والی ہم جنس پرستی کی قانونی حیثیت کی بدولت بھی شادی کی شرح میں خطرناک حد تک کمی واقع ہوئی تھی۔ خاندان کی مختلف اقسام کی قانونی حیثیت نے شادی کی ضرورت و اہمیت کو ختم کر دیا، ہم خانگی (Cohabitation) اور گھریلو شراکت داری (Domestic Partnership) کی بدولت ہر ایک عورت یا مرد کا زندگی میں ایک سے زیادہ عورتوں یا مردوں کے ساتھ جنسی تعلق رہتا ہے۔ جو زیادہ تر عورتوں کے لیے مسائل کا سبب بنا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں مغربی عورت کو جن مسائل کا سامنا ہے وہ جسمانی اور جنسی تشدد ہیں۔ جن پر آج بھی مغربی ممالک پوری طرح قابو نہیں پا سکے۔

اس کا اندازہ یورپین کمیشن کی جاری کردہ یورپی یونین میں خواتین مردوں کے درمیان مساوات کی رپورٹ سے ہوتا ہے کہ

۲۰۰۸ء سے ۲۰۱۴ء تک عصمت دری، آبروریزی اور جنسی تشدد کے واقعات میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔
۲۰۰۸ء سے ۲۰۱۴ء تک ان مقدمات میں پولیس کے ریکارڈ میں سینتیس (۳۷) فیصد اضافہ ہوا ہے۔ [1]

---

1- European Union Agency for Fundamental Rights (FRA), "Report on equality between women and men in the EU 2017", Luxembourg, 33

سال ۲۰۱۴ءمیں خواتین کی صحت اور گھریلو تشدد کے بارے میں یورپ کے ۱۰ ممالک کے سروے میں ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ ۱۳ سے ۶۱ فیصد خواتین مختلف نوعیتوں کے گھریلو تشدد کا شکار ہیں۔

یہ تشدد ملک اور علاقے کے حساب سے مختلف ہیں۔جب کہ یورپ کے ہی ادارہ بنیادی حقوق (Fundamental Rights Agency (FRA) نے ۲۸ یورپی ممالک کے سروے کے مطابق ۱۲ سے ۳۱ فیصد خواتین پر مختلف نوعیتوں کے جسمانی اور جنسی تشدد کیے جاتے ہیں۔ خواتین پر یہ تشدد اُن کے موجودہ اور سابقہ شریک حیات کی طرف سے کیے جاتے ہیں۔ [1]

جب کہ ۲۰۱۰ میں امریکہ کے شریک حیات کا تشدد اور جنسی تشدد سروے (The National Intimate Partner and Sexual Violence Survey (NISVS)) جو امریکہ کی پچاس ریاستوں میں کیا گیا کے مطابق

۱۲ سے ۳۱ فیصد خواتین اپنے سابقہ یا موجودہ شریک حیات کے تشدد کا شکار ہوتی ہیں۔ ورجینیا میں جنسی تشدد کی شرح گیارہ اعشاریہ چار (۱۱.۴) فیصد، الاسکا میں اُنتیس اعشاریہ دو (۲۹.۲) فیصد ہے۔ [2]

جرمنی کی وفاقی وزارت برائے خاندانی امور (German Federal Ministry for Family Affairs) کے سروے میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ

"سینتیس (۳۷) فیصد خواتین سولہ سال کی عمر سے شریک حیات یا کسی دوسرے فرد کی طرف سے جسمانی تشدد کا شکار بنتی ہیں، جب کہ ایف آر اے (FRA) کی رپورٹ ۲۰۱۴ء کے مطابق جرمنی میں ۳۵ فیصد خواتین ایسی ہیں جنہیں پندرہ سال کی عمر سے جسمانی تشدد کا سامنا ہوتا ہے"۔ [3]

برطانوی جرائم سروے (British Crime Survey) ۲۰۱۶ء کے مطابق انگلینڈ اور ویلز (Wales) میں گزشتہ ایک سال کے دوران اٹھارہ (۱۸) فیصد خواتین ایسی ہیں جو ۱۶ سال کی عمر سے شریک

---

[1] -EU FRA, "Survey on violence against women in EU 2014", Luxembourg, 25

[2]- Ellsberg, Mary and Carme Clavel Arcas, "Review of PAHO's Project: Towards an Integrated Model of Care for Family Violence in Central America." *Final Report Executive Summary prepared for the Pan-American Health Organization*, 2001, 9

[3] - EU FRA, "Survey on violence against women in EU 2014", 23

حیات یا کسی دوسرے فرد کی طرف سے جسمانی تشدد کا شکار ہوتی ہیں، جب کہ مردوں میں ۱۰ فیصد ایسے ہیں جو اس عمر میں جسمانی تشدد کا شکار ہوئے۔

ایف آر اے (FRA) کی سروے رپورٹ ۲۰۱۱ء کے مطابق مالٹا (Malta) میں سولہ (۱۶) فیصد خواتین ایک سال میں جسمانی اور جنسی تشدد کا شکار ہوئیں۔ اور یہ تشدد اُن کے موجودہ یا سابقہ شریک حیات کی طرف سے کیا گیا۔[1]

سویڈن کے سروے میں اس بات کا انکشاف ہوا کہ پینتیس (۳۵) فیصد خواتین کو سابق یا موجودہ شریک حیات کی طرف سے جسمانی یا جنسی تشدد کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ جب کہ ایف آر اے (FRA) کے سروے کے مطابق سویڈن میں بتیس فیصد خواتین ایسی ہیں جنہیں پندرہ (۱۵) سال کی عمر سے سابق شریک حیات سے جسمانی یا جنسی تشدد کا سامنا رہا ہے۔ جب کہ سروے رپورٹ کے مطابق فن لینڈ میں اُنتیس (۲۹) فیصد، ڈنمارک میں اٹھائیس (۲۸) فیصد، اٹلی میں اکتیس (۳۱) فیصد خواتین کو جسمانی یا جنسی تشدد کا سامنا سولہ (۱۶) سال کی عمر سے رہا ہے۔[2]

ان رپورٹس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خواتین کے حقوق اور خواتین کو ہر طرح کے تشدد سے تحفظ کو بین الاقوامی سطح پر ۱۹۷۵ء کے دوران پذیرائی ملنے اور ۱۹۷۹ء میں اقوامِ متحدہ کی طرف سے اسے بین الاقوامی قانون کے طور پر ایک شکل دیے جانے کے باوجود تاحال مغرب میں جسمانی اور جنسی تشدد کا پوری طرح خاتمہ ممکن نہ ہو سکا ہے کیوں کہ عورتوں پر تشدد کی جڑیں تمام معاشروں کی گہرائی تک جم گئی ہیں۔ مغربی ممالک جہاں عورت کو آزادیاں اور قانونی تحفظ حاصل ہے وہاں پر ان کی خلاف ورزیوں کی صورت میں آج بھی عورتوں پر جسمانی اور جنسی تشدد کی شکایات ایک المیہ ہیں۔

## سیاسی طاقت اور حکومت میں مغربی عورت کی حیثیت

دورِ جدید میں دُنیا بھر کے ممالک میں بھی سیاست اور حکومت میں خواتین خال خال ہی نظر آتی ہیں۔ سماجی امور میں خواتین کی حصّہ داری خصوصاً حکومت اور مختلف اداروں میں سیاسی حقوق اور طاقت کے لیے جدوجہد کے مواقع کم میسر ہیں۔ یہ تاریخی رجحان دُنیا بھر میں اب بھی جاری ہے اگرچہ چند ممالک میں خواتین کو مملکت کا

---

1- Office for National Statics, "Crime in England and Wales: year ending Dec 2016"England, 8.

2- EU FRA, “Survey on violence against women in EU 2014”, 25

سربراہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہو چکا ہے، اور کئی ممالک میں سیاسی جماعتوں کی سربراہ[1] کی حیثیت سے بھی منتخب کی جاتی ہیں۔

مغرب میں خواتین کی سیاست اور امور حکومت میں شمولیت کی تحقیقی رپورٹس کے جائزہ لینے پر اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت سیاسی میدان میں مغربی عورت کس قدر مساوات کی حامل ہے اور حکومتی سطح پر فیصلہ سازی میں عورت کا کتنا کردار شامل ہوتا ہے؟

۲۰۱۷ء کی تازہ ترین صورتحال کے جائزہ کے مطابق مغرب کے ایوان زیریں میں خواتین کی نمائندگی کا تناسب بذیل تھا۔

سکینڈی نیویائی ممالک (سویڈن، ناروے، ڈنمارک، فن لینڈ، آئس لینڈ) میں بیالیس اعشاریہ تین (۴۲.۳) فیصد، امریکہ میں تیس (۳۰) فیصد، یورپ میں چھبیس اعشاریہ چھ (۲۶.۶) فیصد، یورپ بشمول سکینڈی نیویائی علاقوں میں ستائیس اعشاریہ سات (۲۷.۷) فیصد نمائندگی خواتین کی تھی۔ جب کہ یورپی پارلیمنٹ میں ۲۰۰ ممبران مرد ہیں جو کہ پارلیمنٹ کا تریسٹھ (۶۳) فیصد حصّہ بنتے ہیں۔[2]

یورپی یونین کے ممبر دس (۱۰) ممبر ممالک جن میں بلغاریہ، چیک ریپبلک، ایسٹونیا، قبرص، آئرلینڈ، لاتویا، ہنگری، مالٹا، رومانیہ اور سلواکیہ شامل ہیں جہاں قومی اسمبلی میں اسی (۸۰) فیصد نمائندگی مردوں کی ہے۔[3]

جب کہ ۲۰۱۵ء میں صرف تین ممالک کروشیا، لیتھوانیا اور مالٹا میں سربراہ خواتین تھیں۔ یورپی یونین کے دس (۱۰) ممبر ممالک چیک ریپبلک، قبرص، ایسٹونیا، فرانس، یونان، ہنگری، اٹلی، مالٹا، پرتگال، سلواکیہ میں تمام اہم سیاسی جماعتوں کی قیادت مردوں کے پاس ہے۔ اور شہروں کے پچاسی (۸۵) فیصد ناظم (Mayor) مرد ہیں۔[1]

---

1-Lena Wangnerud, *The Principles of Gender-Sensitive Parliaments* (New York: Routledge, 2005), 5.

2- Inter Parliamentary Union, "Equality in Politics: A Survey of Women and Men in Parliaments", 2017

3 - European Commission, "Report on Equality Between Women and Men in the EU", 2017, 32–33; Burrel, "Gender in Campaigns for the U.S. House of Representatives; and "Individual and PAC Giving to Women Candidates,"; *Center for Responsive Politics*, Common Cause, and Representation 20, November 2016

امریکہ سیاست میں خواتین کی نمائندگی کے سلسلہ میں دُنیا کی بڑی جمہوری ریاستوں کے مقابلے میں اس قدر تیزی سے ترقی نہیں کر سکا جس طرح دیگر مغربی ممالک نے کی ہے۔

۱۹۹۷ء سے ۲۰۱۷ء تک جب قانون سازی میں خواتین کی نمائندگی کی بات آتی ہے تو اس درجہ بندی میں امریکہ ۱۹۹۷ء میں دُنیا میں اکتالیسویں (۴۱) نمبر پر تھا جب کہ ۲۰۱۷ء میں ایک سو ایک (۱۰۱) نمبر پر ہے۔[۲]

متحدہ ریاست ہائے امریکہ کی سیاست میں صنفی کوٹہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے سینٹ، ایوان نمائندگان (The House of Representatives) اور صدارتی عہدوں پر خواتین نمائندگان کا تناسب کم ہے۔[۳]

۱۹۱۷ء میں مونٹانا ریاست سے جنیٹ رینکن (Jeannette Rankin)[۴] جو کہ امریکی کانگریس میں پہلی خاتون ممبر منتخب ہوئی تھی سے لے کر ۲۰۱۷ء یعنی ایک صدی کے دوران صرف تین سو انیتس (۳۲۹) امریکی خواتین نمائندہ، سفیر اور ممبر سینٹ منتخب ہوئی ہیں۔ ۱۹۱۷ء سے ۲۰۱۷ء تک امریکی ایوان نمائندگان (The House of Representatives) میں دو سو ستہتر (۲۷۷) خواتین منتخب ہو سکی ہیں۔ امریکہ میں سال ۲۰۱۷ء میں ایوان نمائندگان (House of Representatives) میں اُنیس اعشاریہ تین فیصد (۱۹.۳) فیصد جب کہ سینٹ میں اکیس فیصد (۲۱) نمائندگی خواتین کی تھی۔[۵]

---

1 – Lolita Cigane and Manus Ohman, "Political Finance and Gender Equality," *IFES White Paper, International Foundation for Electoral Systems*, August 2014, 12.

2– Cynthia Terrell and Susannah Wellford, "Change Gender Rules to Achieve Gender Parity in Politics," *Inquirer*, July 28, 2017, 15

3 – Barbara C. Burrell, *Gender in Campaigns for the U.S. House of Representatives* (Ann Arbor, MI: University of Michigan Press, 2014). 45; Chantal Maille, "Feminist Interventions in Political Representation in the United States and Canada: Training Programs and Legal Quotas," *European Journal of American Studies 10*, no. 1 (2015).

۴ - جنیٹ رینکن (Jeannette Pickering Rankin) (۱۸۸۰-۱۹۷۳) امریکی سیاستدان اور حقوق نسواں کی علمبردار تھی جو ۱۹۱۷ میں ایوان نمائندگان میں پہلی خاتون ممبر منتخب ہوئی پھر ۱۹۴۰ میں دوبارہ ممبر بنی۔ مونٹانا ریاست سے امریکی کانگریس کا حصہ بننے والی واحد خاتون ہے۔

5– Lolita Cigane and Manus Ohman, "Political Finance and Gender Equality," IFES White Paper, *International Foundation for Electoral Systems*, 2017, 12.

گزشتہ ایک دہائی میں اس شرح میں معمولی اضافہ ہوا ہے۔ موجودہ شرح کے حساب سے خواتین کو امریکی کانگریس میں مردوں کے مساوی نمائندگی کے لیے ایک صدی درکار ہے۔ مغربی یورپ کے جمہوری ممالک کے مقابلے میں امریکہ کے زیادہ تر سماجی اقتصادی اور جمہوری اشارے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ امریکہ سیاست میں صنفی مساوات میں قدرے پیچھے رہ گیا ہے جب کہ بہت سے مغربی یورپی ممالک نے اہم پیش رفت کی ہے۔ ابھی تک مغربی یورپی ممالک جو جمہوری روایات کے داعی ہیں اور مساوات کے علمبردار ہیں وہاں بھی امور سیاست و حکومت میں خواتین کی مساوی نمائندگی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا ہے۔

بیلجیم، ڈنمارک، فرانس، جرمنی، اٹلی، نیدرلینڈ، سپین اور برطانیہ کی قومی اسمبلیوں میں خواتین کی نمائندگی تیس (۳۰) فیصد سے زائد ہے۔ اور قومی اسمبلی میں خواتین کی برابر نمائندگی ہونے کے قریب ہے۔ اور ایوان زیریں اور پارلیمانی کمیٹیوں میں اعلیٰ عہدوں پر اوسطاً اکتالیس اعشاریہ سات (۴۱.۷) فیصد نمائندگی خواتین کر رہی ہیں۔ جب کہ یورپ کے اکیس (۲۱) ممالک میں سے زیادہ تر میں یہ شرح صرف تیس (۳۰) فیصد تک ہی پہنچ سکی ہے۔[۱]

جب کہ بیجنگ ڈیکلریشن اینڈ پلیٹ فارم فار ایکشن ۱۹۹۲ء[۲] میں بین الاقوامی طور پر فیصلہ سازی میں خواتین کی مساوی نمائندگی کا ہدف طے کیا گیا تھا۔

مغرب میں عورت نے اُنیسویں صدی میں پہلی بار اپنی خواہشات کا اظہار نسائیت کی اٹھنے والی تحریکوں کے ذریعے کیا۔ اس تناظر میں خواتین کے لیے سب سے زیادہ اہم ہدف سماجی اور سیاسی میدان میں مردوں سے برابری حاصل کرنا رہی اور آج بھی سماجی، سیاسی، اقتصادی میدان میں یہ جدوجہد جاری ہے۔ انسانی حقوق، جمہوریت اور مساوات کے سلسلے میں پیش رفت کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عورت کو تمام شعبوں میں ہر طرح سے مرُدوں کے مساوی حقوق میسر ہیں۔ زیادہ تر جمہوری اور ترقی یافتہ ممالک میں نظریہ مساوات کی بدولت عورت کو مرد کی نسبت کام کرنے کے کم یا زیادہ مواقع تو میسر ہیں مگر معاوضے اور ترقیابی میں عدم مساوات موجود ہے۔

---

1- UK Gender Sensitive Parliament Audit,"All Party Parliamentary Group for Women in Parliament, *Improving Parliament* (London: House of Commons, 2017), 30.

2 -UN Women, "Beijing Declaration and Platform for Action, Critical Area G 'Women, Power and Decision-Making"

مغربی عورت کو اس دور میں بھی تعلیم، صحت، روز گار اور سماجی تحفظ میں جنس کے سماجی تصورات سے پیدا ہونے والی رکاوٹوں اور مشکلات کا سامنا ہے۔ ان ممالک میں عورت کی سماجی زندگی میں شمولیت کے لیے روز گار کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ تحقیقی رپورٹس کے اعداد و شمار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قومی اور بین الاقوامی جدوجہد کے باوجود تاحال مغربی خواتین کو حقوق پوری طرح میسر نہیں اور نہ ہی وہ مساوات میسر آسکی ہے جس کے لیے مغربی عورت نے ایک صدی سے زائد جدوجہد کی اور آج بھی مغربی عورت کی یہ جدوجہد جاری ہے۔

# فصل سوم: مغرب میں عورت کی آزادی اور مساوات کا تصور

مبحث اوّل: مغرب میں عورت کی آزادی اور مساوات کا تصور

مبحث دوم: آزادی نسواں کے نتیجے میں مغرب کو درپیش مسائل

# مبحث اوّل: مغرب میں عورت کی آزادی اور مساوات کا تصور

تصور آزادی کی بات ہوتی ہے تو عام طور پر آزادی سے مراد یہ لیا جاتا ہے کہ ہر فرد کو پوری خود مختاری کے ساتھ اپنے مرضی کے مطابق ہر وہ کام کرنے کا حق ہونا چاہیے جو اس کو پسند آئے۔ معاشرے کو اس کی انفرادی آزادی چھین لینے کا کوئی حق نہیں، حکومت کا فرض صرف یہ ہے کہ افراد کی اس آزادیِ عمل کو محفوظ رکھے اور اجتماعی ادارت صرف اس لیے ہونی چاہیے کہ فرد کو اس کے مقاصد حاصل کرنے میں مدد ملے۔ مگر آزادی کا تصور اس قدر آسان فہم نہیں کیوں کہ آزادیوں کا مفہوم ہر طبقے اور فرد کے لیے ایک جیسا نہیں، مثلاً غلام اور آقا، حکمران اور محکوم دونوں کے نزدیک آزادیوں کا تصور مختلف ہونا ظاہر سی بات ہے۔ اور دوسری سب سے اہم بات کہ صحیح معنوں میں آزادی کا تصور واضح ہونا ضروری ہے۔ مغرب میں آزادی نسواں کی وضاحت کے لیے ضروری ہے۔ کہ پہلے حقوق کا حصول اور آزادی اور کا تصور اور فرق واضح کیا جائے۔

مغربی مفکر ڈبلیو۔بی۔ گیلی (W.B.Gaile)[1] لکھتا ہے کہ

"آزادی ایک پیچیدہ تصور ہے۔ جو یقیناً مفکرین کے نزدیک متنازع رہا ہے۔ آزادی کا تصور فرد کے ذہنی ادراک کا اظہار ہے۔"[۲]

جب کہ اورنالڈو پیٹرسن (Ornaldo Patterson)[۳] لکھتا ہے کہ

"آزادی محبت اور خوبصورتی کی طرح ہے، یہ ایسی قدر (Value) ہے جسے بیان نہیں کیا جا سکتا صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ آزادی کے تین پہلو ہیں، ذاتی یا شخصی (Personal)، خود مختاری (Sovereignal) اور شہری (Civic)۔ ذاتی آزادی میں دو چیزوں کا عمل دخل نہیں ہوتا، اولاً جبر یا زبردستی اور ثانیاً کسی دوسرے کی خواہش۔ جب کہ خود مختاری (Sovereignal) اپنی مرضی و منشا کے مطابق عمل ہے جس میں کسی دوسرے کی خواہشات کا ہونا شامل نہیں ہوتا۔ جب کہ شہری آزادی (Civil Freedom)، عوامی زندگی خاص طور پر حکومت میں شرکت کرنے کی صلاحیت ہے۔ ذاتی اور شہری دونوں آزادیوں میں حدود براہ راست شامل ہیں۔ ذاتی آزادی میں ایسا رویہ یا عمل منع ہے جس سے کسی دوسرے کو تکلیف ہو یا اُسے کوئی رکاوٹ ہو۔ شہری آزادی (Civic

---

[1] -والٹر برائس گیلی (Walter Bryce Gallie) (۱۹۱۲-۱۹۹۸): سکاٹ لینڈ کا مفکر جس نے سیاسی اور سماجی نظریات پیش کیے۔

[2]- W. B. Gallie, "Essentially Contested Concepts", *Proceedings of the Aristotelian Society*, Vol. 56, Oxford University Press, 1956, 167.

[3]-اورنالڈو پیٹرسن (Ornaldo Patterson) (پیدائش ۱۹۴۰): امریکی، تاریخی و ثقافتی ماہر سماجیات ہے۔

(Freedom) میں قوانین بنانے اور نافذ کرنے کے بارے میں ہیں، جہاں حدود براہ راست شامل ہیں۔ جب کہ خود مختاری اصل آزادی کی تعریف میں آتی ہے جہاں فرد اپنے مرضی ومنشاء کے مطابق جو چاہے کرے اور وہ کسی کی خواہش کو نظر انداز کر سکتا ہے۔ (۱)

سیاسی آزادی سے مراد، سیاسی عمل میں شراکت داری ہے۔ سیاسی شراکت داری کا نقطہ نظر سماجی قواعد کے تعین میں مدد کرنا ہے۔ حکومتوں میں کوئی ایسا نظام موجود نہیں ہوتا جو قوانین کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہو۔ جب کہ قوانین مراعات فراہم کرتے ہیں اور آزادی کے برعکس ہوتے ہیں۔ (۲)

مذہب کی آزادی (Freedom of Religion) ایک ایسا اصول ہے جو فرد یا معاشرے کو عوامی یا نجی طور پر مذہب کا اظہار کرنے، اُس کی تعلیمات پر یقین رکھنے، اُس پر عمل کرنے اور عبادت کرنے کی حمایت کرتا ہے۔ اس میں کسی مذہب یا اُس کے عقائد کو تبدیل کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔ مذہب کی آزادی بھی اخلاقی (Ethical) اور خُو (اخلاقی) (Moral) (۳) کی حدود یا قوانین کے مطابق حاصل ہوتی ہے، جب کہ قوانین آزادی کے برعکس ہوتے ہیں۔ (۴)

معاشی آزادی کئی معنوں مثلاً معاشی خود انحصاری، معاہدہ کرنے کی آزادی، صنعتی آزادی، معاشی تحفظ میں استعمال ہوتی ہے۔ معاشی آزادی کا اہم عنصر انتخاب حق (Right to Make Choice) ہے۔ جب کہ صرف حق انتخاب کا حاصل ہونا ہی آزتصور نہیں ہوتا کیوں کہ معاشی انتخاب میں کوئی قانون سے بالاتر نہیں ہو سکتا اور کوئی فرد اپنی معاشی ترجیحات کے لیے جھوٹ نہیں بول سکتا، چوری نہیں کر سکتا، کسی کو قتل نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی شے

---

1- Orlando Patterson, *Freedom: Freedom in the Making of Western Culture*, (London: I.B Tauris, 1991), 22

2- Titus Monday Utibe, "Understanding the Concept of Freedom in Political Theory Discourse", *Department of Political Science Usmanu Danfodiyo University Sokoto*, Nigeria, 2001, 7

۳- اخلاقی (Ehtical) بیرونی ذرائع مثلاً مذہبی تعلیمات، اداروں کے قواعد وضوابط سے حاصل ہونے والی ہدایات۔ جب کہ اخلاقی (Moral) صحیح یا غلط کے بارے میں ایک فرد کی ذاتی تمیز ہے۔

4 - Gerald MacCallum, "Negative and Positive Freedom", *The Philosophical Review*. Duke University Press, July 1967, 73

مفت لے سکتا ہے کیوں کہ ہر معاشی سرگرمی کے لیے قیمت ادا کرنا پڑتی ہے یا کم سے کم وقت اور صلاحیت صرف کرنا پڑتے ہیں۔

نکولس روز (Nikolas Rose)[1] کہتا ہے کہ

آزادی اور حق ایک دوسرے کے برعکس ہیں۔ حقوق ہمیں آزاد نہیں کرتے بلکہ حقوق خود حقوق کی خلاف ورزیوں پر باہمی حدود نافذ کرتے ہیں۔[۲]

آزادی نسواں کے مغربی تصور میں شہری آزادیوں سے وہ حقوق مراد ہیں جو کہ ایک عورت کو بحیثیت انسان حاصل ہونے چاہییں۔ سماجی علوم میں شہری آزادی کی تعریف یوں کی گئی ہے

The freedom of a citizen to exercise customary rights, as of speech or assembly, without unwarranted or arbitrary interference by the government.[3]

سماجی حقوق کا استعمال کرنا ہے شہری کی آزادی ہے۔ مثلاً بیان کرنا یا بحث و مباحثہ کے لیے اکٹھا ہونا جس میں حکومت کی صوابدیدی مداخلت شامل نہ ہو۔

عام طور پر شہری حقوق کو شہری آزادیاں کہا جاتا ہے، تاہم شہری حقوق تمام سماجی اور سیاسی رکاوٹوں کو ختم نہیں کر سکتے۔ اس کے برعکس افراد کے حقوق صرف اس حد تک موجود رہتے ہیں کہ دوسرے افراد ان حقوق کا احترام کرتے ہیں۔[۴]

مثلاً کسی شے پر ایک فرد کی ملکیت کا حق دوسرے افراد کی اس شے پر حق کی ایک حد ہے۔ ملکیت کے حقوق ہونے سے آزادی نہیں ملتی، ملکیتی حقوق اس شے سے دستبرداری تک محدود ہیں۔ اسی طرح تقریری حقوق بھی محدود ہیں، دوسرے افراد کی طرف سے کسی فرد کی تقریر یا گفتگو کو روکنے کی استعداد تقریری حقوق کو محدود کر دیتی ہے، اس لیے کسی فرد کو تقریری حقوق حاصل ہونے سے یہ مراد نہیں کہ اُسے ہر شے ہر جگہ بیان کرنے کی آزادی ہے۔ مثلاً ایک شخص کو اظہار رائے کا حق حاصل ہے مگر اُسے یہ حق حاصل نہیں کہ اس حق کے اظہار سے دوسروں کا سکون

---

[1]- نکولس روز (Nikolas Rose) (پیدائش ۱۹۴۷ء) : برطانوی ماہر سماجیات ہے جس نے سماجی نظریات پیش کیے۔

[2]-Nikolas Rose, *Powers of Freedom: Reframing Political Thought* (Cambridge: Cambridge University Press, 1999), 61.

[3] - *Oxford Dictionary*, "Civil Libertiy, n.,"

[4]- Nikolas Rose, *Powers of Freedom: Reframing Political Thought*, 63.

برباد کرے۔ لہٰذا دوسرے شخص کو حاصل حق پہلے شخص کے حق پر حد مقرر کردے گا کہ وہ اظہار بلا شک کرے مگر اُس کا سکون برباد نہ کرے۔

پس مغربی تصور آزادی نسواں سے یہ مراد ہے کہ عورت بھی مرد کی طرح سماجی قوانین یا حدود میں رہتے ہوئے شہری حقوق (سیاسی، معاشی، مذہبی) کی اُتنی ہی حق دار ہے جتنا کہ مرد۔ اُسے ذریعہ معاش اختیار کرنے، معاہدہ کرنے، کوئی معاشی سرگرمی کرنے کا حق بالکل اُسی طرح حاصل ہے جس طرح کہ مرد کو ہے۔ اور اس انتخاب میں کسی دوسرے کی خواہشات کا احترام کرنا اُس پر لازم نہیں۔ اسی طرح سیاسی آزادی بھی حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی سیاسی جماعت کا حصّہ بنے اور قانون سازی کرے۔ اپنی مرضی و منشاء کے مطابق کوئی بھی مذہب اختیار کرے، اُس کا اظہار و تبلیغ کرسکے اور ان تمام حقوق کے اظہار و استعمال میں آزاد ہو اور کسی فرد یا حکومت کی طرف سے پابند نہ ہو۔ مغرب میں عورت کی طویل جدوجہد کے بعد عورت کے شہری حقوق کو تسلیم کرتے ہوئے قوانین بنائے گئے۔

خواتین کی مساوی حیثیت یا صنفی مساوات سے عام طور پر اس سے مراد مرد اور عورت کے درمیان یکسانیت ہوتی ہے۔ یعنی قدرت نے جن قابلیتوں اور صلاحیتوں سے مرد کو نوازا ہے، بعینہ انہی سے عورت کو بھی نوازا گیا ہے۔ مرد جو کچھ کرسکتا ہے، عورت بھی وہ سب کرسکتی ہے، اس لیے معاشرے میں عورت اور مرد کی سرگرمیوں کا دائرہ بھی ایک ہونا چاہیے۔

مغربی معاشرے میں مساوات اور صنف کے درمیان کشیدگی کی اصطلاح روایتی طوپر موجود ہے۔ جب کہ مساوات کا تصور بطور یکسانیت لیا جاتا ہے جس میں برابری ایک عام معیار ہے۔ مساوات کا نظریہ رکھنے والوں کا تصور ہے کہ معاشرے میں صنف کی تقسیم جنسی بنیادوں پر کی گئی ہے۔ نسائیت کے افکار سے قبل صنف اور جنس ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔[1]

یہ اس لیے کہ روایتی طور پر قدرتی جنسی تقسیم ہی صنف تصور کی جاتی تھی۔ عورت اور مرد قدرتی طور پر جنس کی دو اقسام ہیں۔ تمام انسان قدرتی طور پر نہ صرف جوڑے کی شکل میں بلکہ بے ترکیب بھی ہیں یعنی مرد کو اعلیٰ اور ارفع اور عورت کو کج رو اور ناقد سمجھا جاتا تھا۔ اس درجہ بندی کو دیکھتے ہوئے نظریہ مساوات کے حامیوں نے مساوات کی حوصلہ افزائی اور اہمیت کا پرچار شروع کیا تو کئی سوالات نے جنم لیا کہ کیا جنسی فرق ہی مختلف نظریات اور

---

[1]- Scott, Joan W, " Conflicts in Feminism : Deconstruction Equality-Versus-Difference Or, the Uses of Poststructuralist Theory for Feminism.", New York: *Routledge*, 1990, 8

مساوات کی بنیاد ہے ؟ اگر ایسا ہے تو عورت کے اس فرق کو غلط طور پر سمجھا گیا ہے۔ سادہ الفاظ میں کیا عورت جنسی فرق کے باوجود مرد کے مساوی معنی میں آتی ہے ؟۔

صنفی مساوات کا مغربی تصور کیا ہے اس کی وضاحت بذیل ہے

آکسفورڈ لغت میں صنفی مساوات کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔

"The state in which access to rights or opportunities is unaffected by gender" (1)

ترجمہ: صنفی یا جنسی مساوات سے مراد وہ حالت جس میں حقوق یا مواقع تک رسائی پر صنف یا جنس اثر انداز نہ ہو۔

اٹھارویں صدی کے مفکرین مثلاً میری وولسٹون کرافٹ نے استدلال پیش کیا ہے کہ عام مساوات ہی تمام انسانوں کو برابر کرتی ہے۔ عورتیں بھی اُتنی ہی باصلاحیت ہیں جتنے کہ مرد لہٰذا وہ تمام حقوق میں برابری کی حق دار ہیں۔ (۲)

اسی طرح جان سٹوّرٹ مِل (John Stuart Mill)(۳) کا استدلال ہے کہ خواتین کو معاشرے میں ذیلی درجہ عطاء کیا گیا ہے، اس لیے یہ جاننا ممکن ہے کہ ان کی حقیقی نوعیت کیا ہو سکتی ہے لہٰذا یہ سمجھا جائے کہ عورت بھی مرد کی طرح اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرنے کی خواہشمند ہے۔ (۴)

جب کہ انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن کے مطابق صنفی مساوات سے مراد ہے کہ

"مساوات مرد و زن کا مفہوم برابر حقوق، برابر ذمہ داریاں اور برابر مواقع ہیں۔ خواتین اور مردوں کے حقوق، ذمہ داریوں اور مواقع کا انحصار اس پر نہیں کہ آیا وہ مرد پیدا ہوئے ہیں یا عورت" (۱)

---

1- *Oxford Dictionaries*, "Equality,. n,"

2 -Butler, Judith. Gender Trouble: *Feminism and the Subversion of Identity*, (New York: Routledge, 1990), 41

۳- جان سٹوّرٹ مِل (John Stuart Mill) (۱۸۰۶-۱۸۷۳): برطانوی مفکر، سیاسی ماہر اقتصادیات اور ازاد خیالی، سماجی اور سیاسی نظریات کا عالم تھا۔

4- Butler, Judith, and Joan W. Scott, *Feminists Theorize the Political*. (New York: Routledge, 1992), 63

اسی طرح ورلڈ اکنامک فورم کی صنفی مساوات سے متعلق پہلی رپورٹ ۲۰۰۶ء میں صنفی مساوات سے مراد معاشرے میں عورت کی معاشی اور سیاسی شمولیت ہے۔

"صنفی مساوات میں عالمی سطح پر بہتری خواتین کے لیے روزگار کے زیادہ مواقع ملنا اور اُن کی سیاست میں شمولیت ہے"(۲)

> Gender equality is achieved when women and men enjoy the same rights and opportunities across all sectors of society, including economic participation and decision-making, and when the different behaviours, aspirations and needs of women and men are equally valued and favoured (3).

ترجمہ: صنفی مساوات تب حاصل ہوتی ہے جب مرد وزن معاشرے کے تمام شعبوں میں مساوی حقوق اور مواقع بشمول معاشی شراکت داری اور فیصلہ سازی (سیاسی) سے مستفید ہوں۔ اور جب مرد وزن کی مختلف خواہشات، ضروریات اور طرز عمل کو مساوی اہمیت دی جائے اور ان کی مساوی قدر کی جائے۔

یعنی صنفی مساوات کا مطلب ہے کہ اپنی مکمل صلاحیت، انسانی حقوق اور عظمت کو پروان چڑھانے اور اقتصادی، سماجی، ثقافتی اور سیاسی ترقی میں حصّہ ڈالنے یا ان سے فائدہ حاصل کرنے میں مردوں اور عورتوں کو مساوی حالات اور مواقع ملیں۔ اس لیے صنفی مساوات سے مراد یہ ہے کہ مردُوں اور عورتوں کی مشترک اور مختلف حیثیتوں اور معاشرے میں ان کے کردار کو برابر اہمیت دی جائے۔ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ خواتین اور مرد گھر، سماج اور معاشرے میں مکمل طور پر شریک ہوں۔ اچھے معیار تعلیم کے حصول، طریق عمل میں لڑکیوں اور لڑکوں کے لیے مساوی اور یکساں برتاؤ کو یقینی بنایا جائے جو ہر قسم کے روایتی تصورات سے پاک ہو۔

---

1- Internaional Labour Organization, "ABC Of Women Worker's Rights And Gender Equality", Geneva, 2000, 48

2- World Economic Forum, "The Global Competitiveness Report 2006", Geneva, Switzerland, 12

3- Nicola Maxwell, *A Quick Guide to Gender Proofing*, (Irland: University College Cork, n.d), 4

صنف کی بنیاد پر عدم مساوات معاشرے کا ایک رجحان ہے جو دُنیا کی ثقافتوں، مذاہب، مختلف قوموں اور مختلف آمدنی کے گروہوں کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ زیادہ تر معاشروں میں خواتین اور مردوں کے درمیان اختلافات اور عدم مساوات فیصلہ سازی اور وسائل پر اختیارات کے مواقعوں پر ذمہ داریوں کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔

اقوام متحدہ کا ادارہ یونیسف صنفی مساوات کو یوں بیان کرتا ہے۔

صنفی مساوات کا مطلب ہے کہ مرد و خواتین، لڑکے اور لڑکیاں حقوق، وسائل اور تحفظ سے مساوی مستفید ہوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرد و عورت، لڑکے اور لڑکیوں کو بالکل ایک جیسا سمجھا جائے۔ (۱)

عالمی ادارے مساوات کے لیے کوشاں ہیں، جس میں بنیادی ہدف خواتین کو اُن کے حقوق مہیا کرنے کے لیے قانون سازی ہے۔ موجودہ دور میں مغرب کے کئی ممالک میں شہری حقوق کو قانونی اور سماجی تحفظ حاصل ہے۔ لیکن بہت سے ممالک میں ان حقوق کو غصب یا نظر انداز کیا جاتا ہے۔ حقوق نسواں کی اصطلاح میں تمام انسانی حقوق شامل کئے جاسکتے ہیں لیکن عمومی طور پر اس موضوع میں وہی حقوق شامل کئے جاتے ہیں جن کے استحقاق کے حوالے سے معاشرہ مرد اور عورت کے درمیان فرق روا رکھتا ہے۔ چنانچہ حقوقِ نسواں کی اصطلاح عام طور پر جن حقوق کے لیے استعمال کی جاتی ہے ان میں خواتین کے لیے جسمانی تحفظ کی یقین دہانی، معاشی خود مختاری، جنسی استحصال سے تحفظ، حکومتی اور سماجی اداروں میں برابری کی بنیاد پر ملازمتیں، مردوں کے برابر تنخواہیں، پسند کی شادی کا حق، افزائش نسل کے حقوق، جائیداد رکھنے کا حق اور تعلیم کا حق شامل ہیں۔

انسانی حقوق کے عالمی معاہدوں کے باوجود دُنیا بھر میں عورتیں مردوں کی نسبت غریب اور ناخواندہ ہیں۔ ان کے پاس جائیداد کی ملکیت، قرض لینے کی سہولت اور تربیت کے مواقع کم ہیں۔ عورتیں آج بھی سیاسی طور پر مردوں کی نسبت کم فعال اور گھریلو تشدد کا شکار ہیں۔ (۲)

اسی بنیاد پر عالمی ادارے دُنیا میں خواتین کی حالت کا جائزہ لیتے ہیں۔ عالمی اداروں میں صنفی امتیاز کو بنیادی طور پر چار حوالوں سے جانچا جاتا ہے۔

---

1- United Nations, "Gender Equality", *United Nations Population Fund*. UNFPA. 2015

2- United Nations "Gender equality", *UNFPA*, 2015

ا۔ معاشی شراکت داری اور مواقع، روزگار میں عورتوں کی نمائندگی، تنخواہوں میں مساوات، عورتوں کی آمدنی کا تخمینہ، قانون ساز اسمبلیوں میں خواتین کا تناسب، اعلیٰ سرکاری افسروں میں خواتین کا تناسب اور پیشہ ورانہ ماہرین اور تکنیکی ورکروں میں خواتین کا تناسب

۲۔ تعلیمی صورتحال، خواتین کی شرح خواندگی، اور پرائمری، سیکنڈری اور اعلیٰ تعلیم کے اداروں میں خواتین کے داخلے کی شرح

۳۔ صحت اور حقِ حیات، بچوں کی پیدائش میں لڑکیوں اور لڑکوں کا تناسب اور صحت مند شرح عمر کا تخمینہ

۴۔ سیاسی اختیار، پارلیمنٹ میں عورتوں کا تناسب، وزارتوں میں عورتوں کا تناسب اور عورت سربراہ مملکت کے اقتدار کا دورانیہ

یعنی مغرب کے تصور مساوات کے مطابق عورت تعلیم، روزگار، سماجی زندگی، آمدن، قانون سازی، حکومت، صحت میں جب اُسی طرح اپنا کردار ادا کریں گی جس طرح کہ مرد کو اجازت ہے تو اسے مساوات تصور کیا جائے گا۔ اس کے لیے مغرب کے حمایت یافتہ عالمی ادارے دُنیا میں خواتین کے ساتھ عدم مساوات کا جائزہ بھی لیتے ہیں اور اس عدم مساوات کے خاتمے کے لیے کوشاں ہیں۔

اقوام متحدہ کا صنفی عدم مساوات کا اشاریہ (Index) اس بنیاد پر مبنی ہے کہ اکثر و بیشتر خواتین اور لڑکیوں کو صحت، تعلیم، روزگار میں حاصل آزادیوں پر منفی ردعمل کے ساتھ عدم مساوات برتی جاتی ہے۔ [۱]

اقوام متحدہ کے ہزار برس کے ترقیاتی مقاصد (Millennium Development Goals (MDGs)2006) میں تیسرا ہدف (Target-3) صنفی مساوات کی ترقی میں خواتین کے خلاف ہر قسم کے امتیاز کا خاتمہ اولین مقصد ہے۔ [۲]

تیسرے ہدف کی ذیلی شقوں میں اس کی مزید تفصیل یوں ہے

۳.۲: عوامی اور نجی شعبوں میں جنسی اور دیگر استحصال کے لیے ہونے والے عورتوں کے بیوپار کا خاتمہ

۳.۳: تمام نقصان دہ طریقوں (Harmful Practices) کا خاتمہ مثلاً کم سنی میں جبری شادی، اور عورتوں کے ختنہ کا خاتمہ۔

---

1- UNDP, The United Nations Gender Inequality Index, gender equality at the Office of the Special Adviser on Gender Issues and Advancement of Women at the United Nations

2- United Nations, "The Millennium Development Goals Report 2006", *Secretary General for Economic and Social Affairs*, New York, 2006.

۴.۳: بچوں کی نگہداشت اور گھریلو امور میں عورت کی خدمات کو تسلیم کرتے ہوئے عوامی خدمات کے ذریعے بنیادی معاشرتی ڈھانچے اور سماجی تحفظ کی پالیسوں سے گھریلو اور خاندانی امور میں مرد اور عورت کی مشترکہ ذمہ داری کو قومی طور پر تسلیم کروانا۔

۵.۳: سیاسی، معاشی اور سماجی زندگی میں فیصلہ سازی کی تمام سطحوں پر خواتین کی مکمل و موثر شراکت اور قیادت کے برابر مواقعوں کو یقینی بنانا۔

۶.۳: خواتین کی جنسی اور تولیدی صحت کے حقوق پر رسائی کو عالمی طور پر یقینی بنانا۔

۳(اے) معاشی وسائل کے حصول میں خواتین کو مساوی حقوق دلوانے اور زمین اور دیگر جائیداد کی ملکیت، مالیاتی خدمات، وراثت اور قدرتی وسائل میں ملکی قوانین میں اصلاحات لانا۔

۳(بی): خواتین کو بااختیار بنانے کے لیے ٹیکنالوجی خصوصاً معلومات اور مواصلات کو فروغ دینا۔

۳(سی): صنفی مساوات اور تمام خواتین کو بااختیار بنانے کے لیے موثر پالیسی اور قابل نفاذ قانون سازی کروانا۔

مغربی ممالک نے سیاسی سرگرمیوں کے اشتراک سے خواتین کے نظریہ مساوات کو پروان چڑھایا، جس میں تمام شعبوں میں مرد کے مساوی حقوق حاصل کرنے کے لیے قوانین بنائے گئے، حالانکہ اکیسویں صدی کے ابتداء میں ہی کئی ممالک میں خواتین کو ووٹ دینے کا حق، جائیداد کی ملکیت رکھنے، ملازمت یا کاروبار اختیار کرنے، تعلیم حاصل کرنے جیسے حقوق قانونی طور پر حاصل ہو چکے تھے مگر اس قانونی مساوات کے باوجود مغرب میں آج بھی صنفی مساوات ممکن نہ ہو سکی۔ اس سلسلہ میں کئی مغربی مفکرین خاندان کی افرادی قوت میں صنفی تقسیم (Sexual Dision of Labour) کی تشکیل نو کی ضرورت پر زور دیتے ہیں تاکہ خاندان میں مرد اور عورت کو مساوی اہمیت دی جاسکے۔

مغربی معاشرت کی بنیاد جن نظریات پر ہے وہ تین عنوانات کے تحت آتے ہیں۔ ا۔ مساوات مرد وزن ۲۔ عورتوں کا معاشی استقلال ۳۔ صنفوں کا آزادانہ اختلاط اور اس کے لیے بنیادی طور پر آزادی نسواں کو فروغ دیا گیا۔ آزادی نسواں سے جہاں مغربی معاشرے میں عورت نے اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کی وہاں مغربی معاشرہ آج کئی پیچیدہ مسائل سے دوچار ہے۔ ان مسائل پر سیر حاصل بحث اگلی مبحث میں کی گئی ہے۔

# مبحث دوم: آزادی نسواں کے نتیجے میں مغرب کو درپیش مسائل

موجودہ دور میں مغربی خواتین کی مجموعی صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو ماضی کی نسبت آج کی مغربی خواتین معاشی، سیاسی اور سماجی طور پر مستحکم ضرور ہوئی ہیں۔ لیکن مغرب نے جہاں عورت کے شہری حقوق کو قانونی تحفظ فراہم کیا وہاں مغربی آزادی نسواں اور تصور مساوات کے معاشرتی اور اخلاقی اثرات بھی مرتب ہوئے۔

مساوات کے معنی یہ سمجھ لیے گئے کہ عورت اور مرد نہ صرف اخلاقی مرتبہ اور انسانی حقوق میں مساوی ہوں بلکہ تمدنی زندگی میں عورت بھی وہی کام کرے جو مرد کرتے ہیں اور اخلاقی بندشیں عورت کے لیے بھی اسی طرح ڈھیلی کر دی جائیں جس طرح مرد کے لیے پہلے سے ڈھیلی ہیں۔ عورت کے معاشی استقلال نے اولاً تو قدیم اصول کہ مرد کمائے اور عورت گھر کا انتظام کرے کو نئے قاعدے سے بدل گیا کہ عورت اور مرد دونوں کمائیں اور گھر کا انتظام بازار کے سپرد کر دیا جائے۔ اور ثانیاً آزادی نسواں کی بدولت عورت جب مرد کی کفالت اور مالی اعانت سے بے نیاز ہو گئی تو پھر قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ جو عورت خود کمائے وہ مرد کی خدمت کیوں کرے؟ گھر کی ذمہ داریاں کیوں سنبھالے؟ اس لیے شادی سے کنارہ کشی کا عام رجحان بنتا گیا اور خواتین میں یہ خیال مضبوط ہوتا گیا کہ شادی کر کے شوہر کی خدمت کے جھمیلے میں کیوں پڑا جائے اور نہ ہی عورت کی بقا کے لیے مردوں کے سہارے کی ضروت ہے۔[1]

مغربی تصور آزادی نسواں کے نتیجے میں معاشرتی طور پر جو پہلا اثر پڑا وہ جنسی آزادیوں سے حاصل ہونے والے ثمرات ہیں، جن میں شادیوں سے دوری اور ہم جنس پرستی، تجرد پسندی اور طلاق کا بڑھتا ہوا رجحان، مانع حمل اور اسقاط حمل سے شرح پیدائش میں کمی، جنسی آزادیوں کو قانونی تحفظ حاصل ہونے کی بدولت ناجائز ولادتوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور جنسی و نفسیاتی بیماریاں بڑی حد تک اسی سبب کی مرہون منت ہیں جن سے آج مغربی ممالک پریشانی کا شکار ہیں۔

بذیل جائزہ میں ملکی و عالمی اداروں کی رپورٹس کی روشنی میں مغرب کے اُن مسائل کا ذکر کیا گیا ہے جو آزادی اور مساوات کے نظریہ کی بدولت پیدا ہوئے۔

---

1- Judith Wallerstein, *The Unexpected Legacy of Divorce: The 25 Year Landmark Study.*(New York: Hyperion, 2001), 52

## شادیوں سے اجتناب، طلاق اور ہم جنس پرستی

آزادیٔ نسواں کے بنیادی تصورات میں پدرانہ معاشرہ کے خلاف سخت رد عمل شامل تھا۔ عورت کی معاشی خود مختاری میں خاندان، بچے کی پیدائش و پرورش کی ذمہ داری کو بنیادی رکاوٹ تصور کیا جانے لگا اس لیے معاشرے میں فوری رجحان شادیوں سے اجتناب، دیر سے شادی کرنا، طلاق اور ہم جنس پرستی کی صورت میں رونما ہوا۔

تحریک نسواں کی علمبردار شیلا روبوتھم (Shila Rowbotham)[۱] کہتی ہیں

"عورت کے لیے شادی کے معنی غلامی ہیں اس لیے تحریک نسواں کو شادی کی روایت پر حملہ کرنا چاہیے۔ شادی کی روایت کو ختم کئے بغیر عورت کو آزادی نصیب نہیں ہو سکتی"۔[۲]

مغرب میں شادی کے اس تصور کے پروان چڑھنے کے بعد مرد اور عورت کی زندگی میں بجز ایک شہوانی تعلق کے اور کوئی ایسا ربط باقی نہیں رہا جو ان کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہونے پر مجبور کرتا ہو۔ یہ تجربہ ہے کہ جو عورت اپنی روٹی آپ کماتی ہے وہ اپنی تمام ضروریات کی خود کفیل ہے، اپنی زندگی میں دوسرے کی حفاظت اور اعانت کی محتاج نہیں ہے، وہ آخر محض اپنی شہوانی خواہش کی تسکین کے لیے کیوں ایک خاندان کی ذمہ داری کا بار اٹھائے؟ خصوصاً جب کہ اخلاقی مساوات کے تخیل نے اس راہ سے وہ تمام رکاوٹیں بھی دور کر دی ہوں جو اسے آزاد شہوت رانی کا طریقہ اختیار کرنے میں پیش آسکتی تھیں۔

بغیر شادی کے شہوانی تعلق قائم کرنے سے خاندان کی ضرورت و اہمیت ختم ہو گئی اور خاندان کی جگہ ہم خانگی اور گھریلو شراکت داری نے حاصل کر لی اور شادی کی طرف رجحان کم ہونے لگا۔

تحقیقی رپورٹ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امریکہ میں دیر سے شادی کرنے کا رجحان ۱۹۵۰ء سے شروع ہوا۔ جب کہ حالیہ تحقیقات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ امریکہ اور یورپ میں شادی کرنے کا رجحان ماضی کی نسبت بہتر ہوا جب کہ غیر شادی شدہ افراد میں اکٹھے رہنے (Cohabitation) کا رجحان بڑھا ہے۔ ۲۰۰۸ء سے ۲۰۱۲ء تک یہ شرح اُنتالیس (۳۹) فیصد سے بڑھ کر بیالیس (۴۲) فیصد ہوئی۔[۳]

---

[1]- شیلا روبوتھم (Sheila Rowbotham) (پیدائش ۱۹۴۳): سوشلسٹ نسائیت پسند اور مصنفہ ہے۔

[2]- Kate Webb, "Sheila Rowbotham Interview: Home Economics The Third Estate", *Nothing Is Lost.*, September, 2011, 4.

[3]- European Population Committee of the Council of Europe, “Recent Demographic Developments in Europe 2016”, *Council of Europe*, 37

شادی کی شرح میں یہ کمی طویل مدتی ہے یعنی آہستہ آہستہ معاشرے میں شادی سے اجتناب، دیر سے شادی کرنا اور جنسی خواہشات پوری کرنے کے متبادل ذرائع اختیار کرنے کا رجحان پیدا ہوا جس کا اندازہ ان تازہ ترین سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ہوتا ہے۔

"۲۰۱۶ء میں امریکہ میں شادی شدہ جوڑوں کی تعداد ساٹھ اعشاریہ چھ (۶۰.۶) ملین تھی جو کہ گزشتہ دہائیوں سے زیادہ تھی۔ ۱۹۷۰ میں یہ تعداد پینتالیس اعشاریہ سینتالیس (۴۵.۴۷) ملین تھی۔ ۱۹۹۰ء سے ۲۰۱۶ء تک شادی کی شرح میں کمی واقع ہوئی ہے"۔ (۱)

۲۰۱۶ء میں ۱۸ سال سے زائد ایسے ایک سو دس اعشاریہ چھ (۱۱۰.۶) ملین افراد غیر شادی شدہ تھے جن میں سے تریسٹھ اعشاریہ پانچ (۶۳.۵) فیصد افراد نے زندگی بھر شادی نہیں کی۔ ان میں سے اُنیس اعشاریہ پانچ (۱۹.۵) ملین افراد ایسے تھے جن کی عمر پینسٹھ سال سے زائد تھی جو کہ کُل غیر شادی شدہ افراد کا سترہ اعشاریہ سات (۱۷.۷) فیصد بنتا ہے۔ جب کہ اُنسٹھ اعشاریہ آٹھ (۵۹.۸) ملین گھرانے ایسے جو غیر شادی شدہ مرد و خواتین پر مشتمل تھے جو کہ کُل غیر شادی شدہ افراد کا سینتالیس اعشاریہ چھ (۴۷.۶) فیصد بنتا ہے۔ بغیر شادی کے اکھٹے رہنے والی سینتیس اعشاریہ پانچ (۳۷.۵) فیصد آبادی ایسی تھی جن کی ہاں ایک اولاد تھی۔ جب کہ ۲۰۱۵ میں تین اعشاریہ پانچ (۳.۵) ملین کی آبادی غیر شادی شدہ جوڑے تھے جن میں سے چار لاکھ تینتیس ہزار پانچ سو انتالیس ہم جنس پرست جوڑے تھے۔ (۲)

۱۹۹۰ء میں ہر ایک ہزار میں سے نو اعشاریہ آٹھ (۹.۸) افراد شادی شدہ تھے جب کہ ۲۰۱۶ء میں ہر ایک ہزار میں سے چھ اعشاریہ نو (۶.۹) افراد شادی شدہ ہیں۔ امریکی ریاست نیواڈا میں شادی کی شرح میں بلند ترین ہے جہاں شادی کی شرح ہر ایک ہزار میں سے اٹھائیس اعشاریہ چار (۲۸.۴) افراد شادی شدہ ہیں جب کہ ایلونائی میں شادی کی شرح سب سے کم ہے جہاں ہر ایک ہزار میں سے پانچ اعشاریہ چھ (۵.۶) افراد شادی شدہ ہیں۔ اسی رپورٹ

---

1- National Center for Health Statistics, "Trends in Attitudes About Marriage, Childbearing, and Sexual Behavior: United States, 2002, 2006–2010, and 2011–2013", 19

2- National Center for Health Statistics, "Marriage, Cohabitation, and Men's Use of Preventive Health Care Services" 2016, 13

کے مطابق ۲۰۱۶ میں طلاق کی شرح میں بھی کمی واقع ہوئی ہے جو کہ ہر ایک ہزار میں سے تین اعشاریہ دو (۳.۲) ریکارڈ کی گئی۔ (۱)

موجودہ دور میں امریکہ میں شادی کی اوسط عمر ستائیس (۲۷) سال کی لڑکی اور اُنتیس (۲۹) سال ہے۔ جب کہ سترہ (۱۷) سال کی عمر میں لڑکے اور لڑکیاں جنسی عمل کر چکے ہوتے ہیں۔ پچیس سال تک بالغ خواتین کی اکثریت اکیلی رہتی ہے اور بغیر شادی کے جنسی عمل کرتی ہے۔ (۲)

امریکہ میں ۱۹۷۲ء سے ہم جنس پرست شادیوں کی اجازت دی گئی تھی۔ ۲۰۱۱ء میں شادی مساوات ایکٹ (The Marriage Equality Act) کے تحت ہم جنس شادیوں کو قانونی حیثیت دی گئی۔ جب کہ اس کے خطرناک نتائج افزائش نسل میں کمی، ذہنی و جسمانی امراض و دیگر معاشی مسائل سامنے آنے پر ۲۰ جون ۲۰۱۵ء کو سپریم کورٹ نے شادی کا تحفظ ایکٹ (The Marriage Equality Act) کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس پر پابندی عائد کر دی۔ (۳)

مغرب کی فکر معاش میں مبتلاء شادی شدہ عورت اپنے گھر پر خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکتی اور نہ ہی وہ اپنے ساتھی کی آسودگی کا باعث بنتی ہے جو اس کی تخلیق کا اصل مقصد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب میں اکثر شادیاں طلاق پر منتج ہو جاتی ہیں۔ طلاق کی وجہ سے نہ صرف گھر تباہ ہو جاتا ہے بلکہ عورت و مرد کا ذہنی سکون بھی ختم ہو جاتا ہے۔ مطلقہ عورتیں کئی مشکلات کا شکار ہو جاتی ہیں۔

امریکی مصنفہ کیرولین برڈ (Caroline Bird) (۴) کہتی ہے۔

---

1- National Center for Health Statistics, "National Marriage and Divorce Rate, 2000-2016", *Division of Vital Statistics*, 2017, 22

2- Laura Duberstein Lindberg and Susheela Singh, "Sexual Behavior of Single Adult American Women," *Perspectives on Sexual and Reproductive Health*, vol. 40, no. 1 March 2008, 9

3- *Politico*, "Supreme Court Gay Marriage Decision: Full text of Obergefell Ruling" 2016. 7

۴- کیرولین برڈ (Caroline Bird Mahoney) (۱۹۱۵-۲۰۱۱): امریکی نسائی مفکرہ اور مصنفہ تھی۔ شہرہ آفاق تصنیف Born Female: The High Cost of Keeping Women Down ہے۔

"Divorce has become a major source of economic hardship for women". (۱)

ترجمہ: طلاق عورتوں کی معاشی مشکلات کا بڑا سبب بن چکی ہے

نکاحوں کی کمی، طلاقوں کی زیادتی اور نکاح کے بغیر مستقل یا عارضی تعلقات کی کثرت یہ معنی بھی رکھتی ہے۔ خاندانی نظام متاثر ہو رہا ہے، بچے پیدا کرنے کی خواہش مٹ رہی ہے اور پیدا شدہ بچوں سے غفلت برتی جارہی ہے۔ (۲)

یورپ میں سال ۲۰۱۵ء کی رپورٹ کے مطابق بائیس (۲۲) لاکھ شادیاں ہوئیں اور نو لاکھ چھیالیس ہزار (۹۴۶) خواتین نے طلاق لی۔ جب کہ امریکہ میں بائیس لاکھ پینتالیس ہزار چار سو چار (۲۲۴۵۴۰۴) شادیاں ہوئیں اور آٹھ لاکھ ستائیس ہزار دو سو اکسٹھ (۸۲۷,۲۶۱) طلاقیں ہوئیں۔ (۳)

شادیوں سے اجتناب اور طلاق کی وجہ سے مغربی معاشرے نے متبادل راستے یعنی ہم خانگی اور گھریلو شراکت داری اختیار کی جس کے باعث ناجائز ولادتوں میں اضافہ ہوا۔

### ہم خانگی اور ناجائز ولادتوں میں اضافہ

آزادی نسواں اور اختلاط مرد و زن کے نتیجہ میں سماجی اور ثقافتی اقدار میں تبدیلی کی بدولت شادی سے قبل جنسی تعلقات قائم کرنا، اور بغیر شادی کے ہم خانگی یا گھریلو شراکت داری کے تحت اولاد پیدا کرنے کے رجحانات سماجی تبدیلیوں کا باعث بن رہے ہیں۔ مغرب میں ناجائز بچوں کی ولادتوں کا تاریخی جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ مغرب میں تصور آزادی نسواں کے بعد تیزی اس کا رجحان بڑھا۔ (۴)

---

1-Caroline Bird, *What Women Want: From the Official Report to the President, The Congress and The People of the United States* (New York: Simon and Schuster, 1979), 128.

2- Caroline Bird, *What Women Want:* 128

3- Paul R. Amato, AA. Spencer, "Family Science: Divorce in Europe and the United States: Commonalities and differencesacross nations", *Department of Sociology, Pennsylvania State University*, University Park, PA, USA, 2016, 17

4 - William A. Darity, "Births, Out of Wedlock", *International Encyclopedia of the Social Sciences*, 2001, 9

۱۹۶۵ءمیں امریکہ کے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ناجائز بچوں کی تعداد اُنتیس لاکھ بارہ ہزار(۲۹۱۲۰۰۰) تھی اور ان میں سے ہر ایک ہزار میں تئیس اعشاریہ پانچ (۲۳.۵) بچے بن بیاہی ماؤں کے تھے جن کی عمر ۱۵ سے ۴۴ سال تک تھیں۔ جب کہ شادی شدہ عورتوں میں مقابلتاً اس کا تناسب اکتیس اعشاریہ ایک(۳۱.۱) تھا۔ یہ غیر قانونی پیدائش ۱۹۴۰ء میں تین گنا قانونی پیدائش کے مقابلہ میں زیادہ تھی جب کہ اس زمانے میں تناسب سات اعشاریہ ایک(۷.۱) غیر شادی شدہ افراد میں تھا۔ [1]

کلائیڈ ای۔مارٹن [2] کے مطابق

> "In United States in 1965 for example, my estimate is that approximately 1324000 illicit pregnancies occurred" [3]

ترجمہ:مثال کے طور پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ۱۹۶۵ءمیں میرے اندازہ کے مطابق تقریباً تیرہ لاکھ چوبیس ہزار(۱۳۲۴۰۰۰)ناجائز حمل وضع ہوئے۔

۱۹۷۰ءمیں تقریباچار لاکھ بچوں میں سے تین لاکھ ستر ہزار بچے بغیر شادی کے پیدا ہوئے تھے۔ ۱۹۹۰ءمیں چار لاکھ بچوں میں سے ایک لاکھ بیس ہزار بچے ایسے تھے جو بغیر شادی کے پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۰ءسے ۱۹۸۰ءکے دوران شادی کے بغیر بچوں کو جنم دینے والی امریکی سفید فام خواتین کی تعداد میں دُگنا اضافہ ہوا،جب کہ سیاہ فام خواتین میں اس رجحان میں پانچ سے دس فیصد تک کمی واقع ہوئی۔ [4]

یورپی یونین کی رپورٹ کے مطابق ۲۰۱۴ءمیں چالیس(۴۰) سے چوالیس(۴۴)سالہ پچاس فیصد خواتین ایسی ہیں جنہوں نے کبھی شادی نہیں کی اور بچوں کو جنم دیا ۱۹۹۵ءمیں امریکہ اور کینیڈا میں ایک تہائی بن بیاہی

---

1- George A. Akerlof and Janet L. Yellen, "An analysis of out-of-wedlock births in the united states", Policy Brief Series, Washington DC, *Brookings*, 2000, 10.

۲-کلائیڈ ای-مارٹن (Clyde E. Martin) (۱۹۱۸-۲۰۱۴)امریکی ماہر جنسیات تھا۔ جنسی رویے پر کینیسی رپورٹ میں الفریڈ کینیسی کے معاون تھا۔

3-Alfred C. Kinsey, Wardell B. Pomeroy, Clyde E. Martin, Paul H. Gebhard, *Sexual Behavior in the Human Female* (Bloomington: Indiana University Press, 1984), 336.

4- Stephanie J. Ventura and Christine A. Bachrach, "National Vital Statistics Reports", vol. 48, no. 16, October 18, 2000, 9

خواتین ایسی تھیں جن کے ہاں اولاد تھی۔ سویڈن میں پچپن (۵۵) فیصد، ڈنمارک میں پینتالیس (۴۵) فیصد، جرمنی میں بیس (۲۰) فیصد، نیدرلینڈ میں تئیس (۲۳) فیصد ولادتیں بغیر شادی کے تھیں۔ (۱)

آج بھی ہم خانگی اور ناجائز ولادتوں کا مسئلہ سب سے زیادہ امریکہ میں پایا جاتا ہے اور گزشتہ ایک دہائی میں اس میں اضافہ ہوا ہے۔

امریکی ادارہ کے سروے ۲۰۰۶ء سے ۲۰۱۰ء کے اعداد و شمار کے مطابق

"پندرہ (۱۵) سے چوالیس (۴۴) سال کی اڑتالیس (۴۸) فیصد خواتین شادی کے بجائے ہم خانگی میں رہتی ہیں۔ جب کہ تیس (۳۰) سال کی خواتین کا تناسب چوہتر (۷۴) فیصد ہے جو بغیر شادی کے مردوں کے ساتھ گھریلو شراکت داری میں رہتی ہیں۔ اور اٹھاون (۵۸) فیصد ولادتیں اس ہم خانگی کا نتیجہ تھیں"۔ (۲)

ہم خانگی کے اس رجحان میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ناجائز بچوں کی ولادتیں بڑھتی جارہی ہیں۔ ۲۰۱۵ میں تین اعشاریہ تین (۳.۳) ملین جوڑے ایسے تھے جو ہم خانگی میں رہ رہے تھے جن کے ہاں اٹھارہ سال سے کم عمر بچے تھے۔ بغیر شادی کے ہم خانگی کے رجحان میں ۱۹۹۶ سے اضافہ شروع ہوا اُس وقت یہ تعداد ایک اعشاریہ دو (۱.۲) ملین تھے۔ غیر شادی شدہ عورتوں میں ولادتوں کے تناسب میں گزشتہ دہائیوں میں اضافہ ہوا۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۹۵ء تک بتیس (۳۲) فیصد اضافہ ہوا۔ جب کہ ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۸ء تک یہ اضافہ بتیس (۳۲) فیصد سے اکتالیس (۴۱) فیصد تک تیزی سے بڑھا۔ (۳)

انسدادی تدابیر اور جنسی علوم میں اضافے کے باوجود جنسی آوارگی کا اثر یہ ہوا کہ لڑکیاں غیر قانونی طور پر حاملہ ہوتی ہیں۔ جنسی بے راہ روی کی وجہ سے غیر قانونی حمل میں اضافہ ہوگیا ہے۔ مغربی ممالک میں حمل کو ضائع کرنا قانونی قرار دے دیا ہے، تاکہ لوگ محفوظ اور آزاد ہوجائیں اور پھر اس کے نتیجہ میں جنسی بیماریاں پھیلیں۔ (۴)

---

1- European Union, “2017 Report on equality between women and men in the EU”, Luxembourg, 33

2 - Casey E. Copen, Kimberly Daniels, “First Premarital Cohabitation in the United States:2006–2010, National Survey of Family Growth”, Division of Vital Statistics, *National Center for Health Statistics,* 2011.

3 - U.S. Census Bureau, “Current Population Reports 2015”

4-Kinsey, *Sexual Behavior in the Human Female*, 337.

مغرب میں اسقاط حمل جائز قرار پانے کے باوجود ناجائز بچوں کی کثرت ہو رہی ہے، صورت حال یہ ہے کہ فرانس کا ہر پانچواں بچہ ناجائز ہے۔ جب کہ برطانیہ میں ہر چوتھا بچہ ناجائز ہے، اب ناجائز اور جائز بچوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا، بلکہ ایسے قوانین بنا دیے گئے ہیں کہ کنواری ماؤں کو پورا تحفظ حاصل ہو۔ (۱)

## شرح پیدائش میں کمی

مغرب میں ایک طرف بن بیاہی مائیں ہیں جو اپنے بچوں کو تنہا پال رہی ہیں، دوسری طرف مغربی ممالک آبادی کے بحران کا شکار ہیں۔ خصوصاً ترقی یافتہ ممالک میں آبادی میں اضافے کی شرح اس تیزی سے کم ہو رہی ہے کہ متعدد ممالک اپنی صنعتی ضروریات پوری کرنے کے لیے تیسری دنیا کے پناہ گزینوں کے لیے اپنے دروازے کھولنے پر مجبور ہیں۔ مغرب میں آبادی میں کمی کی وجہ شادی کے رجحان میں کمی، طلاقوں کی زیادتی، شادی سے قبل جوڑوں کا ساتھ رہنا، اسقاط حمل کو قانونی تحفظ، مانع حمل ادویات کا استعمال اور ہم جنس شادیوں کو قانونی حیثیت ملنا ہے۔

امریکہ میں جنوری ۱۹۹۹ سے دسمبر ۲۰۱۵ تک امریکہ میں قومی سطح کے اعداد و شمار کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کم شرح پیدائش کی بڑی وجہ ہم جنس پرستی ہے۔ (۲)

یورپ میں بھی شرح پیدائش میں کمی کا مسئلہ سنگین بن چکا ہے۔ آبادی کے اعتبار سے یورپ کا سب سے بڑا ملک ہونے کے باوجود جرمنی میں ستر کی دہائی کے بعد سے بچوں کی کم شرح پیدائش کا مسئلہ درپیش رہا ہے۔ تاہم شرح پیدائش کے حوالے سے اب جرمنی یورپی یونین میں اوسط شرح پیدائش کے قریب آگیا ہے۔

> اٹھائیس رکنی یورپی یونین میں بچوں کی پیدائش کا اوسط تناسب ایک اعشاریہ ساٹھ (۱.۶۰) بنتا ہے جب کہ جرمنی میں یہ تناسب ایک اعشاریہ اُنسٹھ (۱.۵۹) اور فرانس میں ایک اعشاریہ بانوے (۱.۹۲) ریکارڈ کیا گیا۔ (۳)

یورپ کو آہستہ رفتار سے لیکن یقینی طور پر آبادی میں تبدیلی کے ایسے رجحانات کا سامنا ہے جن کی وجہ سے مستقبل میں بہت سی ریاستوں کے لیے کئی طرح کے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ مسائل طویل مدتی بنیادوں پر نہ صرف اقتصادی ترقی کو متاثر کر سکتے ہیں بلکہ یورپی قوموں کو ایک مشکل انتخاب پر بھی مجبور کر سکتے ہیں۔ کئی سالوں

---

1-Weekly, *News Week*, New York, April, 16, 1984, 9.

2 -Daily, *USA Today,* “Study: Teen suicide attempts fell as same sex marriage was legalized". February 20, 2017.

3- The World Bank, “World Development Indicators 2016”

سے جاری کم تر شرح پیدائش کے باعث نوجوان نسل کا تناسب کم ہو رہا ہے اور یورپی معاشروں میں روزگار کی منڈی سے رخصت ہو جانے والے بزرگ شہریوں کا تناسب مسلسل زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ ان تبدیلیوں کی بنیادی وجہ دیر سے شادی کرنا، طلاق کی شرح میں اضافہ اور ہم جنس پرستی کی وجہ سے کم شرح پیدائش ہے۔ (۱)

## جنسی و نفسیاتی بیماریاں

جنسی آزادیوں کی بدولت ہم جنس پرستی میں بڑھتے ہوئے رجحان سے نہ صرف شرح پیدائش میں کمی ہوئی بلکہ جنسی و نفسیاتی بیماریوں میں بھی اضافہ ہوا۔ عورتوں میں یہ بیماریاں مردوں سے زیادہ پائی جاتی ہیں۔ ایڈز اور ایچ آئی وی جیسی خطرناک بیماریوں کے پھیلاؤ سے مغرب کے ترقی یافتہ ممالک پریشان ہیں۔

"Another problem associated with freedom is venereal disease". (۲)

ترجمہ: آزادنہ اختلاط سے منسلک ایک مسئلہ یہ ہے کہ اس سے خطرناک جنسی امراض پیوستہ ہیں

آزاد جنسی اختلاط سے جو امراض پھیلے ان کے نتیجہ میں کئی اموات واقع ہوئیں۔ (۳)

۲۰۰۹ء میں اموری یورنیورسٹی کی تحقیق میں یہ بات ثابت ہوئی کہ امریکہ میں ہم جنس پرستی سے ایڈز کے مرض میں اضافہ ہوا ہے۔ اور ہر سال امریکہ کی ہر ریاست میں ایک لاکھ (۱۰۰۰۰۰) افراد میں سے چار (۴) افراد ایڈز سے متاثرہ ہو رہے ہیں۔ (۴)

امریکہ کے بیماریوں پر قابو اور روک تھام کے مرکز (Centers For disease Control and Prevention) کی سالانہ رپورٹ ۲۰۱۶ء کے مطابق اٹھارہ سال سے زائد بالغ افراد جن کا ایچ آئی وی ٹیسٹ لیا گیا اُن میں سے چالیس اعشاریہ سات (۴۰.۷) فیصد افراد ایچ آئی وی سے متاثر تھے۔ سوزاک (Gonorrha)

---

[1]- George A. Akerlof and Janet L. YellenThursday, "An analysis of out-of-wedlock births in the united states", *Quarterly Journal of Economics*, May, 1996, 11

[2]-Kinsey, *Sexual Behavior in the Human Female*, 338.

[3]- Carmen Solomon Fears, "Nonmarital Births: An Overview," *Congressional Research Services Report*, (2014).12

[4]- Hugo Mialon and Andrew Francis, "Gay marriage bans increase HIV infections". *Druid Hills: Emory University*, October 8, 2009. 19

کے مرض میں چار لاکھ اڑسٹھ ہزار پانچ سو چودہ (۴۶۸۵۱۴) جب کہ آتشک (Chlamydia) کے مرض میں پندرہ لاکھ اٹھانوے ہزار تین سو چوّن (۱۵۹۸۳۵۴) افراد مبتلا تھے۔[۱]

جنسی آزادیوں اور آزادانہ اختلاط سے نہ صرف خطرناک جنسی و جسمانی بیماریوں میں اضافہ ہو رہا ہے بلکہ اس کے نفسیاتی اثرات بھی مرتب ہو رہے ہیں۔ خاندانی آویزش، کم عمری میں جنسی عمل، شراب خوری، سمیت متعدد اسباب نے یورپی ممالک کے کروڑوں باشندوں کو نفسیاتی مریض بنا دیا ہے جس کے منفی نتائج انسانی، معاشرتی اور معاشی طور پر مرتب ہو رہے ہیں۔

نفسیاتی مریضوں کے لحاظ سے آئر لینڈ، بلجیم، جمہوریہ چیک، فن لینڈ، فرانس، ہنگری، اٹلی، ہالینڈ، سلوانیہ، اسپین، پرتگال اور برطانیہ سر فہرست ہیں جہاں ۱۹ سے ۲۵ فیصد شہری نفسیاتی مسائل کا شکار یا زیر علاج ہیں، جب کہ آئر لینڈ نفسیاتی مریضوں کے لحاظ سے سر فہرست ہے، جہاں ۲۸ فیصد طلبا و طالبات نفسیاتی مسائل کا شکار ہو چکے ہیں۔[۲]

آئرش لڑکیوں میں نفسیاتی مسائل کے سبب خودکشی کا رجحان پوری یورپی یونین میں سب سے زیادہ ہے۔ یورپی باشندوں میں نفسیاتی پن اور دماغی امراض کی بڑھوتری کے سبب ان میں اموات کا تناسب تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

> "نفسیاتی مسائل، شیزوفرینیا، قنوطیت، خود پسندی، تنہائی، ڈپریشن، تناؤ، بلڈ پریشر اور دماغی عدم توازن سمیت مختلف مسائل کے مریض کی موت طبعی عمر سے کم از کم دس سال اور زیادہ سے زیادہ بیس برس پہلے ہی واقع ہو جاتی ہے۔ ۲۲ یورپی ممالک میں ہر پانچواں فرد نفسیاتی مریض ہے اور اپنا علاج کروا رہا ہے یا دماغی سکون کیلیے ادویات کا سہارا لے رہا ہے"۔[۳]

---

1 – National Center for Health Statistics, "Monitoring Selected National HIV Prevention and Care Objectives by Using HIV Surveillance Data United States and 6 Dependent Areas, 2016.

2 – World Health Organization, "The European Mental Health Action Plan 2013–2020", 18

3– The Organisation for Economic Cooperation and Development OECD Liberary, "Promoting Health, Preventing Disease : The Economic Case 2015"

امریکہ میں ۵۵ لاکھ افراد ایسے ہیں جن کی دماغی نشو و نما نہیں ہو سکتی۔ نفسیاتی طور پر مریضوں کی تعداد ۲ کروڑ ہے۔ مزید دماغی خلل (Psychoneurosis) میں مبتلا اشخاص کی تعداد دس لاکھ ہے۔ جن کے دماغ میں کوئی عضوی خرابی نہیں لیکن جن کا دماغ پاگلوں کی طرح کام کرتا ہے، ان کی تعداد سات لاکھ ہے۔ جن کے دماغ میں واقعی کوئی عضوی خرابی بہت زیادہ ہو چکی ہے ان کی تعداد ایک لاکھ ہے جب کہ پرانے دماغی مریض دس لاکھ ہیں اور جن افراد کو ہر سال وقتی طور پر خرابی کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان کی تعداد تین لاکھ ہے۔[۱]

مغرب میں نفسیاتی مسائل سے صرف نوجوان و بوڑھے مرد و خواتین ہی نہیں بلکہ بچے بھی دوچار ہیں۔ گھریلو ماحول اور ہم جنس پرستی سے کم عمر بچوں میں بھی نفسیاتی بیماریوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اقوام متحدہ کے ادارہ یونیسف (UNICEF) نے امریکی بچوں میں تشدد کے رجحانات کا مطالعہ کرنے کے بعد انکشاف کیا کہ امریکہ میں چھوٹے بچوں میں تشدد کا رجحان فروغ پا رہا ہے۔ بچوں میں تشدد کی طرف میلان والدین کے روّیے اور تربیت کا نتیجہ ہے"۔[۲]

امریکہ میں ہر سال تقریباً ایک لاکھ چونتیس ہزار کم سن بچے خود کشی کرتے ہیں۔ جس میں بڑی وجہ ہم جنس پرستی سے پیدا ہونے والے نفسیاتی مسائل ہیں۔[۳]

نفسیاتی پن کو ایک سنگین معاشرتی مسئلہ ماننے والے یورپی ادارے یورپین کمیشن اینڈ آرگنائزیشن فار کوآپریشن اینڈ ڈیولپمنٹ (OCED) کی جانب سے ۲۰۱۶ء کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ یورپی ممالک میں نفسیاتی پن اونچی حدوں کو چھو رہا ہے۔ یورپی یونین کے ممالک میں آٹھ کروڑ چالیس لاکھ افراد نفسیاتی بن چکے تھے، جن میں ۲۰۱۶ میں ہلاکتوں کی تعداد ۸۴ ہزار رہی۔ نفسیاتی مسائل خاندانی نظام کے ٹوٹنے، معاشرتی تنہائی اور معاشی مسائل سمیت دیگر عوامل سے بڑھ رہے ہیں اور ایسی کیفیت میں مریض شراب نوشی سمیت تنہائی کا سہارا لیتا ہے اور اسی سبب اس کے نفسیاتی مسائل تیزی سے بڑھتے ہیں اور وہ موت کے منہ میں جا پہنچتا ہے جب کہ ہزاروں یورپی باشندوں نے نفسیاتی مسائل سے زچ ہو کر خود کشی بھی کی ہے۔ ہر برس یورپی ممالک میں اربوں ڈالرز شہریوں کی دماغی صحت کی بحالی کیلیے خرچ کئے جا رہے ہیں، لیکن نفسیاتی پن ختم ہونے کے بجائے مزید بڑھتا جا رہا ہے جس سے یورپی معاشرے

---

1-Caroline Bird, *What Women Want*, 129.

2- UNICEF, "An End to Violence Against Children". New York: *United Nations Children Fund*, 2006, 12

3- Daily, *USA Today*, "Study: Teen suicide attempts", February 20, 2017.

میں شہریوں اور خاندانوں میں خلیج اور اختلافات بڑھ رہے ہیں اور اس سے قتل، تشدد اور خودکشی میں تیزی سے اضافہ ریکارڈ کیا جارہا ہے۔[1]

الغرض خواتین کی طویل جدوجہد کے نتیجہ میں آزادی کی جو صورتیں پیدا ہوئیں ہیں، ان سے ایک طرف عورت کو انفرادی طور پر یقیناً فائدہ پہنچا ہے۔ خواتین زندگی کے ہر شعبہ میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ خواتین کو شہری حقوق حاصل ہیں، تعلیم، ملازمت اور دوسرے شعبوں تک ان کی پہنچ ہے، اور ہر میدان میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا رہی ہیں، خصوصاً تعلیمی میدان میں مردوں سے ترقی کرتی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں۔ لیکن جس مساوات کے تصور سے عورت نے جدوجہد شروع کی تھی یعنی معاوضے میں مساوات وہ اُسے ابھی حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ جب کہ دوسری طرف آزادیوں کے غلط استعمال نے معاشرے پر بُرے اثرات بھی مرتب کیے۔ خصوصاً خاندان کے ادارے پر اس کے تباہ کن اثرات مرتب ہوئے۔ قدیم اجتماعیت اور خاندانوں کے نظام کی بجائے نئے خاندانی نظام وجود میں آچکے ہیں جن میں اہل خانہ کا تصور بہت محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ والدین ملازمت پیشہ زندگی کو ترجیح دیتے ہیں اور نئی نسلیں ماں باپ کے بغیر آزادانہ طور پر پل رہی ہیں۔ عورت کو قانونی تحفظ حاصل ہے مگر خواتین پر تشدد، طلاق کی کثرت، جنسی تشدد،، نسل کشی اور تحدید آبادی، بچوں اور نئی نسل کی بے راہ روی، جسمانی قوتوں کا انحطاط اور ذہنی و نفسیاتی امراض کا اضافہ ایسے گھمبیر مسائل ہیں جن سے مغربی معاشرہ نکلنے کی جدوجہد کر رہا ہے۔

---

[1]- OECD, "Health at a Glance: Europe 2016 Mental health problems costing Europe heavily", 2016

# باب چہارم: تحریک نسواں سے متعلق مغربی مفکرین کا تعارف اور تحریک نسواں کا عمومی جائزہ

فصل اوّل: مغرب میں تحریک نسواں کا فکری ارتقاء

فصل دوم: مغربی مفکرین کا تعارف تحریکِ نسواں کے حوالے سے

فصل سوم: عالمی سطح پر حقوق نسواں کی تحریک اور حاصل ہونے والے حقوق

# فصل اوّل: مغرب میں تحریک نسواں کا فکری ارتقاء

مبحث اوّل: مغرب میں تحریک نسواں کے فکری محرکات

مبحث دوم: تحریک نسواں کے افکار اور تحریک کے ادوار

# مبحث اوّل: مغرب میں تحریک نسواں کے فکری محرکات

حقوق نسواں کی تحریک تاریخی و موضوعاتی ہے۔ نسائی تحریک (Feminist Movement) کا مقصد خواتین کے لیے حقوق میں مساوات تھی جب کہ دُنیا بھر میں نسائیت پسندوں کے نظریات اور مقاصد وقت، ثقافت اور ملک کے لحاظ سے تبدیل ہوتے رہے۔ تحریک حقوق نسواں اپنے آغاز میں واضح نام نہیں رکھتی تھی۔ عورتوں کے حقوق کی بات کرنے والوں کی پہچان بھی متعین نہیں تھی۔ تحریک حقوق نسواں کو اس کے موجودہ نام "نسائیت" "Feminism" سے موسوم نہیں کیا جاتا تھا۔ اس نام کی تاریخ اس کشمکش اور جدوجہد کی تاریخ سے کم و بیش سو سال پرانی ہے۔ اس اصطلاح "Feminism" کو سب سے پہلے انیسویں صدی میں استعمال کیا گیا۔ فرانس اور ہالینڈ میں ۱۸۷۲ء میں "Feminism" کو (Les Feministes) کہا جاتا تھا۔[۱]

۱۸۹۰ء کے عشرے میں برطانیہ میں اس نام کو استعمال کیا جانے لگا۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں لکھا ہے کہ ۱۸۹۴ء سے پہلے "Feminist" (نسائی) کی اصطلاح استعمال کی گئی اور اگلے سال یعنی ۱۸۹۵ء میں اسے اس کے نام "Feminism" (نسائیت) سے پکارا گیا۔ امریکہ میں یہ نام ۱۹۱۰ء سے مروج ہے، لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسے شہرت ملنے میں مزید پچاس سال لگے۔ ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کے عشروں میں اس اصطلاح کا بکثرت استعمال ہونے لگا تھا۔[۲]

نسائیت سے قبل جن لوگوں نے خواتین کی مساوات پر بحث کی یا انہیں فروغ دیا انہیں ابتدائی نسائیت پسند (Protofeminist) کہا گیا۔ ایلائن ہوف مین بوروک (Elain Hoffman Brauch)[۳] کے مطابق تقریباً ۲۴ صدی قبل افلاطون (Plato)[۴] نے خواتین کے لیے سیاسی اور جنسی مساوات کی وکالت کی۔ اس کے علاوہ اطالوی مصنفہ کرسٹین ڈی پیزان (Christine de Pizan)[۵] تھی جسے سائمن ڈی بوؤر (Simone de

---

1- Chris Beasley, *What is Feminism? An Introduction to Feminist Theory*, (New York: Sage Publications Ltd, 199), 22

2- Chris Beasley, *What is Feminism? An Introduction to Feminist Theory*, 24

۳- ایلائن ہوف مین بوروک (Elain Hoffman Brauch) (۱۹۳۳ پیدائش): نیویارک یونیورسٹی کی پروفیسر اور مصنفہ جس نے نسائیت پر تجزیاتی کتب لکھیں۔

۴- افلاطون (Plato) (۴۲۷ء پیدائش): یونانی فلاسفر، یونان میں اعلیٰ تعلیمی ادارے کا بانی تھا۔

۵- کرسٹین ڈی پیزان (Christine de Pizan) (۱۳۶۴-۱۴۸۰): اطالوی مصنفہ اور اخلاقیات اور سیاست کی ممتاز رہنما تھی۔ جس کی مشہور تصنیف The City of Ladies and The Treasure of the City of Ladies ہے۔

(Beauvior[1] نے وہ پہلی عورت کہا جس نے جنس کے تعلقات کے بارے میں لکھنے کی غلطی کی۔ دیگر ابتدائی نسائیت پسندوں میں جرمنی کے ہینرک کارنیلیئس ایگریپا (Heinrich Cornelius Agrippa)[۲]، اٹلی کی موڈیسٹا ڈیپوڈساڈیفورٹسی (Modesta di Pozzo di Forzi)[۳]، برطانیہ کی ہینا ووئی (Hannah Woolley)[۴]، میکسیکو کی وانا اینس لاکروس (Juana Inés de la Cruz)، اور فرانس کی میری ڈیگرونے Marie de Gournay)[۵] کے نام شامل ہیں جنہوں نے مختلف ادوار میں خواتین کے حقوق کے بارے میں اپنی تحریروں سے آواز بلند کی۔

ان مفکرین کی تحریروں کے پس پردہ محرکات انسانی تاریخ کے حالات وواقعات تھے کیوں کہ تاریخِ انسانی میں "عورت "اور "تکریم" دو مختلف حقیقتیں رہی ہیں۔ قدیم یونانی فکر سے حالیہ مغربی فکر تک یہ تسلسل قائم نظر آتا ہے اور پھر اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آہستہ آہستہ یہ فکر کیسے ارتقاء کی طرف بڑھی۔ اس تسلسل میں عورت کے بارے میں قدیمی تصورات کے بعد صنعتی انقلاب اور اس دوران مزدور تحریکیں، امریکہ کی آزادی، انقلاب فرانس، اور عالمی جنگوں جیسے تاریخی حالات وواقعات نے خواتین حقوق کے علمبرداروں کو متحرک کیا۔

## پہلا محرک: قدیم روایات

مغرب کی تاریخ میں خواتین کی کمتر حیثیت کی بنیادی وجہ قدیمی روایات تھیں جن سے مغرب کی عورت ہمیشہ احساس کمتری کا شکار رہی۔ یونانی روایات کے مطابق پینڈورا (Pandora) ایک عورت تھی جس نے ممنوعہ صندوق کو کھول کر انسانیت کو طاعون اور غم کا شکار کر دیا۔[۶]

---

[1]- سائمن ڈی بووُر (Simone de Beauvior)(۱۹۰۸-۱۹۸۶): فرانسیسی مصنفہ، دانشور، نظریہ وجودیت کی فلسفی اور نسائیت پسند تھی۔

[۲]- ہینرک کارنیلیئس ایگریپا (Heinrich Cornelius Agrippa) (۱۴۸۶-۱۵۳۵): جرمن فلاسفر، طبیب، قانونی ماہر، اور عامل تھا۔

[۳]- موڈیسٹاڈیپوڈساڈیفورٹسی (Modesta di Pozzo di Forzi) (۱۵۵۵-۱۵۹۲): اطالوی شاعرہ تھی۔

[۴]- ہینا ووئی (Hannah Woolley)(۱۶۲۲-۱۶۷۵): برطانوی مصنفہ تھی جس کی کتاب The Ladies Directory مشہور ہے۔

[۵]- میری ڈیگرونے (Marie de Gournay) (۱۵۶۵-۱۶۴۵): فرانسیسی مصنفہ تھی۔ جس نے بہت سے ادبی ناول لکھے۔ جن میں The Equalityof Men and Women اور The Ladies جیسے مشہور ناولز میں عورتوں کے مساوی حقوق کی بات کی۔

[6]- Pierre Grimal, Stephen Kershaw, *A Concise Dictionary of Classical Mythology*, (New Jersey: Blackwell Publishing, 1990), 45

ابتدائی رومی قانون میں بھی عورت کو مرد سے کمتر قرار دیا گیا تھا۔ابتدائی عیسائی روایات میں بھی عورت اسی طرح کے افکار کی حامل تھی۔ سینٹ جیروم (St. Jerome) [۱] نے کہا

"Woman is the gate of the devil, the path of wickedness, the sting of the serpent, in a word a perilous object".[2]

ترجمہ: عورت شیطان کا دروازہ ہے، ناراضگی (بد اعمالی) کا راستہ، سانپ کی طرح ڈسنے والی اور ایک خطرناک شے ہے۔

انگلستان کے مشہور شاعر ولیم شیکسپیئر (William Shakespeare) (۱۵۶۴-۱۶۱۶) کی بھی یہی رائے ہے۔ "عورت ایک ناپاک شیطان ہے، جسے آج تک نہ کوئی سمجھا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے۔ بس لوگ اس سے دُور رہیں" [۳]

ہیروڈوٹس (Herodotus) [۴] لکھتا ہے

"قدیم بابلیوں کے ہاں جن لوگوں کی بیٹیاں جوان ہو جاتی تھیں، وہ سال میں ایک مرتبہ انہیں مخصوص مقام پر لے کر جاتے، جہاں تماشائیوں کا ہجوم ہوتا۔ ایک سرکاری کارندہ باری باری لڑکیوں کو اپنے سامنے کھڑا کرتا اور بولی لگا کر ان کو بیچ دیتا"۔ [۵]

اس موضوع پر ہنری فریڈرک ایمیل (Henri Frederic Amiel) [۶] نے ایک کتاب لکھی تھی کہ عورت نے قدیم بابلیوں کے عہد سے موسوی شریعت تک کیا ترقی کی؟ ۱۹۲۶ میں "مرکز المرات فی قانون حمورابی" و "قانون الموسیوی" کے نام سے اس کا ترجمہ کیا گیا۔ یہ کتاب تین فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں قدیم بابلی

---

[۱]-سینٹ جیروم (Saint Jerome) (۳۴۷-۴۲۰ عیسوی): رومن عیسائی پادری، ماہر دین (عیسائیت) اور مورخ تھا۔

[2]-Joseph Klaits, *Servants of Satan: The Age of the Witch Hunts* (U.S.A: Indiana University Press, 1985), 67.

[3]-Andrew Gurr, *Shakespeare's Workplace Essayed on Shakespeare Theatre* (London: Cambridge university Press, n.d), 232.

[۴]-ہیروڈوٹس (Herodotus) (پیدائش ۴۸۵ء): قدیم یونانی مورخ تھا۔

[5]- Herodotus, *The Histories*, (Trans) Tom Holland, Paul Cartledge. (New York, Penguin Books), 2013. 91

[۶]-ہنری فریڈرک ایمیل (Henri Frederic Amiel) (۱۸۲۱-۱۸۸۱): سوئزرلینڈ کا فلاسفر، شاعر اور نقاد تھا۔

مذہب کا ذکر ہے اور دوسرے باب میں حمورابی دور کا ذکر ہے۔پہلے باب میں دکھایا گیا ہے کہ قدیم بابلیوں کے عہد حکومت میں جو تقریبا ۴۵۰۰ سال قبل مسیح کا زمانہ ہے، عورتیں روپوش رہتی تھیں اور باپ کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ ضرورت کے وقت اپنی بیٹیوں کو فروخت کردے۔[۱]

تاریخ اخلاق یورپ کے مصنف ایڈورڈہارٹ پول(Edward Hartpol)[۲] کے بقول

"شوہر جس وقت چاہتا بیوی کو بغیر قصور کے گھر سے نکال سکتا تھا۔انتہا یہ تھی کہ عورت گھر اور گھر سے باہر کسی عہدہ کی اہل نہ سمجھی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ کسی معاملے میں اس کی گواہی تک کا اعتبار نہ تھا۔زمانہ قدیم میں رومیوں نے عورت پر اس قدر مظالم ڈھائے کہ تہذیب بھی ان کا نام سن کر شرماتی ہے۔بعض مثالیں تو ایسی بھی ملتی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت کو زمرہ انسانیت سے خارج سمجھتے تھے ۔عورتوں سے جانوروں جیسا سلوک کرنا ان کی فطرت میں شامل ہو چکا تھا۔یہ حقیقت کس قدر آنسو دلانے والی ہے کہ رُومیوں نے عورت کی حقیقی زبان بندی کے لیے ان کے منہ پر تالا ڈال دیا، جس کو وہ "موزییر" کہتے تھے"۔[۳]

سینٹ پال (Saint Paul) (پولوس رسول)[۴] اپنے دوسرے خط "کورنتھیوں کے نام"[۵] میں کہتے ہیں۔

"مرد عورت سے نہیں بلکہ عورت مرد سے ہے۔اور مرد عورت کے لیے نہیں بلکہ عورت مرد کے لیے پیدا ہوئی ہے۔پس فرشتوں کے سبب سے عورت کو چاہیے کہ اپنے سر پر محکوم ہونے کی علامت رکھے"[۶]

---

۱- مرکز المراۃ فی قانون حمورابی وفی القانون الموسوی، جان امل ریک، طبعہ مصر، ۱۹۲۶، ص:۱۲۵

۲- لیکی ولیئم ایڈورڈہارٹ پول( Lecky William Edward Hartpol) (۱۸۳۸-۱۹۰۳ء): ایم اے ڈی سی ایل، ایل ایل ڈی، کیمبرج بہت سی تصانیف و تالیف کا مصنف تھا۔واقعات کی تحقیق و تنقید میں یہ اپنے معاصرین میں خاص امتیاز رکھتا تھا۔اس نے ہزارہ صفحے مطبوعے اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔

3- Lecky William Edward Hartpole, *History of European Morals from Augustus to Charlemagne* Vol.1 (New York: D.Appleton and Company, 1869), 145.

۴- پولوس رسول: ( اصل نام(Sha'ul ha-Tarsi, Saul of Tarsus)تھا۔حضرت عیسیٰؑ کے شاگرد اور عیسائی مبلغ تھے۔ جنہیں سینٹ پال(Saint Paul)کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔(تعارف کروایا جاچکا ہے)

۵- کُورنتھ(Corinth)یونان کے جنوب میں ایک جزیرے پر اباد شہر تھا۔وہاں کے باسیوں کو کُورنتھی کہا جاتا ہے۔

۶- کتاب مقدس، کتاب استثنا، باب ۲۴، آیت:۱

کتاب مقدس میں عورت کو لعنتِ ابدی کا مستحق قرار دیتے ہیں۔[۱]

فرڈنینڈ لنڈبرگ[۲] نے ۱۹۴۷ء میں "Modern Woman the Lost Sex"(جدید عورت صنف گم گشتہ) کے نام سے تحریک نازن کے خلاف بہت موثر کتاب لکھی۔ اس کتاب کے پہلے باب کا عنوان "رجولیت پسند" عورتوں کے خلاف کس قدر نفرت کے جذبات لیے ہوئے ہے۔(ملاحظہ کیجئے Chimaera or Modern Woman (چڑیل یا جدید عورت) [۳] "Chimaera"یونانی اصنام پرستی (Mythology) میں ایک چڑیل عورت کو کہتے ہیں، جو منہ سے آگ کے شعلے نکالتی تھی۔ جس کا سر شیر کا تھا، جسم بکری کا اور دُم سانپ کی تھی۔[۴]

سترہویں صدی میں قدرتی قانون کے فلاسفروں تھامس ہابز (Thomas Hobbes)[۵]، جین جیکوس روسو(Jean Jacques Rosseau)[۶]، اور جان لوک (John Locke)[۷] نے قدیم فلسفیوں ارسطو(Aristotle)اور ایکویناس (Aquinas) کی طرح قدرتی قانون پرستوں نے غلامی اور قانون میں خواتین کی کمتر حیثیت کا دفاع کیا۔ تحریکِ حقوق نسواں انسانی زندگی کو مجموعی طور پر عورت کے تناظر میں دیکھنے اور عورت کو مرد سے الگ اور مساوی انسان کے طور پر پیش کرنے کی جدوجہد تھی۔ تحریکِ حقوق نسواں قدیمی تصورات سے معاشرے میں ایک عورت ایک نئے تاثر کے ساتھ ابھرنا چاہتی تھی جس کا موقع اُسے صنعتی انقلاب نے فراہم کیا۔

---

۱ - کتاب مقدس، کتاب استثناء، باب:۲۵، آیات:۵-۹

۲-فرڈنینڈ لنڈبرگ(Ferdinand Lundberg)(۱۹۰۲-۱۹۹۵) : بیسوی صدی کا معاشی راہنما، امریکی صحافی اور نسائیت کا ناقد اور مصنف ہے۔

3-Ferdinand Lundberg, *Modern Women: The Lost Sex*, 44.

4- *Webster's Third New International Dictionary of English Language*, "Chimaera, n.," (New York: The World Publishing Company, 1993), 389

۵- تھامس ہابز(Thomas Hobbes)(۱۵۸۸-۱۶۷۹):انگلستان کا فلاسفر تھا۔ اور جدید سیاسی فلسفہ کے بانیوں میں سے تھا۔

۶- جین جیکوس روسو (Jean Jacques Rousseau)(1712-1778) :سوئزرلینڈ کا فلاسفر، مصنف اور موسیقار تھا۔ سیاسی فلسفہ، موسیقی، تعلیم، ادب اور سوانح عمری پر کتب تحریر کیں۔

۷-جان لوک(John Locke)(۱۶۳۲-۱۷۰۴):انگلستان کا فلاسفر اور ڈاکٹر تھا جسے روشن خیال فلاسفر تسلیم کیا جاتا ہے۔

## دوسرا محرک: صنعتی انقلاب (۱۷۶۰ء)

اٹھارویں صدی میں زرعی انقلاب اور باہمی تحریک (احاطہ بندی کی مہم)(Enlcousre Movement) شروع ہوئی جس میں سرمایہ داروں نے چھوٹے کاشتکاروں سے زمینیں حاصل کر کے بڑے پیمانے پر کاشتکاری کرنا شروع کر دی۔ بہتر پیداوار اور فصلوں کی گردش کی بدولت لوگ شہروں میں منتقل ہونا شروع ہوئے۔ شہری آبادی میں ترقی کی بدولت فیکٹریاں قائم ہوئیں۔ جس سے صنعتی دور شروع ہوا جو ۱۷۶۰ سے ۱۸۴۰ تک محیط ہے۔ صنعتی انقلاب انگلستان میں ۱۷۶۰ میں شروع ہوا اور دیگر مغربی ممالک میں پھیلتا چلا گیا اور ۱۸۴۰ تک صنعتیں دوسرے مغربی ممالک میں پھیلتی گئیں۔ ابتدائی صنعتی انقلاب میں علوم و فنون نے ترقی کی، صنعتیں اور کارخانے قائم ہوئے، لوگ دیہاتوں سے اُٹھ کر کاروبار کی خاطر شہروں کی طرف منتقل ہونے لگے، دیہاتوں کی آبادی کم ہونے لگی، جب کہ شہروں پر آبادی کا بوجھ بڑھنے لگا اور بڑے بڑے شہر آباد ہوئے۔ خوشحالی کا دور دورہ ہوا، معیار زندگی بلند ہونے لگا مگر اس صنعتی انقلاب کے نتیجے میں بہت سے مسائل بھی پیدا ہوئے۔ مثلاً معیار زندگی بلند ہونے سے اشیاء کی قیمتیں بڑھیں اور کم آمدنی والے لوگوں کا گزارہ کرنا مشکل ہو گیا۔

صنعتی انقلاب کے اہم اثرات میں سے ایک اثر عورتوں کی زندگی پر پڑا۔ صنعت کی آمد سے قبل اکثر خواتین روایتی ملازمت مثلاً لباس بنانے، کھیتوں میں کام کرنے اور اولاد کی پرورش کرتی تھیں، تاہم صنعتی انقلاب کی بدولت خواتین کے روایتی کردار تبدیل ہونا شروع ہوئے۔ صنعتی انقلاب نے طریق پیداوار میں بنیادی تبدیلی متعارف کرائی۔ کارخانے لگے تو خاندان کے پیداواری اکائی ہونے کا مرحلہ ختم ہوا۔ معاشی تگ و دو میں عورت کا شامل ہونا اس کی صلاحیت اور فضیلت سمجھا گیا۔ جس کے نتیجے میں "صنفی مساوات" کی کشمکش نے جنم لیا۔

این روزامنڈ اوکلے (Ann Rosamund Oakley) [1] اسے ۱۷۵۰ء-۱۸۴۰ء کا دور کہتی ہے۔

> اس دور میں عورت نے کپڑے کی فیکٹریوں میں کام شروع کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ مزدوری تھی اور اسے اجرت ملتی تھی۔ اسی دور میں بچے بھی کام کرتے تھے، لیکن آہستہ آہستہ بچوں کے کام پر پابندی شروع ہوئی اور ایسے قوانین منظور ہوئے۔ جن سے مزدور کی حیثیت سے عورت کے مقام و مرتبہ میں فرق آیا۔ ۱۸۱۹ء میں یہ قوانین شروع ہوئے۔ جو بالآخر بچوں کی مزدوری پر پابندی کی صورت

---

[1] - این روزامنڈ اوکلے (Ann Rosamund Oakley) (پیدائش ۱۹۴۴): برطانوی ماہر سماجیات، نسائی مفکرہ اور مصنفہ ہے۔ یو سی ایل ایجوکیشنل انسٹیٹیوٹ آف ایجوکیشن میں سوشل سائنس ریسرچ کی بانی پروفیسر ہے۔

پر منتج ہوئے۔ یہی وہ دور ہے جس میں بچوں اور بالغوں کی حیثیت میں واضح امتیاز شروع ہوا۔(۱)

اس تحریک کی جدوجہد میں ایک نمایاں تبدیلی مردوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کی خواہش تھی۔ عورتوں کے مختلف گروہوں کو یہ احساس ہونے لگا کہ اگر مرد اور عورتیں علیحدہ علیحدہ حلقوں میں رہیں گے تو نئے اور بہتر معاشرے کی تشکیل میں دیر لگے گی۔ لیکن اگر وہ مل کر جدوجہد کریں گے تو ایسے معاشرے کا کام زیادہ آسان ہو گا جس کی عمارت انصاف اور آزادی کی بنیادوں پر استوار ہوگی۔(۲)

صنعت سازی سے مزدور اور آجر کے درمیان مسائل نے سر اٹھایا تو مزدوروں نے مشترکہ مفادات کے لیے اکٹھا ہونا شروع کیا۔ تنخواہوں، مراعات اور سہولیات کے لیے لیبر یونینز بننا شروع ہوئیں اور مزدور تحریکیوں کے ذریعے حقوق کے لیے مشترکہ جدوجہد کا راستہ کھلا۔ اگرچہ برطانیہ میں پندرہویں صدی میں آرڈیننس آف لیبر نافذ کیا گیا تھا جسے بعد میں بدامنی کا خطرہ قرار دیتے ہوئے کالعدم قرار دیا گیا۔

صنعتی انقلاب کی ان چھ دہائیوں میں صنعت کاروں اور مزدور طبقہ کے درمیان کشمکش نے خواتین کے لیے راہداری مہیا کی اور انقلابی مفکرین نے خواتین کے حقوق کی وکالت شروع کی۔ ان مفکرین میں جیرمی بینتھم (Jeremy Bentham)(۳)، مارکویس ڈی کونڈرسے (Marquis de Condorcet)(۴)، میری وولسٹون کرافٹ (Marry Wollstonecraft) اور دیگر مصنفین شامل تھے جنہوں نے خواتین کے خیالات کا اظہار اپنی تصانیف میں کیا اور تحریک نسواں کو بنیاد مہیا کی۔ اجرتوں اور مراعات میں خواتین نے عدم مساوات کے خلاف آواز اٹھانا شروع کیا۔ چونکہ قانون مرد کے ہاتھ میں تھا وہ اپنے مفاد اور عورت کے متعلق قدیم خیال کے پیش نظر اس کو اُجرتوں میں برابر کا حصّہ نہ دیتے تھے۔ قدیم اور جدید دور میں عورت کی مظلومیت، عدم مساوات اور ناانصافی کی وجہ سے عورت نے اپنے حقوق کے مطالبہ کے لیے مساوات مرد و زن کا نظریہ پیش کیا۔ صنعتی انقلاب کے بعد حقوق

---

1-Ann Oakley and Martine Rabertson, *The Socialogy of House Wife* (U.S.A: University of Michigan, 1947), 11.

2-Jo Freeman, *Women: A Feminist Perspective* (California: Mayfield Pub. Co, 1979), 557; Judith Evens, *Feminist Theory Today*, 45.

۳- جیرمی بینتھم (Jeremy Bentham)(۱۷۴۸-۱۸۳۲): انگلستان کا فلاسفر، جج، سماجی مصلح اور مصنف تھا۔

۴- مارکویس ڈی کونڈرسے (Marquis de Condorcet) (۱۷۴۳-۱۷۹۴): اصل نام میری جین اینٹونکس ڈی کیریٹیٹ (Marie Jean Antoine Nicolas de Caritat): فرانسیسی فلاسفر، ریاضی دان اور مصنف تھا۔ جو آزاد خیال معیشت کا قائل تھا۔

نسواں کی تحریک کا دوسرا فکری محرک امریکہ کا برطانوی تسلط سے آزادی حاصل کرنا تھا۔ یہی وہ محرکات تھے جنہوں نے فکر نسواں کی وسعت میں نمو کی حیثیت حاصل کی۔

## تیسرا محرک: امریکہ کی آزادی (۱۷۷۶ء)

۱۴۹۲ء میں کرسٹوفر کولمبس (Christopher Columbus) نے امریکہ دریافت کیا تھا، جس کے بعد ۱۶۰۷ء میں انگریزوں اور یورپ کی اقوام نے وہاں مہمات کے ذریعے آبادکاری شروع کی اور اسے تجارت کے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔ جرمن، فرانسیسوں اور پرتگیزیوں نے بھی اپنی کالونیاں بنالیں مگر زیادہ تر حصّے پر برطانیہ کا قبضہ تھا۔ چونکہ برطانیہ امریکہ تجارت بھی کرنا چاہتا تھا اور وہاں کے لوگوں سے ٹیکس بھی وصول کرنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف جمہوری افکار بھی وہاں پہنچنا شروع ہو چکے تھے، اس لیے ایک مرحلہ ایسا آیا کہ جب برطانیہ نے ٹیکس نافذ کرنا چاہا تو امریکہ کی عوام اس کے آگے کھڑے ہو گئے اور یہ نعرہ اٹھا "No Taxation without Representation"۔ یعنی پارلیمنٹ (برطانوی) میں نمائندگی کے بغیر ٹیکس نہیں دیا جائے گا۔[1]

۱۷۶۵ء میں امریکی عوام نے برطانوی راج کے خلاف بغاوت کر دی اور امریکی ریاست میساچوسٹس (Massachusetts) کے دارالحکومت بوسٹن (Boston) کے ایک گروپ نے آبادیاتی امریکیوں کے حقوق کے لیے "آزادی کے بیٹے" (Sons of Liberty) نامی خفیہ تنظیم بنا کر حقوق کی جنگ شروع کی۔[2]

۱۷۷۰ء میں اس گروپ اور برطانوی فوج کے درمیان لڑائی ہوئی، جب بوسٹن کے کسٹم ہاؤس کو لوگوں کے ہجوم نے گھیر کر احتجاج شروع کیا تو برطانوی فوج نے فائرنگ کر کے مظاہرین کو قتل کر دیا۔ اس واقعے کو تاریخ میں 'بوسٹن کا قتل عام' (Boston Massacre) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد برطانیہ نے مئی ۱۷۷۳ء میں چائے ایکٹ (Tea Act) منظور کرتے ہوئے ایسٹ انڈیا کمپنی کو چائے کی فروخت پر اجارہ داری دی اور مزید ٹیکس نافذ کیے۔ جس کے بعد دسمبر ۱۷۷۳ء میں "آزادی کے بیٹے" گروپ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی چائے کے جہاز دریا برد کیے جسے تاریخ میں ٹی پارٹی (Tea Party) کہا جاتا ہے اس سے برطانوی کمپنی کو بہت بڑا نقصان برداشت کرنا پڑا۔ ان واقعات کے بعد امریکہ کی تیراں (۱۳) کالونیوں نے براعظمی کانگریس (Continental Congress) بنالی اور یہ فیصلہ کیا، کہ ہم خود مختار ریاستیں قائم کریں گے اور اب برطانیہ کے زیر نگیں نہیں رہیں

---

[1]- John Chester Miller, *Origins of the American Revolution*, (California : Stanford University Press, 1957), 95

[2]- John Chester Miller, *Origins of the American Revolution*, 97

گے۔ اس غرض سے ۱۷۷۵ء میں جنگ کا آغاز ہوا جس کی قیادت جارج واشنگٹن (George Washington) نے کی اور بالاخر امریکہ برطانوی تسلط سے آزاد ہوا۔ اس وقت امریکہ کی مختلف ریاستوں کو ملا کر نئے جمہوری نظام قائم کرنے کا اعلان کیا گیا جسے آزادی کا اعلامیہ (Declaration of Independence) کہا گیا۔[۱]

اور یوں پہلی باقاعدہ لبرل ڈیموکریسی دُنیا میں قائم ہوئی۔ آزادی کے اعلامیہ نے امریکہ میں فرد کو آزادی کا پروانہ دیا۔ جس میں امریکی عوام اور بالخصوص خواتین کو اپنے حقوق کے حصول کا راستہ نظر آیا۔ جب کہ دیگر یورپی ممالک میں یہ راستہ انہیں انقلاب فرانس کی صورت میں ملا۔

## چوتھا محرک: انقلاب فرانس (۱۷۸۹ء)

اٹھارویں صدی کے اختتام کے زمانہ میں ۱۷۸۹ء میں انقلاب فرانس رونما ہوا۔ ۱۷۸۹ء تک فرانس اور پورے یورپ میں بادشاہی نظام رائج تھا۔ اُس وقت فرانس پر بادشاہ لوئس اوگسٹ (Louis Auguste)[۲] کی حکومت تھی۔ بادشاہوں نے اپنی مجلس شوریٰ بنائی ہوئی تھی جس کا نام Senate General تھا۔ جو کہ (۱) کلیساء کے ارکان (۲) جاگیرداروں (۳) اور عوام پر مشتمل تھی۔ اور تینوں کا اجلاس الگ الگ ہوتا تھا۔ اب اگر مجلس شوریٰ میں کوئی قرارداد پاس کروانی ہوتی تو عام طور پر کلیساء اور جاگیردار آپس میں گٹھ جوڑ کر لیتے تھے اور نتیجتاً تیسرے حصّے یعنی عوام کی آواز بے اثر ہو کر رہ جاتی۔ عوام بھی باقاعدہ انتخاب کے ذریعے مجلس کا حصّہ نہیں بنتے تھے بلکہ مختلف حلقوں سے کچھ لوگ نامزد کر کے اس میں شامل کر لیے جاتے تھے۔ ۱۷۸۹ء تک سینٹ کا اجلاس منعقد کیے ۱۱۶ سال گزرنے تک سینٹ کا اجلاس نہ بلایا جا سکا تو یہ مطالبہ بڑھا کہ سینٹ کا اجلاس بلایا جائے۔ اُس وقت بادشاہ لوئیس جو اپنی عیاشی اور فضول خرچی میں مشہور تھا، کو اپنے خرچ کے لیے مزید ٹیکس کی ضرورت تھی۔ چنانچہ عوامی مطالبے پر اس اُمید سے بادشاہ نے اجلاس بلایا کہ اس میں کلیساء کے لوگوں اور جاگیرداروں کی حمایت سے ٹیکس بڑھا لوں گا، لیکن جب اجلاس شروع ہوا تو عوام میں شورش پیدا ہو گئی کہ ایوان میں عوام کی تعداد ایک تہائی ہے اس کی تعداد کلیساء اور جاگیرداروں کی تعداد کے برابر کی جائے۔[۳]

---

[1]- J.R.Pole, *A Companion to the American Revolution*, (New Jersey: John Wiley and Sons, Limited, 2003), 105

[۲]- لوئس اوگسٹ (Louis Auguste) (۱۷۵۴-۱۷۹۳): انقلاب فرانس کے وقت فرانس کا حکمران تھا۔ جسے لوئس ۱۶ کہا جاتا ہے۔

[3]- Henri Martin, *History of the Decline and Fall of the French monarchy*, Vol. II (Michigan : University of Michigan Library , 2009), 481

اس مطالبے پر عوام نے جلسے جلوس شروع کر دیے اور بالآخر بادشاہ نے یہ بھی تسلیم کر لیا۔ پھر عوام کا دوسرا مطالبہ سامنے آیا کہ کلیساء، جاگیر داروں اور عوام کے الگ الگ اجلاس کے بجائے مشترکہ اجلاس بلایا جائے اور جو اکثریت کا فیصلہ ہو اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ بادشاہ اس پر تیار نہ ہوا جس پر عوام نے فیصلہ کیا، کہ ہم اپنی قومی اسمبلی بنا لیتے ہیں اور اپنے فیصلے خود کرتے ہیں۔ قومی اسمبلی (National Assembly) کا لفظ وہاں معرض وجود میں آیا۔[1]

چنانچہ انہوں نے الگ ایوان بنا کر اجلاس طلب کر لیا۔ چنانچہ بادشاہ نے طاقت آزمائی کا فیصلہ کیا اور جس عمارت میں اجلاس طلب کیا گیا تھا اس پر فوج تعینات کر کے عوام کو وہاں داخلے سے روک دیا۔ جس پر عوام نے متبادل جگہ ٹینس کورٹ میں قومی اسمبلی کا اجلاس منعقد کر کے نیا دستور پاس کر لیا اور مقنّنہ، انتظامیہ اور عدلیہ تینوں کو الگ الگ کر کے اختیارات تقسیم کیے گئے اور فرد کی آزادی کا باب تیار کیا، البتہ بادشاہت ختم نہیں کی۔ اس دستور میں یہ کہا گیا کہ بادشاہت قائم رہے گی مگر بادشاہ کے اختیارات صرف انتظامیہ تک محدود ہوں گے، مقننہ اور عدلیہ آزاد ہو گی۔

فرانس کے اس پہلے دستور کو پہلی جمہوریہ کہا جاتا ہے۔ جب اس قومی اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا اس وقت ایک ہجوم بادشاہ کے محل پر حملہ آور ہوا اور بادشاہ کو اُٹھا کر قومی اسمبلی میں لے آیا۔ بادشاہ کی موجودگی میں یہ دستور پاس کروا کر اُس کے دستخط لے لیے گئے۔ بادشاہ نے انتظامی اختیارات کو ہی غنیمت جانا اور دستخط کر دیے۔ بعد میں اسے اندیشہ ہوا کہ عدلیہ اور مقننہ کے اختیارات چھین لینا پہلا قدم ہے اگر یہ سیلاب بڑھتا رہا تو میرے انتظامی اختیارات بھی سلب ہو جائیں گے۔ اور میں بادشاہت سے محروم ہو جاؤں گا۔ اُس نے بادشاہی نظام کے دوام کے لیے جرمنی کے بادشاہ سے ساز باز کر کے فرانس کی اسمبلی کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا، مگر اس کی یہ سازش پکڑی گئی اور اسے جیل میں بند کر دیا گیا۔ بادشاہ کی گرفتاری سے پہلا دستور ناکام ہو گیا، کیوں کہ اُس میں بادشاہت برقرار رکھی گئی تھی۔ اس لیے ایک نیا دستور بنایا گیا جس میں انتظامیہ کی ذمہ داریاں بادشاہ کے بجائے ایک کمیٹی کے سپرد کر دی گئیں۔ جسے کنونشن (Convention) کا نام دیا گیا۔ یہ دوسری جمہوریہ کہلاتی ہے۔ وہ انقلابی لوگ جنہوں نے بادشاہت کا خاتمہ کیا تھا انہیں حکومت چلانے کا کوئی تجربہ نہ تھا، نظم وضبط کا فقدان اور آپس اختلافات کی بدولت خانہ جنگی اور لاقانونیت شروع ہوئی۔ چنانچہ عوام نے انتظامی امور کے لیے فوج کی مدد حاصل کی اور کنونشن کی حکومت ختم

---

1- *Spark Notes*, "The French Revolution (1789–1799): The National Assembly: 1789–1791"

کر کے اُس وقت کے سپاہ سالار نپولین بوناپارٹ (Napoleon Bonaparte)[1] کے سر پر عوام نے تاج رکھ کر اس کو بادشاہ بنادیا گیا۔ نپولین کے ساتھی انقلابی رہنما تھے اس لیے اُس نے جمہوری فکر کو فروغ دیا۔[2]

انقلاب فرانس نے یورپ میں جن اقدار کو فروغ دیا وہ تین بنیادیں ہیں

(۱) افراد کی آزادی (۲) تقسیم اختیارات (۳) مذہب اور سیاست کی تفریق

اس کے نتیجے میں یہی تصورات یورپ کے دوسرے ممالک میں رائج ہوئے اور لبرل، سیکولر جمہوریت پوری دُنیا میں متعارف ہوئی۔ جمہوریت کے بنیادی نظریات اور افکار میں افراد کو جماعت یا انجمن بنانے کا حق حاصل ہوا جس سے مختلف تنظیمیں معرض وجود میں آئیں اور انقلاب فرانس کے دوران کئی سیاسی تنظیموں نے زور پکڑا۔[3] جس میں انسداد غلامی کی حامی "سیاہ فاموں کے دوستوں کا معاشرہ (Society of the Friends of the Blacks)، جیکوبنز (Jacobins) اور جیرونڈنز (Girondins) نمایاں تھیں۔ جنہوں نے غلامی کے خلاف اور آزادی اور مساوات کے لیے جدوجہد کی جن سے نسائیت پسندوں نے بھی عورتوں کے حقوق کے لیے جدوجہد شروع کی۔ اور ۱۷۹۰ء میں "دونوں جنسوں کے محب وطنوں کا معاشرہ "Fraternal Society of Patriots of Both Sexes, کے نام سے تنظیم معرض وجود میں آئی، جس کا مقصد شہری تعلیم کو فروغ دینا تھا۔ جو انقلابی اقدامات کی رہنمائی کر سکے۔ اس تنظیم کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں خواتین کی بڑی تعداد شامل تھی۔ دوران انقلاب بھی خواتین سے عدم مساوات رہا، اس دوران کئی ڈاکٹروں اور سائنسدانوں نے خواتین کے سماجی کردار پیش کیے اور یہ ثابت کرنے کوشش کی کہ اعضاء اور ان کے افعال کی بنیاد پر عورت سیاست اور امور حکومت میں حصّہ نہیں لے سکتی۔ سائنس اور طب سے متعلقہ افراد نے یہ کہا کہ عورت کم دماغ (Compacted Skull) ہے اس لیے سائنس سمجھنا اس کے بس کی بات نہیں۔[4]

---

1- نپولین بوناپارٹ (Napoleon Bonaparte) (۱۷۶۹-۱۸۲۱): فرانس کا سپہ سالار اور شہنشاہ تھا۔ اس کی زیر قیادت فرانسیسی فوجوں نے بہت سارے یورپی علاقوں پر قبضہ کیا۔

2- James M. Thompson, *Robespierre and the French Revolution*, (Pennsylvania: Lawrence Verry, June 1952), 168

3- Francois Auguste Mignet, *History of the French Revolution, from 1789 to 1814*, (London: Bell & Daldy, 1905), 274

4- Lisa Beckstrand, *Deviant Women of the French Revolution and the Rise of Feminism*, ( New Jersey: Associated University Press, 2009), 25.

Women's participation in politics was considered useless since men were to keep their wive's, daughter's, sister's, and loved one's values and needs in mind. Women were thought to have the same beliefs, ideals, and desires for France as the men. [1]

ترجمہ: سیاست میں خواتین کی شرکت کو بیکار سمجھا جاتا تھا کیونکہ مردوں کو اپنی بیوی، بیٹی، بہن، اور اپنے پیاروں کی اقدار اور ضروریات کو ذہن میں رکھنا پڑتا تھا۔ عورتوں کا خیال تھا کہ عورتوں میں بھی فرانس کے لیے ایسے ہی عقائد، نظریات، اور خواہشات موجود ہیں، جیسے مردوں کے ہیں۔

جیرونڈنز (Girondins) کی اولمپ ڈوگوژ (Olympe de Gouges)[۲] نے ۱۷۹۱ء میں "عورت کے حقوق اور شہری عورت کا اعلامیہ " Declaration of the Rights of Woman and the Female Citizen شائع کیا۔ اسی اعلامیہ کو بعد میں ملکہ فرانس میری انٹونٹ (Marie Antoinette) کو پیش کیا گیا، جس نے بادشاہ لوئس کو خواتین کے حقوق کے لیے اقدامات اٹھائے جانے کی درخواست کی۔ دو سال بعد مخالف جماعت جیکوبنز نے اولمپ ڈوگوژ کو انتشاری تحریریں لکھنے کے الزام پر گرفتار کیا، اور گلوٹین (Guillotine) (سر کاٹنے والی مشین) کے ذریعے سزائے موت دی گئی۔

رونڈنز (Girondins) کے زوال کے بعد ۱۷۹۳ء میں پاؤلیئن لیون (Pauline Leon)[۳] اور کلیئر لکومب (Claire Lacombe )[۴] نے خالصتاً خواتین پر مشتمل سیاسی جماعت "انقلابی جمہوریت پسند" (Revolutionary Republicans) نامی تنظیم بنالی، اور بہت تیزی سے ۲۰۰ سے خواتین ممبر بنالیں۔[۵]

---

1- Candice E. Proctor, *Women, Equality, and the French Revolution*, (U.S.A: Greenwood Publishing 1990), 56

۲۔ اولمپ ڈوگوژ (Olympe de Gouges) (۱۷۴۸-۱۷۹۳): فرانسیسی انسداد غلامی کی متحرک کارکن، خواتین کے حقوق کی وکیل اور ڈرامہ نگار تھی۔

۳-پاؤلیئن لیون (Pauline Leon) (۱۷۶۸-۱۸۳۸): فرانسیسی بنیاد پرست نسائی رہنما تھی۔

۴۔ کلیئر لکومب (Claire Lacombe) (پیدائش ۱۷۶۵): فرانسیسی اداکارہ اور انقلاب فرانس میں تحریکی رہنما تھی جس نے پاؤلیئن لیون سے مل کر Society of Revolutionary Republican Women نامی خواتین کی تنظیم بنائیں۔

5- Daniel Guerin, *Anarchism: From Theory to Practice,* (New York: Montly Review Press, 1970), 66

تحریک نسواں کی سیاسی بنیاد انقلابِ فرانس میں پڑی، جس نے قانونی مساوات، آزادی اور سیاسی حقوق کو اپنا مرکزی نقطہ نظر بنایا۔ روسوس (Roussos) کے نظریہ نے عورتوں کو جائیداد اور حقوق سے باہر کر دیا تھا۔ پس فرانس انقلاب نے عورتوں کو مجموعی طور پر اپنی آواز کو بلند کرنے کا موقع دیا۔ اس وقت عورتوں کی یہ تحریک قانونی حقوق کی غیر مساویانہ طرز کو اپنا نشانہ بنا رہی تھی۔ ابتدائی تحریک نسواں کا براہ راست تعلق "Abolitionist Movement" (غلامی کے خاتمے کی تحریک) سے تھا، اور اس کے تناظر میں بہت سے مشہور نسائیت نگاروں نے اپنی آواز بلند کرنی شروع کر دی۔[۱]

## پانچواں محرک: کارل مارکس کے نظریات

صنعتی انقلاب کے بعد کال مارکس کے نظریات کو فروغ حاصل ہوا۔ کارل مارکس نے نظریہ جدلی مادیت (Dialectical Materialsim) پیش کیا۔ جس کے مطابق ابتدا آفرینش سے اب تک دُنیا دو طبقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ایک طبقہ امراء اور دولت مندوں، منصب داروں، حاکموں اور سرمایہ داروں کا ہے، جب کہ دوسرا طبقہ محنت کش عوام کا، چاہے وہ مزدور ہوں یا کاشتکار۔ پہلے طبقے کو "بورژوا"(Bourgeois)اور دوسرے کو"پرولتاریہ" (Proltariat) کہا جاتا ہے۔ کارل مارکس کے مطابق تاریخ میں جتنی جنگیں اور معرکے ہوئے انہی دو طبقات کے درمیان ہوئیں۔ بورژو طبقہ ہمیشہ پرولتاریہ کا استحصال کرتا رہا ہے۔ اس نے کبھی پرولتاریہ کو جائز حقوق نہیں دیے۔ خاص طور پر صنعت کے وجود میں آنے کے بعد جب مشین بنی تو جتنی مصنوعات تیار ہوتی ہیں، وہ مزدور کی محنت سے تیار ہوتی ہیں، لیکن حاصل شدہ دولت کا بہت کم حصّہ مزدور کو ملتا ہے۔[۲]

اس بات کو ثابت کرنے کے لیے اُس نے نظریہ قدرِ زائد (Surplus Theory) پیش کیا، کہ کسی کارخانے میں جب کوئی شئے تیار ہوتی ہے تو وہ دو چیزوں سے مل کر تیار ہوتی ہے، ایک خام مال اور دوسری محنت۔ خام مال پر محنت کی گئی تو وہ ایک مصنوع بن گئی۔ روئی پر محنت کی تو وہ دھاگہ بنا، دھاگے پر محنت ہوئی تو کپڑا بنا اس طرح خام مال تو عطیہ قدرت ہے، اور محنت ہی وہ شے ء ہے۔ جو اس خام مال پر اپنا عمل کر کے اس کو شکل دیتی ہے اور بالآخر اس کی قدر و قیمت بڑھتی ہے۔ لہٰذا اس خام مال کی قدر میں جو اضافہ ہوا اس کا سبب محنت ہے جو کہ مزدور کرتا ہے اور اس محنت کا صلہ مزدور کا حق ہے جب کہ سرمایہ دار اس کی محنت کی بنیاد پر اپنی دولت بڑھاتا چلا جا رہا ہے۔ اب مزدور اس

---

1-Miriam Schneir, *Feminism: The Essential Historical Writings* (New York: Random House, 1972), 5.

2- Z. A. Jordan, *The Evolution of Dialectical Materialism* (London: Macmillan, 1967), 97

استحصال کے خلاف علم بغاوت بلند کرے گا۔ اس نے دُنیا بھر کے محنت کشوں کو یہ نعرہ دیا کہ "دُنیا کے محنت کشو ایک ہو جاؤ"[1]

اس نعرہ نے مزدور طبقہ کو شعور دیا جس سے وہ اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھانے لگے۔ خواتین چونکہ عدم مساوات کا شکار تھیں اس لیے انہوں نے بھی اس نظریے کو اپنایا اور مزدوروں کی طرح متحد ہونا شروع کیا اور اپنے حقوق کے لیے مختلف تحریکیں شروع کر دیں۔

## چھٹا محرک: حقوق کی تحریکیں

عورتیں اپنے مسائل کو سلجھانے کی کوشش انفرادی طور پر تو صدیوں سے کر رہی تھیں، لیکن مغرب میں عورتوں کی اجتماعی جدوجہد کی باقاعدہ تحریک کی ابتداء انیسویں صدی میں ہوئی۔ جب عورتوں کے مسائل سیاسی اور مذہبی حلقوں میں زیر بحث آنے لگے۔ یہ وہ دور تھا جب ذاتی آزادی کا تصور مقبول عام ہو رہا تھا۔ ۱۸۳۳ء میں اوبرلن وہ پہلا کالج تھا، جس نے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کے لیے علم کے دروازے کھولے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کا مقصد اچھی بیویاں اور مائیں پیدا کرنا تھا۔ ان تعلیمی سرگرمیوں کا سہرا ایماولارڈ[۲] جس نے تعلیم نسواں کے لیے بہت کام کیا اور فرانسس رائٹ (Francis Wright)[۳] کے سر جاتا ہے، جس نے تقریریں کر کے عوام کو مسئلے کی سنجیدگی کا احساس دلایا، اس کا کہنا تھا

> "جب تک عورتوں کو معاشرے میں ان کا مقام نہیں ملے گا۔ معاشرہ تیزی سے ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا"۔ [۴]

---

1- Z. A. Jordan, *The Evolution of Dialectical Materialism*, 99

۲- ایماء ہارٹ ویلارڈ (۱۷۸۷ء۔ ۱۸۷۰ء): امریکی خاتون جس نے عورتوں کے حقوق کے لیے بہت کام کیا اور خواتین کے لیے اعلیٰ تعلیم کے سکول کی بانی ہے۔

۳- فرانسس رائٹ (Francis Wright) (۱۷۹۵- ۱۸۵۲): آزاد خیال قلم کار، فلسفی اور مفکرہ تھی۔ انقلابی خیالات کی حامل یہ خاتون عورتوں کے حقوق کے لیے انتہائی متشدد اور تحریک ازادی نسواں کی سرگرم رکن تھی۔

۴- مغربی عورتوں کی جدو جہد کی چند جھلکیاں: مغربی عورت اورادب زندگی، خالد سہیل، زاہد لودھی، کرسٹولنک طباعت، زین پریس لاہور، ۱۹۸۸ء، ص:۱۰۱

۱۸۳۰ء کی دہائی میں عورتوں کی تحریک نے کھل کر سیاسی رنگ اپنایا۔ جب انہوں نے غلامی کے خاتمے کی تحریک میں زور شور سے حصّہ لیا۔ سارا گرمکی (Sarah Grimke) [1] اور انجلینا گرمکی (Angelina Grimke)[۲]، جو ایک غلام خاندان کی بیٹیاں تھیں۔ اس تحریک میں بہت فعال تھیں، انہوں نے معاشرے میں انتہائی ہلچل مچادی لیکن اس وقت کے چرچ کے پادریوں کی ایک جماعت نے اعلان کیا کہ

"عورت کا مقام اور ذمہ داریاں بائبل پہلے ہی مقرر کر چکی ہے۔ عورت کی طاقت اس کی کمزوری اور مجبوری میں ہے، جو خدا نے اسے عنایت کی ہے۔ جب وہ مردوں کی طرح کام کرتی ہے اور معاشرے کی فلاح چاہتی ہے، تو وہ اپنی حقیقت بھول رہی ہوتی ہے"۔[۳]

گرمکی بہنوں نے جب یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عورتوں اور غلاموں کے مسائل میں یکسانیت ہے، تو ان پر بہت سے حملے ہوئے۔ انہوں نے اس مفروضہ کو چیلنج کیا کہ مرد عورتوں سے فطری طور پر بہتر ہیں انہوں نے یہ بھی ثابت کیا کہ مذہب اور شادی ان دونوں نے عورت کا نقصان کیا ہے۔ اور ملازمتوں میں بھی عورتوں کا استحصال ہوتا رہا ہے۔ ۱۸۴۰ء میں لندن میں غلامی کے خلاف تحریک میں امریکہ کی نمائندہ عورتوں نے شمولیت کی۔ اس سے عورتوں کی بہت حوصلہ فزائی ہوئی۔ اس کے بعد جولائی ۱۸۴۸ء میں نیویارک میں "عورتوں کے حقوق کا کنونشن" کی دعوت کا اعلان ہوا، جس میں تین سو مردوں اور عورتوں نے شرکت کی اس کنونشن کو عورتوں کی جدوجہد میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ یہ کنونشن ۱۸۴۸ء میں نیویارک کے قریب سینیکا فالز کے مقام پر منعقد ہوا۔ اس کنونشن میں شریک خواتین نے ایک منشور پیش کیا۔ یہ منشور "جذبات کا منشور" (Declaration of Sentiments) کے عنوان سے مشہور ہے۔ یہی منشور بعد میں خواتین کی تمام سماجی سرگرمیوں کی بنیاد بنا۔[۴]

---

[1]-سارا گرمکی (Sarah Grimke) (۲۶ نومبر ۱۷۹۲ء-۲۳ دسمبر ۱۸۷۳ء): امریکی انقلابی ادیب تھی، جنوبی کیرولینا میں بحیثیت اٹارنی اور جج فرائض انجام دیتی رہی اور متشدد نسائیت پرست تھی۔

[2]-انجلینا گرمکی (Angelina Grimke) (۲۰ فروری ۱۸۰۵ء-۲۶ اکتوبر ۱۸۷۹ء): امریکی سیاست دان، قانون دان اور امریکی سماجی انقلاب کی پیش رو تھی۔ پیدائش جنوبی کیرولینا کی ہے۔ 'انجلینا' اور 'سارا' دونوں Grimke Sisters کے نام سے مشہور ہیں۔

[3]- Angelina Grimke, *Walking by Faith: The Diary of Angelina Grimke (1828-1835).* (Edited) Charles Wilbanks, (USA: University of South Carolina Press, 2003), 104

[4] - Thomas Wentworth Higginson, *The Magnificent Activist,* (Cambridge: Da Capo Press, 2000), 143.

اس منشور کا خلاصہ یہ تھا

تاریخ انسانی گواہ ہے کہ عورت ہمیشہ مرد کے ظلم و ستم کا شکار رہی ہے۔ آج بھی عورت کی یہ حالت ہے کہ موجودہ جمہوری نظام سیاست میں اس کی کوئی آواز اور شنوائی نہیں۔ اسے عوامی نمائندگی کا حق حاصل نہیں۔ مرد اپنی مرضی سے حکومت کے اختیارات پر قبضہ کر کے عورتوں کے خلاف قانون سازی کرتا ہے اور عورتوں کے لیے لازم ہے کہ وہ مردوں کے بنائے ہوئے یک طرفہ اور من مانے قوانین کی پابندی کریں ملک کے جاہل اور گنوار مردوں کو وہ حقوق حاصل ہیں۔ جن سے تعلیم یافتہ عورتیں بھی بالکل محروم ہیں۔ تمام اچھی ملازمتوں پر مردوں کی اجارہ داری ہے عورتوں کو مردوں سے کم تنخواہ دی جاتی ہے۔ مذہب کا میدان ہو یا سیاست کا عورت صرف ماتحت اور محکوم ہے۔ اس ملک میں ہم محسوس کرتی ہیں کہ ہمیں مذہبی اور معاشرتی طور پر ذلیل و خوار کیا گیا ہے۔ ہم مظلوم ہیں ہمارا استحصال ہوا ہے۔ ہمیں ہمارے جائز حقوق نہیں دیئے گئے، اب ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ ہمیں امریکہ کے مرد شہریوں کے برابر حیثیت دی جائے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہمیں اپنے مقصد کے حصول میں بہت سی رکاوٹوں کا سامان کرنا پڑے گا مگر ہم ہمت نہیں ہاریں گی۔ جائز ذرائع اور پرامن طریقے سے اپنی جدوجہد جاری رکھیں گی۔ ہم جگہ جگہ کنونشن منعقد کر کے رائے عامہ کو ہموار کریں گی تا کہ حکومت سے اپنے مطالبات منوا سکیں۔ [1]

پھر اسی "جذبات کے منشور" میں طے کردہ ایجنڈے کے مطابق انہوں نے اپنی جدوجہد قراردادوں اور مظاہروں کی شکل میں جاری رکھی۔ جس کے نتیجے میں اسے خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ جب امریکہ میں خانہ جنگی (Civil War) [2] شروع ہوئی تو عورتوں کی نمائندہ انتھونی اور سٹینٹن اس بات پر اصرار کرنے لگیں کہ آزادی کی جنگ تب تک کامل نہیں جب تک اس میں عورتوں کی آزادی کی جدوجہد شامل نہ ہو۔ جنگ کے بعد جب "غلامی کے خاتمے" کا ترمیمی کا بل پاس ہوا۔ جس کے تحت غلامی غیر قانونی ثابت ہوئی تو عورتوں نے شادی کو عورتوں کے لیے غلامی قرار دے کر اپنے حقوق کے لیے احتجاج کیا۔ اگرچہ انہیں یہ کہہ کر خاموش کروانے کی کوشش کی گئی کہ مسئلہ غلاموں کا زیر بحث ہے، عورتوں کا نہیں لیکن عورتیں اپنے استدلال پر مصر رہیں۔ مئی ۱۸۶۹ء میں سوسن بی انتھونی اور الزبتھ سٹینٹن نے "نیشنل وویمن سفریج ایسوسی ایشن" تحریک قائم کی۔ بعد ازاں ان دونوں نے رسالہ انقلاب بھی جاری کیا۔ جس میں عورتوں کے مسائل اور حقوق پر زوردار بحث ہوئی۔ ان کا ایک بنیادی مقصد عورتوں

---

1- Sally McMillen, *Seneca Falls and the Origins of the Women's Rights Movement*, Oxford University Press, 2008,115,.

۲- امریکی خانہ جنگی (American Civil War): ۱۸۶۱ تا ۱۸۶۵ امریکی ریاستوں میں غلامی کے خاتمے، علاقائی بحران، ریاستی حقوق، نسلی تفرقہ بازی، تحفظ تجارت پر پھوٹ پڑی اور کئی ریاستوں کے درمیان لڑائیاں ہوئیں اور خانہ جنگی کا ماحول رہا۔

کے لیے ووٹ حاصل کرنا تھا۔ تحریک کے چھ ماہ بعد لوسی سٹون(Lucy Stone) [۱] اور اس کے رفقاء نے مل کر تحریک تشکیل دی، یوں امریکن ویمن سفریج ایسوسی ایشن (Ameriacan Women Suffrage Association) اور نیشنل ویمن سفریج ایسوسی ایشن(National Women Suffrage Assciation) معرض وجود میں آئیں۔ لیکن ۱۸۷۵ء میں دونوں جماعتیں یکجا ہو گئیں جس نے خواتین کو اپنے حقوق کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کیا۔

## ساتواں محرک: عالمی جنگیں اور معاشی حالات

تحریک نسواں کا ایک فکری محرک عالمی جنگیں بھی ہیں۔ پہلی جنگ عظیم [۲] کے دوران مرد کارکنوں کی کمی کے باعث کارخانوں کے کام پر بہت بُرا اثر پڑا، اس لیے عورتوں کو مجبورًا مردوں کی جگہ لینی پڑی۔ فیکٹریوں اور کارخانوں میں خواتین کی شرح بڑھ گئی۔ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء کے درمیان یہ شرح تیئس اعشاریہ چھ (۲۳.۶) فیصد سے چھیالیس اعشاریہ سات (۴۶.۷) تک بڑھ گئی۔ جس میں شادی شدہ خواتین کی تعداد زیادہ تھی۔[۳] خواتین کا خیال تھا کہ جنگ ختم ہونے پر فیکٹری اور کارخانوں میں ان کی ملازمت جاری رہے گی کیوں کہ عورت مرد سے کم معاوضے پر کام کرتی ہے۔ لیکن جنگ کے خاتمے سے قبل ہی کئی خواتین نے کم تنخواہوں پر کام کرنے سے انکار کر دیا۔ لندن میں بسوں اور ریل گاڑیوں پر کام کرنے والی خواتین نے ۱۹۱۸ء میں مساوی تنخواہ کے لیے ہڑتال کر دی، جو کہ دیگر شہروں میں بھی پھیل گئی۔ یہ مساوی تنخواہ کے لیے کی جانے والی پہلی ہڑتال تھی۔ ہڑتال کے بعد ۱۹۱۷ء میں قائم کی گئی جنگی کابینہ (War Cabinet) نے خواتین کے مطالبے کا جائزہ لینے کے لیے کمیٹی بنائی۔ جس نے اپنی رپورٹ میں خواتین کے مساوی تنخواہ کے مطالبے کو تسلیم تو کیا، مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ عورت کی جسمانی طاقت صحت کے مسائل کی وجہ سے پیداوار میں مردوں کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ اگرچہ خواتین نے جنگ کے دوران مردوں والے کام کر کے دکھائے تھے۔ خواتین یونین کو یقین دہانی کروائی گئی کہ مردوں کے جن عہدوں پر خواتین نے کام

---

۱-لوسی سٹون(Lucy Stone) (۱۸۱۸-۱۸۹۳): امریکی مصنفہ، تحریک حق رائے دہی، تحریک انسداد غلامی کی رہنما تھی۔

۲- پہلی جنگ عظیم(۱۹۱۴-۱۹۱۸): جرمنی، آسٹریا، ہنگری، بلغاریہ، اور ترک خلافت کے اتحاد نے برطانیہ، فرانس، روس، اٹلی، رومانیا، جاپان اور امریکہ کے اتحاد کے خلاف لڑی۔

3- Braybon, Gail, *Women Workers in the First World War*, (United Kingdom: Routledge Publisher, 1989), 244

کیا ہے۔ اُن پر خواتین کی تنخواہ مردوں کے برابر ہو گی اور یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ جنگ ختم ہونے تک ہے جنگ کے خاتمے کے بعد مردوں کی واپسی پر یہ عہد ختم تصور ہو گا۔ (۱)

کم تنخواہوں کے خلاف انقلابی گروپوں کے اتحاد "مشقت کے خلاف اتحاد " (Anti- Sweating League) نے مہم شروع کی۔ جس پر حکومت برطانیہ نے چار شعبوں میں مشقت (Sweating) ختم کی ان میں گھریلو صنعت (Domestic Chain Trade) کا خاتمہ کیا گیا، جہاں تنخواہیں بہت کم تھیں۔ انگلینڈ کے قصبہ کارڈلی ہیتھ (Cardely Heath) میں آجروں نے نئی متعین کردہ تنخواہیں ادا کرنے سے انکار کر دیا، جس پر خواتین کارکنوں کی قومی جماعت (National Federation of Women Workers (NFWW) نے مظاہرے شروع کر دیے۔ جس کے بعد ۶۰ فیصد آجروں (Employers) نے تنخواہوں میں اضافہ کر دیا۔ (۲)

جنگ سے لوٹنے والے مردوں نے دوبارہ ملازمتوں کا مطالبہ کر دیا۔ جس کے بعد خواتین کارکنوں کو ملازمتوں سے فارغ کیا گیا یا کم تنخواہوں پر انہیں ملازمت دی گئی۔ خصوصاً صنعت اور تجارت کے شعبہ میں خواتین کی تعداد کم ہو گئی۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۰ء کے عرصہ میں برطانیہ کی تجارت کساد بازاری کا شکار ہوئی جس سے بے روز گاری کی شرح بڑھ گئی۔ اس عرصہ میں خواتین کے لیے انجینئرنگ، الیکٹرک ورکس، شعبہ خورد و نوش اور کلریکل شعبہ میں ملازمتیں رہ گئیں جہاں تنخواہیں کم اور کام کے اوقات زیادہ تھے ۔ ان شعبوں میں بھی خواتین نگران (Supervisor) نہیں بن سکتی تھیں۔ (۳)

جنگ عظیم اوّل سے قبل اور مابعد وویمن سفر تیج کی تحریک کے نتیجہ میں کئی ممالک کی خواتین کو ووٹ کا حق بھی مل گیا۔ ناروے میں ۱۹۰۷ء، ڈنمارک میں ۱۹۱۵ء، انگلینڈ، آذربائیجان، جرمنی اور پولینڈ میں ۱۹۱۸ء، نیدرلینڈ، آسٹریلیا، ایسٹونیا اور جارجیا میں ۱۹۱۹ء، امریکہ، چیک ریپبلک اور ہنگری میں ۱۹۲۰ء، سپین میں ۱۹۳۰ء، رومانیہ میں

---

1 – James Richard, Atkin, Baron, *Women in industry. Report of the War cabinet Committee on women in industry*, (London, H.M. Stationery off, 1919), 10

2– Sheila Blackburn, "Ideology and Social Policy: The Origins of the Trade Boards Act", *The Historical Journal*, Cambrige University Press, 1991, 22

3– The Historical Journal, "Ideology and Social Policy: Sheila Blackburn , 1991

۱۹۳۹ء میں خواتین نے ووٹ کا حق حاصل کر لیا۔[1] جس نے خواتین کو اپنے دیگر حقوق کے لیے بھی جدوجہد جاری رکھنے میں مدد دی۔

دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹-۱۹۴۵)[۲] نے خواتین کی معاشی زندگی پر گہرا اثر مرتب کیا۔ جنگ کے دوران خواتین میدان جنگ میں لڑ نہیں سکتی تھیں اس لیے گھریلو صنعت میں گولہ بارود بنانے کا رضاکارانہ فریضہ سرانجام دیا۔ ٦٠ لاکھ امریکی خواتین نے دوسری جنگ عظیم کے دوران ٹیکسی ڈرائیور، تعمیراتی کام، اسٹیل کے کارخانوں، لکڑی کے کارخانوں، زرعی کارکن، سرکاری اور پرائیویٹ ملازمتیں کیں۔ تین لاکھ پچاس ہزار (۳۵۰۰۰۰) خواتین نے امریکی فوج میں خدمات سرانجام دیں۔ باوردی خواتین نے کلرک اور نرس کی حیثیت سے فوج میں کام کیا۔ ابتداء میں خواتین کو ملازمتوں میں دوبارہ آنے کا خیر مقدم نہیں ہوا، انہیں کم تنخواہوں پر رکھا گیا، انہیں مردوں کے عہدوں پر کام کرنے کے اہل نہیں سمجھا گیا۔ انہیں جنسی طور پر ہراساں کرنا، خطرناک اور طویل گھنٹے کام کرنے جیسے حالات کا سامنا کرنا پڑا۔[۳]

دوسری جنگ عظیم کے دوران خواتین نے عمارتوں کی بحالی، ہوائی جہازوں کی فیکٹریوں، ایمر جنسی کے شعبوں، ریل گاڑیوں میں وارڈن اور نرسوں کے طور پر کام کیا۔ پڑھی لکھی خواتین نے پیشہ ور شعبوں میں خواتین نے مردوں کے عہدوں پر بھی کام شروع کر دیا۔ اس طرح انجینئرنگ اور دھات سازی کے شعبوں میں بھی عورت مرد کے مقابلہ میں سامنے آگئی۔ اس نے نہ صرف معاشرے کی سیاسی، معاشی، تعلیمی اور سائنسی شعبہ جات میں اپنی ذمہ داریاں نبھائی، بلکہ اُن مختلف شعبہ ہائے زندگی میں بھی اپنا کردار ادا کیا۔ جہاں صرف اور صرف مردوں کی حکمرانی تھی۔ عورت کے کسب معاش کی راہ پر چلنے سے دو قسم کے نتائج سامنے آئے

ا۔ اب وہ مردوں کی بالادستی سے کچھ حد تک آزاد ہو رہی تھی

---

1- Ellen Carol DuBois, *Woman Suffrage and Women's Rights*. ( New York: New York University Press, 1998), 176

۲- دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹ سے ۱۹۴۵ کے درمیان جرمنی نے انگریزوں خلاف اعلان جنگ کیا اور بیلجیئم، پولینڈ، ہالینڈ، لکسمبرگ اور رُوس پر پر حملہ کیا جس پر برطانیہ، رُوس اور فرانس کے اتحاد نے جرمنی پر حملہ کیا۔ برطانیہ اور روس نے ایران پر حملہ کیا جب کہ جرمنی، اٹلی اور جاپان نے مل کر امریکہ سے جنگ کی۔

3- Alan S. Milward, *War, Economy and Society, 1939-1945,* (Berkeley: University of California Press, 1977), 187.

۲-مرد اور عورت کی اُجرتوں اور معاوضوں میں بڑا فرق تھا۔ وہی کام جب مرد کریں تو ان کی تنخواہ زیادہ اور عورتیں کریں تو ان کی اجرت کم، لہٰذا پہلے نمبر پر اس نے اُجرت میں مساوات کا مطالبہ کیا۔ [۱]

جنگ عظیم دوم کے دورانیہ میں یورپ کے دیگر ممالک بھی خواتین کو ووٹ کا حق حاصل ہوا۔ کینیڈا میں ۱۹۴۰ء، فرانس میں ۱۹۴۴ء، روم میں ۱۹۴۴ء اور اٹلی میں ۱۹۴۶ء میں خواتین کو ووٹ دیا گیا۔ جنگ کے بعد دوبارہ مردوں کے لیے ملازمتوں کے مطالبات شروع ہوئے۔ جن پر ایک بار پھر خواتین نے ملازمتوں اور تنخواہوں میں مساوات کے مطالبات کے لیے مظاہرے شروع کیے۔ اس دوران ابلاغ عامہ (Media) نے بڑے پیمانے پر روایتی صنفی کردار (Gender Role) اور گھریلو سرد جنگ (Domestic Cold War) کو فروغ دیا۔ [۲] نظریہ مساوات نے چونکہ عورت کو خاندانی قومیت سے بالکل آزاد قرار دیا جس سے نیوکلیئر فیملی کی اصطلاح عام ہوئی، جس نے خاندان کی وضاحت "ضرورت کے طور پر" کی اور اسے استحکام دیا۔ شادی کی اہمیت ختم ہوئی اور ہم جنس پرستوں کے حقوق، قانونی حیثیت اور آزادی نسواں کے مطالبات بھی شروع ہو گئے۔

"Modern Women the Lost Sex" (جدید عورت صنف گم گشتہ) کا مصنف ان عورتوں کے بارے میں لکھتا ہے

"حقوق نسواں کی علمبردار عورتیں نسوانیت سے نجات حاصل کرنے کا بھرپور تہیہ کیے ہوئے تھیں۔ ان کے خیال میں یہی نسوانیت ہی تھی جو اِن کی سیاسی، معاشی، سماجی اور جنسی محرومیوں کا بنیادی سبب تھی" [۳]

اس تاریخی گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ عورت نے حق سے محرومی کے تاریخی سفر کے بعد اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کی۔ مغرب میں عورت کے حقوق کی جدوجہد ایک تاریخ رکھتی ہے۔ عورت کو اپنے حقوق کے حصول کے لیے ایک طویل اور جاں گسل جدوجہد سے گزرنا پڑا۔ نوعی امتیاز کے خلاف عورت کے احتجاج کا اندازہ حقوق نسواں کے لیے جدوجہد کرنے والی خواتین کی طرف سے عورت کے لیے "Womyn" کی اصطلاح کے استعمال سے ہوتا ہے۔ جو انہوں نے جنسی امتیاز (Sex Discrimination) سے عورت کو آزاد کرنے کے لیے کیا۔ ابتداء میں یہ تحریک حقوق نسواں کی تحریک تھی، جو بعد میں آزادی نسواں اور نسائیت کے نام سے پہچانی جانے لگی۔ مغربی عورت کی موجودہ حیثیت اس جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

---

1-David Bouchier, *The Feminist Challenge*, 29.

2 - Wilson D. Miscamble, *From Roosevelt to Truman: Potsdam, Hiroshima, and the Cold War*, (Cambridge: Cambridge University Press, 2007), 133

3-Ferdinand Lundberg, *Modern Women: The Lost Sex*, 45.

## مبحث دوم: تحریک نسواں کے افکار اور تحریک کے ادوار

خواتین کے حقوق کی جدوجہد یا تحریک مختلف ناموں سے پہچانی جاتی ہے۔ اسے آزادی نسواں (Women Liberation)، حقوق نسواں (Women's Right)، تحریک حق رائے دہی (Suffrage Movement)، آزادی نسواں (Women's Libration) یا تحریک نسائیت (Feminist Movement) کہا گیا۔ تحریک حقوق نسواں کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے جنہیں "لہر" (Wave) سے تعبیر کیا گیا۔ ابتداء میں یہ حقوق کی جدوجہد تھی، لیکن اس میں توسیع کر کے اسے خاندان اور معاشرے میں عورت کے استحصال کے شعور و ادراک سے تعبیر کیا گیا۔ یہ بنیادی طور پر مغربی یورپ اور شمالی امریکہ کا منظر نامہ ہے جس کا تصور فرانس میں پیدا ہوا۔ مغرب میں عورت کے حقوق کا تصور ہمیں اُنیسویں صدی کی فکری جدوجہد میں ملتا ہے۔ جس کا اندازہ ہمیں خواتین کے حقوق کے لیے قائم کی گئی نیشنل وویمن سفریج ایسوسی ایشن (National Woman's Suffrage Association) سے ملتا ہے۔ اس تحریک کی بانی سوسن بی انتھونی (Susan B. Anthony)[1] کو ۱۸۷۲ء میں صرف اس جرم کی پاداش میں جیل جانا پڑا کہ اس نے صدارتی انتخاب میں ووٹ کا حق استعمال کرنے کی کوشش کی۔ تحریک نسواں متنوع افکار کی حامل رہی ہے۔ بنیادی طور پر نسائیت کے افکار فرد کی سماجی (Social)، معاشی (Political)، ثقافتی (Cultural) اور سیاسی (Political) حیثیت میں جنس (Sex) کی بنیاد پر تفریق کے خلاف ہیں۔ نسائیت کے مطابق عورت کو سماجی، معاشی، ثقافتی اور سیاسی زندگی میں تین طرح کے مسائل کا سامنا ہے۔[۲]

۱۔ عدم مساوات (Inequality)

۲۔ تعدی یا جبر (Oppression)

۳۔ ناانصافی (Injustice)

اس حوالے سے نسائیت دو بڑے حصّوں میں تقسیم ہے۔ ایک حلقے کا خیال ہے کہ صنفی تقسیم قدرتی نہیں بلکہ سماجی عمل ہے۔ یعنی عورت کو سماجی، معاشی، ثقافتی اور سیاسی زندگی میں عدم مساوات، تعدی یا جبر اور ناانصافی کا

---

[1]-سوسن بی انتھونی (Susan Brownell Anthony) (۱۸۲۰-۱۹۰۶): امریکی سماجی انقلاب کی رہنما تھیں جنھوں نے نسائی تحریک میں اہم کردار ادا کیا۔

[2]-Ellon Carol DuBois, *Feminism and Suffrage:The Emergence of an Independent Women's Movement in America 1848-1869* (London: Cornell University Press, 1999), 73.

سامنا ہے، جس کی بنیادی وجہ اُس کی جنس کا "عورت" ہونا ہے۔ اور یہ کہ معاشرے میں عورت کی جنس مرد کی جنس سے کم تر نہیں ۔ پدرانہ نظام (Patriachy)میں عورت کے سماجی ، معاشی ، ثقافتی، اور سیاسی کردار "جنسی "(Sex)بنیادوں پر تقسیم ہیں۔ نسائیت ان سماجی کرداروں کی تقسیم"جنس "(Sex)کی بنیادوں پر نہیں بلکہ "صنف"(Gender)کی بنیادوں پر چاہتی ہے، کیوں کہ جنس کا تعلق وجود اور جسم کی ساخت سے جڑا ہوتا ہے۔ اور صنف کا تصور جنس کے معاشرتی کردار سے متصل ہوتا ہے۔

معاشرے میں رائج دیرینہ تصورات اور رسومات انسانوں میں تذکیر و تانیث کا فرق پیدا کر دیتے ہیں۔ سیاست اور طاقت سے وابستگی اس تفریق کو تحفظ فراہم کرتی ہے اور یوں عدم مساوات پر مبنی ایک تفریق معاشرے میں جگہ بنا لیتی ہے۔اسی طرح جبر اور احساسِ جبر، مساوات اور عدم مساوات، محنت اور اس کی قدر و قیمت، عزت، انصاف، آزادی اور اس نوعیت کی دیگر کئی اصطلاحات ہیں ،جو بے انتہا وسیع مفہوم کی حامل ہیں اور ان کے تعین میں اختلافات سامنے آنا ایک لازمی امر ہے۔یہی وجہ ہے کہ نظریاتی اعتبار سے نسائیت کی بے شمار ذیلی شاخیں وجود میں آتی رہی ہیں جنھوں نے اپنے نقطہ نظر سے نسائیت کی تعبیر کا تعین کیا۔ ان میں نمایاں بذیل ہیں۔

آزاد خیال (Liberal)، بنیاد پرست (Redical)، مارکسی اور سماجی(Marxist and Socialist)، تحلیل نفسی(Psychoanalytic)[1]، توجہ مرکوز(Care Focused)، کثیر الثقافت، عالمی اور بعد از نو آبادیاتی (Multicultural, Global, and Postcolonial)، ماحولیاتی نسائیت (Ecofeminism)، نسائیت بعد از جدیدیت(Postmodern Feminism)کے نظریات پیش ہوئے۔ جنھوں نے عورتوں کے مسائل اور اُن کا حل اپنے اپنے نقطہ نظر سے پیش کیا۔

### آزاد خیال نسائیت کے افکار

آزاد خیال نسائیت انفرادیت پسند (Individualistic) قسم کا نسائی نظریہ ہے۔جس کی تعلیمات میں عورت کو اپنے عمل اور انتخاب کے ذریعے مساوات قائم کرنی ہے۔ آزاد خیال نسائیت قانونی اور سیاسی حقوق میں عورت کو مرد کے برابر مقام دینے پر زور دیتی ہے۔ آزاد خیال نسائیت پسندوں کا دعویٰ ہے کہ معاشرے کا یہ عقیدہ

---

[1] -سگمنڈ فرویئڈ(Sigmund Freud)(۱۸۵۶-۱۹۳۹)کا پیش کردہ نظریہ تحلیل نفسی جو 'لاشعور دماغ' (Unconscious-Mind)کے مطالعہ و تجزیہ سے متعلق نظریات اور علاج کے طریقوں کا ایک مجموعہ ہے جس کا مقصد ذہنی صحت کی خرابیوں کے علاج کے طریقہ کار کو وضع کرنا ہے۔

غلط ہے کہ عورت قدرتی، ذہنی اور جسمانی طور پر مرد سے کم تر ہے۔ اس لیے عورت کو تعلیم، معیشت، سیاست اور معاشرے میں امتیاز کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔[1]

آزاد خیال نسائیت یہ یقین رکھتی ہے کہ عورت کی محکومی کی بنیادی وجہ روایتی اور قانونی رکاوٹیں ہیں۔ جو معاشرے نے عورت کو کامیابی سے روکنے کے لیے کھڑی کی ہیں۔ اور ان رکاوٹوں کو ہٹانے کے لیے عورت کے پاس سیاسی اور قانونی طاقت کا ہونا ضروری ہے۔ عورت کی تعلیم، آزادی، حق رائے دہی اور معاشرتی قوانین میں مرد برابری کے لیے سیاسی اور قانونی نظام میں اصطلاحات لازمی ہیں۔ جس کے لیے ہر عورت کو کوشش کرنی ہے۔ عورت کو اپنے حقوق اُسی صورت میسر ہو سکتے ہیں جب کہ وہ قانونی طور پر مضبوط ہو گی اور قانونی طور پر خود مضبوط کرنے کے لیے سیاسی طاقت کا ہونا لازمی ہے تاکہ عورت نئے قوانین بنانے اور موجودہ قوانین میں ترامیم لا سکے۔

## بنیاد پرست نسائیت کے افکار

بنیاد پرست نسائیت (Radical Feminism) کے افکار ۱۹۶۰ میں سامنے آئے۔ جب امریکہ میں آزادیٔ نسواں تحریک (Women's Liberation Movement) شروع ہوئی[2]۔ بنیاد پرست نسائی نظریات کے مطابق پدرانہ نظام صرف تاریخی رجحان ہے جو تعدی یا جبر کا سب سے قدیم ذریعہ ہے اور حکمرانی کی بنیادی اور آفاقی قسم ہے۔ بنیاد پرست نسائیت کے نزدیک بنیادی طور پر پدرانہ نظام (Patriarchy) میں مرد عورتوں پر حکمرانی کرتے ہیں اور عورت پر جبر کرتے ہیں۔ اور اس جبر کو سہنے کی بنیادی وجہ اُن کا ماں بننا ہے۔

پدرانہ نظام سے آزادی کے لیے ضروری ہے کہ موجودہ معاشرتی نظام اور قوانین کو چیلنج کیا جائے۔ اس میں عورت کی جنسی محکومی، زنا، عورتوں پر تشدد اور صنفی کرداروں کو عوامی رائے کے ذریعے چیلنج کرنا بھی شامل ہے۔ بنیاد پرست نسائیت کے نزدیک انسانوں کے درمیان جنیاتی اختلافات کا فرق "ثقافتی" ہے جسے ختم ہونا ہے۔ یعنی مرد کی صرف بالا دستی نہیں بلکہ جنس کی پہچان کو ختم کیا جائے۔ بنیاد پرست نسائیت کا ایک گروپ علیحدگی پسندوں Separatist کے طور پر سامنے آیا ہے۔ اس گروپ کا خیال ہے کہ مرد کبھی بھی عورت کی تحریک کا حصّہ نہیں بن سکتے۔ ان کا خیال ہے کہ نیک نیتی سے تحریک نسواں کی حمایت کرنے والے مرد بھی لاشعوری طور پر پدرانہ معاشرے

---

1- Rosemarie Tong, *Feminist Thought: A More Comprehensive Introduction*, (Third Edition), ( Charlotte: University of North Carolina, 2009), 45

2 -Sarah Gamble، *The Routledge Companion to Feminism and Postfeminism*, (New Dehli: Routledge Publisher, 2001), 19

کے تحفظ کا کام ہی سر انجام دے رہے ہیں۔ لہٰذا عورت کو اراد تاً مرد سے قطع تعلق کر کے اپنی دنیا کے اُصول خود طے کرنا ہوں گے۔ (۱)

بنیاد پرست نسائیت کے نقطہ نظر میں معاشرے کی تشکیل دوبارہ کی جانی ضروری ہے۔ جس میں تمام سماجی، اور اقتصادی منظر نامے میں مرد کی بالا دستی ختم ہو۔ بنیاد پرست نسائیت مرد کی حاکمیت کے خلاف ہے اور اس حاکمیت کے خاتمے کے لیے عورت کے تولیدی حقوق، جنسی آزادی، فحش نگاری، ہم جنس پرستی کے حقوق کے لیے چاہتی ہے۔

## مارکسی اور سماجی نسائیت کے افکار

مارکسی اور سماجی نسائیت (Marxist and Socialist Feminism) کی فکر کے مطابق عورت کی محکومی کی وجہ سرمایہ درانہ نظام معیشت اور نجی املاک کا ہونا ہے۔ خواتین کی آزادی صرف موجودہ سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی بنیادی تشکیل نو سے ممکن ہے، کیوں کہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں زیادہ تر خواتین ملازمین کو پورا معاوضہ ادا نہیں کیا جاتا۔ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں دو طبقات بورژوی اور پرولتاری ہیں اور عورت کی محکومیت ایک طبقے کی محکومیت ہے۔ ان کا فلسفہ ہے کہ عورت کی محکومی کا مسئلہ دراصل ایک وسیع تر اقتصادی مسئلے کا حصّہ ہے۔ پیداواری ذرائع کی غیر منصفانہ تقسیم معاشرے کو طبقات میں تقسیم کر دیتی ہے۔ نسل پرستی کی طرح یہ بھی بر سر اقتدار طبقہ کے مفادات کا تحفظ کرتا ہے۔ یہ طبقاتی نظام معاشرے میں تقسیم در تقسیم کرتا جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام مردوں اور عورت کے درمیان تقسیم پیدا کرتا ہے، مزدور طبقہ کے مردوں کو مراعات دے کر سرمایہ دار اُن کی حمایت حاصل کرتا ہے۔ اور عورت کو گھریلو امور سر انجام دینے اور تولید کا معاوضہ نہیں دیتا کیوں کہ عورت ہی مزدور پیدا کر کے سرمایہ دار کو دے رہی ہے لہٰذا اس معاشی نظام کی از سر نو تشکیل کے ذریعے ہی عورت کی آزادی ممکن ہے۔ سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام ختم ہو جانے کی صورت میں طبقاتی نظام دم توڑ دے گا اور اس کے ساتھ ہی عورت اور مرد جیسے امتیازات بھی ختم ہو جائیں گے۔ (۲)

---

[1]– Rosemarie Tong, *Feminist Thought: A More Comprehensive Introduction*, 68

[2]– Rosemarie Tong, *Feminist Thought: A More Comprehensive Introduction*,126

## تحلیل نفسی نسائیت کے افکار

تحلیل نفسی نسائیت(نفسیات پسند) کے افکار سگمنڈ فرویڈ(Sigmund Freud) [1] کے پیش کردہ نظریہ تحلیل نفسی کی بنیاد پر ہیں۔ تحلیل نفسی نسائیت کے مطابق صنف(Gender)کی بنیاد حیاتیاتی (Biological) نہیں، بلکہ فرد کا نفسیاتی جنسی(Psycho-Sexual) اظہار ہے۔ اور صنف اور جنسی فرق دونوں مختلف اصطلاحات ہیں۔ نفسیات پسند نسائیت کا خیال ہے کہ صنفی عدم مساوات بچپن سے شروع ہو جاتی ہے جو مرد کو اس بات کا یقین دلاتی ہے کہ وہ مذکر (Masculine)ہے(اعلیٰ ہے ) اور عورت کو کہ وہ مونث (Feminine)ہے(ادنیٰ ہے)۔ یہی صنفی فرق اور تقسیم سماجی نظام بناتی ہے جس میں مرد کو غلبہ حاصل ہوتا ہے اور عورت گھر، سماج اور معیشت میں انہی نفسیات کے مطابق اپنا معاشرتی کردار سمجھتی ہے۔ جس کا اثر انفرادی نفسیاتی جنسی ترقی پر ہوتا ہے جب کہ انسان مردانہ اور زنانہ دونوں خوبیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اور اس کا حل مخلوط نظام تعلیم ہے تاکہ جنس(Sex) کی بنیاد معاشرے میں صنف(Gender) کی یہ تقسیم ختم ہو سکے۔ [۲]

## توجہ مرکوز(دیکھ بھال)نسائیت کے افکار

توجہ مرکوز یا دیکھ بھال (Care Focused) کا یہ نظریہ ہے کہ ثقافتی طور پر معاشرہ عورت کو صرف بچوں، بزرگوں اور خاندان کی دیکھ بھال کرنے والے کے طور پر دیکھتا ہے۔ مرد کو انصاف، مساوات اور حقوق میسر ہیں جب کہ عورت کی اخلاقی کی ذمہ داری دوسروں کی خواہشات، ضروریات اور دلچسپیوں کا خیال رکھنا ہے۔ اخلاقی ترقی کے اُصول میں مرد اور عورت کی اخلاقی ترقی کے موازنہ میں صرف مردانہ اقدار کا خیال رکھا گیا ہے نہ کہ انسانی اقدار کا۔ جس سے اخلاقی طور پر عورتوں کی ترقی مردوں سے کم ہوتی ہے۔ آزادی اور خود مختاری مرد کے اخلاقی استدلال کے انداز کو فروغ دیتی ہے۔ جہاں وہ اپنے لیے انصاف، مساوات اور حقوق کی بات کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس ایک عورت کو روزانہ دوسرے رشتہ داروں کی خواہشات، ضروریات اور مفادات کی تکمیل، اور ثقافت کی دیکھ بھال کرنا پڑتی ہے۔ اور یہ کہ ثقافتی طور پر اخلاقی ترقی کا جو تصور ہے وہ غیر متوازن ہے۔ عورت کا اخلاقی استدلال مرد کے بنائے ہوئے اُصولوں کے مطابق ہے، اس لیے اخلاقیات کو ایک مجموعی نسائی نقطہ نظر سے تبدیل کیا جانا چاہیے۔ [۳]

---

[1] -سگمنڈ فرویڈ(Sigmund Freud)(۱۸۵۶-۱۹۳۹): آسٹریا کا ڈاکٹر تھا جس نے تحلیل نفسی کا نظریہ پیش کیا۔

[2]- Rosemarie Tong, *Feminist Thought: A More Comprehensive Introduction*,160

[3]- Rosemarie Tong, *Feminist Thought: A More Comprehensive Introduction*,195

توجہ مرکوز نسائیت نے نظریہ پیش کیا کہ پدرانہ نظام میں بچوں، بزرگوں اور خاندان کی دیکھ بھال سماجی طور پر خواتین کے ذمہ لگا کر عورت کی سماجی حیثیت کو ختم کیا جاتا ہے۔ خاندان کی دیکھ بھال عورتوں کے ساتھ مردوں کو بھی اخلاقی طور پر سکھائی جانی چاہیے۔ بچوں کی نگہداشت مرد اور عورت دونوں کی سماجی ذمہ داری ہے۔ عورت کو بھی سماجی اور ذاتی زندگی میں مرد کی طرح آزاد و خود مختار ہونا چاہیے۔ عورت کی اخلاقی ترقی کے لیے پرائمری، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم لازمی ہے۔ توجہ مرکوز نسائیت کے نزدیک عورت کی پیشہ وارانہ اور سماجی زندگی اس کی گھریلو زندگی سے زیادہ اہم ہے جس پر عورت کو زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

**کثیر الثقافت، عالمی اور بعد از نو آبادیاتی نسائیت کے افکار**

نسائیت کے آغاز میں متوسط طبقہ کی نو آبادیاتی سفید فام خواتین نے دوسری خواتین کے حقوق کے لیے آواز بلند کی۔ جس کی وجہ سے ایک تاثر یہ پیدا ہوا کہ یہ صرف سفید فام متوسط طبقہ کی عورت کے حقوق کا نظریہ ہے۔ خواتین تحریک کے بعد دیگر خواتین نے یہ سمجھنا شروع کیا کہ یہ تمام عورتیں زندگی میں یہی سب چاہتی ہیں جو سفید فام متوسط طبقہ کی عورتوں کی ضرورت ہے۔ نو آبادیاتی کالونیوں اور عالمگیریت سے مختلف علاقوں، ثقافتوں کے افراد امریکہ اور یورپ میں آباد تھے۔ جن کے رنگ، نسل، زبان اور مذاہب مختلف تھے۔ کثیر الثقافت، عالمی اور بعد نو آبادیت کے نظریات نے نسائیت کو چیلنج کیا کہ خواتین مختلف ثقافتوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ خواتین، جن کی ثقافت مختلف ہے انہیں کس طرح متحد کیا جائے۔ سب سے پہلے ان خواتین کو ایک دوسرے کی بہن یا دوست بننا ہو گا۔ ایک دوسرے سے شناسائی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے سوالات کر کے خود شناسی(Self identity)، تکمیل ذات(Self realization)اور خود خیالی(Self image)سے اپنے حق کی پہچان کرنا ہو گی۔[1]

نو آبادیاتی نسائیت کے نظریات ۱۹۸۰ء میں سامنے آئے جب ترقی یافتہ ممالک کے نسائی نظریات پر یہ اعتراض اٹھایا گیا، کہ نسائیت عالمگیر میلان کی حامل نہیں اور غیر یورپی عورت اس کی ترجیحات میں شامل نہیں۔ بعد از نو آبادیاتی نسائیت نے استعماریت سے غیر سفید فام اور غیر یورپی خواتین پر قومیت (نسل پرستی) اور استعماریت (Colonialism) کے طویل المعیاد سیاسی، معاشی اور ثقافتی اثرات سے بچاؤ کا راستہ تلاش کیا۔ نو آبادیاتی نسائیت نے لفظ "عورت"(Woman) پر دلیل پیش کی کہ عورت ایک عالمگیر گروپ ہے۔ عورت کی پہچان بطور ایک صنف(Gender) ہے نہ کہ کوئی سماجی طبقہ، کوئی نسل، کوئی قومیت اور جنس (Sex) نہیں، ان سب کے حقوق

---

[1]– Rosemarie Tong, *Feminist Thought: A More Comprehensive Introduction*, 233

یکساں ہیں۔ نو آبادیاتی نسائیت تیسری دُنیا(Third World)میں جاری نسائی تحریکوں کو بھی نسائیت کے مرکزی دھارے سے جوڑنا چاہتی ہے۔

**ماحولیاتی نسائیت کے افکار**

کثیر الثقافت، بعد از نو آبادیت اور عالمی نسائیت کی طرح ماحولیاتی نسائیت نے مختلف ذرائع سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ انسانی مخلوق ایک دوسرے پر ظلم کرتی ہے۔ماحولیاتی نظریات نے غیر انسانی دُنیا یا قدرت پر انسانی تسلط کے بارے میں توجہ مرکوز کی۔ماحولیاتی نسائیت کے مطابق انسان دوسرے انسان اور غیر انسانی چیزوں سے جڑے ہوئے ہیں۔ نسائی مسائل اور ماحولیاتی مسائل ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ زمین کو بچانے کے لیے خواتین کو ماحولیاتی انقلاب لانا پڑے گا۔ ماحولیاتی نسائیت فطرت اور عورت پر ظلم کو برابر تصور کرتی ہے۔ مرد صرف ثقافت کا محافظ ہے جب کہ عورت قدرت کی محافظ ہے اس لیے مرد عورت اور فطرت پر حکمرانی نہیں کر سکتا۔ عورت، بچوں اور سیاہ فاموں پر جبر، حاکمیت، ظلم، استحصال اور استعماریت صرف پدرانہ نظام کا نتیجہ ہے، جہاں دوہرے معیار اور ظالمانہ سوچ نے نفرت، غصے، تباہی، اور موت سے فطرت کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ (۱)

**نسائیت بعد از جدیدیت کے افکار**

نسائیت بعد از جدیدیت (Postmodern Feminism) بنیادی طور پر قدرت، روح اور فطرت کی اساسی تحقیقات کرتی ہے اور مرد اور عورت کو جوڑا تسلیم کرتی ہے۔ اور اسی کو معاشرے کی تقسیم کا ذمہ دار گردانتی ہے۔ معاشرے میں حاکمیت کے طریقہ کار خصوصاً پدرانہ نظام پر تنقید کرتی ہے۔ البتہ عورت(Femine) کے ساتھ ازم (Ism)کو مسترد کرتی ہے کیوں کہ ازم کسی ایک تصور کی عکاسی کرتا ہے، جب کہ خواتین کے کئی کردار ہوتے ہیں۔ نسائیت بعد از جدیدیت مختلف الانواع تصورات کی قائل ہے۔ ایک سے زیادہ سچائیاں، ایک سے زیادہ کردار، ایک سے زیادہ حقائق اس کی توجہ کا حصّہ ہیں۔ (۲)

نسائیت بعد از جدیدیت کے افکار کے مطابق خواتین کے ساتھ غیر مساوی رویہ ہمارے نظام کی ساخت میں سرایت شدہ ہے۔ جب تک ہم اس پورے نظام کو نہیں بدلیں گے عدم مساوات ہمیشہ رہے گی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اپنے معاشرے کا سماجی نظام جدید نظریہ کے مطابق بدلیں، جہاں منظم طریقہ کار سے مختلف اور متنوع نظریات کی

---

1- Rosemarie Tong, *Feminist Thought: A More Comprehensive Introduction*,268

2- Rosemarie Tong, *Feminist Thought: A More Comprehensive Introduction*,290

حوصلہ افزائی کی جائے۔ جس کے لیے تعلیمی حکمت عملی اور اداری ڈھانچے کی ضرورت ہے تا کہ ہم یہ سمجھ سکیں کہ حقیقی مساوات اصل میں تعلیم کے اندر ہے۔

ان نظریات اور افکار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نسائیت ایک سماجی تحریک ہے جو عورتوں کے مساوی حقوق کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔ نسائیت سیاسی، معاشی اور سماجی حوالے سے صنفی (Gender) مساوات کا نظریہ ہے۔ نسائیت ایک نظریاتی وابستگی بھی ہے اور ایک سیاسی تحریک بھی جو عورتوں کے لیے انصاف کے حصول اور معاشرے سے صنفی امتیازات کے خاتمے کے لیے کوشاں ہے یا صنفی مساوات پر یقین رکھنے اور عدم مساوات کے تصور پر قائم موجودہ نظام کو رد کر دینے کا نام نسائیت ہے۔

بنظر غائر دراصل نسائیت کوئی ایک تحریک یا نظریہ نہیں بلکہ کئی تحریکات اور نظریات کا مجموعہ ہے۔ جو عورتوں کے ان خیالات و احساسات کا احاطہ کرتی ہے جو ان کے تجربات، مشاہدات، گھریلو پرورش اور ماحولیاتی جبر کے نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔ نسائیت نہ صرف صنف کی بنیاد پر جبر کو رد کرتی بلکہ معاشرے کی اس ذہن سازی کو بھی رد کرتی ہے جو عورت کو کم تر گردانتی ہے۔

اس طرح تحریک نسواں کے ادوار کے لیے "لہر" کا استعارہ استعمال کیا گیا کیوں کہ اس سے مراد دُنیا کو یہ یاد کروانا تھا، کہ خواتین کے موجودہ حقوق اور آزادیوں کی تحریکوں کا ایک تلخ ماضی ہے۔ یہ تحریکیں کوئی تاریخی حادثہ نہیں بلکہ عورت کی یکے بعد دیگرے سرگرمیوں کی طویل روایت ہیں۔ "پہلی لہر" کی اصطلاح مارچ ۱۹۶۸ میں مارتھا وائنمن لیئر (Martha Weinman Lear)[1] نے نیو یارک ٹائمز میگزین میں استعمال کی۔ اُسی میگزین میں اُس نے "دوسری لہر" کی اصطلاح بھی استعمال کی۔[۲]

تحریک نسواں کے لیے "لہر" کے استعارہ کی توضیح یہ ہے کہ جس طرح سمندر کی سطح پر ہوا کا دباؤ لہریں پیدا کرتا ہے اور یہ لہریں زمین تک پہنچنے سے پہلے ہزاروں میلوں کا سفر کرتی ہیں۔ اسی طرح خواتین سے عدم مساوات، معاشرتی ناہمواریاں اور ناانصافیوں کا دباؤ مغرب میں تحریک نسواں کا موجب بنا اور جب تک عورت کو معاشرے میں مرد کے برابر مساوات اور انصاف حاصل نہیں ہوتا اُس وقت تک اس کا سفر جاری رہے گا۔

---

[1]- مارتھا وائنمن لیئر (Martha Weinman Lear) (پیدائش ۱۹۳۲) : امریکی مصنفہ اور نیو یارک ٹائمز کی ایڈیٹر ہے۔

[2]- Astrid Henry, *Not My Mother's Sister: Generational Conflict and Third-Wave Feminism*, (Indiana University Press, 2004), 16

## تحریک نسواں کی پہلی لہر(First Wave Feminism)(اُنیسویں صدی تا ۱۹۲۰ء)

(مطالبات: حق رائے دہی، طلاق کے قانونی حقوق، نسل پرستی(انسداد غلامی)اور سیاہ فاموں کے حقوق)

اُنیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل عرصہ کو نسائیت کی پہلی لہر (First Wave Feminism)تصور کیا جاتا ہے۔[1]

اس عرصہ میں تحریک نسواں نے بنیادی طور پر خواتین کے حق رائے دہی(Right of Vote)کے لیے تحریک شروع کرر کھی تھی۔امریکہ میں اس تحریک کی قیادت سوسن بی انتھونی(Susan B. Anthony)اور الزبتھ کیڈی سٹینٹن(Elizabeth Cady Stanton)نے کی۔[2] اس عرصہ میں خواتین کے حق رائے دہی کی تحریک یورپی ممالک آسٹریلیا، ڈنمارک، نیوزی لینڈ، نیدرلینڈ، برطانیہ میں بھی شروع تھی۔اس دورانیہ میں عورتوں کے طلاق کے قانونی حقوق، اور انسداد غلامی اور نسل پرستی (سیاہ فاموں کے خلاف تعصب) کے خلاف مہمات بھی شامل تھیں۔اس فلسفیانہ اور تمدنی تحریک کا خاص مقصد جنسی تفرقات کے تضادات اُجاگر کرنا تھا۔ حق رائے دہی کی تحریک میں زیادہ تر سفید فام خواتین شامل تھیں، جو کہ متوسط طبقہ سے تھیں۔[3]

جب کہ سیاہ فاموں کے حقوق(Black Rights)اور انسداد غلامی کے حامیوں(Abolitionists)کی تحریک بھی شہری حقوق لینے میں معاون بنی۔ جس کی رہنمائی سوجورنر ٹروتھ(Sojournor Truth)[4] الزبتھ بلیک ویل(Elizabeth Blackwell)[5]کر رہی تھی۔اگرچہ تحریک نسواں کی پہلی لہر میں ماسوائے حق رائے دہی کے خواتین کو خاطر خواہ کامیابیاں حاصل نہ ہو سکیں، البتہ اس لہر سے خواتین میں اپنے حقوق کے لیے متحد ہونے کا شعور پیدا ہو گیا۔

---

1 - Miram Schneir, *Feminism: The Essential Historical Writings* (New York: Vintage Books, 1994), 16

2-Alice S .Rossi, *The Feminist Papers: From Adams to de Beauvoir* (London: Columbia University Press, 1973), 145.

3-Barbara Leslie Epstein, "The Success and Faiulre of Faminism," *Journals of Women's History* Vol 14, No 2 (Summer, 2002), 70

۴-سوجورنر ٹروتھ(Sojourner Truth)(۱۷۹۷-۱۸۸۳): افریقی امریکی تھا جو انسداد غلامی اور حقوق نسواں کا حامی تھا۔

۵-الزبتھ بلیک ویل(Elizabeth Blackwell)(۱۸۲۱-۱۹۱۰): برطانوی نژاد امریکی ڈاکٹر اور مصنفہ تھی، جس نے امریکہ کی کی پہلی خاتون ڈاکٹر ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔

## تحریک نسواں کی دوسری لہر(Second Wave Feminism)(۱۹۲۰-۱۹۷۰)

(مطالبات: شہری حقوق(تعلیمی، معاشی، قانونی)، جسمانی مثبتیت، جنسی آزادی کے حقوق)

پہلی لہر کے تسلسل میں تحریک نسواں کی دوسری لہر ۱۹٦۰ء کے اوائل میں امریکہ سے شروع ہوئی۔ پہلی لہر میں ووٹ، طلاق اور وراثتی حقوق کے لیے قانون سازی پر توجہ مبذول کروائی گئی۔ جب کہ دوسری لہر میں شہری حقوق، جنسی آزادی، اسقاط حمل کے لیے قانون سازی کے مطالبات سامنے آئے۔ امریکی تنظیم National Association to Advance Fat Acceptance نے جسمانی مثبتیت(Body Positivity)کی تحریک کے ذریعے عورت کے جسمانی تشخص کے لیے آواز بلند کی۔ جسمانی مثبتیت کو برقرار رکھنے کے لیے اسقاط حمل کا حق، جنسی آزادی، جنسی اعضاء کی تبدیلی کے حقوق مانگے گئے اور ان حقوق کی راہ میں رکاوٹوں کو موضوع بنا کر مزید کئی مسائل مثلاً جنسیت، گھریلو حقوق، پیشہ ور حقوق، پیداواری حقوق اور قانونی حقوق میں امتیازات کے خلاف آواز اٹھائی گئی۔ اس کے علاوہ زنا بالجبر، عورتوں کو بے گھر کرنے، نگہداشت اور طلاق کے رائج الوقت قوانین کو بھی زیر بحث لایا گیا۔

امریکہ میں نسائی تحریک کو ۱۹٦۰ء سے ۱۹۷۰ء کے درمیان عروج حاصل ہوا جب امریکہ اور ویتنام کے درمیان جنگ شروع ہوئی۔ جنگ کے خلاف تحریک (Anti War Movement)شروع ہوئی اور اسی دوران نسلی تعصب بیانات (Anti Racism Rhetoric) کے خلاف رد عمل نے شدت اختیار کر لی۔ ان مہمات میں حقوق(Civil Rights) کے مطالبات شامل تھے۔ جن سے نسائیت کی تحریکوں کو بھی مدد حاصل ہوئی۔ جب کہ یورپ میں آزادی نسواں (Women's Liberation Movement) کے تحت بڑے پیمانے پر ثقافتی و سیاسی مساوات، مساوی تعلیم، مساوی معاوضہ، جنسی آزادی، اسقاط حمل، معاشی و قانونی حقوق کے مطالبوں سمیت نسلی، مذہبی، قومیتی امتیاز کے خاتمے کی مہمات توجہ کا مرکز رہیں۔ یورپ میں آزادی نسواں کی یہ تحریک بہت مضبوط ہوئی، اس کے علاوہ ایشیاء کے کئی حصّوں میں بھی پھیلی۔ ترکی اور اسرائیل میں یہ تحریک ۱۹۸۰ء میں شروع ہوئی اور اسی طرح دوسرے ممالک میں بھی شروع ہو گئی۔ [۱]

دوسری لہر کے دوران نسائیت کے دو نظریات بنیاد پرست (Redical)اور آزاد خیال (Liberal)سامنے آئے۔ بیٹی فرائیڈن (Betty Friedan) کا شمار نسائیت کی دوسری لہر میں ہوتا ہے، اس کی

---

[1]-Margot Barden, *Feminism in Islam: Secular and Religious Convergences* (London: One world Publications, 2009), 227.

کتاب "The Feminist Mystique" (عورت کی پر اسراریت) ہے۔ جس میں بنیادی طور پر سفید فام عورت پر بحث کرتے ہوئے ان کے مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس کتاب کو تحریک نسواں کی دوسری لہر کے آغاز سے منسوب کیا گیا۔[۱]

اس کے علاوہ امریکی مفکر بیل ہکس (Bell Hooks) کی لکھی گئی کتب "کیا میں عورت نہیں: سیاہ فارم عورت اور نسائیت" (Ain't I a Woman?: Black Women and Feminism)، "نسائی نظریہ: کنارے سے مرکز تک" (Feminist Theory: From Margin to Center) "میں نسلی تضادات، سیاہ فام عورتوں کی بے وقعتی، ذرائع ابلاغ کا کردار، سفید فام کی اجارہ داری کا نظریہ، سیاہ فام عورتوں کی پسماندگی اور رنگ و نسل کو نظر انداز کیے جانے والے معاملات زیر بحث آئے، جنہوں نے اس تحریک کو جِلا بخشی۔

دوسری لہر کے نتیجہ میں امریکہ میں خواتین کے کاروبار (Feminist Businesses)، خواتین کی موسیقی(Women Music)، فلم، پیدائش پر کنٹرول، گھریلو اور جنسی تشدد، مخلوط تعلیم کے لیے قانون سازی ہوئی۔ مساوی معاوضہ، سول رائٹس، تعلیم کے مساوی حقوق اور خاندانی منصوبہ کے قوانین میں ترامیم منظور ہوئیں۔ تحریک نسواں کی دوسری لہر میں جامعات کی طالبات اور پیشہ وار خواتین کی بڑی تعداد شامل ہوئی، جس سے تحریک نسواں کو نہ صرف کامیابیاں ملیں بلکہ اُنہیں تحریک کو مزید مضبوط کرنے کا موقع بھی میسر ہوا۔

## تحریک نسواں کی تیسری لہر(Third Wave Feminism) (۱۹۹۰ء-۲۰۱۲ء)

(مطالبات: ماحولیاتی، جسمانی و جنسی مثبتیت اور ہم جنس پرستی کے حقوق)

تیسری لہر کا ابتدائی دور ۱۹۸۰ء میں شروع ہوا، جو دوسری لہر کے ابتدائی اقدامات اور تحریکوں کے پس منظر کے باعث شروع ہوا جس میں خواتین کو جنسی طور پر ہراساں کرنا مرکزی مسئلہ بنا۔ اس دور میں مرد سماج کی طرف سے ملازمت پیشہ خواتین سمیت عام طور پر خواتین کے لیے کُتّیا(Bitch)اور بد چلن(Slut) جیسے بے ہودہ الفاظ استعمال کرنے کے خلاف خواتین سراپا احتجاج ہوئیں۔ نسائیت کی تیسری لہر میں جن مسائل پر آواز اٹھائی گئی، ان میں جنس میں تبدیلی، جنسی موضوعات، طلاق کے موضوعات زیر بحث رہے اور خواتین پر تشدد کے خاتمے کے لیے مہمات چلائیں گئی اور ان کی قانون سازی پر زور دیا گیا۔

---

1-Betty Friedan, *Beyond Gender:The New Politics of Work and Family* (Washington D.C: Frigid O' Farrel, Woodrow Wilson Center Press, 1997), 10.

تیسری نسائی لہر خواتین کے لیے بہت سے قانونی اور ادارتی حقوق لائی۔ ان بنیادی حقوق کے علاوہ تیسری لہر کا مقصد عورتوں کے لیے منفرد حیثیت کا حصول اور "مظلوم نسائی" کے نظریہ کا خاتمہ تھا، جو دوسری لہر میں عورتوں پر لاگو تھا۔ نسائیت کی تیسری لہر ان مسائل پر بحث کرتی ہے جو عورتوں کو دباؤ اور ایک حد میں رکھنے سے متعلق تھے۔[۱] ربیکا واکر (Rebecca Walker) [۲] کہتی ہے کہ تیسری نسائی لہر محض ایک رد عمل نہیں تھا بلکہ اپنے آپ میں ایک تحریک تھی کیونکہ عورتوں کے مسائل اس سے کئی گنا زیادہ تھے۔ تیسری نسائی لہر نے اپنی منزل اور اپنے مقصد کو مزید مفید بنایا۔ انھوں نے Queer Theory (نظریہ ہم جنسیت) پر اپنے خیالات و نظریات قائم کیے اور جنسیاتی عمل میں مردوں کی برتری کے سر نامہ (Label) کو اتار دیا۔ ہم جنس پرست مردوں، ہم جنس پرست عورتوں، مخنثوں اور دو جنسیوں کے حقوق کی مانگ کی گئی ۔ ماحولیاتی تحفظ، جسمانی مثبتیت (Body Positivity) اور جنسی مثبتیت (Sex Positivity) اور ذہنی خوبصورتی (خود اعتمادی، رویہ، مقصد کا احساس، دوسروں کے لیے محبت اور شفقت) اور جسمانی خوبصورتی (صحت، خوراک، وزن کنٹرول، طبی معائنہ، عادات کے ساتھ ظاہری جسمانی طور پر صفائی اور نگہداشت کے لیے کاسمیٹکس کا استعمال) کے لیے مہمات چلائی گئیں۔

---

1- MacKinnon Catharine, *Toward A Feminist Theory of the State* (Cambridge: Harvard University Press, 1989), 83.

۲- ربیکا واکر (Rebecca Walker) (۷ انومبر ۱۹۷۱): اصل نام جیکسن، میسی سپی امریکہ میں پیدا ہوئی۔ مصنف اور تحریک نسواں کی متحرک رہنما ہے۔

## فصل دوم: مغربی مفکرین کا تعارف تحریکِ حقوق نسواں کے حوالے سے

### مبحث اوّل: میری وولسٹون کرافٹ اور الزبتھ کیڈی سٹینٹن

### مبحث دوم: بیٹی فرائیڈن اور بیل ہکس

# مبحث اوّل: میری وولسٹون کرافٹ اور الزبتھ کیڈی سٹینٹن

مغرب میں حقوق نسواں کے بارے میں ان گنت خواتین اور مرد مفکرین نے کام کیا ہے جن کا احاطہ یہاں کرنا ممکن نہیں۔ ان میں سے چند اہم مفکرین کا تعارف یہاں بیان کیا گیا ہے جن کے افکار، تحریروں اور عملی جدوجہد کے ذریعے نسائیت اور حقوق نسواں کو اجاگر کیا۔ اُن کی جدوجہد نے خاص طور پر مغربی معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ نسائیت کی تاریخ جن مفکرین کو نمایاں مقام پر فائز کرتی ہے ان میں برطانوی مفکر میری وولسٹون کرافٹ جسے نسائیت کی بانی رہنما تسلیم کیا جاتا ہے۔ امریکی مفکر الزبیتھ کیڈی سٹینٹن جو سماجی سرگرم کارکن، انسداد غلامی حامی، تحریک حق رائے دہی کی رہنما، خواتین کے حقوق کے کنونشن کی آرگنائزر، خواتین کی قومی جماعت برائے حق رائے دہی اور انٹر نیشنل کونسل آف وویمن کی بانی ہیں۔ ان کے علاوہ امریکہ سے تعلق رکھنے والی بیٹی فرائیڈن ایک مصنفہ بھی ہیں اور تحریک نسواں کی دوسری لہر کی بانی ہیں اور بیل ہکس جو کہ تحریک نسواں کی تیسری لہر، اشتراکی (Socialist) اور سیاہ فام نسائیت (Black Feminism) کی رہنما ہیں کا شمر ان نمایاں مفکرین میں ہوتا ہے جنھوں نے تحریک حقوق نسواں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں۔ ان مفکرین کا تعارف بیان کرتے ہوئے ان کے اہم کارناموں کا جائزہ بذیل لیا گیا ہے۔

## ا۔ میری وولسٹون کرافٹ (Marry Wollstonecraft)

میری وولسٹون کرافٹ ۱۲ اپریل ۱۷۵۹ء میں لندن میں پیدا ہوئی۔[1] میری وولسٹون کرافٹ نے ایک مشہور فلاسفر ولیم گوڈون (۱۷۵۶-۱۸۳۶) جو تحریک انتشار کے بانیوں میں سے تھا، شادی کر لی۔ ۱۰ ستمبر ۱۷۹۷ کو دوسری بیٹی کی پیدائش کے گیارہویں دن میری وولسٹون کرافٹ ۳۸ سال کی عمر میں وفات پا گئی۔ اس کی یہی بیٹی بڑی ہو کر ایک مشہور مصنفہ بنی جس کو میری شیلے (Mary Shelley)[2] کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

میری وولسٹون کرافٹ اپنے پیچھے بہت ساری ادھوری تحریریں چھوڑ گئی۔ میری وولسٹون کرافٹ کی وفات کے بعد اس کے خاوند نے اس کی یادداشت ۱۷۹۸ میں شائع کروائی، جس میں میری وولسٹون کرافٹ کے غیر رسمی معیار زندگی کے بارے میں بتایا گیا، کہ اسی وجہ سے ایک صدی تک لوگ اس کے نام کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے

---

[1]-William Blake, E. V.Lucas, *Mary Wollstonecraft's Original Stories: With Five Illustrations* (London: Henry Frowde,1906), 12.

[2]-میری وولسٹون شیلے (Mary Wollstonecraft Shelley) (۱۷۹۷-۱۸۵۱): برطانوی ناول نگار، ڈرامہ نگار، سوانح عمری نگار جو نسائیت کی بانی میری وولسٹون کرافٹ کی بیٹی تھی۔

تھے۔ تاہم جب تحریک حقوق نسواں ۲۰ ویں صدی میں شروع ہوئی تو اس کے کارناموں اور اس کی تجاویز کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ آج میری وولسٹون کرافٹ کو "عظیم حقوق نسواں" کے بانیوں میں ایک فلاسفر کی حیثیت سے دیکھا اور سراہا جاتا ہے۔ (۱)

## نمایاں کارنامے

وولسٹون کرافٹ نے ابتدائی دنوں میں تعلیم پر زور دیا۔ اس نے تعلیم کے متعلق مختلف فلاسفروں کی تحریروں کو اکٹھا کیا، جن میں جوان عورتوں کی بہتر تعلیم پر توجہ دینے پر زور دیا گیا تھا۔ اس کتاب کا نام "Female Reader" (خاتون قاری) تھا۔ ۱۷۸۹ میں میری وولسٹون کرافٹ نے یہ کتاب لکھی جو کہ اس کی ابتدائی منطق کی کتابوں میں سے ایک ہے۔ جس میں اس نے عورتوں کی تعلیم پر خاص توجہ دینے اور انہیں اپنا مقام پیدا کرنے پر زور دیا گیا۔ اس نے کہا کہ عورتوں کا معاشرے میں نمایاں کردار ہے، کیونکہ وہ اپنے بچوں کی بہتر پرورش کر سکتی ہیں۔ جس سے ایک مکمل معاشرے کی تکمیل ممکن ہے۔ اس نے مزید کہا کہ عورتوں کو صرف بیویاں ہی تصور نہ کیا جائے بلکہ خاوند کی ساتھی کی حیثیت سے بھی دیکھا جانا چاہیے، جہاں وہ دونوں مل کر زندگی کی گاڑی کو چلا سکیں۔ (۲)

اس کے ساتھ اس نے بیٹیوں کی تعلیم پر اپنی کتاب "Thoughts on the Education of Daughters" (بیٹیوں کی تعلیم پر خیالات) میں بیٹیوں کی تعلیم پر زور دیا اور کہا کہ تعلیم سے ان میں نظم و ضبط، ایمانداری، کفایت شعاری اور سماجی اطمینان جیسے جذبے ابھرتے ہیں۔ اس کی کتاب میں بچوں کو منطق اور عقلی بنیادوں سے آشنا کروانے پر زور دیا گیا۔ جس میں وولسٹون کرافٹ نے سترہویں صدی کے ماہر تعلیم جان لوک (John Locke) کی دانشوری کو بھرپور سراہا۔ (۳)

ان دونوں کتابوں میں میری وولسٹون کرافٹ نے عورتوں کی تعلیم کو تحریر کا موضوع بنایا، جو کہ ان دونوں میں ایک بہت اہم موضوع بحث تھا۔ اس نے کہا کہ ایک تعلیم یافتہ عورت ایک اچھی بیوی اور اچھی ماں بننے کے ساتھ ساتھ ایک مثبت معاشرے کی تشکیل کا باعث بنتی ہے۔ (۴)

---

1-William Blake, *Mary Wollstonecraft's Original Stories*, 16.

2-Joseph Johnson, *Letters Written During a Short Residence in Sweden, Norway and Denmark by Mary Wollstonecraft* (London: Cassel & Company Melbourne, 1889), 44.

3-Merry Wollston Craft and William s.Godwin, *The Wrongs of Woman* (New York: Dover Inc, Mineola, 1998), 38.

4-Joseph Johnson, *Letters Written During a Short Residence*, 41.

اس نے تعلیمی منصوبوں کے بارے میں اپنی رائے دی کہ نو(۹) سال کی عمر میں شاندار اور ذہین بچوں کے علاوہ غریب بچوں کو امیر بچوں سے علیحدہ کر کے الگ سکول میں پڑھایا جائے۔[۱]

اس نے کہا کہ عورت کو مرد کے برابر حقوق ملنے چاہییں، بجائے اس کے کہ اسے بناؤ سنگھار یا تجارت کی غرض سے استعمال کیا جائے۔ بہت سارے مصنفین جو عورتوں کی تعلیم کے حق میں نہ تھے، انہوں نے اس کتاب کی مخالفت کی۔ ان مصنفین میں جین جیکوس روسو(Jean Jacques Rousseau)، جیمز فورڈائس (James Fordyce)[۲] اور جان گریگری(John Gregory)[۳] وغیرہ شامل تھے۔

وولسٹون کرافٹ نے کہا کہ بہت ساری عورتیں ایسی ہیں جو بے وقوف اور احمق ہیں۔ جن سے کھلونوں کی طرح برتاؤ کیا جاتا ہے، لیکن یہ ان کی جبلت نہیں ہوتی، بلکہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مردوں کے مقابلے میں ان کی تعلیم تک رسائی نہیں ہوتی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ عورتوں کو جان بوجھ کر کم تعلیم یافتہ رکھا جاتا ہے۔ عورتوں کو پیدائش سے ہی یہ سکھایا جانا چاہیے کہ "خوبصورتی" عورت کا سب سے بڑا زیور ہے۔ عورت کو اگر ابتدائی عمر میں اس کی خوبصورتی کا احساس نہ دلایا جائے تو وہ اپنی خوبصورتی سے زیادہ اور بہت کچھ حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔[۴]

وولسٹون کرافٹ نے عورتوں اور مردوں کی برابری پر بھی بہت کھل کر بات کی اور کہا کہ زندگی کے کچھ خاص پہلوؤں میں برابری رکھنی چاہیے مثال کے طور پر "اخلاقیات" لیکن اس نے واضح الفاظ میں کہا کہ تمام مرد اور عورتیں خدا کی نظر میں برابر ہیں۔ میری وولسٹون کا کہنا تھا کہ مرد اور عورت کی جسامت کی ساخت مختلف ہے اور مرد کو زیادہ اچھے درجے پر فائز رکھنے کے لیے اس کی ساخت عورت سے بہتر ہے۔ لیکن میں ساتھ ہی یہ بھی کہتی ہوں کہ ان کی ساخت ان کے رویے سے ملتی جلتی ہے اور اسے دوسری جنس میں تبدیل نہیں ہونا چاہیے۔ وولسٹون

---

1-Mary Wollstonecraft, *Elements of Morality for the Use of Children: With an Introductory Address to Parents* Trans. Salzmann (London: Christian Gotthilf, 1790), 65.

۲-جیمز فورڈائس(James Fordyce)(۱۷۲۰-۱۷۶۹): سکاٹ لینڈ کا وزیر، مصنف اور مشہور شاعر تھا، خواتین پر لکھی گئی اس کی نظم بہت مشہور ہے جسے "خواتین کے خطبات" کہا جاتا ہے۔

۳-جان گریگری (John Gregory)(۱۸۱۸-۱۸۹۱): امریکی کاروباری شخصیت، سیاست دان اور مصنف تھا۔ امریکی سول وار کے دوران ورماونٹ کا آخری گورنر تھا۔

4-Mary Wollstonecraft, *A Vindication of the Rights of Woman*, 157.

کرافٹ نے اپنی تحریروں میں متوسط طبقے کو مخاطب کیا۔ جس میں اس نے توازن اور صنفی ظرف کی حوصلہ افزائی کی اور اشرافیہ کو ناقابل استعمال لوگوں کا نام دیا۔[۱]

## عورتوں کے حق کا ثبوت (Vindication of the Right of Women)

ایڈمنڈ برک (Edmund Burke)[۲] کے کالم "انقلاب فرانس" میں آئینی بادشاہت اور انگلینڈ کے چرچ کے حق میں رائے دی گئی اور وولسٹون کرافٹ کے دوست ریو رچرڈ پرائس (Rev Richard Price) کے خیالات کو چرچ پر حملہ تصور کیا گیا۔ ۱۷۹۰ میں "پمفلٹ وار" میں اس کا پہلا جواب شائع ہوا جو آخر کار انقلابی حیثیت سے تسلیم کیا جانے لگا، جس میں تھامس پین(Thomas Paine)[۳] کا کالم "Rights of Man" (مرد کا حق) ایک مرکزی حیثیت کا حامل بنا۔ ان کے خلاف وولسٹون کرافٹ نے عورتوں کے حق کا ثبوت (Vindication of the Right of Women) نے پمفلٹ شائع کیا جس میں اس نے نہ صرف اشرافیہ پر تنقید اور جمہور کا ساتھ دینے کے لیے کہا، بلکہ ایڈمنڈ برک کے کالم میں استعمال کی گئی زبان پر بھی بھرپور تنقید کی۔

اس پمفلٹ میں اس نے روایات اور عادات واطوار پر اندھے یقین کو بے نقاب کیا اور عقلی بنیادوں کا سہارا لینے کی بات کی اور کہا کہ روایات کی پیروی کرنے سے آنے والا معاشرہ غلامی در غلامی کے دلدل میں پھنستا چلا جائے گا۔ عورت کی حیثیت ایک کمزور ملکی شہری ظاہر کرنے سے غیر متوازن معاشرہ پیدا ہو رہا ہے جس میں عورت کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔[۴]

اپنی جمہوری سوچ کے مطابق اس نے وضاحت کی اور ایک متوسط طبقے کی اقدار و روایات کو اشرفیہ کے گندے اور آلودہ روایات کے مقابلے میں رکھا، روشن خیال رکھنے کی وجہ سے اس نے ترقی پر زور دیا۔ اس طرح میری وولسٹون کرافٹ نے ایک مکمل اور بے عیب معاشرے کی تصویر کھینچی، جس میں ہر طرح سے سکون واطمینان کی فضا پیدا ہو۔[۵]

---

1- Wikipedia, "Mary Wollstonecraft: Life and Works," Wikimedia Foundation

۲-ایڈمنڈ برک(Edmund Burke) (۱۲جنوری ۱۷۲۹-۹جولائی ۱۷۹۷): آئرش سیاستدان ، مصنف ، مفکر اور پولیٹیکل تھیورسٹ تھا۔ ۱۷۶۶ سے ۱۷۹۴ تک برطانوی پارلیمنٹ کا ممبر رہا۔

۳- تھامس پین(Thomas Paine) (۱۷۳۷-۱۸۰۹): برطانوی النسل امریکی فلاسفر، سیاسی مفکر اور انقلابی رہنما تھا۔

4-Marry Wollstonecraft, *A Vindication of the Rights of Woman*, 44.

5-Claudia L. Johnson, *The Cambridge Companion to Mary Wollstonecraft* (London: Cambridge University Press, 2002), 29.

"عورتوں کے حقوق" وولسٹون کرافٹ کا پہلا سیاسی کارنامہ تھا۔ اور عورتوں کے حقوق پر بھی پہلی دفعہ اس نے واضح انداز میں بات کی، جس کے بارے میں کلاوڈیا۔ ایل۔ جانسن (Claudia L. Johnson) لکھتی ہے

"ایسا لگتا ہے کہ اس کتاب کا دوسرا حصّہ ان موضوعات پر مبنی ہے، جو مصنفہ کو اپنے پورے کیریئر میں گھیرے ہوئے ہے"۔ (۱)

'عورتوں کے حقوق' ہی وہ تحریر تھی جس کی وجہ سے میری وولسٹون کرافٹ کو بے پناہ شہرت ملی۔

## ناول

وولسٹون کرافٹ شادیوں کے نظام اور عورت پر اس کے بُرے اثرات پر تنقید کرتی ہے۔ اس کی پہلی تحریر "The Wrongs of Woman" (عورت کی خطائیں) جو کہ ایک نامکمل ناول تھا جسے ۱۹۸۸ء میں بڑے اعزار کے ساتھ شائع کیا گیا۔ یہ وہ ناول ہے، جسے وولسٹون کرافٹ کے نمایاں تحریری کارناموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ وولسٹون کرافٹ کا لکھا ہوا کوئی بھی ناول کامیاب شادی کے بارے میں نہیں بتاتا، حالانکہ اس نے اس تعلق کو اپنے ایک اور ناول جس کا نام "Rights of Woman" (عورت کے حقوق) میں بڑے مثبت انداز میں پیش کیا ہے۔ (۲)

اس نے شادی کو ایک مثبت رشتے کا نام دیا ہے، وولسٹون کرافٹ کے دونوں ناول سمجھدار گفتگو پر بھی اپنا نقطہ نظر بتاتے ہیں۔ یہ اخلاقی فلسفہ اور جمالیات کے اہم موضوعات ہیں جو اٹھارہویں صدی میں بہت مقبول تھے۔ وولسٹون کرافٹ نے کوشش کی ہے کہ عقلی شعور اور منطق سے جذباتیت کو رد کیا جاسکے۔ وہ سمجھتی ہے کہ یہ ایک ایسا فلسفہ ہے جس نے عورت کو بڑی حد تک نقصان پہنچایا ہے اور وہ اپنے جذبات پر بہت زیادہ انحصار کرنے لگتی ہے۔ اس کے ناولز 'میری' اور 'عورت کی خطائیں' کے مطابق عورت جذبات اور احساسات کے بھینٹ چڑھ جاتی ہیں جو بہت نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ (۳)

---

1- Claudia L. Johnson, *The Cambridge Companion to Mary Wollstonecraft*, 122.

2-Wikipedia, "Mary Wollstonecraft life and works,"

3-Claudia L. Johnson, *The Cambridge Companion to Mary Wollstonecraft*, 67.;Todd Janet, *Marry Wollstonecraft: A Revolutionary Life* (London: Weidenfeld and Nicholson, 2002), 208.

۱۷۹۶ء میں میری وولسٹون کرافٹ کے وہ خطوط شائع ہوئے جو اس نے سکینڈی نیویا (Scandinavia)[1] میں اپنی مختصر رہائش کے دوران لکھے۔ جن میں میری وولسٹون کرافٹ انسان اور معاشرے کے تعلق پر بڑے واضح انداز میں روشنی ڈالتی ہے۔ روسوس سے بہت زیادہ متاثر ہونے کی وجہ سے ان خطوط میں فرانسی فلاسفر "Reveries of a Solitary" کے موضوعات کو بھی حصّہ بنایا گیا۔ جن میں وولسٹون کرافٹ نے لکھا کہ "انسانی خوشی کے حصول، حقائق کی تلاش، مادیت پرستی سے انکار اور قدرت کی ہر رضا کو سمجھنے میں جذبات کا اہم کردار ہے"۔[۲]

وولسٹون کرافٹ نے نفسانی تجربات کو بہت زیادہ فروغ دیا۔ خاص طور پر قدرت کے ساتھ تعلقات میں اس نے جذبات اور شعوری بنیادوں کا مضبوط امتزاج سامنے رکھا۔ اس کام کے بعد اس نے تخیلاتی قدروں کو بہت اہمیت دی جو کہ اس کے سابقہ ناولز میں نظر آئی تھی۔ اپنی تحریروں میں اس نے عورتوں کی آزادی اور تعلیم پر باکمال انداز سے بات کی۔[۳]

## ۲۔الزبیتھ کیڈی سٹینٹن(Elizabeth Cady Stanton)

الزبیتھ کیڈی سٹینٹن (Elizabeth Cady Stanton) عورتوں کے حق رائے دہی، انسدادِ غلامی کی حامی اور عورتوں کے حقوق کی تنظیم کی اہم رکن تھی جس نے سینیکا فالز نیویارک ۱۸۴۸ء میں منعقد ہونے والے کنونشن میں "جذبات کا منشور" پیش کیا اور عورتوں کے حقوق اور ان کی عام حقِ رائے دہی کی تنظیموں کا آغاز کیا۔ الزبتھ کیڈی سٹینٹن ۱۸۹۲ء سے ۱۹۰۰ء تک قومی خواتین کی تحریک حق رائے دہی (National Woman Suffrage Association) کی صدر رہی۔

---

[1] سکینڈی نیویا: شمالی یورپ کے علاقے جن کی زبان اور روایات مشترک تھیں۔

[2]-Virginia Sapiro, *A Vindication of Political Virtue:The Political Theory of Marry Wollastoncraft* (Chicago: University of Chicago Press, 1992), 286.; Mary Favret, *Romantic Correspondence :Women Political and the Fiction of Letters* (London: Cambridge University Press, 1993), 104.

[3]-Myers Mitzi, *Wollstonecraft's Letters Written in Sweden: Towards Romantic Auto Biography* (London; Study in Eighteenth-Century Culture 8, 1979), 174.

عورتوں کے حقوق کی طرف اپنے مکمل سیاسی رجحان سے پہلے کیڈی نے اپنے شوہر ہنری بریوشر اور کزن کے ساتھ ملکر انسدادِ غلامی کی حمایت کی اور اس تحریک کی ایک اہم رُکن بھی تھی۔ سٹینٹن نے عورتوں کے حق رائے دہی کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل کو سامنے لایا۔ انہوں نے جن اہم حقوق کو نمایاں کیا اُن میں جائیداد، روز گار، تنخواہ، طلاق، خاندان کی افزائش اور بچوں کے حقوق اور پیدائش کے حقوق شامل تھے۔ اُنیسویں صدی میں وہ تحریکِ برداشت (Temperance Movement) کی ایک بے باک حامی بھی رہی تھی۔ امریکہ کی خانہ جنگی کے بعد جب انھوں نے سوسن بی انتھونی کے ساتھ مل کر ریاست متحدہ کے اور ۱۵ آئین کی ترمیم کی مخالفت کی جو تحریکِ حق رائے دہی میں پھوٹ کی وجہ بن گئی۔ انھوں نے امریکی مردوں اور عورتوں، کالے اور گوروں کو یکساں حق دینے اور حق رائے دہی دینے کی مخالفت کی تھی۔ ۱۹۰۲ء میں سٹینٹن انتقال کر گئیں انھوں نے "The Women's Bible" (عورت کی انجیل) اور "Eighty Years" (اسّی سال) جیسی کتابیں، آرٹیکلز اور پمفلٹ لکھے۔ [1]

## بچپن اور خاندانی پس منظر

الزبتھ کیڈی سٹینٹن ۱۸۱۵ء میں نیویارک میں پیدا ہوئی۔ [2] سٹینٹن نے جونز ٹاون اکیڈمی میں داخلہ لیا، جہاں اس نے لاطینی، یونانی، ریاضی، مذہبی اور نحو کے مضامین پڑھے۔ اکیڈمی کے مخلوط نظام میں پڑھا جہاں وہ اپنے سے بڑے لڑکوں کے ساتھ تعلیمی اور ذہنی اعتبار سے مقابلہ کر سکتی تھی۔ اس نے بہت سی تعلیمی اسناد اور انعامات حاصل کیے، جن میں یونانی زبان کا انعام بھی شامل ہے۔ [3]

الزبتھ کے والد ڈینیئل کیڈی (Daniel Cady) وفاقی پارٹی کے نمایاں وکیل تھے۔ انھوں نے کچھ عرصہ یونین سٹیٹ لاؤنجرز (United States Loungers) میں گزارا، اور پھر سرکٹ کورٹ میں جج اور ۱۸۴۷ء میں نیویارک سپریم کورٹ کے جج بن گئے۔ [4] کیڈی نے اپنی بیٹی کو قانون سے متعارف کرایا۔ بہت چھوٹی عمر میں اس نے اپنے والد کی قانون سازی کی کتابیں پڑھیں اور ان کے کلرک کے ساتھ قانونی بحث و مباحثہ بھی کیا۔ اس وقت اسے پہلی بار احساس ہوا کہ قانون کیسے مردوں کو عورتوں (خاص طور پر شادی شدہ) پر فوقیت دیتا ہے۔ شادی شدہ

---

1- Elisabeth Griffith, *In Her Own Right: The Life of Elizabeth Cady Stanton,* (New York: Oxford University Press, 1984), 227.

2-Elisabeth Griffith, *In Her Own Right: The Life of Elizabeth Cady Stanton*, 229.

1-Elizabeth Cady Stanton, *Eighty Years and More*, 33.

4-Elisabeth Griffith, *In Her Own Right*, 5.

خواتین کو جائیداد، تنخواہوں اور اپنی ہی اولاد پر حق کے حوالے سے حقوق نہیں دیئے جاتے تھے۔ ان سب چیزوں سے آگاہی کے بعد انہوں نے ان سب کو درست کرنے کی ٹھان لی۔ جونسٹون ہیڈ(Jhonstone Head) سے گریجویشن کے بعد سٹینٹن کو پہلی دفعہ مرد اور عورت کے "امتیاز" کا سامنا کرنا پڑا۔ اس بات سے سٹینٹن کی حوصلہ شکنی ہو جاتی تھی کہ مرد اس کے ساتھ پڑھیں گے۔[1]

## خواتین کے حقوق کی تحریک میں سرگرمیاں

۱۸۴۸ء میں سٹینٹن نے لیوکریٹا موٹ(Lucretia Mott)[2] مارتھا کوفن رائیٹ (Martha Coffin Wright)[3] اور بہت سی عورتوں کی مدد سے اپنے نظریات اور تجربات پر عمل شروع کیا۔ ۱۹ جولائی اور ۲۰ جولائی کو ان سب نے مل کر سینیکا فالز میں "سینیکا فالز کنونشن" منعقد کیا جس میں ۳۰۰ سے زیادہ لوگ شامل تھے۔ سٹینٹن نے اپنے تمام جذبات کا ایک خاکہ تیار کیا جسے اس نے کنونشن میں پڑھا۔

سٹینٹن نے اعلان کیا کہ مرد اور عورت برابری کے اصول پر پیدا کیے گئے ہیں۔ انھوں نے عورتوں کے حق رائے دہی کے حقوق کو بھی نمایاں کیا۔ انھوں نے آخری قرار داد میں متحدہ امریکہ کی آزادی کے اعلامیہ (United States Declaration of Independence) میں سٹینٹن نے ان تمام قراردادوں کو پیش کیا جو کہ پاس ہو گئیں تھیں۔[4]

کنونشن کے فوراً بعد سٹینٹن کو حقوق نسواں کے دوسرے کنونشن "روچسٹر کنونشن" میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لیے مدعو کیا گیا جو جو کہ روچسٹر نیویارک میں منعقد ہوا۔ ۱۸۵۱ء میں سٹینٹن سینیکا فالز میں امیلا بلومر(Amella Bloomer) کے ذریعے سوسن بی انتھونی سے متعارف ہوئی جو کہ عورتوں کے حقوق کی علم بردار تھی۔[5] عورتوں کے حق رائے دہی کے حوالے سے دونوں کا ایک ہی مقصد ہونے کی وجہ سے انتھونی اور سٹینٹن نے مل

---

1- Elizabeth Cady Stanton, *Eighty Years and More*, 333.

۲-لیوکریٹا موٹ(Lucretia Mott)(۱۷۹۳-۱۸۸۰): امریکی حقوق نسواں کی رہنما اور سماجی انقلابی رہنما تھی جسے سینیکا فالز میں جذبات کا منشور تحریر کیا تھا جسے الزبتھ کیڈی سٹینٹن نے کنونشن میں پڑھا۔

۳-مارتھا کوفن رائیٹ(Martha Coffin Wright)(۱۸۰۶-۱۸۷۵): امریکی انسداد غلامی اور حقوق نسواں کی رہنما تھی اور لیوکریٹا موٹ کی چھوٹی بہن تھی۔ جس نے سینیکا فالز کنونشن کے انعقاد میں میں الزبتھ کیڈی سٹینٹن کا ساتھ دیا۔

4- *Women's Rights National Historical Park Service*, "Elizabeth Cady Stanton biography," accessed March 9, 2017.

5- *Women's Rights National Historical Park*, "Declaration of Rights & Entiments: List of Signatories,"

کر تحریکِ برداشت (Temperance Movement) میں حصّہ لیا، وہ دونوں اکٹھے "Women State Society" میں "عورتوں کی کم زندگی پر تحقیق" کے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد گار ثابت ہوئیں۔ ان کی صدارت کے دوران بہت سارے معاونین کو یہ بتایا گیا کہ "نشہ" طلاقوں کی ایک بہت بڑی وجہ ہے۔[۱]

عورتوں کی حق رائے دہی کی تحریک اور تحریک برداشت کا آپس میں تعلق اتفاقی تھا۔ دونوں تحریکوں کا مفاد ایک جیسا تھا۔ ان کا ماننا تھا کہ عورت ایک دفعہ اپنا ووٹ کے استعمال کرنے کے کا حق حاصل کرلے تو اس کے بعد یہ بہت سارے ایسے اقدامات اٹھا سکتی ہے، جس کے ذریعے نشہ بازی کو کم کیا جا سکتا ہے۔ بالآخر دونوں تحریکیں اتحادی بن گئیں۔ انتھونی غیر شادی شدہ تھی اور اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اس کے پاس وقت اور طاقت دونوں تھے، کہ وہ عدالتی مقدمہ کر سکتی جب کہ سٹینٹن مقدمہ نہیں کر سکتی تھی۔ ان دونوں کی خصوصیات آپس میں مطابقت رکھتی تھیں۔ سٹینٹن ایک اچھی مقررہ اور لکھاری تھیں، جس نے انتھونی کی بہت سی تقاریر لکھیں تھیں۔ انتھونی تحریکیں منعقد کرنے والی اچھی تدبیر کار تھیں۔ سٹینٹن نے ایک بار انتھونی کو لکھا کہ "جنت، دوزخ اور زمین کی کوئی طاقت ہمیں الگ نہیں کر سکتی ہمارے دل اور دماغ آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔" سٹینٹن کی وفات کے بعد جب نیویارک ٹائمز میں اسے خراج تحسین پیش کیا جارہا تھا۔ اس وقت انتھونی نے سٹینٹن کو "تھنڈر" (Thunder) (بجلی کا کڑکا) کہا۔ عورتوں کے حقوق کے حوالے سے انتھونی کا حلقہ بہت چھوٹا تھا، سٹینٹن نے اسے مجبور کیا کہ اس تحریک کو کسی بڑے پلیٹ فارم پر لے جانا چاہیے۔ ان دونوں کے نظریات اور خیالات میں اختلافات کی وجہ سے کچھ تضاد بھی ہوئے مگر کسی بھی قسم کے تضاد یا اختلاف نے ان کی دوستی اور کام کے جذبے کو کم نہیں کیا تھا۔ دونوں خواتین ہمیشہ بہت اچھی دوست رہی ہیں۔ سٹینٹن کی وفات تک یہ رشتہ تقریباً پچاس سالوں تک کا تھا۔ ان کے ساتھ اور بہت سے ایسے لوگوں کی آوازیں ملتی گئیں، جن میں قائدانہ صلاحیتیں پائی جاتی تھیں، ان خواتین میں مٹیلڈا جوسلین گیج (Matilda Joslyn Gage)[۲] شامل ہیں۔[۳]

---

1- Elisabeth Griffith, *In Her Own Right*, 72.

۲- مٹیلڈا جوسلین گیج (Matilda Electa Joslyn Gage) (۱۸۲۶-۱۸۹۸): انیسویں صدی کی امریکی نسائی تحریک کی رہنما اور مصنفہ تھی۔

3- Joan Harkin Lacoss, Au.D., *Elizabeth Cady Stanton, Susan B. Anthony, And Alice Paul: Woman Suffrage And Gender Bias In The American Ideal* (Washington D.C: Georgetown University, 2010), 4.

۱۸۶۸ء میں واشنگٹن میں الزبتھ نے عورتوں کے حقوق کے کنونشن میں ۵۲ سال کی عمر میں ایک تقریر کی، جو کچھ ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔

"میں ۱۶ ویں ترمیم کی پر زور حمایت کرتی ہوں کیونکہ انسانوں کے حقوق رائے یا مُردوں کی حکومت سِول مذہبی اور معاشرتی طور پر غیر تنظیمی ہے۔ مرد تباہ کن، خود غرض، جنگی جنون اور تشدد کی ایک علامت ہے جو کہ دُنیا کو لاعلاج بیماری اور موت کی طرف دھکیلتا ہے"۔ (۱)

تقریر کچھ اس طرح سے ختم ہوتی ہے کہ

"دُنیا میں نشت اور بد نظمی کے ساتھ ہم طاقت میں توازن برقرار کرتے ہیں جس کے لیے ہم نے شروع سے قربانیاں دی ہیں۔ قدرت ایک پیار کرنے والی ماں کی طرح ہے جو ہمیشہ زمین و سمندر، پہاڑوں اور وادیوں، تیز ہواؤں اور لہروں کو روکنے، سردی و گرمی میں توازن رکھنے، بارش اور خشک سالی، امن و جنگ میں 'ہم آہنگی' کو اپنی متوازن جگہ پر رکھنا چاہتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں اس قسم کی غیر ہم آہنگی ہماری توہین کرتی ہے۔ عورتوں کو حاکمیت سے محروم رکھنا، ان پر ظلم کرنا ان کے ساتھ ناانصافی ہے۔ اگر اس دور کی تنظیمیں حق رائے دہی کے لیے احتجاج کی بات کریں تو یقیناً حکومت پڑھے لکھے مردوں اور عورتوں کو بہترین طریقے سے پیش کر سکتی ہے اور انفرادیت کو نمایاں کر سکتی ہیں"۔ (۲)

امریکہ میں خانہ جنگی کے بعد سٹینٹن اور انتھونی دونوں نے حق رائے دہی کے حوالے سے اپنی تحریکوں کو منسوخ کر دیا اور آئین کی چودھویں اور پندرھویں ترمیم کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئیں جن کے تحت افریقی امریکن مردوں کو ووٹ کا حق دیا گیا لیکن عورتوں کو ووٹ کا حق نہیں دیا گیا۔ (۳)

---

1- Elisabeth Griffith, *In Her Own Right*, 227.

2- Elisabeth Griffith, *In Her Own Right*, 227.

3- George Meade, *The Life and Letters of George Gordon Meade: Major-general United States Army* Vol. 3 (New York: Charles Scribner's Sons, 1913), 567.

فریڈرک ڈوگلس(Frederick Douglass)[1] کے مطابق

"سیاہ فام عورتوں کے ساتھ غلامانہ سلوک کی وجہ سے ان تحریکوں کا آغاز ہوا۔ جن کے پاس عورتوں کے حقوق نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس کا ماننا تھا کہ امریکی عورتوں کے پاس اپنے حقوق تھے جو کبھی امریکی مردوں کے پاس ہوا کرتے تھے۔ اس طرح عورتوں کے پارلیمانی حقوق سیاہ فام مردوں کے مقابلے میں کم اہمیت کے حامل تھے"۔[2]

ڈوگلس سے عدم اتفاق کرتے ہوئے سٹینٹن نے بیان کیا کہ میں "عالم برابری" پر پختہ یقین رکھتی ہوں، جس میں کالے اور گورے مرد اور عورتیں شامل ہیں۔ سیاہ فام عورتوں کے حق میں اس نے کہا کہ "انھیں ووٹ کا حق نہ دینے کا مطلب ہے کہ آپ افریقی امریکن عورتوں کی آزادی کو سلب کر رہے ہیں اور ان پر پابندیاں لگائی جا رہی ہیں، جو غلامی صنفی اور نسلی بنیادوں پر ہے۔"[3] اس طرح اس نے اپنے نظریے کے لحاظ سے انتھونی، اولیمپیاء، براؤن اور سب سے خاص فرانسس گیج کے ساتھ الحاق کر لیا، جو عورتوں کو ووٹ دینے کے حق میں تھے۔

۱۸۶۶ء میں انتھونی کے ساتھ بہت سے دوسرے پارلیمانی لوگوں نے ایک قرار داد مرتب کی، جس میں کہا گیا کہ ووٹ کا حق تمام لوگوں کو بلا تفریق رنگ و نسل اور جنس کے دینا چاہیے۔ یہ قرار داد امریکی کانگریس میں سٹینٹن نے پیش کی۔[4]

تمام کوششوں کے باوجود ۱۸۶۸ء میں کسی نئی شق کو شامل کیے بغیر چودھویں ترمیم پاس ہوئی۔ اُس وقت پندرھویں ترمیم کانگریس میں اپنا راستہ بنا رہی تھی۔ سٹینٹن کو "تحریک حقوق نسواں" میں ایک خاص حیثیت حاصل ہوگئی، جس نے ایک نئی فرقہ بندی کا راستہ بنایا۔ اس تحریک میں بہت سارے رہنماء جن میں لوسی سٹون، الزبتھ بلیک ویل، جولیا وارڈ سٹون شامل ہیں۔ اس طرح ۱۸۶۹ء میں انتھونی اور سٹینٹن کی بنائی گئی تنظیم میں ۲۱ سال تک اس تنظیم کی صدارت کے عہدے پر فائز رہی۔ سٹینٹن نے خواتین کے عائلی قوانین، خاوند کو جنسی طور پر انکار،

---

[1]- فریڈرک ڈوگلس(Frederick Douglass) (۱۸۱۸-۱۸۹۵): افریقن نژاد امریکی سماجی رہنما، تجزیہ کار، سیاستدان اور مصنف تھا۔

[2]- Frederick Douglass, *Narrative of the life of Frederick Douglass* (Australia: Read How You Want, 2000), 600.

[3]-Ellen Carol Dubois, *Feminism and Suffrage*, 69.

[4]- World Heritage Encyclopedia, "A Petition for Universal Suffrage: The Elizabeth Cady Stanton & Susan B. Anthony." *Rutgers University,* Paper Project, n.d, 30

معاشیاتی ترقی کے مواقع اور خواتین کی عدلیہ میں ملازمت پر زور دیا۔ سوجورنر ٹروتھ (سابقہ غلام اور عورتوں کے حقوق کا حامی) نے سٹینٹن اور انتھونی سے یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ "مردوں کو عورتوں کے بغیر ووٹ کا حق نہیں دینا چاہیے" الحاق کر لیا۔[۱]

سٹینٹن کی حیثیت اور کاوشوں کے باوجود پندرہویں ترمیم ۱۸۷۰ء میں پاس کر دی گئی جس میں عورتوں کو ووٹ کا حق دیے بغیر اس شق کو پاس کر دیا گیا۔ اس کے آخری سال سٹینٹن اس کوشش میں تھی کہ وہ مشترکہ معاشرہ قائم کرنے کی کوشش کرے۔ اسے مختلف قسم کی سیاسی سرگرمیوں میں اور "Populist" (پاپولسٹ) تحریک میں بھی بہت اچھے الفاظ میں یاد کیا جاتا ہے۔[۲]

اسی منطق کی بناء پر وہ بات کرتی ہے کہ قانونی طور پر ووٹ ڈالنا ہر عورت کا حق ہے، لیکن مسئلہ صرف اپنے حق کے لیے کھڑا ہونا ہے، جو کہ عورتیں نہیں کرتیں۔ اس طرح تمام تر کوششوں اور کاوشوں کی وجہ سے جس میں سینکڑوں عورتیں شامل تھیں۔ انہیں ۵۰ سال کی محنت کا پھل "ووٹ ڈالنے کے حق" کی صورت میں مِلا۔ اس دوران سٹینٹن نے اپنی تمام تر توجہ عورتوں کے دیگر مسائل پر مرکوز رکھی، بجائے اس کے کہ صرف عورت کے حق خود ارادیت پر ہی بات کی جائے، اپنے دوسرے رفقائے کار کے مخالف رائے دہی کرتے ہوئے سٹینٹن نے کہا کہ عیسائیت بنیادی طور پر عورت کی حیثیت کو کم تر کرتی ہے اور اسے وہ درجہ نہیں دیتی جس کا ایک عورت حق رکھتی ہے۔ اس نے ۱۸۹۰ء میں "عورتوں کی انجیل" میں لکھا کہ عورت کا معاشرتی کردار کیسا ہے؟ اور اس کی حیثیت اس معاشرے میں کس پائے کی ہے؟ جس کے بعد اس نے انجیل میں عورتوں کو دیئے ہوئے حقوق اور حیثیت کو صحیح انداز سے لوگوں کے سامنے اجاگر کیا اور انہیں اپنے قدامت پسند رویوں کو بدلنے پر زور دیا۔[۳]

سٹینٹن طلاق کے حق، ملازمت کے حق اور جائیداد میں عورت کے حصّے کی حمایت کرتی تھی۔ اس کی ایک اور بہت متاثر کن بات یہ تھی کہ وہ نسلی شادیوں کی حامی تھی۔ امریکی باشندوں کو ووٹ کا حق دینے کی مخالفت کے

---

[1]-Susan Brownell Anthony, Ellen Carol Dubois, *The Elizabeth Cady Stanton–Susan B. Anthony Reader: Correspondence, Writings, Speeches Elizabeth Cady Stanton* (Boston: Northeastern University Press, 1992), 97.

[2]-Davis Sue, *The Political Thought of Elizabeth Cady Stanton: Women's Rights and the American Political Traditions* (New York: New York University Press, 2010), 206.

[3]-Elizabeth Cady Stanton, *The Woman's Bible* (New York: European Publication Co, 1895), 7.

باوجود اس نے مختلف نسلوں اور قبائل کی آپس میں شادیوں کی حمایت کی۔ سٹینٹن نے خواتین کی تحریک کے لیے مقالے، تقاریر اور کتابیں لکھیں۔ ۱۸۷۶ء کے شروع میں سٹینٹن، انتھونی اور گیج نے مل کر عورتوں کے حق خود ارادیت کے لیے پہلا شمارا نکالا۔ جس کا نام "History of Women Suffrage" (خواتین کے حق رائے دہی کی تاریخ) تھا۔ جس میں ہر قسم کی دستاویزات، تقاریر، خطوط، جو اس تحریک سے جڑے ہوئے تھے شامل ہیں۔[1]

پہلے دو شمارے ۱۸۸۱ء میں شائع ہوئے اور تیسرا ۱۸۸۶ء میں شائع ہوا۔ تاہم باقی ماندہ کام ۱۹۲۲ء میں آئیڈا ہارپر (Ida Harper)[2] کے ہاتھوں پایا تکمیل تک پہنچا۔ سٹینٹن کی دوسری کتاب "The Women's Bible" (عورتوں کی انجیل) کے دو حصّے ۱۸۹۵ء اور ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئے۔ ۱۸۶۸ء میں سوسن بی انتھونی، سٹینٹن اور پارکر پلسبری (Parker Pillsbury)[3] جیسے حقوق نسواں کے بڑے علمبردار نے مل کر ایک ہفت روز "Revolution" (انقلاب) کے نام سے شروع کیا۔ جس میں سٹینٹن کے حقوق نسواں کے بڑے جرائد شامل تھے۔ جس میں دیگر جدید حقوق نسواں کے ماہرین سے متضاد رائے دیتے ہوئے بتایا کہ نومولود بچوں کا اسقاط حمل بچوں کے قتل کے زمرے میں آتا ہے۔

"Revolution" میں کام کرتے ہوئے سٹینٹن نے نیویارک بیورو میں بھی کام شروع کر دیا۔ لوگوں میں اپنے مروجہ خیالات کو لوگوں میں ترویج دینے سے سٹینٹن کو حقوق نسواں کی تحریک میں ایک جداگانہ تشخص حاصل ہوا۔ اپنی مضمون نویسی اور تقریر نویسی میں کام کے ساتھ ساتھ سٹینٹن نے خواتین کے آئین کو مختلف ریاستوں تک پہنچایا، جن میں نیویارک، میسوری (Missouri) اور کینساس (Kansas) قابل ذکر ہیں۔ جب اس کی آئین سازی کے لیے ۱۸۷۴ء میں انتخابات میں شامل کیا گیا۔ ۱۸۸۵ء میں اس نے "انٹر نیشنل کونسل آف وویمن" کا آغاز کرنے میں بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔[4]

---

1-Elisabeth Griffith, *In Her Own Right*, 178.

۲- آئیڈا ہارپر (Ida Harper) (۱۸۵۱-۱۹۳۱): امریکی مصنفہ، صحافی، کالم نگار اور حقوق نسواں کی حامی تھی۔

۳-پارکر پلسبری (Parker Pillsbury) (۱۸۰۹-۱۸۹۸): امریکی وزیر تھا جو انسداد غلامی اور حقوق نسواں کا حامی تھا۔

4-Elisabeth Griffith, "American Memory-Votes for Women: Selections from the National American, Library of Congress."

۱۸۶۶ء میں امریکی صدارتی انتخابات میں خواتین کے حقوق کا بل پاس کروانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔[1] وہ نیویارک میں پاس ہونے والی قرارداد میں عورتوں کے حق کے بل کے لیے مرکزی قوت ثابت ہوئی۔ اس نے عورتوں کی حق رائے دہی کے حوالے سے یوٹا(Utah) ، وائیومنگ (Wyoming)اور کیلیفورنیا میں کام کیا، اور ۱۸۷۸ء میں کیلیفورنیا کے سینیٹر آرون اے سارجنٹ (Aaron A Sergeant) [۲]کو اس رائے دہی کے لیے قائل کر لیا اور پندرھویں ترمیم ۸ سالوں بعد وہاں نافذ ہو گئی۔

"The Solitude of Self" کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے اس نے مرکزی حیثیت پر بات کی اور اس بات کو مدّ نظر رکھا کہ کسی کی بھی حیثیت کا تعلق جنسی انفرادیت پر نہیں ہے۔ اس نے نہ صرف "عورتوں کے لیے حق رائے دہی" بلکہ "معاشرے میں عورتوں کی حیثیت" کو پذیرائی دینے کی بھی کوشش کی۔

سٹینٹن کہتی ہے

> "ہر انسانی روح کو اپنی خود مختاری اور اپنے ارد گرد کا ماحول چننے کا حق حاصل ہے۔ عورتوں کو اعلیٰ تعلیم کے مواقع فراہم کرنا، اپنے دل و دماغ کی صلاحیتوں کو استعمال کرنے، انھیں سوچنے اور کام کرنے کی آزادی دینا اور ان کی انفرادی حیثیت کے تحفظ کا حق ہے ۔ اس نے نہ صرف حق رائے دہی بلکہ پوری امریکہ میں عورتوں کے قانونی اصلاحات اور معاشرے میں مجموعی طور پر کردار کو نمایاں کیا"۔[۳]

اپنی موت سے ۱۰ سال پہلے ۱۵ جنوری ۱۸۹۲ء میں سٹینٹن نے "United State House Committee" کی عدلیہ قائم ہونے سے پہلے عورتوں کی حق رائے دہی کے لیے سوسن بی انتھونی اور ازابیلا بیچر (Isabella Beecher)[۴] کے ساتھ کام کیا۔ عورتوں کے حقوق اور ان کی حق رائے دہی کے لیے صدیاں لڑنے کے بعد الزبتھ کی "یونائیٹڈ سٹیٹ کانگریس" میں رونمائی ہوئی[۵]

---

[1]-Elisabeth Griffith, *In Her Own Right*, 125.

[۲] - ارون اے سارجنٹ(Aaron A Sergeant)(۱۸۲۷-۱۸۸۷): امریکی صحافی، وکیل، سیاستدان اور سفارتکار تھا۔

[3]-Ken Burns, "Not for Ourselves Alone: The Story of Elizabeth Cady Stanton & Susan B", *National Public Radio and WETA*, Video Documentary, 1999.

[۴]- ازابیلا بیچر(Isabella Beecher)(۱۸۲۲-۱۹۰۷): امریکہ میں سفریجی تحریک کی رہنما تھی۔

[5]- Ken Burns, "Not for Ourselves Alone:. Video Documentary

# مبحث دوم: بیٹی فرائیڈن اور بیل ہکس

## ا۔ بیٹی فرائیڈن (Betty Friedan)

بیٹی فرائیڈن ۴ فروری ۱۹۲۱ء کو نومی گولڈ سٹین (Nomi Goldstein) کے ہاں امریکی ریاست الیونائی (Illinois) کے شہر پیوریا (Peoria) میں پیدا ہوئی۔ اس کے والدین یہودی فیملی سے تھے اور روس سے تعلق رکھتے تھے۔ بیٹی فرائیڈن نے پیوریا کے ہائی سکول سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ فرائیڈن نے سکول کے کے ایک ادبی رسالہ جس کا نام "Tide" تھا میں نے کالم لکھنا شروع کیا، جس میں سکول کے بجائے گھریلو زندگی کے بارے میں بات کی جاتی۔ ۱۹۳۸ء میں اس نے سمتھ کالج میں تعلیم حاصل کی اور سکالرشپ حاصل کرتے ہوئے پہلی پوزیشن حاصل کی۔ اسے شاعری کا شوق بھی تھا اور اس نے کئی نظمیں بھی لکھی۔ ۱۹۴۱ء میں کالج کے اخبار میں وہ ایڈیٹر اِن چیف بنی۔[1]

۱۹۴۲ء میں اس نے کیلیفورنیا یونیورسٹی میں نفسیات کی ڈگری شروع کی جس کے بعد وہ سیاسی طور پر کافی متحرک ہوئی۔ بیٹی فرائیڈن ایک امریکی مصنف، سماجی کارکن اور حقوق نسواں کی حامی تھی۔ وہ تحریکِ حقوقِ نسواں میں ایک قد آور شخص کے طور پر جانی جاتی ہے۔ ۱۹۶۳ء میں بیٹی فرائیڈن کی کتاب "The Feminine Mystique" (عورت کی پراسراریت) شائع ہوئی جو امریکی تحریک حقوق نسواں میں بہت عظیم تصور کی جاتی ہے۔ اس کتاب کو بیسوی صدی کی ایک جامع کتاب تصور کیا جاتا ہے۔ اس نے کارل فرائیڈن سے شادی کی جو ایک تھیٹر پروڈیوسر تھا، وہ شادی کے بعد بھی ملازمت کرتی رہی۔ ۱۹۵۲ء کے بعد وہ رضاکارانہ طور پر صحافی کی حیثیت سے کام کرتی رہی۔ ۱۹۶۹ء میں ان کی طلاق ہوگئی۔ فرائیڈن ۸۵ سال کی عمر میں دل کا دورہ پڑنے کی وجہ سے واشنگٹن ڈی سی میں ۴ فروری ۲۰۰۶ء میں وفات پاگئی۔[2]

---

1- Lynn Gilbert & Gaylen Moore, *Betty Friedan: Women of Wisdom* (London: Lynn Gilbert Inc, 2012), 106.

2-Wing Katie Loves Jason, Liz, "NOW Mourns Foremothers of Feminist, Civil Rights Movements" *National Organization for Women*, Archived from the Original on November 20, 2006, 21

## حقوق نسواں کی تحریک

۱۹۵۷ء میں کالج کی پندرویں(۱۵ویں) تقریب کے دوران فرائیڈن نے ایک سروے کیا جس کا مقصد یہ تحقیق کرنا تھا، کہ پڑھے لکھے طلباء کی تعلیم کتنی ہے؟ ان کا تجربہ کتنا ہے؟ اور وہ کس حد تک اپنی زندگی سے مطمئن ہیں؟ اس نے ایک مقالہ شائع کیا جس کا نام اس نے "نا قابل بیان مسئلہ" رکھا۔ اس مقالے کے بدلے اسے بہت داد موصول ہوئی اور اس نے محسوس کیا کہ گھریلو عورتیں کس قسم کے مسائل کا شکار ہیں۔ اس نے لکھا کہ عورتیں اپنے خاوند کی تعلیم کے لیے اپنی تعلیم کو قربان کر دیتی ہیں وہ اپنی خواہشوں کا گلا گھونٹ دیتی ہیں، لیکن آخر کار افسوس ناک بات یہ ہے کہ وہی خاوند دس یا پندرہ سال بعد اسی عورت کو طلاق دے کر ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ مضبوط عورت تو اس دکھ کو سنبھال لیتی ہے لیکن یہ انتہائی مشکل ہے کہ پینتالیس یا پچاس سال کی عورت ایک اچھا پیشہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو اور اپنے بچوں کی بہتر زندگی کے لیے بھاگ دوڑ کر سکے۔[1]

۱۹۶۳ء میں "The Feminine Mystique" (عورت کی پُر اسراریت) کے نام سے کتاب شائع کی جس میں عورت کے صنعتی معاشرے میں کام کرنے اور گھریلو یا امور خانہ داری میں کام پر روشنی ڈالی گئی۔ اس میں فرائیڈن نے ایک ایسی عورت کے بارے میں وضاحت کی جو ۱۹ سال کی عمر میں تعلیم حاصل کرنے سے پہلے ہٹالی جاتی ہے اور اسے ۴ بچوں کو پالنا پڑتا ہے۔[2]

اس کے بعد وہ لکھتی ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں کبھی کسی ایسی عورت کو متاثر کن شخصیت کے طور پر نہیں دیکھا جو مثبت انداز میں زندگی گزار رہی ہو، ہر عورت مجبوری کی وجہ سے ہی پیشوں کا انتخاب کرتی ہے۔

فرائیڈن نے اپنی کتاب کے شروع میں یوں لکھا کہ

> بیسوی ویں صدی کے درمیان میں بھی امریکی عورت مشکلات کا شکار ہے، کیونکہ وہ اپنے ہی گھر میں رہتے ہوئے سب کچھ کرنے کے باوجود خود سے سوالات کرتی ہے کہ کیا یہ سب میرے ذمہ ہے؟[3]

فرائیڈن اعلان کرتی ہے کہ عورت ہر وہ کام کر سکتی ہے جو مرد کر سکتے ہیں۔ اس نے ذرائع ابلاغ، ماہرین تعلیم اور ماہرین نفسیات کی سخت مخالفت کی۔ ۱۹۵۰ء کی پابندیاں جو مختلف طریقوں سے عورتوں پر لگائی گئیں جس کی وجہ سے وہ اپنے حقوق کے لیے کھڑے ہونے کی کوشش میں مصروف عمل ہو گئیں اور اپنے خلاف ان تمام قوانین کا

---

1-Lynn Gilbert & Gaylen Moore, *Betty Friedan: Women of Wisdom*, 108.

2- Betty Friedan, *The Feminist Mystique* (New York: Norton Company Inc, 1963), 15.

3- Betty Friedan, *The Feminist Mystique,* 15.

ڈٹ کر مقابلہ کیا جو ان کے خلاف بنائے گئے۔ فرائیڈن کی کتاب نے عورتوں کے اندر ایک نئی روح پھونکی جس کی وجہ سے وہ اپنے حقوق پر آواز بلند کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ [1]

## قومی تنظیم برائے خواتین

۱۹۶۶ء میں فرائیڈن نے قومی تنظیم برائے خواتین (National Organization for Women) کی بنیاد رکھی اور اس کی صدر بنی اس تنظیم کی بنیاد رکھنے والے جن میں فرائیڈن بھی شامل تھی۔ وہ ملازمت کے یکساں مواقع کے کمیشن کی ناکامی سے بہت حد تک متاثر تھی۔ فرائیڈن نے سول رائٹ ایکٹ ۱۹۶۴ساتویں ترمیم (Title VII) کی منظوری پر زور دیا۔ اس طرح شہری قومی کانفرنس آف سٹیٹ کمیشن میں ملازمت کے یکساں مواقع کا قانون باقاعدہ پاس کروایا جس سے عورت اور مرد کی تفریق کیے بغیر سب کے لیے ملازمت کا یکساں مواقع میسر ہوئے۔ فرائیڈن نے اس تنظیم کا نام ”NOW“ رکھا۔ جس کے بعد اس تنظیم کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ فرائیڈن اس تنظیم کے بنیادی کردار کے بارے میں بتاتی ہے کہ یہ تنظیم عورت کے قانونی حقوق کے لیے اور عورت اور مرد کی برابری کے لیے بر سر پیکار ہے [2]

”NOW“ تنظیم نے سول رائٹ ایکٹ ۱۹۶۴میں ساتویں ترمیم اور یکساں تنخواہ کے ایکٹ کے لیے مہم جوئی کا آغاز کیا تاکہ ملازمتوں کے زیادہ سے زیادہ مواقع میسر ہوں اور امریکی عورتوں کو مزید فائدہ پہنچے۔ اس سے پہلے وہ تحریک چلا کر تنخواہ کے یکساں مواقع اور عورت کو مرد کے برابر ملازمت کے حصول کے قانون پاس کروا چکی تھی۔ ”NOW“ نے ۱۹۶۷ ایگزیکٹیو آرڈر کے لیے بھی کامیابی سے مہم جوئی کی اور اسقاطِ حمل کو بھی قانونی حیثیت دلوانے کے لیے آواز اٹھائی، لیکن اس موضوع پر حقوق نسواں کے حامی دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ اس قانون میں ترمیم کا حامی جب کہ دوسرا مخالف تھا۔ ”NOW“ نے نیشنل ڈے کیئر پر بھی آواز اٹھائی۔ فرائیڈن نے ۱۹۷۳میں خواتین بینک اور ٹرسٹ کمپنی کی بنیاد رکھی [3]

---

[1] -Davis, Flora, *Moving The Mountain,* 53.

[2] - Allyson Goldsmith., "Honoring Our Founders and Pioneers" *National Organization for Women*. 2011, 3

[3] -Betty Friedan, *The Feminist Mystique*, 97.

## عورتوں کی برابری کے لیے ہڑتال

۱۹۷۰ءمیں فرائیڈن عورتوں کی برابری کے لیے مہم چلا رہی تھی۔ تو اس نے امریکی سنیٹ کے صدر رچرڈ نکس کرس ویل G.Harrold cars well کا مقابلہ کیا۔ نکس ویل نے ۱۹۶۴ء کے سول رائٹ میں یکساں حقوق کی مخالفت کی تھی۔ ۲۶ اگست ۱۹۷۰ء کو فرائیڈن نے عورتوں کی برابری کے لیے ہڑتال کی اور ۲۰ ہزار عورتوں کے ہمراہ نیویارک تک مارچ کیا۔ مارچ کے دوران ان کا صرف ایک مقصد تھا کہ عورتوں کو تعلیم اور ملازمتوں میں مردوں کی برابری دی جائے۔ ۱۹۸۲ء میں اس نے ایک کتاب ”Second Stage“ (دوسرا مرحلہ) کے نام سے لکھی، جس میں خاندانی زندگی اور مجبور عورت کی سماجی اور معاشرتی رکاوٹوں پر قابو پانے کے بارے میں لکھا گیا۔[۱]

فرائیڈن نے اس تحریک میں معاشی پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا کہ عورت کو ملازمت کے یکساں مواقع دینے ہوں گے اور بچوں کی نگہداشت کے ادارے قائم کرنا ہوں گے تاکہ عورت اور مرد مل کر ایک صحت مند زندگی کی بنیاد رکھ سکیں۔[۲]

فرائیڈن کو نسوانی حقوق کی تحریک کے لیے کام کرنے کا یہ اعزاز بھی دیا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے ہم عصر تحریکیں بھی شروع ہو گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تحریک کو امریکی معاشرے میں عورت کے لیے کام کرنے میں بلند مقام حاصل ہے۔[۳]

ایلنب وولف (Allanb Wolf)[۴] نے فرائیڈن کی کتاب کے بارے میں لکھا

"اس نے امریکی عورت کی ذہن سازی کے علاوہ ان کی زندگیوں کو بھی تبدیل کر دیا۔"[۵]

اگرچہ اس کے کام پر تنقید بھی کی گئی لیکن اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ اس نے نہایت ایمانداری اور دل جمعی سے عورت کے حقوق کے لیے آواز بلند کی۔ جودت ہینسی (Judith Hennessee) اور ڈینیئل ہورووٹز (Daniel Horowitz) جو سمتھ کالج میں "مطالعہِ امریکہ" کے پروفیسر تھے۔ انہوں نے فرائیڈن کے کاموں پر

---

1-Betty Friedan, *The Second Stage* (Philipine: Summit Books, 1981), 165.

2-Betty Friedan, *The Fountain of Age*, (New York: Simon & Schuster, 1993), 105.

3-Betty Friedan, *The Feminine Mystique*, 17.

۴ - ایلنب وولف (Allanb Wolf) (پیدائش ۱۹۷۰): امریکی مصنف، ڈرامہ نگار، ڈائریکٹر اور فلم پروڈیوسر ہے۔

4-Allan Wolf, *The Mystique of Betty Friedan*, 18.

کتاب لکھی، جس میں اس کی ذاتی زندگی سے ہٹ کر بات کی گئی، اس کتاب نے فرائیڈن کی شہرت میں مزید اضافہ کیا۔[۱]

جسٹن بلیوؤ(Justine Blau)[۲] بھی فرائیڈن سے بہت حد تک متاثر تھا۔ اس نے لکھا کہ تحریک نسواں نے فرائیڈن کی ذاتی اور پیشہ ورانہ زندگی میں بہت نکھار پیدا کیا[۳] سینڈرا مارٹن (Sandra Martin)[۴]، ہنری(Henry)، ایملی بیزلان(Emily Bazelon)[۵]، ایملی ٹیٹز (Emily Taitz)[۶] اور سوسن ٹیلر (Sasun Taylor)[۷] نے فرائیڈن پر سوانح عمری لکھی جس میں اس کے کام کا نہایت خوبصورت انداز میں تذکرہ کیا گیا۔ ایک صحافی جینن شیمن (Janann Sheman) نے اپنی کتاب میں فرائیڈن سے کیے گئے انٹرویو کے بارے میں بڑے وسیع انداز سے لکھا۔ فرائیڈن پر ۲۰۱۳ میں ایک دستاویز فلم بنائی گئی جس کا نام "وہ عورت جس نے امریکہ بنایا" رکھا گیا۔ ۲۰۱۴ میں فرائیڈن کی سوانح عمری کو امریکہ کی قومی سوانح عمریوں میں شامل کیا گیا۔[۸]

## ۲۔ بیل ہکس(Bell Hooks)

بیل ہکس ایک سیاہ فام امریکی خاتون ہیں جن کا اصل نام گلوریا جین واٹکنز(Gloria Jean Watkins) ہے۔ ہکس ایک معروف مصنفہ، تحریک نسواں کی علم بردار اور قابل قدر سماجی کارکن ہیں۔ بیل ہکس ۲۵ دسمبر ۱۹۵۲ء میں ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئی۔ ابتدائی تعلیم ایک ایسے سکول میں حاصل کی جہاں نسلی امتیاز تھا۔ اس نے ہوپکس ویل ہائی سکول (Hopkis Ville High School) سے اپنی گریجویشن مکمل کی، اور بی اے کی ڈگری سٹینفورڈ یونیورسٹی(Stanford University) سے حاصل کی۔ ۱۹۷۳ میں ماسٹر ڈگری وسکونسم ماڈیسن یونیورسٹی

---

[1]- Betty Friedan, *The Feminine Mystique*, 133.

[۲] - جسٹن بلیوؤ(Justine Blau)(پیدائش ۱۹۷۴): امریکی مصنف جس نے ۱۹۹۰ میں کتاب Betty Friedan: Feminist لکھی۔

[3]-Justine Blau, *Betty Friedan: Feminist* (Langhorne: Chelsea House Publishers, 1990)

[۴]-سینڈرا مارٹن(Sandra Martin)(پیدائش ۱۹۷۶): امریکی مصنفہ ہے۔

[۵] - ایملی بیزلان(Emily Bazelon)(پیدائش ۱۹۷۱): امریکی صحافی اور مصنفہ ہے۔

[۶] - ایملی ٹیٹز(Emily Taitz)(۱۹۳۷-۱۹۹۹): امریکی ماہر تعلیم اور مصنفہ تھی۔

[۷]-سوسن ٹیلر(Sasun Taylor) (۱۸۲۰-۱۹۰۶): امریکی سماجی انقلابی رہنما تھی۔ خواتین حقوق کی تحریکوں کی نامور رہنماء کے طور پر جانی پہچانی جاتی ہے۔

[8]-*American National Biography Online*, "Betty Friedan."

(University of Wisconsim Madison) سے حاصل کی اور کیلیفورنیا سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۷۶ء کی دہائی میں جنوبی کیلیفورنیا یونیورسٹی (University of Southern California) میں درس و تدریس کی خدمات سرانجام دیں۔ اس تین سالہ دور میں Goemics نے نظموں کا ایک کتابچہ جس کا نام "اور وہاں ہم روئے" تھا۔ بیل ہکس کے قلمی نام سے شائع کیا۔ اس نے غیر رسمی طور پر چھوٹے الفاظ میں اپنا نام استعمال کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ اس کا کام اس کی پہچان بن سکے اور اس کا نام اس کے کام کی وجہ سے جانا جائے۔[1]

اس نے ۱۹۸۰ء کے اوائل تک سیکنڈری سکولوں میں پڑھایا بعد میں تدریسی خدمات انجام دیں جن میں یونیورسٹی آف کیلیفورنیا(University of California)، سانٹا کروز(Santa Gruz)اور سان فرانسِسکو سٹیٹ یونیورسٹی (San Francisco State university) شامل ہیں۔ ساؤتھ اینڈ پریس نے سب سے پہلے اس کی ایک مشہور کتاب "کیا میں عورت نہیں ہوں" اور "سیاہ فام عورت اور حقوق نسواں" ۱۹۸۱ء میں شائع کی۔ حالانکہ یہ کتاب کافی سال پہلے لکھی گئی تھی لیکن اُس وقت ہکس کے کم تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے شائع نہ ہو سکی ۔ اس کتاب کے شائع ہونے کے ۱۰ سال بعد اسے حقوق نسواں کے حلقوں میں بے پناہ پذیرائی ملی۔ "کیا میں عورت نہیں ہوں" نے بعد میں آنے والی بہت ساری تحریروں میں اپنے اثرات چھوڑے جن میں نسلی تضادات، سیاہ فام عورتوں کی بے وقعتی، ذرائع ابلاغ کا کردار تعلیمی نظام، سفید فام کی اجارہ داری کا نظریہ، سیاہ فام عورتوں کی پسماندگی اور رنگ و نسل کے اندر نظر انداز کیے جانے والے معاملات شامل ہیں۔

اسی کتاب کے شائع ہونے کے بعد وہ دور جدید کی ایک اعلیٰ پائے کی سیاسی مفکر اور ثقافتی نقاد بن گئی۔ اس نے اپنی تحریروں میں نت نئی مہارتوں کا استعمال کر کے اپنے سامعین اور قارئین کو اپنی طرف مائل کیا۔ مزید بر آں اس نے اپنی تصانیف کے ساتھ ساتھ بے شمار عالمانہ شمارے، لیکچرز اور دستاویزی کاموں میں بھی نمایاں کام سرانجام دیا۔[2]

---

[1]-Bell Hooks, *Ain't I A Woman: Black women and Feminism* (London: Pluto Press, 1986), 7.

[2]-Bell Hooks, *Feminist Theory: From Margin to Center* (New York: South End Press, 1984), 26.

## اثرات

ہکس کے کام کی مقبولیت اعلیٰ حلقوں میں پائی جاتی ہے۔ جو لوگ اس کے کام سے متاثر ہیں ان میں افریقی اور تحریک نسواں کے حامی ماہرین تعلیم سوجورنر ٹروتھ (Sojourner Truth)، برازیلین ماہر تعلیم اور فلاسفر پالو فریئر (Paulo Freire)[1] وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح بیل ہکس نے مارٹن لوتھر (Martin Luther)[2] کے بارے میں کہا کہ

"اس کے پاس بہت گہری سوچ تھی کہ جو لوگ اجارہ دار (Monoplist) اداروں میں شامل ہیں وہ کبھی سمجھانے اور تحریروں سے نہیں بدلیں گے۔ جب تک وہ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ نہ ملائیں جو اچھی زندگی گزارنے کے لیے کوشش کر رہے ہیں"۔[3]

حقوق نسواں پر بات کرنے والے کئی بار اس کی کہی ہوئی باتوں کا حوالہ دیتے ہیں کہ اس نے تحریک نسواں کا وصف بیان ہے اور اس کی بنیادوں اور تصورات میں "ڈر" نہیں ہے۔ تحریک نسواں ایک ایسی تحریک ہے جو جنسیت اور صنفی وجود کو ہر اساں اور آلودہ کرنے کو رد کرتی ہے۔ بیل ہکس کی تیس (۳۰) سے زیادہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں سیاہ فام عورت، پدرانہ نظام، تدریسی نظام کا ذاتی یاد داشت کے لیے استعمال اور حیثیت تحریک نسواں اور سیاست قابل ذکر ہیں۔ اس کی لکھی ہوئی تحریروں میں مقبول ترین "معاشرہ اور اشتراکیت" کے موضوع ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح محبت اور پیار سے رنگ و نسل اور صنفی تفرقات کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ اپنی کتابوں میں اس نے رائے دی ہے کہ اشتراک اور تعلیم و تربیت سے ایک ایسا صحت مند معاشرہ بنایا جا سکتا ہے جس سے یہ رنگ و نسل اور طبقاتی تفریق متاثر نہیں ہو سکتیں۔ ۲۰۰۲ء میں ہکس نے ساؤتھ ویسٹرن یونیورسٹی میں تقریر کے رسمی الفاظ سے گریز کرتے ہوئے اس نے حکومتی عائد پابندیوں، دباؤ اور تشدد کے خلاف خوب آواز اٹھائی۔ اور ان طالب علموں کی سرزنش کی جو اس طرح کی کاروائیوں میں ملوث پائے گئے۔ یہ تقریر بعد میں کئی حلقوں میں تنقید کا باعث بھی بنی رہی۔[4]

---

[1] - پالو فریئر (Paulo Freire)(۱۹۲۱-۱۹۹۷): برازیل کا ماہر تعلیم اور فلسفی تھا جس نے تنقیدی فن تعلیم تحریک (Critical Pedagogy Movement) کی بنیاد رکھی۔

[2] -مارٹن لوتھر (Martin Luther)(۱۴۸۳-۱۵۴۶): جرمن مذہبی پیشوا، موسیقار اور پادری تھا جس نے کیتھولک نظریات کو مسترد کیا۔

[3]-*Encyclopedia Britannica* 9th Ed, (England: Cambridge University Press, 1889), 70.

[4]-*Encyclopedia Britannica* 9th Ed, 68.

# نظریہ حقوق نسواں

۱۹۸۴ء میں شائع ہونے والی کتاب "مرکز سے کنارے تک" (From Margin to Center) میں ہکس نے بیان کیا کہ

"آوازیں پسماندگی کا شکار کر دی گئیں، پسماندہ ہونے کا مطلب ہے کہ آپ اصل چیز سے بہت دُور ہو چکے ہیں"۔ (۱)

ہکس نے مزید کہا کہ یہ ناممکن ہے کہ نظریہ حقوق نسواں عورت کو مرد کے برابر لا کھڑا کر دے، کیوں کے مغرب میں تمام مرد بھی برابر نہیں ہیں۔ اس نے دعویٰ کیا کہ

"نچلے طبقے کی عورتوں اور خاص طور پر سیاہ فام غریب خاندانوں نے کبھی آزادی کو محسوس ہی نہیں کیا۔ آج جب کہ عورتوں کو مردوں کے برابر لایا جارہا ہے تو انہیں مستقل باور کروایا جارہا ہے، کہ تمام عورتوں کا رہن سہن ایک جیسا نہیں ہے"۔ (۲)

اس نے اپنے کام کو نئے نظریہ حقوق نسواں کے لیے پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کیا۔ اس کا نظریہ سابقہ نظریے کی تائید کرتا ہے لیکن ساتھ ہی معاشرے میں "عورت بطور باعزت انسان" کی بھی بات کرتا ہے۔ بیل ہکس نے تمام حقوق نسواں کے حامیوں کو چیلنج کیا ہے، کہ جنس کے تعلق کو نسل، طبقہ اور صنفی لحاظ سے پرکھا جائے جسے اس نے انٹر سیکشنلٹی (Intersectionality) کا نام دیا ہے۔

ہکس نے مردُوں کے کردار کو سراہا اور کہا کہ جس طرح انہوں نے اس تحریک میں حصّہ لیا اور مزید کہا کہ اگر ہم تبدیلی چاہتے ہیں تو مردُوں کو اپنا کردار ضرور ادا کرنا پڑے گا۔ ہکس نے ثقافتی ڈھانچے کی تنظیم نو کے بارے میں کہا کہ یہ دوسروں کا تسلط برداشت نہیں کرتا - ہکس تنظیم نو میں مردوں کو تحریک حقوق نسواں کے لیے اجازت دیتی ہے، اس طرح یہ خاص انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی اور دوستانہ طرز کی تحریک بھی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے تحریک حقوق نسواں کے علاوہ سفید فام عورتوں کے حقوق پر بھی بات کی اور اپنی کوششوں سے دونوں جنسوں کو مائل کیا کہ عورتوں کے حقوق کے لیے لڑا جائے۔ یہ تبدیلی اور کاوش تحریک کی تمام اصناف کو ایک ہی سطح پر رکھ کر پیش آنے کا درس دیتی ہے تا کہ سب کچھ انفرادی اختیار یا اُمراء کے تسلط میں نہ ہو۔ (۳)

---

1-Bell Hooks, *Feminist Theory*, 32.

2-Bell Hooks, *Feminist Theory*, 45.

3-Bell Hooks, *Feminist Theory*, 33.

بیل ہکس کہتی ہے کہ لوگوں میں ناقص العقل باتوں کا رجحان بہت زیادہ ہے۔ غریب لوگ داناؤں کو نہیں سنتے کیونکہ ان کی سوچ کا پیرایا مختلف ہوتا ہے۔ہکس تنقید کرتی ہے کہ یہ رجحان اُن غریبوں کی رہنمائی کرتا ہے جو تعلیم یافتہ ہوتے ہیں اور انہیں غافل لوگوں کی طرح نہیں رہنا چاہیے۔ اس لیے یہ رجحان ختم ہونا چاہیے۔ اس طرح ہکس کہتی ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ یہ تفرقات اور جنسی اختلافات ختم ہوں، تو ہر شخص کو چاہیے کہ ایسے اقدامات کرے جن سے تعلیم یافتہ معاشرہ پیدا ہو سکے اور تمام کمیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ کیا جا سکے۔ [۱]

## نظریہ ذرائع ابلاغ

اپنی کتاب "Real to Real"(حقیقت سے حقیقت تک) میں بیل ہکس فلموں کے اثرات پر بات کرتی ہے۔ وہ وضاحت کرتی ہے کہ اگرچہ فلمیں حقیقت نہیں ہوتیں لیکن اس کے باوجود ہم ایک خاص وقت کے لیے ان میں دکھائے جانے والے لمحات اور مناظر کے اندر محو ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وہ مناظر ہماری سوچ کو قابو کرتے ہیں اور ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ہکس نے بہت سارے مضامین لکھے اور اپنے مقالے "Real to Real" میں وہ مختلف فلموں کا تذکرہ کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ کس طرح فلموں میں بھی سیاہ فام عورت کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ ذرائع ابلاغ میں سیاہ فام عورتوں کو یکسر نظر انداز کرنا ناانصافی ہے۔ آج کل ذرائع ابلاغ ہر چیز کی بہت اچھے طریقے سے نمائندگی کرتے ہیں، اور یہی ایک ذریعہ ہے جو اپنی طاقت کے بل بوتے پر حقیقت سے آگاہی دلا سکتا ہے۔ آپ کی پہچان ہمیشہ آپ کی نمائندگی کرتی ہے۔ ہکس نے اپنی زندگی میں بہت اہم کام کیے اور تحریک حقوق نسواں پر بہت جدوجہد کی۔ اس کے کام پر یعنی اس کی کتابوں پر کافی تنقید بھی ہوئی کیونکہ اس کا انداز بہت غیر روایتی تھا۔ غیر تاریخی اور غیر عقلی مواد کی وجہ سے بھی اس کی تصانیف زیر عتاب رہی ہیں۔ اس کے باوجود اس نے "Feminist" تحریک میں ایک روح پھونکی اور سیاہ فام عورتوں کے لیے کارہائے نمایاں سر انجام دیئے ہیں۔ [۲]

---

[1]-Bell Hooks, *Feminist Theory,* 102.

[2]-Bell Hooks, *Feminist Theory,* 106.

# فصل سوم: عالمی سطح پر حقوق نسواں کی تحریک اور حاصل ہونے والے حقوق

مبحث اوّل: تحریک نسواں میں اقوام متحدہ کا کردار

مبحث دوم: تحریک نسواں سے حاصل ہونے والے حقوق

# مبحث اوّل: تحریک نسواں میں اقوام متحدہ کا کردار

مقامی اور قومی سطح پر نسائیت کی حمایت اور وکالت کرنے والوں کو خواتین کی کمیوں کوتاہیوں اور مسائل کا ادراک تھا۔ انہیں یہ معلوم تھا کہ حقوق کے لیے اُنھیں کس طرح آگے بڑھانا ہے، معاشرے میں تبدیلی لانے کے لیے انہوں نے نہ صرف خواتین میں قائدانہ صلاحیتیں اجاگر کیں، بلکہ مقامی اور قومی سیاسی میدان میں انہیں آگے لایا اور عالمی سطح پر بھی نسائیت کی تحریک شروع کی۔ نسائی تحریکوں نے صنفی مساوات پر عالمی توجہ کو اپنی طرف مبذول کروایا۔ تحریک حقوق نسواں نے اپنی جدوجہد جاری رکھی اور بالآخر اسے عالمی سطح پر لانے میں کامیاب ہوئی۔ مغرب کے سیاسی اور معاشی پالیسی سازوں نے تحریک نسواں کو عالمی ایجنڈے کے ساتھ ہم آہنگ کر دیا گیا۔ اس تحریک کا دوسرا منظر اقوام متحدہ کا پلیٹ فارم ہے۔ اقوام متحدہ نے ۱۹۵۲ء میں عورتوں کو ووٹ کا حق دیا اور بالآخر اقوام متحدہ کے چارٹر میں یہ شق بھی شامل ہوگئی کہ عورت اور مرد کے تمام حقوق یکساں ہیں۔ پھر یہ پلیٹ فارم اسقاطِ حمل ایجنڈے کو عالمی سطح پر نافذ کرنے کے لیے استعمال ہونے لگا۔ اقوام متحدہ نے مرد وعورت کے یکساں حقوق کے لیے کمیشن قائم کیا، اس کمیشن نے دو سال کام کرنے کے بعد ایک دستاویز تیار کی جسے "سیڈا"(CEDAW) کہا جاتا ہے۔[1]

نسائیت کا ایجنڈا اب اقوام متحدہ کا ایجنڈا قرار پایا اور اس تحریک نے اقوام متحدہ کی چھتری تلے اپنے عالمی پروگرام کو آگے بڑھانا شروع کیا۔ اقوام متحدہ نے اپنے قیام کے کچھ عرصہ بعد خواتین کمیشن قائم کر دیا تھا۔ جو خواتین کے حقوق و مراعات کے لیے کام کر رہا تھا۔ ۱۹۷۲ء میں جنرل اسمبلی نے قرار داد منظور کی کہ ۱۹۷۵ء کو خواتین کے عالمی سال کے طور پر منایا جائے گا۔ عالمی سال کی مناسبت سے ۱۹ جون تا ۲ جولائی ۱۹۷۵ء میکسیکو سٹی میں خواتین کی عالمی کانفرنس ہوئی، اس کانفرنس کی سفارش پر دسمبر ۱۹۷۵ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے اعلان کیا کہ ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۵ء تک اقوام متحدہ عورتوں کا عشرہ (Decade for Women) منائے گا۔[2]

---

1- *United Nations*, "Convention on CEDAW," 34 UN GAOR S, 18 December 1979,160.

۲- ماہنامہ، آئین، لاہور، اکتوبر ۲۰۰۴ء، صفحہ: ۴۴

عورت کے حقوق کے نام پر بھی یو۔این۔او کئی بین الاقوامی خواتین کانفرنس منعقد کر چکا ہے۔ مثلاً خواتین کی پہلی عالمی کانفرنس ۱۹۷۵ء میکسیکو میں ہوئی اور پھر اس سال کو خواتین کا عالمی سال منایا گیا۔ اب ۸ مارچ کو ہر سال خواتین کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔[۱]

دوسری عالمی خواتین کانفرنس ۱۹۸۰ء میں کوپن ہیگن میں منعقد ہوئی[۲]

تیسری عالمی خواتین کانفرنس ۱۹۸۵ء میں نیروبی میں ہوئی[۳]

چوتھی عالمی خواتین کانفرنس ستمبر ۱۹۹۵ء میں بیجنگ (چین) میں منعقد ہوئی۔ خواتین کے بارے میں بین الاقوامی کنونشنز اور کانفرنسوں میں سب سے زیادہ اہمیت بیجنگ کانفرنس ۱۹۹۵ء کے بیجنگ پلیٹ فارم فار ایکشن (BPFA) کو حاصل ہے۔[۴]

## سیڈا (CEDAW)

یو این او نے مرد و عورت کے حقوق یکساں بنانے کے لیے ابتداء میں ہی ایک کمیشن United Nations Commission on the Status of Women تشکیل دیا۔ کمیشن خواتین کی حیثیت کا جائزہ لینے اور ان کے حقوق کو تقویت دینے کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ اس بین الاقوامی ادارے کا مقصد خواتین کو با اختیار بنانا اور صنفی مساوات کو فروغ دینا ہے۔ اس کمیشن کی توجہ خواتین کی عالمی صورتحال، ان کے مسائل، رجحانات اور نظریات پر مرکوز ہے اور ممبر ممالک سے وزارتی سطح پر تعلقات کے ذریعے ممبر ممالک کی خواتین کو مستحکم کرنے، با اختیار بنانے اور صنفی مساوات کے لیے عالمی معیار کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس کمیشن نے ۳۰ سال کام کرنے

---

1- Temma Kaplan, "On the Socialist Origins of International Women's Day", *Feminist Studies. Inc,* 1985, 163

2- Charlotte Bunch, "Opening Doors for Feminism: UN World Conferences on Women". *Journal of Women's History,* 24 (4), Johns Hopkins University Press Maryland. 213.

3- *United Nations Publications,* "Report of the World Conference, to Review and Appraise the Achiements of the United Nations Decade for Women:Equality, Development and Peace Nairobi 15-26 July 1985. Ch 01.

4- *United Nations Publications,* "Beijing Declaration and Platform for Action the Fourth World Conference on Women, Having met Beijing from 4 to 15 Sep 1995.; *United Nations Publication,* The Forth United Nation's Conference on Women in Beijing 1995

کے بعد ایک دستاویز تیار کی، جس کا نام تھا: (CEDAW DOCUMENT: Convention of U.N.O on the Elimination of all Discrimination against Women) یعنی خواتین سے ہر قسم کے امتیاز کے خلاف یو این او کا کنونشن (اس کو مختصر کر کے CEDAW کا نام دیا گیا)۔ (۱)

۱۹۷۵ء کی میکسیکو سٹی کانفرنس میں جو لائحہ عمل مرتب کیا گیا تھا، اس پر ۱۹۸۰ء تک عمل کرنا ضروری تھا۔ اس سلسلے کی ایک اہم پیش رفت سیڈا (CEDAW) کی منظوری تھی۔ خواتین کے خلاف امتیازی سلوک کے خاتمے کی قرارداد سیڈا نے ۱۹۷۹ء میں جنرل اسمبلی نے سیڈا منظور کیا۔ اس کو عام افراد کے لیے آسان الفاظ میں درج ذیل شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ جسے اب اس موضوع پر حوالہ جاتی دستاویز کا درجہ حاصل ہے۔ (۲)

۱۹۸۱ء میں یو این او کے بیس ممالک نے اس دستاویز پر رضامندی اختیار کی، جب کہ اس کنونشن کی دسویں سالگرہ کے موقع پر یو این او کے ایک سو ممالک اس پر دستخط کر چکے تھے۔ جن میں دس مسلمان ممالک بھی شامل تھے۔ کمیشن نے خواتین سے ہر قسم کے امتیاز کے خلاف آواز اُٹھائی۔ ہر پہلو سے مرد اور عورت کے درمیان مساوات قائم کرنے کے لیے تجویزیں اور سفارشات پیش کیں۔ کنونشن نے اپنے تمام ممبر ممالک پر لازم کیا کہ وہ قانون سازی کے ذریعے سے مردوں و عورتوں کا ہر قسم کا امتیاز ختم کریں۔ تعلیم، سیاست، ملازمت، معاشی، اخلاقی اور معاشرتی غرض کہ ہر میدان میں عورت برابر کے حقوق کی مستحق ہے۔ (۳)

اس دستاویز کی کل ۳۰ دفعات تھیں۔ (۴)

---

1- *United Nations*, "Convention on the Elimination of all Forms of Discrimination Against Women, 18 December 1979, (3 September 1981)(hereinafter women's Convention), 155–160.

2- *United Nations for Public Information DPI*, "Convention on the Elimination of all kinds of Discrimination against Women (CEDAW)," December 1999, 10.

3- United Nations for Public Information, "CEDAW", 10.

۴- سیڈا ڈرافٹ کے چیدہ چیدہ نکات عورتوں کی تعلیم اور ملازمت سے متعلق ہیں۔ اس ڈرافٹ کا مطالبہ ہے کہ معاشی و سماجی معاملات وکارکردگی میں عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق دیئے جائیں۔ شادی کے لیے ساتھی کے چناؤ میں والدین بننے کا حق، جائیداد وغیرہ کے حقوق میں بھی مرد عورت یکساں ہونے چاہئیں۔ بچے کی پیدائش کا انحصار عورت کی مرضی پر ہو۔ مگر پرورش کے ذمہ دار دونوں برابر کے ہوں۔ عورت کی قومیت کا مرد کی قومیت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ کچھ مزید بے باکانہ مطالبات تھے جو بیجنگ ڈرافٹ میں بیان کئے گئے ہیں۔

جس میں پہلی سولہ تو اپنے اپنے ممالک میں دونوں کے حقوق کو مساوی کرنے کے وعدوں پر مشتمل ہیں۔ جب کہ باقی ۱۴ نکات ایکشن کمیٹی تشکیل دینے کے بارے میں ہیں، جو کنونشن پر عمل کی رفتار کا جائزہ لیتی ہے۔ (۱) فنی نکات کے علاوہ اس کی دفعات کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

تمام انسان برابر ہیں، مرد اور عورت کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہونی چاہیے کیونکہ تمام انسان پیدائشی طور پر آزاد اور یکساں حقوق کے مالک ہیں، لیکن خواتین کو روزانہ صرف اس لیے انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا شکار ہونا پڑتا ہے کہ وہ "خواتین" ہیں۔ حالانکہ وہ خاندان کے علاوہ اپنے ممالک اور بین الاقوامی اقتصادی ترقی میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ تمام ممالک اس بات پر رضامند ہیں کہ مرد اور خواتین کو صنفی امتیاز کی بناء پر علیحدہ رکھنے والے ہر قسم کے قوانین کو کلیتاً ختم کر دیا جائے۔

دفعہ نمبر ۱ (Article) Discrimination Against Women کیا ہے؟

کوئی صنفی عمل، کام یا رویہ جو کسی لڑکی، نوجوان دوشیزہ، شادی شدہ خاتون، مطلقہ عورت یا بیوہ کو مردوں کے مساوی حقوق سے محروم کرے۔ خواہ وہ حقوق سیاسی ہوں یا معاشی، سماجی، ثقافتی، شہری یا کسی بھی نوعیت کے مثلاً اکثر افریقی ممالک میں شوہر کے مرنے پر عورت کو کئی دنوں تک سوگ منانا ہوتا ہے۔ جب کہ مرد کو عدت نہیں گزارنی ہوتی اور وہ اپنے کام کاج کر سکتا ہے اور کاروباری معاملات چلا سکتا ہے۔ (۲)

دفعہ نمبر ۲: اگر کسی ملک کے قوانین یا روایتی طریقوں میں خواتین کے بارے میں امتیازی رویہ پایا جاتا ہے تو وہ اسے لازماً ختم کیا جائے۔ دفعہ نمبر ۳: عورت ہر لحاظ سے مرد کے برابر ہے۔ دفعہ نمبر ۴: خواتین کو خصوصی رعایتیں دی جا سکتی ہیں۔ مثلاً اگر تعلیمی اداروں میں لڑکیوں کے لیے لڑکوں سے نصف فیس رکھی جائے، تو اسے لڑکوں کے خلاف امتیازی سلوک نہیں سمجھا جائے گا۔ دفعہ نمبر ۵: بچوں کی پرورش کرنا اور تعلیم دلانا مرد اور عورت دونوں کی ذمہ داری ہے۔

---

1-United Nations of Public Information, "Convention on the Elimination of all Kinds of Discrimination against Women" (Report), 12.

2-IWRAW, "United Nation General Assembly Resolution 2263, 7 November ,1967; Asia Pacific Knowledge Portal, 11

**دفعہ نمبر۶** :خواتین کو اسمگل کرنے اور ان سے بالجبر قحبہ گری کرانے کو روکا جائے گا۔ **دفعہ نمبر۷**:خواتین کے سربراہ مملکت و حکومت بننے کی حائل رکاوٹوں کو دور کیا جائے گا۔(۱)

**دفعہ نمبر۸** :بین الاقوامی امور میں خواتین کو شامل کیا جائے گا۔ انہیں بطور سفیر یا اقوام متحدہ میں نمائندگی دینے وغیرہ کے لیے نامزد کیا جائے گا۔ **دفعہ نمبر۹** :مختلف قومیتوں کے حامل مرد اور عورت کے درمیان شادی ہو تو بچے ماں کی قومیت بھی اختیار کر سکیں گے۔ **دفعہ نمبر۱۰** : خواتین کو لازماً وہی تعلیم دی جائے گی جو مرد حاصل کرتے ہیں۔ سکول کا نصاب اور نصابی کتب ایسے خیالات یا تصاویر کا اظہار نہیں کریں گی، جس سے یہ تاثر ملے کہ لڑکوں کی ذمہ داریاں لڑکیوں سے مختلف ہیں۔ خواتین کو دوران تعلیم صحت، خاندان اور خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں لازماً آگاہ کیا جائے گا۔(۲)

**دفعہ نمبر۱۱**:عورت کو ہر قسم کی ملازمت کی آزادی ہونی چاہیے اور اس سلسلے میں اسے شوہر کے اجازت نامے کا پابند نہ کیا جائے۔ شوہر اپنی بیوی کو کسی کام سے روکنے کا مجاز نہیں ہونا چاہیے۔ **دفعہ نمبر۱۴** :دیہی خواتین کو بھی شہری خواتین جیسے حقوق ملنے چاہیں اس کے لیے انہیں دیہی ترقیاتی عمل میں شریک کیا جانا چاہیے اور انہیں اپنی رائے کا اظہار کرنا چاہیے۔ انہیں زرعی قرضے ملنے چاہیں، ان کو امداد باہمی کے گروہ بنانے کا اختیار ملنا چاہیے اور وراثت میں مساوی حصّہ ملنا چاہیے۔ **دفعہ نمبر۱۶**:عورت کو مرد کی طرح طلاق کا اختیار حاصل ہونا چاہیے۔ بچوں کے درمیان وقفے اور بچوں کی تعداد کا اختیار عورت کو ہونا چاہیے۔ اور اسے شوہر کی اجازت کے بغیر مانع حمل ادویات، ٹیکے اور ذِکری غلاف (Condom) استعمال کرنے کی آزادی ہونی چاہیے۔ والدین کو ۱۸ سال سے کم عمر لڑکی کا شادی کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ **دفعہ نمبر۱۸** :ان دفعات پر عمل کی رپورٹ کو تمام ممالک ہر چار سال بعد کمیٹی (CEDAW) کو پیش کریں گے۔ **دفعہ نمبر۲۰** : ان رپورٹوں پر غور کے لیے ہر سال دو ہفتے کی میٹنگ اقوام متحدہ کے مرکزی دفتر میں ہوا کرے گی۔(۳)

---

1-United Nationa General Assembly Resolution 34/180, "CEDAW Adopted and Opened for Signature, Ratification and Accession by General Assembly, 18 December 1979, entry into force 3 September 1981in accordance with article 27

2-IWRAW, "United Nation General Assembly Resolution 2263, 7 November, 1967, Asia Pacific Knowledge Portal, 11.

3-United Nationa General Assembly Resolution 34/180, Article 27.

**دفعہ نمبر۲۳**: مردوخواتین کے مساوات پر مبنی پہلے سے موجود قوانین ختم نہیں ہوں گے۔[۱]

۲۴ تا۳۰جولائی ۱۹۸۰ء کو کوپن ہیگن میں دوسری عالمی کانفرنس منعقد ہوئی۔اس میں چونکہ پہلی کانفرنس کے لائحہ عمل پر پیش رفت کا جائزہ لیناتھا۔اس لیے عشرۂ خواتین کے وسط میں یہ کانفرنس کی گئی۔[۲]

## تیسری عالمی کانفرنس

عشرۂ خواتین کے اختتام پر ۱۵ تا ۲۶ جولائی ۱۹۸۵ء کو نیروبی، کینیا میں اقوام متحدہ کے خواتین عشرہ منانے کے اعلان کے نتیجہ میں خواتین کے لیے مساوات، امن اور ترقی کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لیے تیسری عالمی کانفرنس منعقد کی گئی۔ اس کانفرنس میں ۱۵۷ ممالک کے علاوہ غیر سرکاری تنظیموں (NGOs) کے پندرہ ہزار نمائندوں نے شرکت کی۔[۳]

اس کانفرنس میں خواتین کی ضروریات کے پیش نظر آئین سازی اور خواتین کی امداد کے لیے سرکاری اور غیر سرکاری تنظیموں (NGOs) میں موثر اضافہ کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔ اس کے بعد خواتین پر ایشیاء پیسیفک فورم(Asia Pacific Forum) ، قانون اور ترقی (Asia-Pacific Forum on Women, Law and Development (APWLD)، کمیٹی آف لاطینی امریکہ اور جزائر الہند برائے تحفظ حقوق نسواں Comité de América Latina y El Caribe para la Defensa de los Derechos de la Mujer (CLADEM) )، تنزانیا میڈیا خواتین کی جماعت (Tanzania Media Women' Association) قائم کی گئیں، جوکہ خواتین کے مسائل سے نمٹنے کے لیے غیر سرکاری تنظیموں(NGOs) میں اضافے کا اشارہ تھا۔ اس وقت نسائیت کو عالمی سطح پر تسلیم کیا گیا جب خواتین حقوق کی علمبردار غیر سرکاری تنظیموں کے ۱۵۰۰ نمائندگان

---

[1]-IRWA, "United Nation General Assembly Resolution 2263,7 November ,1967, Asia Pacific Knowledge Portal, 12.

[2]-*Encyclopedia of Britannica* 11th Ed, (England: Cambridge University Press, 1910), 72.

[3]-United Nations Publications, "Report of the World Conference, to Review and Appraise the Achiements of the United Nations Decade for Women:Equality, Development and Peace Nairobi 15-26 July 1985. Ch 01.

نے کانفرنس میں شرکت کی، جس سے عالمی نسائیت کی پیدائش (The Birth of Global Feminism) ہوئی۔[1]

ستمبر ۱۹۹۴ء میں قاہرہ میں اقوام متحدہ کی طرف سے بہبود آبادی کانفرنس کے نام سے ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ جسے اسلامی معاشرے کے اسلام پسند ذہن نے جنسی بے راہ روی اور کنڈوم کلچر کی حمایت اور اسلامی معاشرے کے خاندانی نظام پر حملہ جیسے ناموں سے نوازا۔ دُنیا بھر کی مختلف خواتین، تنظیموں سے وابستہ پانچ سو (۵۰۰) خواتین نے تولید حقوق اور آبادی کی پالیسیوں پر گفتگو میں شمولیت کی خاطر قاہرہ کانفرنسیں شرکت کی اور اس بات کا تعین ابتداء میں ہی کر دیا گیا تھا کہ قاہرہ کانفرنس میں آبادی سے متعلقہ مسائل یعنی پیدائش کے حق یا خلاف ہونے والی بحث کو حقوق اور خاص طور پر انسانی حقوق کے تناظر میں دیکھا جائے گا۔[2]

در حقیقت اس کانفرنس میں ترقی کی بنیاد عورت کی جنسی اور تولیدی صحت کو قرار دیا گیا تھا۔ جنس اور تولیدی صحت کے بارے میں مختلف ممالک میں مختلف عمروں اور مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والی خواتین کی آراء کو مرتب کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا، کہ نسوانی جنسیت اور صحت کے تحفظ میں بہت سے سماجی، مذہبی تصورات اور صنفی تعصبات رکاوٹ ہیں۔ جب تک ان کو دُور نہیں کیا جاتا عورت کو بااعتماد اور اطمینان بخش حیات میسر نہیں آسکتی۔ نسوانی جنسیت کو اشاروں سرگوشیوں اور خاموشیوں سے آزاد کروا کر جامع اور صحت مند بہتر نظام سے منسلک کرنا وقت کی ضرورت قرار دیا گیا۔ اس کانفرنس میں نوجوانوں کے جنسی اور تولیدی حقوق و صحت کی آراء کو اظہار خیال کا موضوع بنانے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ اس کانفرنس میں نئی صدی میں تولیدی صحت اور حقوق کا ایجنڈا پیش کیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ عورتوں کے لیے تولیدی اور پیداواری زندگی میں تضاد کا سبب پیدا کرنے والے (سماجی، مذہبی تصورات پر مبنی) تناؤ کو ختم کیا جائے۔ نیز ماں بننے کے انتخاب، ذاتی تکمیل اور جنسی لذت کے حصول کے لیے عورتوں کو جدید سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کے مواقع دیے جائیں۔ تعلیم، ابلاغ اور ٹیکنالوجی کو مداخلت اور کنٹرول کے نظام میں بدلنے کی بجائے ذاتی انتخاب کے آلہ کار کے طور پر تسلیم کیا جائے۔[3]

---

1 – Aili Mari Tripp, "Women in Movement Transformations in African Political Landscapes", *International Feminist Journal of Politics*.2003, 233

۲۔ ترقی: تولیدی صحت اور حقوق قاہرہ کانفرنس پر عملدرامد، وینڈی ہرکوٹ، مترجم، نائلہ رضا، سوسائٹی فار انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ، واشنگٹن، (س۔ن)، ص:۴۳

۳۔ ترقی: تولیدی صحت اور حقوق از وینڈی ہری کورٹ، مترجم، نائلہ رضا، ص:۴۷

## چوتھی عالمی کانفرنس

ستمبر ۱۹۹۵ء میں بیجنگ میں خواتین کانفرنس منعقد ہوئی، جو یو این او کی طرف سے خواتین کی چوتھی بڑی عالمی کانفرنس تھی۔ مندرجہ بالا سیڈا کی دستاویز کی روشنی میں اس کانفرنس کا ایجنڈا تیار ہوا تھا۔ جس میں تقریباً دنیا کے دو سو ملکوں کے پچاس ہزار نمائندے شامل ہوئے۔ (تیس ہزار کے قریب سرکاری جب کہ بیس ہزار کے قریب این جی اوز یعنی غیر سرکاری تنظیمیں) اس کانفرنس کے ایجنڈے کا نام بیجنگ ڈرافٹ تھا۔ (۱)

اس کانفرنس کو بیسویں صدی میں خواتین کا سب سے بڑا اجتماع کہا جاتا ہے۔ جس میں پچیس (۲۵) ہزار شرکاء رجسٹرڈ تھیں، جب کہ کل ساٹھ (۶۰) ہزار خواتین شریک ہوئی۔ اس کانفرنس کی ایک اور خاص بات یہ تھی کہ اس سے قبل خواتین کے "مسائل" پر بات ہوا کرتی تھی جب کہ اس کانفرنس میں مسائل اور مساوات سے زیادہ عورت کی عصمت فروشی اور "جنسی امور" پر زور دیا گیا۔ (۲)

اقوام متحدہ کے زیر اہتمام خواتین کی چوتھی کانفرنس تھی۔ اس کے لیے جو ایجنڈا تیار کیا گیا، وہ ایک سو اکیس صفحات پر مشتمل تھا۔ اور اسے بیجنگ ڈرافٹ کا نام دیا گیا۔ اس کی تیاری پر بڑی محنت کی گئی تھی۔ (۳)

یہ دراصل عالمی استعمار کا معاشرتی تبدیلی (Social Change) کا ایجنڈا تھا۔ اقوام متحدہ کے تحت منعقد ہونے والا یہ خواتین کا سب سے بڑا عالمی اجتماع تھا۔ قاہرہ اور بیجنگ کانفرنسوں کا ایجنڈا تحریک آزادی نسواں کا تیار کردہ تھا۔ اس ایجنڈے پر مسلم ممالک کی اکثریت متفق تھی، جب کہ کیتھولک عیسائیوں نے اس کی مخالفت کی اور بیجنگ کانفرنس میں مغربی ممالک کی بیشتر خواتین سمیت صرف دو مسلمان ممالک سوڈان اور ایران کی خواتین نے مخالفت کی۔ سعودی عرب نے اس کانفرنس میں شرکت ہی نہیں کی تھی۔ (۴)

اس ایجنڈے کے نمایاں موضوعات کچھ اس طرح تھے۔

---

1- *Women's National Commission* (UK), "The Fourth United Nation's Conference on Women in Beijing 1995," 14.

2- *United Nation Publication*, "Beijing Declaration and Platform for Action the Fourth World Conference on Women having met Beijing from 4 to 15 Sep 1995.

3- *Women's National Commission (UK)*, "The Fourth United Nation's Conference on Women in Beijing 1995." 15

4- *U.N Briefing Papers*, "The World Conferences Developing Priorities for the 21st Century New York, United Nations. 32-33

۱. مرد و عورت کی فوری مساوات، عورت کو اس کے روایتی کردار (ماں، بہن، بیٹی، بیوی) پر مجبور نہ کیا جائے۔
۲. معاشرے کے ڈھانچے کو تبدیل کیا جائے تاکہ عورت فطری مساوات حاصل کر سکے۔
۳. ملازمتوں اور منتخب اداروں میں خواتین کو پچاس (۵۰) فیصد نشستیں دی جائیں۔
۴. بچہ پیدا کرنے کا اختیار عورت کو حاصل ہو۔ وہ چاہے تو کرے اور چاہے تو نہ کرے۔
۵. اسقاط حمل کو قانون قرار دیا جائے اور اس کا حق بھی عورت کو حاصل ہو۔
۶. جسم فروشی اور ہم جنس پرستی کو قانونی تحفظ حاصل ہو۔[۱]

چوتھی عالمی کانفرنس میں مطالبہ کیا گیا کہ ایسا معاشرتی ڈھانچہ تشکیل دیا جائے جس سے مرد عورت میں برابری پیدا ہو سکے۔

۱. اسمبلیوں اور دیگر منتخب اداروں میں خواتین کی نمائندگی ۳۳ فیصد ہونی چاہیے۔
۲. ملازمتوں میں عورتوں کا ۵۰ فیصد کوٹہ مخصوص کیا جائے۔
۳. مرد اور عورت دونوں اپنی جنسی زندگی کا فیصلہ بغیر کسی سختی، پابندی یا دباؤ کے خود کرنے کے مجاز ہوں۔
۴. اسقاطِ حمل کو جائز قرار دیا جائے اور اس فیصلے کا حق عورت کے پاس ہو۔ یہ فیصلہ کرنا کہ کتنے بچے ہوں، عورت کا حق ہونا چاہیے۔
۵. لڑکیوں کو ابتداء ہی سے جنسی اور زچگی کی تعلیم دی جائے۔
۶. عورتوں کو ہم جنس پرستی کی اجازت ہونی چاہیے۔
۷. سیاسی میدان میں خواتین کی ترقی کا تقاضا ہے کہ اسے اولاد کی پرورش سے آزاد رکھا جائے۔
۸. مخلوط تعلیم کی حوصلہ افزائی کی جائے۔
۹. چھوٹی عمر میں لڑکیوں کی شادی کی حوصلہ شکنی کی جائے۔
۱۰. مذہب اور بنیاد پرستی کے عنصر کو کم سے کم کیا جائے۔[۲]

پاکستان ۱۲ مارچ ۱۹۹۶ء کو اس کنونشن پر دستخط کر کے اس کا ممبر بنا۔ چونکہ اس کنونشن میں یہ گنجائش رکھی گئی تھی کہ جو ممالک مشروط شرکت کرنا چاہیں وہ اپنی شرائط کے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں۔ دیگر بہت سے اسلامی و غیر

---

2- *Women's National Commission (UK)*, "The Fourth United Nation's Conference on Women in Beijing 1995." 15

۲- رپورٹ، عورتوں کی چوتھی عالمی کانفرنس، بیجنگ، ۴ تا ۱۵ ستمبر ۱۹۹۵ء، باب ۱، ص: ۳

اسلامی ممالک کی طرح پاکستان نے بھی اس میں مشروط شمولیت اختیار کی اور یہ شرط رکھی کہ پاکستان اس کنونشن کی اُن دفعات کی پابندی کرے گا جو آئین پاکستان سے متصادم نہ ہوں۔ [1]

اس کانفرنس میں یہ طے کر لیا گیا کہ اگلی کانفرنس ۲۰۰۰ء میں ۵ تا ۱۰ جون ہو گی۔ اس کا عنوان تھا:

"Women 2000, Gender Equality, Developments and Peace in the Twenty First Century"

(خواتین ۲۰۰۰ء۔۔ اکیسویں صدی میں صنفی مساوات، ترقی اور امن)

البتہ اس کا غیر سرکاری نام بیجنگ پلس فائیو تھا۔ یہ کانفرنس نیویارک میں ہوئی۔ ۱۹۹۵ء میں ہونے والی چوتھی کانفرنس کے نکات کے علاوہ یہ باتیں بھی پانچویں کانفرنس کی دستاویز میں شامل کی گئیں:

۱. جائیداد اور وراثت سمیت تمام معاملات میں عورت کو مرد کے مساوی حقوق دیے جائیں۔
۲. خاتون خانہ کو گھریلو اور تولیدی امور کا معاوضہ دیا جائے۔
۳. ایک ساتھ رہنے والے دو مردوں یا دو عورتوں یا بغیر نکاح ساتھ رہنے والے مرد عورت کو خاندان تسلیم کیا جائے۔
۴. عورت کی ازدواجی عصمت دری کو قابل مواخذہ جرم تسلیم کیا جائے۔
۵. ہم جنس پرستی کو قانونی تحفظ دیا جائے اور طوائفوں کو طوائف نہیں "جنسی کارکن" سمجھا جائے۔ [2]

## پانچویں اور چھٹی عالمی کانفرنسیں

خواتین کی پانچویں عالمی کانفرنس ستمبر ۲۰۰۰ء اقوام متحدہ نے منعقد کروائی اسے بیجنگ + 5 کا نام دیا گیا۔ خواتین کی چھٹی عالمی کانفرنس بیجنگ +10 کے نام سے مارچ ۲۰۰۵ء میں امریکہ کے شہر نیویارک میں منعقد ہوئی۔

پانچویں اور چھٹی کانفرنس در حقیقت بیجنگ کانفرنس ۱۹۹۵ء کی سفارشات پر عمل درآمد کو یقینی بنانے اور اس کے مقاصد اور اہداف کے تیز تر حصول کے لیے منعقد کی گئیں۔ ان کانفرنسوں نے عورتوں کے حقوق کے ضمن میں نئے مذہب کی تشکیل کے امر کو آسان بنانے کے لیے معاشرتی ذہن سازی میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کانفرنسوں کے نتیجے میں نسبتاً اب عورت آزاد فضا میں آزادی اور خود اعتمادگی محسوس کرنے لگی۔ وہ شانہ بشانہ مرد کے ساتھ ہر جگہ

---

[1]-رپورٹ، عورتوں کی چوتھی عالمی کانفرنس، ص: ۳

[2]-اگر شوہر اپنی بیوی سے مباشرت کرنا چاہ رہا ہو اور بیوی انکار کر دے لیکن شوہر مباشرت کرے تو اسے ازدواجی عصمت دری قرار دیا جاتا ہے۔

کام کرنے لگی۔ حتیٰ کہ وہ اقوام متحدہ کے چارٹر میں یہ شِق رکھوانے میں بھی کامیاب ہوگئی کہ عورت اور مرد کے تمام حقوق یکساں اور برابر ہیں۔ پھر اس نے اسقاط حمل کا حق بھی مانگا جو ۱۹۷۰ء میں اسے مل گیا۔ (۱)

یہ دونوں کانفرنسیں تحریک آزادی نسواں کو بڑھانے کے لیے مہمیز ثابت ہوئیں۔ اور ان پر تنقید و بحث اسلامی معاشروں کا موضوع بنی اور آزادی نسواں کے خلاف اسلامی فکر کے مدافعتی رجحان کو بڑھایا۔

## خواتین اقوام متحدہ (UN Women)

اقوام متحدہ کی قرارداد جنوری ۲۰۰۶ کے نتیجہ میں سیکرٹری جنرل بان کی مون (Ban Ki moon)(۲) نے اقوام متحدہ میں رپورٹ پیش کی جس کا عنوان " صنفی مساوات اور با اختیار خواتین کے لیے جامع تجویز " (Comprehensive Proposal for the Composite Entity for Gender Equality and the Empowerment of Women) تھا۔ اس رپورٹ میں سیکرٹری اقوام متحدہ نے یہ حل پیش کیا کہ صنفی مساوات اور خواتین کے اختیارات کے فروغ کے لیے اقوام متحدہ کے ذیلی شعبوں کے ذریعے کوششوں کے بجائے نیا ادارہ قائم کیا جائے، جو اقوام متحدہ کے نظام میں رہتے ہوئے صنفی مساوات کی سرگرمیوں کے فوائد اور اثرات پر تیزی سے کام کرے۔ اقوام متحدہ کے رُکن ممالک، خواتین گروہوں اور سول سوسائٹی کے درمیان کئی سالوں کے مذاکرات کے بعد بالآخر ۲ جولائی ۲۰۱۰ کو جنرل اسمبلی نے اتفاق رائے سے اس تجویز کو منظور کیا۔ (۳)

اس طرح خواتین کی ترقی کے ڈویژن (Division fo the Advancement of Women (DAW)، خواتین کی ترقی کے لیے بین الاقوامی تحقیقی و تربیتی ادارہ (International Research and Training Institute for the Advancement of Women (INSTRAW)، صنفی مسائل کے اور خواتین کی ترقی کے لیے خصوصی مشیر کا دفتر ( The Office of the Special Adviser on General Issues and Advancement of Women (OSAGI)، اور خواتین کے لیے اقوام متحدہ کے ترقیاتی فنڈ (United Nations Development Fund for Women) کے اداروں کو ضم کرکے "اقوام متحدہ کا اتحاد برائے صنفی مساوات اور با اختیار خواتین " (The United Nations Entity for

1- Jahanne Brenner, *The Best of Times- The Worst of Times*, 33.

۲- بان کی مون (Ban Ki-moon) (پیدائش ۱۹۴۴): شمالی کوریا کا سفارتکار تھا جو اکتوبر ۲۰۰۶ میں اقوام متحدہ کا سیکرٹری جنرل منتخب ہوا اور ۳۱ دسمبر ۲۰۱۶ تک اس عہدے پر رہا۔

3- UN Women, *Annual Report 2010-2011*, (New York: United Nations Entity for Gender Equality and the Empowerment of Women, 2011), 8

(Gender Equality and the Empoervement of Women) بنایا گیا جسے "خواتین اقوام متحدہ" (UN Women) کہا جاتا ہے۔

یو این وویمن نے جنوری ۲۰۱۱ سے اپنی عملی سرگرمیاں شروع کیں۔ یو این وویمن کے مقاصد میں خواتین کو بااختیار بنانے کے لیے بین الحکومتی اداروں کو خواتین کی حیثیت پر کمیشن، پالیسوں کی تشکیل، عالمی معیارات اور اقدار کے مطابق پالیساں تیار کروانا اور رُکن ممالک سے ان پالیسوں پر عمل درآمد کروانا اور اقوام متحدہ کے نظام کے مطابق صنفی مساوات پر جواب دہی کے لیے رکن ممالک کو فعال کرنا ہے۔ یو این وویمن کے موضوعات میں خواتین کی سیاسی قیادت اور سیاسی نظام میں حصّہ داری، معاشی طاقت، تشدد کا خاتمہ، خواتین کے انسانی حقوق، تحفظ اور امن، حکمرانی اور قومی منصوبہ سازی، پائیدار ترقی اور ایڈز کی بیماری ہیں۔ [1]

مغربی ممالک نے اپنے سیاسی عروج کے بعد اپنی تہذیب و ثقافت کے تحفظ کے لیے اقوام متحدہ کا ادارہ قائم کیا تو اس سے حقوق نسواں کی تحریک اور تیز ہوئی۔ یہ ادارہ آغاز ہی سے مغربی تہذیب و ثقافت کو فروغ دینے اور اسے تمام دنیا میں برتری دلانے کے لیے کوشاں ہے۔ یہ اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وقتاً فوقتاً بے شمار سیمینار، ورک شاپس، کانفرنسیں اور کنونشن منعقد کرواکر عالمی سفارشات منظور کرواتا ہے۔ اور خواتین حقوق کے تحفظ اور فروغ کے لیے ادارے تشکیل دے کر ان کے ذریعے تمام ممبر ممالک کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ان سفارشات پر عمل درآمد کو یقینی بنائیں، تاکہ تمام ممبر ممالک کا نظام ان کی خواہشات اور ترجیحات کے مطابق چلے اور کوئی ان کے حکم سے سر مو سرتابی نہ کر سکے۔

---

1 – UN Women, *Annual Report 2010–2011*, 9

# مبحث دوم: تحریک نسواں سے حاصل ہونے والے حقوق

تحریک حقوق نسواں اور تحریک حق رائے دہی مغربی سماج پر اثر انداز ہوئیں۔ خواتین کو تعلیم کے میدان میں آگے بڑھنے کے مواقع، مساوی تنخواہ، طلاق کے قانونی حقوق، تولیدی حقوق (مانع حمل (Contraceptives) اور اسقاط حمل (Abortion)، جائیداد کے حقوق ملے اور گھریلو تشدد میں نمایاں حد تک کمی ہوئی۔

یورپی ممالک میں نسائیت ۱۹۶۸ء میں مشہور ہوئی جب خواتین کا رجحان دوبارہ تعلیم کی طرف ہوا۔ جب سائمن ڈی بوور کی ۱۹۴۹ میں لکھی گئی کتاب "دوسری جنس (The Second Sex)" کا ترجمہ انگریزی زبان میں ۱۹۵۳ میں ہوا جسے بڑے پیمانے پر پڑھا گیا۔ اس کی تصنیف میں یہ ثابت کیا گیا کہ باصلاحیت عورتوں کا کامیاب ہونا کیوں مشکل ہے؟ سائمن کے نزدیک ایک شعبے میں کام کرنے کے باوجود عورت کی کمائی مرد سے کم ہونا اس کی نااہلی ہے۔ عورت کی گھریلو ذمہ داریاں، باصلاحیت عورت کو معاشرے کا عدم تعاون اور یہ سوچ کہ شوہر کی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑے گا، یہ سب عورت کی کامیابیوں کے راستے کی رکاوٹ ہیں۔ سائمن ڈی بوور نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ عورت میں جوش و جذبے کی کمی کی ایک وجہ اس کا انداز پرورش بھی ہے، جس کی وجہ سے وہ امتیاز کا نشانہ بنتی ہے۔ لڑکیوں کو بچپن سے ہی ماں کے فرائض سرانجام دینا سکھایا جاتا ہے، جب کہ لڑکوں کو باپ دادا کی کامیابیوں سے آگے نکلنا سکھایا جاتا ہے۔ سائمن کے خیالات آزادی نسواں کی تحریک (Women's Liberation Movement) کے آغاز کی وجہ بنے۔ اس تحریک میں شامل پرعزم خواتین نے ان خیالات کو عملی شکل دینے کی کوشش کی۔ اس تحریک کی رہنمائی میں سائمن کے ساتھ کرسٹیان رشفورٹ (Christiane Rochefort)[1] اور کرسٹین ڈیلفی (Christine Delphy)[2] بھی شامل تھیں۔ نسائیت کی اس تحریک کے عملی اقدامات سے یورپی خواتین کو تعلیم کا حق، روزگار کا حق اور حق انتخاب کے حقوق میسر آئے۔[3]

سب سے اہم مسئلہ جو اس تحریک کو پیش آیا وہ اسقاط حمل اور امتناع حمل پر پابندی تھی، اس پابندی کو خواتین نے عورتوں کے حقوق کی پامالی سے تعبیر کرتے ہوئے اس کے خلاف ردعمل شروع کیا اور ایک قرارداد پیش کی جسے منشور ۳۴۳ (Le Manifeste de) کہا گیا جس میں ۳۴۳ خواتین نے دستخطی مہم میں یہ اقرار کیا کہ انہوں

---

[1] - کرسٹیان رشفورٹ (Christiane Rochefort) (۱۹۱۷-۱۹۹۸): فرانسیسی نسائیت پسند اور مصنفہ تھی۔

[2] - کرسٹین ڈیلفی (Christine Delphy) (۱۹۴۱) فرانسیسی ماہر سماجیات، نسائیت پسند اور مصنفہ ہے۔

[3] – Rosalyn Terborg Penn, *African-American Women in the Struggle for the Vote, 1850–1920,* ( Bloomington: Indiana University Press, 1998), 171.

نے غیر قانونی اسقاط حمل کروایا ہے ۔ اس منشور کو پانچ اپریل ۱۹۷۱کو فرانسیسی ہفت روزہ میگزین اوبزرور (Observatur)اور دی ورلڈ(French Word: Le Monde)میں شائع کیا گیا۔ اس مشتہر گی پر اس گروہ کو عوامی تعاون حاصل ہوا جس پر ۱۹۷۵ءمیں ویل ایکٹ(Veil Act 1975)[1]میں اسقاط حمل کا حق قانونی طور پر دیا گیا۔[۲]

۱۹۶۰ءسے ۱۹۸۰ءکی دہائی تک امریکہ میں خواتین کی تحریک زوروں پر تھی، سماجی طور اور سیاسی طور پر با اثر تصور کی جاتی تھی۔ خواتین کی قومی جماعتیں، تولیدی حقوق، مساوات حقوق کی ترمیم اور دیگر اصلاحات کروائیں۔ اگست ۱۹۷۰میں عورتوں نے مساوی حقوق میں ترمیم (Equal Rights Ammendment)کے لیے قومی سطح پر مظاہرے اور دھرنے شروع کیے۔ مگر یہ ترمیم سقم کی وجہ سے مظورنہ ہو سکی۔ ۱۹۷۲ءمیں تیس(۳۰)امریکی ریاستوں میں سقم دُور کرتے ہوئے اسے منظور کیا گیا جب کہ آٹھ دیگر سقوم کی درستی کرتے ہوئے اسے منظور کیا گیا۔ اسی عرصہ میں نسائی جو کہ مزدور تحریک کا بھی حصّہ تھے اُنہوں نے خواتین کے مقامی گروہوں کی صورت میں روزگار کے لیے حالات بہتر بنانے اور روزگار میں مساوی حقوق کی تحریکیں شروع کیں۔ سیاہ فام عورتوں نے بچوں کی نگہداشت، پولس کے جبر، صحت اور فلاحی حقوق کے لیے ۱۹۷۳ءمیں سیاہ فام نسائیوں کی جماعت (Black Feminist Organization)قائم کی۔[۳]

جنسی طور پر عورت کو ہراساں کرنے کے خلاف نسائیوں نے مہم شروع کی اور ۱۹۸۰ءمیں جنسی ہراساں کرنے کو عورت کے حق کی خلاف ورزی تعبیر کیا اور گھریلو تشدد کے خلاف آواز اٹھائی۔ عورت کی صحت کے لیے صحت مہم چلائی گئی جس کا مرکز عورتوں کے لیے صحت کے موجودہ نظام کے بجائے نیا نظام صحت قائم کروانا تھا، جس میں عورت کی ضروریات کے مطابق مراعات مہیا ہوں۔ نسائی کارکنوں نے عورت کے جسم کی تعلیم دی، گھروں میں

---

[1]-سائمن ویل(Simone Veil): فرانسیسی وکیل اور وزیر صحت تھی اس نے اسقاط حمل کو قانونی جائز قرار دیے جانے کی ترجمانی کی۔ سائمن ویل یورپی پارلیمنٹ کی پہلی خاتون صدر جو ۱۹۷۹سے ۱۹۹۳تک صدر رہی۔ اسقاط حمل کو قانونی جائز قرار دینے والے ایکٹ کو اسی کے نام سے ویل ایکٹ کہا جاتا ہے۔

[2] – Martha S. Jones, *All Bound Up Together: The Woman Question in African-American Public Culture, 1830–1900,* ( London: University of North Carolina Press, 2007), 97

[3] – Lori D. Ginzberg, *Untidy Origins: A Story of Woman's Rights in Antebellum New York.*(London: University of North Carolina Press, 2005), 109

کلاسز کا اجراء کیا، ڈے کیئر سینٹرز قائم کیے، خواتین کے لیے کلینک بنائے اور تشہیر کی۔ اسی دوران اسقاط حمل کو قانونی تحفظ دینے کے لیے اظہار رائے "(Speak-Out) مہم کے ذریعے قانون ساز اداروں کے باہر مظاہرے کیے جہاں خواتین نے غیر قانونی اسقاط حمل کروانے کا اقرار کیا اور اس غیر قانونی اسقاط حمل کی وجوہات بیان کیں۔ تحریک کے اس عمل نے اسقاط حمل کے خفیف مسئلہ کو عوام کے سامنے کھول دیا۔ سپیک آوٹ نے عصمت دری کے خلاف آواز بلند کی اور عصمت دری کی شکار خواتین کے لیے بحالی مراکز، قانونی چارہ جوئی، تھانوں اور ہسپتالوں میں زنا الجبر کی شکار خواتین کے لیے خاص مقام اور اہمیت دیے جانے کے مطالبے کیے۔[1]

امریکی معاشرے میں نسائیت کی تحریک کو کامیابیاں ملنے اور زندگی کے کئی شعبوں میں مساوات ملنے کے باوجود صنفی مساوات ابھی تک حاصل نہ کی جا سکی۔ نسائیت کی تحریک میں انحطاط اسی عرصہ میں آیا جب دائیں بازو کی جماعتوں نے نسائیت پر حملہ شروع کیا۔ اشتراکیت کے نظریات سے نسائیت دو بڑے گروہوں آزاد خیال اور بنیاد پرست میں تقسیم ہوئی اور تقسیم در تقسیم ہوتی چلی گئی ۔ سیاہ فام تحریک، شہری حقوق کی تحریکیں کمزور ہوئی اور ماحولیاتی نسائیت اور ہم جنس پرستوں کے حقوق کی مہمات سے نسائیت نے اپنی سمت کھو دی۔ آزادی نسواں کی تحریک نے معاشرے میں تبدیلی لائی، خواتین کا حق انتخاب، طلاق دینے کا اور بلا خطاء طلاق، حمل میں عورت کی ذاتی مرضی، جائیداد رکھنے کا حق اور مساوی بنیادوں پر اعلیٰ تعلیم، روزگار اور معاوضے کے حقوق تک رسائی حاصل کی۔ نسائی تحریکوں کے آغاز سے ابھی تک امریکہ، برطانیہ اور دیگر یورپی ممالک میں عورتوں کو کیا حقوق میسر ہو سکے ہیں اس کا جائزہ بذیل لیا گیا ہے۔

## پہلی لہر کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے حقوق

### امریکہ

۱۸۳۹ء میں امریکی ریاست میسی سیپی (Mississipi) نے عورت کو خاوند کی اجازت سے جائیداد رکھنے کا حق دیا۔ ۱۸۶۶ء میں کانگریس نے چودھویں ترمیم پاس کی اور آئین میں پہلی بار شہری اور ووٹر کی تعریف میں صرف مرد کو بیان کیا گیا۔ ۱۸۶۹ء میں امریکی ریاست وائیومنگ (Wyoming) میں عورت کا ووٹ منظور

[1] - Faye E. Dudden, "Women's Rights, Abolitionism, and Reform in Antebellum and Gilded Age America.", Oxford Research Encyclopedia of American History, Oxford University Publishing, June 2017

ہوا۔[1] ۱۸۷۰ء میں آئین کی پندرہویں ترمیم میں دُرستی کی گئی کہ کوئی بھی ریاست امریکی شہریوں کے ووٹ کے حق کو رنگ یا غلامی کی کسی صورت میں سلب نہیں کر سکتی۔ ۱۸۴۸ء میں شادی شدہ عورت کی جائیداد کے ایکٹ (Married Women's Property Act) منظور کرتے ہوئے شادی شدہ عورت کو جائیداد رکھنے اور کمائی کا محدود حق دیا۔ ۱۹۲۰ میں اُنیسویں ترمیم کی گئی کہ کوئی بھی ریاست امریکی شہریوں کے ووٹ کو جنس کی بنیاد پر سلب یا مسترد نہیں کر سکتی۔ اس ترمیم کے بعد عورت کو ووٹ دینے کا حق ملا۔[2]

**برطانیہ**

برطانیہ میں ۱۸۶۷ء میں لندن سوسائٹی فار وویمن سفر یج بنائی گئی جس نے عورت کے حق رائے دہی کی مہم شروع کی۔ ۱۸۷۰ میں شادی شدہ عورت کی جائیداد کا قانون منظور ہوا جس میں عورت کو جائیداد رکھنے کا حق دیا گیا۔ اس سے پہلے شادی شدہ عورت کی جائیداد اُس کے شوہر کے قبضے میں چلی جاتی تھی۔ طلاق کی صورت میں یہ جائیداد خاوند کے پاس رہتی تھی اس قانون نے شادی شدہ، کنواری، مطلقہ اور بیوہ کو جائیداد رکھنے کا حق دیا۔ ۱۸۸۸ء میں خواتین کی ٹریڈ یونین لیگ نے ٹریڈ یونین کانگریس میں مساوی تنخواہ کی پہلی قرارداد پیش کی۔ ماچس فیکٹری کی ۱۴۰۰ خواتین نے کم معاوضے اور خراب حالات کے خلاف ہڑتال کی۔ ۱۹۰۲ء میں شمالی انگلینڈ سے کپڑے کی صنعت سے تعلق رکھنے والی خواتین کے وفد نے ۳۷۰۰۰ خواتین کی دستخط شدہ درخواست پارلیمنٹ کو پیش کی، جس میں حق رائے دہی دیے جانے کا مطالبہ تھا۔ ۱۹۰۷ میں عورت کی اہلیت ایکٹ (Qualification of Women Act) کے تحت عورت کو قصبہ، ضلع اور شہر کی سطح پر الیکشن لڑنے کا حق دیا گیا۔ ۱۹۰۸ء میں ۲۵۰ لوگ ہائیڈ پارک لندن میں عورت کے ووٹ کے حق کے لیے اکٹھے ہوئے۔ ۱۹۰۹ء میں خواتین کارکنوں کی قومی وفاقی جماعت (The National Federation of Women Workers) اور دوسری خواتین تنظیموں نے مشقتی کاموں کے صحت پر خراب اثرات پر آگاہی مہم شروع کی۔ اس مہم نے لبرل حکومت کو متاثر کیا جس نے ٹریڈ بورڈز ایکٹ

---

1- Jean Hogarth Harvey Baker, *Votes for Women: The Struggle for Suffrage Revisited.* (New York: Oxford University Press, 2002), 87

2 -Cunnea, "Timeline of Women's Legal History in the United States", Periodicals: Law Journals, State Bar Publications, and Miscellaneous omen Practitioners, Harvard Law School Library, 1998

(Trade Boards Act) منظور کیا جس نے جسمانی مشقت کے شعبوں میں کم سے کم معاوضہ متعین کیا۔ یہ پہلا ایکٹ تھا جس نے خواتین کو فوقیت دی۔ (۱)

۱۹۱۲ء میں کیٹ اینڈ ماؤس ایکٹ (The Cat and Mouse Act) انگلینڈ میں لاگو ہوا جس کے تحت حکومت کو یہ اجازت دی گئی کہ وہ ووٹ کے حق کے لیے بھوک ہڑتال کرنے والی قیدی خواتین کو رہا کر دے اور جب اُن کی صحت بحال ہو جائے تو پھر گرفتار کرے۔ برطانیہ میں ۱۹۱۵ء میں خواتین کا پہلا تعلیمی ادارہ شمالی ویلز میں قائم ہوا۔ ۱۹۱۸ء میں تیس سال عمر کی عورت کو ووٹ کا حق ملا اور اسی سال عورت کی پارلیمانی اہلیت ایکٹ (The Parliamentary Qualification of Women Act) منظور ہوا جس نے عورت کو بطور ممبر منتخب ہونے کا حق دیا۔ ۱۹۲۰ء میں جنسی امتیاز کے خاتمے کا ایکٹ (The Sex Discrimination Removal Act) کے تحت عورت کو قانون اور محاسب کے شعبوں تک رسائی دی گئی۔ (۲)

**دیگر یورپی ممالک**

۱۸۵۰ء میں فرانس میں لڑکے اور لڑکی دونوں کو چرچ میں ثانوی تعلیم کی اجازت دی گئی۔ ہیٹی (Haiti) میں لڑکیوں کا پہلا سکول کھولا گیا اور آئس لینڈ میں وراثت میں مرد اور عورت کا مساوی قانون لاگو کیا گیا۔ ۱۸۵۱ء میں کینیڈا میں شادی شدہ عورت کو علیحدہ معیشت کا حق دیا گیا۔ ۱۸۵۳ء میں کولمبیا نے طلاق کو قانونی شکل دی گئی اور سویڈن میں عورتوں کے لیے پیشہ وارانہ سکولوں میں داخلے شروع کیے گئے۔ ۱۸۵۴ء میں ناروے میں جائیداد کی تقسیم میں مرد اور عورت کا مساوی حق تسلیم کیا گیا اور چلی (Chille) میں خواتین کا پہلا ایلیمنٹری سکول کھولا گیا۔ ۱۸۵۶ء میں ڈنمارک نے جائیداد میں عورت کو مساوی قرار دیا اور ۱۸۵۷ء میں غیر شادی شدہ عورت کا تجارتی سرگرمیوں میں حصہ لینا تسلیم کیا گیا اور نیدرلینڈ میں لڑکیوں کو بنیادی تعلیم کا حق دیا گیا جب کہ سپین میں بنیادی تعلیم لازمی قرار دی گئی۔ ۱۸۶۰ء میں ناروے کی خواتین کو دیہی سکولوں میں پڑھانے کی اجازت دی گئی جب کہ نیوزی لینڈ میں عورت کو جائیداد رکھنے کا حق دیا گیا۔ ۱۸۶۱ء میں سویڈن میں خواتین کی اعلیٰ تعلیم کے لیے اکیڈمی کھولی گئی اور دندان سازی کے شعبہ میں عورت کو ملازمت کی اجازت ملی۔ ۱۸۶۳ء میں ڈنمارک کے کالجوں میں لڑکیوں کے داخلے شروع کیے گئے۔ ۱۸۶۴ء میں سویڈن میں شوہروں پر پابندی عائد کی گئی کہ وہ اپنی بیویوں سے گالم گلوچ نہیں کر سکتے۔

---

1 -Rachel Tavernor, "Sisterhood and After: First Oral History Archive of the UK Women's Liberation Movement", University of Sussex , 2015

2 -Rachel Tavernor, "Sisterhood and After" 2015.

۱۸۶۵ء میں آئر لینڈ میں شادی شدہ عورت کی جائیداد کا ایکٹ لاگو ہوا۔ اور اٹلی میں عورت کی جائیداد کی تقسیم برابری اور طلاق کی صورت میں بچوں کا قانونی وارث تسلیم کیا گیا۔ (۱)

۱۸۶۶ء میں تجارتی شعبہ میں غیر شادی شدہ عورت کو مرد کے مساوی حقوق دیے گئے۔ ۱۸۶۷ء میں سوئزر لینڈ میں زیورک یونیورسٹی میں خواتین کو اعلیٰ تعلیم کی اجازت دی گئی۔ ۱۸۶۸ء میں کروشیا میں خواتین کا پہلا ہائی سکول کھولا گیا۔ ۱۸۶۹ء میں آسٹریلیا اور ہنگری میں پبلک سکول کے شعبہ میں خواتین کو ملازمت کی اجازت دی گئی۔ ۱۸۷۰ء میں سویڈش خواتین کو یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ملی جب کہ نیوزی لینڈ میں خواتین کے لیے یونیورسٹی تعلیم کی اجازت ۱۸۷۲ء میں دی گئی۔ ۱۸۷۲ء میں ڈومینین لینڈ ایکٹ کے تحت عورتوں کو خاوند کی اجازت کے بغیر زمین رکھنے کی اجازت دی گئی۔ سویڈن میں اہتمامی شادیوں (Arranged Marriages) پر پابندی عائد کر کے لڑکی کو یہ حق دیا گیا کہ وہ والدین اور خاندان کی اجازت کے بغیر جس سے مرضی ہے شادی کر سکتی ہے۔ جب کہ سوئزر لینڈ میں برن اور جنیوا میں خواتین کو یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ملی۔ ۱۸۷۴ء میں فرانس میں خواتین کو ٹریڈ یونین بنانے کی اجازت ملی۔ ۱۸۷۷ء میں چلی کی خواتین کو یونیورسٹی تعلیم کی اجازت دی گئی اور اٹلی میں عورت کو قانونی معاملات میں بطور گواہ ہونے کا حق ملا۔ ۱۸۷۸ء میں فن لینڈ میں مرد اور عورت کو وراثت میں برابری کا حق دیا گیا۔ ۱۸۸۳ء میں بیلجیم اور رومانیا میں خواتین کے لیے یونیورسٹیز کھولی گئیں۔ ۱۹۰۵ء میں ارجنٹینا اور آئس لینڈ میں لڑکیوں کے لیے تعلیمی ادارے قائم کیے گئے۔ ۱۹۰۶ء میں فن لینڈ کی عورت نے الیکشن میں حصّہ لینے کا حق حاصل کیا اور جرمنی میں خواتین کے لیے یونیورسٹیز کھولی گئیں۔ (۲)

## دوسری لہر کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے حقوق

### امریکہ

۱۹۲۱ء میں مساوی حقوق کی ترمیم کی تجویز پیش کی گئی جس میں تمام امریکی شہریوں کو بلا امتیاز جنس قانونی حقوق دینے، طلاق، جائیداد اور روزگار میں مساوی بنیادوں پر حقوق دیے جانے کا مطالبہ تھا۔ اس تجویز کے بعد سے

---

1 -Stefan Berger, Holger Nehring, *The History of Social Movements in Global Perspective*, (United Kingdom: Palgrave Macmillan, 2016) 72

2 - Susan Harding, "Family Reform Movements: Recent Feminism and Its Opposition", Feminist Studies Incorporation, vol .7, 1981

مرد اور عورت کی مساوی قانونی حیثیت پر بحث شروع ہوئی۔ ۱۹۲۳ء میں قومی عورتوں کی جماعت (National Women's Party) نے آئینی ترمیم کی تجویز پیش کی کہ مرد اور عورت کو ہر سطح پر برابری کا مقام دیا جائے۔ [۱]

۱۹۲۵ء میں کانگریس نے ایکٹ کے ذریعے مقامی امریکیوں کو انڈین سٹیزن شپ ایکٹ ووٹ کا حق دیا۔ جب کہ ۱۹۳۲ء کے نیشنل ریکوری ایکٹ میں ہر گھرانے میں سے صرف ایک فرد کو سرکاری ملازمت رکھنے کی پابندی عائد کی گئی جس کی بدولت خواتین کو سرکاری ملازمت چھوڑنا پڑی۔ [۲]

۱۹۳۷ء میں سپریم کورٹ نے واشنگٹن کو خواتین کی کم سے کم اجرت کے قوانین کو برقرار رکھا، جب کہ ۱۹۳۸ء میں فیئر لیبر سٹینڈرڈز ایکٹ (The Fair Labor Standards Act) کے تحت بلا امتیاز جنس کم سے کم معاوضے کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۶۳ء میں کانگریس نے مساوی تنخواہ ایکٹ (Equal Pay Act) منظور کرتے ہوئے بلا امتیاز رنگ، نسل، مذہب، قومیت اور جنس مساوی کام کے لیے مساوی معاوضہ کا قانون پاس کیا۔ جس سے عورت کو مرد کے مساوی کام میں مرد کے مساوی معاوضہ کا مطالبہ پورا ہوا۔ [۳]

۱۹۶۴ء میں سول رائٹس ایکٹ کی دفعہ سات منظور کرتے ہوئے روزگار میں رنگ، نسل، قومیت اور جنسی امتیاز پر پابندی عائد کی گئی۔ ۱۹۶۸ء میں ایگزیکٹیو آرڈر ۱۱۲۴۶ جاری کرتے ہوئے گورنمنٹ کنٹریکٹرز میں جنسی امتیاز پر پابندی عائد کی گئی۔ پبلک لاء میں دفعہ ۹ کے تحت تعلیمی اصلاحات کی گئی جس سے تعلیمی اداروں کے تمام پروگرامز میں جنسی امتیاز ہر طرح سے ختم کیا گیا۔ اس کے بعد لڑکیوں کو اُن شعبوں میں بھی تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا جن میں صرف لڑکوں کو داخلہ دیا جاتا تھا۔ [۴]

---

1 – Martha S. Jones, *All Bound Up Together: The Woman Question in African-American Public Culture, 1830–1900*, ( London: University of North Carolina Press, 2007), 97

2– Faye E. Dudden, "Women's Rights, Abolitionism, and Reform in Antebellum and Gilded Age America.", Oxford Research Encyclopedia of American History, Oxford University Publishing, June 2017

3 – Rosalyn Terborg Penn, *African-American Women in the Struggle for the Vote, 1850 – 1920*, ( Bloomington: Indiana University Press, 1998), 171.

4– Cunnea, "Timeline of Women's Legal History in the United States", 1998

## برطانیہ

۱۹۲۲ء میں جائیداد ایکٹ کے قانون نے جائیداد میں خاوند اور بیوی دونوں کو برابری کا حق دیا۔ ۱۹۲۳ء میں ازدواجی وجوہ ایکٹ (The Matrimonial Causes Act) نے طلاق دینے میں مرد اور عورت کو برابر کا حق دیا اور ووٹ دینے میں مرد اور عورت کو برابر تسلیم کیا گیا۔ ۱۹۴۱ء میں نیشنل سروس ایکٹ پاس کیا گیا جس کے تحت جنگ میں کام کرنے کے لیے ۲۰ سے ۳۰ سالہ غیر شادی شدہ خواتین کی فوج میں جبری بھرتیاں کی گئیں۔ ازاں بعد اس کی حد ۴۳ سال تک کی گئی جس میں شادی شدہ عورتیں بھی شامل کی گئیں صرف حاملہ اور بچوں والی عورتوں کو شامل نہیں کیا گیا۔ ۱۹۴۸ء میں قومی صحت کی سہولت (National Health Service) کے تحت تمام شہریوں کو حفظان صحت تک رسائی دی گئی۔ اس سے قبل صرف بیمہ شدہ مردوں کو یہ سہولت میسر تھی۔ ۱۹۵۶ء میں قانونی اصلاحات نافذ کی گئیں جن میں معلمات اور سول ملازمین مساوی تنخواہ کے اہل قرار دیے گئے۔[1]

۱۹۵۶ء میں جنسی جرائم کے ایکٹ (The Sexual Offences Act) کے تحت مخصوص معیارات مقرر کرتے ہوئے جنسی جرائم کی وضاحت کی گئی مثلاً ۱۶ سال سے کم عمر لڑکی کے ساتھ جنسی تعلق، بلا رضا جنسی تعلق، منشیات استعمال کر کے جنسی عمل اور مقعد سے جنسی عمل کرنا جرائم میں شامل کیے گئے۔ ۱۹۵۸ء میں ہم مرتبہ ایکٹ (The Peerages Act) کے تحت ہاؤس آف لارڈ میں خواتین کو شامل کیے جانے کی منظوری دی گئی۔ ۱۹۶۴ء میں شادی شدہ عورت کی جائیداد کے ایکٹ (The Married Women's Property Act) نے عورت کو یہ حق دیا کہ شوہر کی طرف سے دی گئی یا کسی الاونس سے جمع کی گئی رقم کا نصف بچت سکیم میں رہ سکتی ہے۔ ۱۹۶۷ء میں مانع حمل ادویات فیملی پلاننگ کلینکس کے ذریعے مہیا کی گئیں۔ نیشنل ہیلتھ سروس کے فیملی پلاننگ ایکٹ نے ازدواجی حیثیت سے قطع نظر مانع حمل ادویات اور مشورے فراہم کرنے کی اجازت دی۔ ۱۹۶۸ء میں مساوی معاوضے کا ایکٹ (The Equal Pay Act) پاس ہوا جس میں مساوی کام میں غیر مساوی معاوضے کی تقسیم کو غیر قانونی قرار دے کر عورت کو مساوی کام میں مساوی معاوضہ کا حق دیا۔ خواتین کو مساوی معاوضے کا حق ملا۔[2]

---

[1]- Natalie Thomlinson, *Race, Ethnicity and the Women's Movement in England, 1968-1993*, (United Kingdom: Palgrave Macmillan, 2016) 34.

[2]- Christine Stansell, *The Feminist Promise: 1792 to the Present.*, (New York: Modern Library, 2010), 76

### دیگر یورپی ممالک

۱۹۲۱ء میں بیلجیم کی عورت نے الیکشن میں حصّہ لینے کا حق حاصل کر لیا اور ۱۹۲۲ء میں بیلجیم میں عورت کو وکالت کے شعبہ میں آنے کی اجازت دی گئی۔ ۱۹۳۴ء میں برازیل کے آئین میں خواتین کو قانونی برابری، زچگی کی چھٹیاں اور عوامی شعبہ جات تک رسائی دی گئی جب کہ ہیٹی میں عورت کو ڈاکٹری کے شعبہ میں جانے کی اجازت ملی اور ترکی میں عورت کو الیکشن لڑنے کا حق ملا۔ ۱۹۶۵ء میں فرانس میں شادی شدہ عورت کو خاوند کی اجازت کے بغیر ملازمت کرنے کا حق دیا گیا جب کہ ۱۹۶۷ء میں فرانس نیوورتھ ایکٹ (The Neuwirth Act) کے تحت اسقاط حمل کی اجازت دی گئی۔[1]

## تیسری لہر کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے حقوق

### امریکہ

نسائی تحریک کی دوسری اور تیسری لہر کے درمیان امریکی خواتین کے لیے قانون سازی جاری رہی۔ ۱۹۷۴ء میں خواتین کی تعلیمی مساوات ایکٹ (The Women's Educational Equity Act) منظور کرتے ہوئے غیر جنسی تعلیم کے لیے تعلیمی مواد اور پروگرام شروع کرنے کے لیے فنڈز دیے گئے جس نے لڑکیوں کو مکمل تعلیمی مواقع مہیا کیے۔ ۱۹۷۸ء میں امتیاز حمل ایکٹ (The Pragnancy Discrimination Act) کے ذریعے ملازمت میں حاملہ خواتین سے امتیاز پر پابندی عائد کی گئی۔ ۱۹۷۸ء میں امریکی ریاست میسی سپی میں اُنیسویں ترمیم کو منظور کرتے ہوئے عورت کو ووٹ کا حق دیا گیا۔[2]

۱۹۹۳ء میں فیملی اینڈ میڈیکل لیو ایکٹ پر عمل درآمد ہوا۔ ۱۹۹۴ء میں کانگریس نے تعلیم میں جنسی مساوات کے ایکٹ کے تحت اساتذہ کو صنفی مساوات کی تربیت، لڑکیوں میں ریاضی اور سائنس کی تعلیم کے فروغ، کم عمر حاملہ خواتین سے مشاورت اور جنسی ایزادہی کو روکنے کے لیے استعمال کیا۔ ۱۹۹۴ء میں خواتین کے خلاف تشدد ایکٹ (Violence Against Women Act) کے تحت عصمت دری اور گھریلو تشدد پر جرمانے عائد کیے گئے۔ ۱۹۹۸ء میں سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ ملازمت گاہوں میں ہم جنس کو ہراساں کرنا جنسی ہراساں کرنے کے

---

1 - Stefan Berger, *Social Movements and the Change of Economic Elites in Europe after 1945*, (United Kingdom: Palgrave Macmillan, 2016) 66

2 - Brenda M. Eagles, *Mississippi Women: Their Histories, Their Lives*, Volume 2, ed. Martha H. Swain, (London: The University of Georgia Press, 2010), 154

زمرے میں آتا ہے۔ ایسے شخص (مرد یا عورت) کے خلاف سول رائٹس ایکٹ کے دفعہ سات کے تحت کارروائی کی جائے گی۔ ۱۹۹۸ء میں خواتین کے قانونی تحفظ کا فنڈ بھی قائم کیا گیا جس کا مقصد تعلیم، معیاری صحت اور دیکھ بھال اور ملازمت گاہوں کے مسائل پر عورتوں کی قانونی معاونت ہے۔ ۱۹۹۸ء میں سپریم کورٹ نے ورجینیا ملٹری اکیڈمی (جو ریاستی اکیڈمی تھی اور صرف مردوں تک محدود تھی) میں خواتین کو داخلہ نہ دیے جانے کو چودھویں ترمیم کی شق برائے تحفظ کی خلاف ورزی قرار دیا اور خواتین کو ملٹری اکیڈمی میں داخلہ دیے جانے کے احکامات جاری کیے۔[۱]

۲۰۰۵ء میں خواتین کے خلاف تشدد ایکٹ (Violence Against Women Act) نے تشدد کے نتیجہ میں متاثرہ عورت کے لیے امداد، بے گھر ہونے والی عورتوں کے لیے گھر، انصاف، اور گھریلو تشدد سے متاثرہ بچوں کی حفاظت کے لیے مداخلت پروگرام شروع کیا تھا۔ للی لیڈ بیٹر مناسب معاوضہ ایکٹ (The Lilly Ledbetter Fair Pay Act)[۲] ۲۰۰۹ء کے تحت خواتین کو یہ حق دیا کہ وہ غیر مساوی تنخواہ دینے والے مالک کے خلاف اپنی آخری تنخواہ کے ۱۸۰ دن بعد بھی شکایت کر سکتی ہے۔ ۲۰۱۰ء میں مقدور حفظان صحت ایکٹ (Affordable Health Care Act) قانون کا حصّہ بنایا گیا۔ جس کے تحت پرائیویٹ ہیلتھ انشورنس کمپنیوں کو پابند کیا گیا کہ وہ مشترک ادائیگی یا کٹوتی کے بغیر ضبط تولید فراہم کریں گی۔ ۲۰۱۳ء میں خواتین کے خلاف عدم تشدد ایکٹ میں نیا بل پاس کیا گیا جس میں مقامی امریکی قبیلائی عورت کو غیر امریکی قبیلائی اور ہم جنس پرستوں کے حملوں سے محفوظ رکھنے کی منظوری دی گی۔[۳]

**برطانیہ**

۱۹۷۴ء میں نیشنل ہیلتھ سروس کے ذریعے مانع حمل ادویات اور سہولیات دی گئیں۔ ۱۹۷۵ء میں جنسی امتیاز کے ایکٹ (The Sex Discrimination Act) نے روزگار، تعلیم و تربیت میں جنسی امتیاز کو غیر قانونی قرار

---

1- Lori D. Ginzberg, *Untidy Origins: A Story of Woman's Rights in Antebellum New York.*(London: University of North Carolina Press, 2005), 109

۲- للی لیڈ بیٹر (Lilly Ledbetter): مساوات نسواں کی حامی اور مصنفہ ہے۔ للی بیٹر، ایک کمپنی گڈ ایر ٹائر اور ربڑ کمپنی (Goodyear Tire & Rubber Co) میں بطور سپروائزر کام کرتی تھی۔ اس نے وہاں کے غیر مساوی معاوضہ کے خلاف سپریم کورٹ میں کیس دائر کیا اور جیت لیا۔ اس فیصلے کے بعد امریکی کانگریس نے مناسب معاوضہ ایکٹ منظور کیا اور اس ایکٹ کا نام للی لیڈ بیٹر کے نام پر رکھا۔

3 – Judith Wellman, *The Road to Seneca Falls: Elizabeth Cady Stanton and the First Woman's Rights Convention.*(Urbana: University of Illinois Press, 2004), 103

دیا۔ اور تحفظ روزگار ایکٹ (The Employment Protection Act) کے تحت زچگی کے لیے آئینی شق قائم کی گئی جس کے بعد حاملہ عورت کو ملازمت سے نکالنا غیر قانونی قرار دیا گیا۔ ۱۹۷۶ء میں عورت اور بچوں کو گھریلو تشدد سے محفوظ رکھنے کے لیے ازدواجی اقدام کا ایکٹ (Matrimonial Proceeding Act) متعارف کروایا گیا۔ اس ایکٹ کی منظوری سے اُن لوگوں کو نئے حقوق ملے جنہیں شہری تحفظ کے احکامات (Civil Protection Orders) سے گھریلو تشدد کا خطرہ لاحق تھا۔ ۱۹۷۷ء میں عصمت دری سے متاثرہ عورت کے لیے لندن میں "کرائسز سینٹر" (Crisis Centre) کھولا گیا۔ ۱۹۸۲ء میں عدالت عظمی (The Court of Appeal) نے شراب خانوں اور ڈانس کلبوں میں عورت کے کام کرنے پر پابندی ہٹادی۔ ۱۹۸۵ء میں مساوی معاوضہ ایکٹ (The Equal Pay Act) میں ترمیم کرکے مرد کے مساوی کام میں عورت کا مساوی معاوضہ کی منظوری دی گئی۔[1]

۱۹۸۵ء میں سیاہ فام ہم جنس پرست عورتوں کی کانفرنس منعقد ہوئی۔ عورتوں کے ختنہ کے خلاف مہم کے لیے عورت کی صحت کا قیام (The Foundation for Women's Health) کی تحقیق عورتوں کے ختنے کے خاتمے کے ایکٹ (Female Circumcision Act) کی بنیاد بنی۔ ۱۹۸۶ء میں جنسی امتیاز کے ایکٹ (The Sex Discrimination Act) میں ترمیم کی گئی جس کے تحت مرد اور عورت کی ملازمت سے ریٹائرمنٹ کی حد عمر برابر کردی گئی۔ اور فیکٹریوں میں عورت کی رات کی ڈیوٹی (Night Shift) پر پابندی ہٹادی گئی۔ ۱۹۸۸ء میں لوکل گورنمنٹ ایکٹ نے ہم جنس پرستی کی ارادی طور پر ترویج و تشہیر پر پابندی عائد کی جس کے بعد ہم جنس پرستوں اور خواتین کی تنظیموں نے احتجاج شروع کیا۔ ۱۹۹۰ء میں خواتین کے لیے آزادنہ ٹیکس متعارف کروایا گیا۔ ۱۹۹۴ء میں ازدواجی عصمت دری (Rape in Marriage) جرم قرار دیا گیا جس کے لیے خواتین تنظیموں کی پندرہ سالہ طویل جدوجہد کی تھی۔ ۱۹۹۸ء میں یورپی یونین نے انسانی حقوق ایکٹ (Human Rights Act) منظور کرتے ہوئے تمام شہریوں کو بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت فراہم کی۔ ۱۹۹۹ء میں فیملی اینڈ میڈیکل لیو ایکٹ (Family and Medical Leave Act) کے تحت دونوں والدین (مرد اور عورت) کو پانچ سال سے کم عمر بچوں کی دیکھ بھال کے لیے سالانہ تیرہ ہفتوں کی بلا تنخواہ چھٹی دیے جانے کا قانون منظور ہوا۔ تاکہ ماں باپ باری باری بچوں کی دیکھ بھال کرسکیں۔ ۲۰۰۱ء میں لندن پارٹنرشپ رجسٹر کا آغاز کیا گیا جس کے تحت ہم جنس پرست عورتوں (Lesbians) ہم جنس پرست مردوں (Gays) اور غیر شادی شدہ جوڑوں کی گھریلو شراکت داری کی اجازت

---

[1]- Jens Spath, *Does Generation Matter? Progressive Democratic Cultures in Western Europe*, 1945–1960 (United Kingdom: Palgrave Macmillan, 2016) 98

دی گئی۔ ہم جنس پرستوں کی قانونی شراکت داری کے لیے سولہ سال قبل تحریک شروع کی گئی تھی۔ ۲۰۰۳ء میں عورتوں کے ختنہ ایکٹ (Female Circumcision Act 1985) میں تبدیلی کر کے اسے (Female Genital Mutilation Act) کیا گیا جس میں عورتوں کے ختنہ کے خاتمے کے لیے برطانوی شہریوں پر پابندی عائد کی گئی کہ وہ بیرون ملک جن میں عورتوں کا ختنہ قانوناً جائز قرار دیا گیا ہو۔ اس کے خاتمے کے لیے کسی قسم کی کوئی اعانت اور مشاورت نہیں کر سکتے۔ (۱)

۲۰۰۵ء میں شہری شراکت داری ایکٹ (Civil Partnership Act) کے تحت ہم جنس جوڑوں کا قانونی اندراج شروع کیا گیا۔ ۲۰۱۰ء میں مساوات ایکٹ لاگو کیا گیا جس میں ۱۱۶ حقوق پر کی گئی قانون سازیوں کو ایک ایکٹ کی صورت میں اکٹھا کیا گیا۔ جس میں افراد کے حقوق کی ضمانت اور معاشرے میں مساوات قائم کرنے کا فریم ورک دیا گیا۔ اس ایکٹ کی خصوصیات میں عمر، معذوری، دوبارہ صنفی تفویض، شادی اور سول پارٹنرشپ، حمل اور زچگی، مذہب یا عقیدہ، جنس اور جنسی واقفیت کی بنیاد پر عدم مساوات اور امتیاز کا خاتمہ شامل ہیں۔ (۲)

**دیگر مغربی ممالک**

۱۹۷۳ء میں آئرلینڈ نے میرج بار (Marriage Bar) کے قانون کو ختم کر کے شادی شدہ عورت کو عوامی شعبہ میں کام کرنے کی اجازت دی۔ ۱۹۷۵ء میں سویڈن میں اسقاط حمل کا حق دیا گیا اور سپین میں پرمیزو میریٹل (Permiso Marital) کے قانون کو ختم کر کے شادی شدہ عورت کو خاوند کی اجازت کے بغیر کاروبار، ملازمت اور سفر کرنے کے علاوہ بلا اجازت شوہر جائیداد رکھنے کا بھی حق دیا۔ ۱۹۷۵ء میں ویل لاء (Veil Law) کے تحت اسقاط حمل کو قانونی قرار دیا گیا۔ ۱۹۸۷ء میں ارجنٹینا میں طلاق کو قانونی شکل دیتے ہوئے طلاق دینے میں مرد اور عورت دونوں کو مساوی حق دیا۔ ۱۹۹۷ء میں آسٹریلیا میں عورتوں کے ختنہ پر پابندی عائد کی گئی جب کہ جرمنی میں ازدواجی عصمت دری کو جرم قرار دیا گیا۔ (۳)

---

1 – *British Online Library*, "Timeline of the Women's Liberation Movement", accessed on 20 Nov 2017.

2 – Richard Keen, "Women in Parliament and Government", House of Commons Library Online, accessed on 20 Nov 2017

3 – Courtney Hoffberger, "Nineteenth Century Reform Movements: Women's Rights", *Center for History Education*, University of Maryland, Baltimore County, 2007, 6

تحریک نسواں کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے حقوق کے تاریخی و موضوعاتی جائزے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تحریک حقوق نسواں مختلف ادوار میں متنوع مطالبات کے ساتھ سامنے آتی رہی ہے۔ اوّلین مطالبات میں حق رائے دہی بنیادی مطالبہ رہا جب کہ طلاق کے قانونی حقوق، نسل پرستی (انسداد غلامی) اور سیاہ فاموں کے حقوق کے مطالبات بھی اس تحریک کے دوران اٹھائے گئے۔ تحریروں، مظاہروں، ریلیوں اور دھرنوں کی مہمات سے امریکہ، برطانیہ اور یورپ کے ممالک نے عورت کے بنیادی حقوق کے لیے قانون سازیاں کیں جب کہ دوسری لہر کے دوران سابقہ مطالبات سمیت دیگر مطالبات سامنے آئے جن میں شہری حقوق (تعلیمی، معاشی، قانونی) کے علاوہ جسمانی مثبتیت اور جنسی آزادی کے لیے مہمات شروع کی گئی۔ ان میں ماسوائے شہری حقوق کے باقی مطالبات شعوری طور پر کسی بھی طرح "حقوق" کے زمرے میں نہیں آتے بلکہ جنسی تسکین کے لیے ہر طرح کی آزادی حاصل کرنا نظر آتا ہے۔ دوسری لہر کے مطالبات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ تحریک صرف عورت کے حقوق کے لیے نہیں رہی کیوں کہ ہم جنس مرد (Gays)، مخنث (Transgender) اور دو جنس (Bisexual) رکھنے والے کسی بھی طرح "عورت" کی تعریف میں شامل نہیں ہو سکتے اور تیسری لہر کے دورانیہ میں عورت کے حقوق منظر عام سے غائب ہوتے گئے۔ ماحولیاتی، جسمانی و جنسی مثبتیت اور ہم جنس پرستی کے مطالبات نے عورت کے حقوق کی تحریک پر قابو پا کر اسے ایک ہی الگ ڈگر پر گامزن کر دیا۔ اپنے دوسرے دور سے ہی یہ تحریک عورت کے حقوق کی تحریک کے بجائے ہم جنس پرست مردوں، ہیجڑوں، دوجنسیوں کی جنسی تحریک ظاہر ہوتی ہے۔

# باب پنجم: حقوق نسواں کے بارے میں اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار کا تقابلی جائزہ

فصل اوّل: عائلی و ازدواجی حقوق کا جائزہ

فصل دوم: معاشی اور وراثتی حقوق کا جائزہ

فصل سوم: سماجی و سیاسی حقوق کا جائزہ

# فصل اوّل: عائلی وازدواجی حقوق کا تقابلی جائزہ

# فصل اوّل: عائلی وازدواجی حقوق کا تقابلی جائزہ

عائلی زندگی سب انسانی رشتوں کا باعث آغاز ہے۔ اس کائنات کی آبادی اور رونق انسان کے دم سے ہے اور انسان ایک مرد اور عورت پر مشتمل ایک چھوٹے خاندان کے اجتماع کے نتیجہ میں کائنات کا حصّہ بنتا ہے۔ اسلام میں عبادات کے بعد سب سے اہم شعبہ عائلی قوانین کا ہے ۔ مسلمانوں کے عائلی قوانین (Personal Law) (شریعت) ان کے دین کا ایک جزو ہے اور یہ مسلمانوں کی شناخت کی ایک واضح علامت ہیں۔ مسلمانوں کے عائلی قوانین قرآن وسنت اور فقہ سے ماخوذ ہیں، جن میں عورت کے حقوق کے بارے میں اسلام نے تفصیلی احکام دیئے ہیں۔ اسی طرح مغرب نے بھی حقوق نسواں کی تحریکوں کے نتیجہ میں ان نسائی افکار کے مطابق خواتین کے حقوق کے لیے قوانین تشکیل دے کر خواتین کے معروف حقوق کو قانونی تحفظ دیا۔ اسلامی تعلیمات اور مغربی نسائی افکار کے عکاس موجودہ قوانین میں کئی قدریں کسی حد تک مماثلت رکھتی ہیں جب کہ کئی متضاد قدریں پائی جاتی ہیں۔ اسلام اور مغرب اور اسلام کے عطاء کردہ حقوق میں کیا فرق ہے؟ اس کا مختصر و جامع جائزہ بذیل لیا گیا۔

### شادی کا حق

خاوند اور بیوی عائلی زندگی کے دو اہم فریق ہیں۔ جن میں رفاقت اور محبت نہ صرف باعث اطمینان ہے بلکہ نئی نسلوں کی جائے پناہ بھی ہے ۔ عائلی زندگی شادی سے وجود میں آتی ہے۔ عورت کی عائلی زندگی میں اسلام اور مغربی قوانین میں شادی کے حق میں مماثلت ہے۔ نسائیت کے افکار کے مطابق تشکیل دیے جانے والے عالمی مساوات اور انسانی حقوق کمیشن (Equality and Human Rights Commission) کے آرٹیکل ۱۲[۱] میں لڑکی کو شادی کرنے کا حق دیا گیا ہے۔[۲]

---

[1]-Artile 12, *Right to marriage*: Men and women of marriageable age shall have the right to marry and to found a family, according to national laws governing the exercise of this right.

[2]- Paul C. Glick, "The Family Life Cycle and Social Change", *National Council on Family Relations*, Vol. 38 (2), 1989, 129

جب کہ اسلامی تعلیمی اور موجودہ مغربی افکار میں شادی کے تصورات میں فرق ہے۔ مغربی معاشرے میں شادی کو ایک سماجی معاہدہ کی حیثیت حاصل ہونے کی بدولت اس کی کئی قسمیں وجود میں آچکی ہیں۔ جن کی بدولت ہم جنس شادیوں کو بھی سماجی طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ (۱)

شادی ایک سماجی یا رسمی طور پر تسلیم کردہ بندھن ہے جس میں زوجین (دو یا دو سے زائد افراد) (۲) کے درمیان حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ اُن کے حیاتیاتی یا لے پالک بچوں اور دوسرے رشتہ دار (جن سے شادی کی بناء پر تعلق قائم ہوا) کی ذمہ داریاں شامل ہوتی ہیں۔ (۳)

تاریخی اعتبار سے مغربی ممالک میں شادی کے قوانین میں کئی تبدیلیاں آئیں۔ شادی کے تصور میں تبدیلی فرانس سے شروع ہوئی جب ۱۶۲۹ء سے ۱۶۳۹ء کے دوران شادی میں والدین کی مرضی کی روایت کا اعادہ کیا گیا اور استبداری (Absolutist) ریاست نے یہ دعویٰ کیا کہ شادی ایک سماجی معاہدہ ہے نہ کہ مذہبی۔ (۴)

اسی سوچ کی بنیاد پر نسائی تحریکوں کے بعد مغرب میں خاندان کے تصورات میں تیزی سے تبدیلی آئی۔ جس نے شادی کی حیثیت اور مفہوم کی تشریح اپنے انداز میں کی جس کے نتیجہ میں شادی سے قبل جنسی خواہشات کو پورا کرنے، آزادانہ جنسی تعلقات قائم کرنے اور ہم جنس پرستوں کی شادیوں کو بھی قانونی تسلیم کیا گیا ہے۔ (۵)

---

1-John Witte, *From Sacrament to Contract: Marriage, Religion, and Law in the Western Tradition,* (United States: Presbyterian Publishing Corp, 2012), 215

2-Jack Goody, *Production and Reproduction: A Comparative Study of the Domestic Domain,* (Cambridge: Cambridge University Press, 1976), 8; Note: A no ethnocentric definition of marriage is a culturally sanctioned union between two or more people that establishes certain rights and obligations between the people, between them and their children, and between them and their in laws.

3-*International Encyclopedia of Marriage and Family,* 2nd Ed. Vol-1, s.v 'Marriage', Macmillan Reference USA, 2002

4-*Encyclopedia of European Social History, from 1350-2000* , s.v 'Courtship, Marriage, And Divorce', Charles Scribner's Sons

5- Paul C. Glick, "The Family Life Cycle and Social Change", 123.

نسائیت کی دوسری لہر کے ابتدائی دور میں نسائی ادب میں شادی کی شدید مخالفت کی گئی۔ ۱۹۲۹ء میں کیٹ میلٹ (Kate Millet) کی لکھی گئی کتاب جنسی سیاست (Sexual Politics) ، ۱۹۷۰ء میں جرمن گریر (Germaine Greer) کی لکھی گئی کتاب مخنث عورت (The Female Eunuch) اور جیسی برنارڈ (Jessie Bernard) [1] کی کتاب شادی کا مستقبل (The Future of Marriage)، اور شولامتھ فائرسٹون (Shulamith Firestone) [2] کی لکھی کتاب (جنس کا نفاذ: نسائی انقلاب کا مقدمہ The Dialectic of Sex: The Case for Feminist Revolution)، ۱۹۷۷ء میں میریلین فرنچ (Marilyn French) [3] کی لکھی گئی کتاب عورت کا مقام (The Women's Room) جیسی تحریروں میں شادی پر تنقید کی گئی۔ جس کے بعد مغربی معاشرے میں خواتین میں شادی کرنے کے رجحانات میں کمی آئی اور جنسی تسکین حاصل کرنے کے متبادل ذرائع ہم جنس پرستی کا رجحان بڑھتا چلا گیا۔ [4]

مغربی نسائیت کے افکار کے مطابق جنسی ضرورت پوری کرنا عورت کا حق ہے اور اس کے لیے اُسے کسی رشتے میں بندھ جانے کی ضرورت نہیں۔ مغربی معاشروں میں نسائی تصورات نے شادی پر شدید تنقید کی اور اسے عورت کی آزادی کے خلاف اور حقوق غصب کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا اور یہ تصور پیدا کیا کہ شادی عورت کو سماجی طور پر تنہا کر دیتی ہے۔ [5]

شادی حکومتوں کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے۔ شادی کی صورت میں قوانین کی پابندی سے ریاست کو نجی زندگی پر غیر معمولی اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ شادی کے قوانین ریاست کی طرف

---

[1]- جیسی برنارڈ (Jessie Bernard) (۱۹۰۳-۱۹۹۶): امریکی ماہر سماجیات، نسائی مفکر اور مصنفہ تھی۔

[2]- شولامتھ فائرسٹون (Shulamith Firestone) (۱۹۴۵-۲۰۱۲): کینیڈین نژاد امریکی انقلابی نسائیت پسند رہنما اور مصنفہ تھی۔

[3]- میریلین فرنچ (Marilyn French) (۱۹۲۹-۲۰۰۹) امریکی ریڈیکل نسائیت پسند اور مصنفہ تھی۔

[4]- Carole Pateman, Mary Lyndon Shanley, *Feminist Interpretations and Political Theory*, (Pennsylvania: State University Press, 1991), 139

[5]- Julie Bindel, "What if I never get married?", *The Guardian International*, 18 November 2015, 8

سے متعین کیے جاتے ہیں نہ کہ شادی کرنے والے جوڑے انہیں طے کرتے ہیں۔ ریاست ان قوانین میں شادی شدہ افراد کی مرضی کے بغیر کسی بھی وقت تبدیل کر سکتی ہے۔ (۱)

مارلین ڈکسن (Marlene Dixon) (۲) کے مطابق

"شادی خواتین پر ظلم برقرار رکھنے کا ذریعہ ہے" (۳)

اینڈریا ڈوَرکن (Andrea Dworkin) (۴) کہتی ہے

"شادی بطور ادارہ عصمت دری سے ترقی کرتے ہوئے سماجی روایت کی بنی ہے" (۵)

عورتوں کو شادی کے خلاف اُبھارنے کے لیے اسے پدرانہ نظام (Patriarchy) کا ایک ہتھکنڈہ ظاہر کیا گیا کہ پدرانہ نظام عورت کو شادی کے بندھن میں باندھ کر اس کا استحصال کرتا ہے۔ نسائیت پسندوں نے پدرانہ نظام کی تاریخی، قانونی اور سماجی ناہمواریوں کے تاریخی رجحان سے متاثر ہو کر شادی، خاندان اور طلاق پر تنقید کرتے ہوئے یہ تصور دیا کہ عورت کی آزادی شادی سے چھٹکارا حاصل کیے بغیر ممکن نہیں۔ (۶)

معروف نسائی رہنما کیتھی سارہ چائلڈ (Kathie Sarachild) (۷) لکھتی ہے

> We woman can use marriage as the "dictatorship of the proletariat" in the family revolution.When male supremacy is completely eliminated, marriage, like the state, will wither away. (8)

---

1-Sheila Jeffrey, "The Need to Abolish Marriage", *Feminism & Psychology* , May 2004, Department of Political Science, University of Melbourne, Parkville, Australia

۲- مارلین ڈکسن (Marlene Dixon) (۱۹۴۷-۲۰۰۸): امریکی ڈیموکریٹک ورکرز پارٹی کی بانی تھی۔ اور مارکسی نسائیت پسند تھی۔

3 -Anne Koedt, *Radical Feminism*, , (New York: Times Books, 1973), 220

۴- اینڈریا ڈوَرکن (Andrea Dworkin) (۱۹۴۶-۲۰۰۵): امریکی ریڈیکل نسائیت پسند اور مصنفہ تھی۔

5 - Andrea Dworkin, *Intercourse*, (New York: Simon & Schuster, 1987), 83

6 - Anne Koedt, *Radical Feminism*, 219

۷- کیتھی سارہ چائلڈ (Kathie Sarachild) (پیدائش ۱۹۴۳): اصل نام کیتھی اماٹنیک (Kathie Amatniek) امریکی مصنفہ اور انقلابی (Radical) نسائیت پسند ہے۔

8- Kathie Sarachild, "Hot and cold Flashes" *The Newletter*, Vol. I, No. 3, May 1, 1969.

ترجمہ: ہم خواتین خاندانی انقلاب میں شادی کو پرولتاری آمریت کے طور پر قبول کر سکتی ہیں۔ جب مرد کی بالادستی مکمل طور پر ختم ہو جائے تو شادی جس کی حیثیت ریاست کی طرح ہے کمزور ہو کر ختم ہو جائے گی۔

بنیاد پرست یا انقلابی نسائیت (Radical Feminism)شادی پر تنقید کرتی ہے کیوں کہ یہ عورت کو محکوم بنا دیتی ہے، نسائیت کے یہی تصورات آج موجودہ مغرب میں فروغ پا رہے ہیں۔ جب کہ اسلام مردوں اور عورتوں کے لیے شادی کی ترویج کرتا ہے۔ اسلام کے مطابق شادی ایک ایسا ادارہ ہے جس میں مرد اور عورت کی اپنے اپنے مخصوص حقوق و فرائض ہیں۔اسلام میں نکاح محض شہوت کی تکمیل نہیں بلکہ عورت کی عزت اور احترام اسی میں ہے کہ اسے رشتہ ازدواج میں منسلک کیا جائے نہ کہ بغیر نکاح کے شہوت کو پورا کیا جائے نہ ہی چھپی آشنائیاں بنائی جائیں۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر اس پیغام کو دوہرایا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ﴾[1]

ترجمہ: اُن کے سرپرستوں کی اجازت سے اُن کے ساتھ نکاح کر لو اور معرُوف طریقہ سے اُن کے مہر ادا کر دو، تاکہ وہ حصارِ نکاح میں محفوظ (مُحْصَنَات) ہو کر رہیں، آزاد شہوت رانی نہ کرتی پھریں اور نہ چوری چھپے آشنائیاں کریں۔

کتاب اللہ کی روشنی میں اللہ کا پیغام واضح ہو جاتا ہے کہ کسی بھی مرد کے لیے بغیر نکاح کے کسی عورت سے کسی قسم کا کوئی تعلق رکھنا جائز نہیں ہے۔ قرآن میں عورت سے ناجائز طریقے سے شہوت کی تکمیل کو زنا قرار دیا ہے اور اس کی سخت سزا مقرر کی ہے۔ اس لیے جدید پر فتن دور میں بنا نکاح کے آزادانہ طور پر مل جل کر رہنے کا جو رویہ جدید مغربی معاشرے میں فروغ پا رہا ہے اسلام کا خاندانی نظام اسے قبول نہیں کرتا اور مسلم اُمہ کو اپنے مضبوط نظام نکاح کے ذریعے عفت و عصمت میں پرو کر رکھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے شادی کے عمل کو بامقصد قرار دیتے ہوئے اس کی اہمیت و افادیت کو جا بجا بیان فرمایا

قرآن مجید نے اس طرح ازدواجی رشتے کو انسانی فطری تقاضوں کی تکمیل، باہمی محبت و مودت کا ذریعہ قرار دیا

---

[1] ۔سورۃ النساء:۴/۲۵

﴿وَمِنْ اٰيَاتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ [1]

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تا کہ اُن کی طرف آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں ان کی باتوں میں نشانیاں ہیں۔

جب کہ مغرب میں ایک طرف تو خاندان کے معنی کو تبدیل کیا گیا تو دوسری طرف خاندان کی نئی تعریفات اور تصورات نے خاندان کی اقسام میں بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ اب نہ صرف بغیر شادی اور نکاح کے مخالف جنس کے ساتھ رہنے والے بھی خاندان کہلواتے ہیں بلکہ ہم جنس پرستوں کی شادیوں کو قانونی حیثیت دے کر خاندان کا حصّہ بنایا جا رہا ہے۔ جنسی خواہشات کو حقوق کا نام دے کر ان کے لیے آواز بلند کی گئی جس پر مغربی ممالک میں عورت کو جنسی حقوق دیے گئے، جو کہ عقلی بنیادوں پر بھی کسی طرح حق معلوم نہیں ہوتے جب کہ مغرب میں انہیں حقوق تصور کرتے ہوئے قانون سازی کی گئی۔

**جنسی حقوق (اسقاط حمل، مانع حمل، ہم جنس پرستی)**

مغرب میں خواتین کو بااختیار بنانے اور ان کے حقوق کے تحفظ کے نعرے بلند ہوئے تو اس ازدواجی آبروریزی [2] کی اصطلاحات معرض وجود میں آئیں۔ آزادی کے نسائی تصورات کے نتیجہ میں جنسی تسکین کے لیے شادی کے بجائے آزادانہ جنسی تعلقات کا رجحان پیدا ہوا۔ شادی شدہ عورتوں نے بچوں کی پیدائش کو اپنی معاشی ترقی میں رکاوٹ سمجھا اور غیر شادی شدہ نے آزادانہ جنسی تعلقات کے نتیجہ میں ناجائز حمل کے مسائل سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اسقاط حمل کا حق مانگا۔ نسائیت پسندوں نے اسقاط حمل کے حق کے لیے برطانیہ میں ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۰ء کے درمیان تحریک شروع کی۔ برطانیہ میں اسقاط حمل کا ایکٹ (Abortion Act 1967) پاس ہوا جس میں عورتوں کو ہر طرح کے حمل کو ساقط کرنے کا حق دیا گیا۔ جب کہ امریکہ کی مختلف ریاستوں میں سن ۱۹۰۰ء سے اسقاط حمل کے خلاف قوانین رائج تھے، برطانیہ سے شروع ہونے والی اسقاط حمل کی تحریک ۱۹۶۰ء میں امریکہ میں

---

[1] ۔ سورۃ الروم: ۳۰/۲۱

[2] ۔ ازدواجی آبروریزی سے مراد شوہر کا اپنی بیوی یا بیوی کا اپنے شوہر کی مرضی کے بغیر مجامعت کرنا ہے۔ اس عمل کو خانگی تشدد اور جنسی زیادتی کی ایک قسم تصور کیا جاتا ہے۔ نسائیت کے افکار کے بعد ازدواجی آبروریزی کے خلاف آوازیں اٹھنے لگیں، کیونکہ دنیا کے اکثر ممالک میں خواتین اس جنسی تشدد کا زیادہ شکار تھیں۔ اگرچہ بہت سے ترقی یافتہ ملکوں میں قانونا اس فعل کو قابل سزا جرم تسلیم کر لیا گیا ہے تاہم بعض ممالک میں ابھی تک اسے قابل سزا جرم نہیں سمجھا جاتا اور نہ ہی اس فعل کے لیے کوئی قانون بنایا گیا ہے۔

شروع ہوئی اور ۱۹۷۳ء تک امریکہ کی کئی ریاستوں اور کینیڈا میں اسقاط حمل کو قانونی قرار دیتے ہوئے اجازت دی گئی۔ یورپ کے کئی ممالک میں خواتین کو اسقاط حمل کروانے کا حق حاصل ہے جب کہ آئرلینڈ، ارجنٹینیا اور نیدرلینڈ میں اسقاط حمل پر پابندی ہے، ان ممالک کی خواتین کو اسقاط حمل کا حق صرف سنگین طبی حالت کی صورت میں دیا گیا ہے۔[۱]

مانع حمل ادویات کی ایجاد سے خواتین کو اس فیصلے کا حق ملا کہ وہ کب حاملہ ہونا چاہیں گی اور کب نہیں۔ اس طرح انہیں سماجی طور پر یہ موقع بھی مل گیا کہ وہ اپنی شادیاں دیر سے کرنے اور پہلے اپنی تعلیم مکمل کرنے اور اپنی پیشہ ورانہ کامیابی کو یقینی بنانے کے فیصلے خود کر سکیں۔

اسلام میں بغیر شادی کے جنسی تعلق قائم کرنا صریحاً گناہ کبیرہ ہے۔ اور جائز رشتے میں بھی اسقاط حمل کروانا انسانی جان کا قتل کرنے کے مترادف ہے، عقلی طور پر بھی اسے 'حق' تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ جائز حمل کا اسقاط بھی فقہاء کے نزدیک صرف کسی شرعی عذر کی بنا پر انتہائی سنگین اور دشواری کی حالت میں اس کی اجازت ہے مثلاً کسی مہلک بیماری یا جان ضائع ہونے کے خطرہ کی صورت میں جائز ہو سکتا ہے۔[۲]

**نان نفقہ**

اسلامی تعلیمات اور مغربی قوانین دونوں میں دوسری مماثلت یہ ہے کہ عورت کو شادی (نکاح) کے حق کے ساتھ نان نفقہ کا حق بھی تسلیم کیا گیا ہے۔[۳] مغربی عائلی قوانین میں بھی نان نفقہ (Alimony or Aliment)[۴] کا تصور موجود ہے۔ مغرب میں نان نفقہ کا تصور ابتدائی طور پر سکاٹ لینڈ سے شروع ہوا، جسے دیگر ممالک نے بھی قانونی شکل دے کر اپنایا البتہ مختلف ممالک میں نان نفقہ کے نام مختلف ہیں۔ انگلینڈ، آئرلینڈ، نیدرلینڈ

---

1- United Nations Department of Economic and Social Affairs,"World Abortion Policies", New York: *DESA Population Division*, 2013.

۲۔ احکام الجنین فی الفقہ الاسلام، عمر بن محمد بن ابراہیم غانم، دار ابن حزم، بیروت، ۲۰۰۱، ص:۶۷؛ المنتقی شرح الموطاء، ابو الولید سلیمان بن خلف بن سعد بن ایوب بن وارث قرطبی، مطبعۃ السعادۃ، مصر، (س۔ن)، ص:۳۰۲

3-Harriet F. Pilpel and Theodora Zavin, *your marriage and the law,* (New York: Collier Books, 1964), 215

4-*Aliment* in Scots law and in other civil systems, is the sum of money paid, or allowance given in respect of the reciprocal obligation of parents and children, husband and wife, grandparents and grandchildren, to contribute to each other's maintenance.

، ویلز، میں اسے محافظت(Maintinance)، امریکہ اور کینیڈا میں اسے شریک حیات کی مدد (Spousal Support)اور آسٹریلیا میں شریک حیات کی محافظت (Spouse Maintenance) کہا جاتا ہے۔[1] جس کی مماثلت اسلامی تعلیمات میں نان نفقہ سے ہے یعنی شریک حیات کے لیے کھانے پینے اور رہنے کا بندوبست کرنا۔ اس طرح اسلام اور مغربی قوانین میں عورت کے نان نفقہ کا حق ایک متماثل قدر ہے۔

**تحفظ کا حق (عدم تشدد)**

تیسری قدر 'عدم تشدد کا حق' ہے جس میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ اسلامی تعلیمات اور مغربی قوانین میں عورت کو تشدد سے تحفظ کا حق دیا گیا ہے۔ ۱۹۷۹ء میں اقوام متحدہ کے کنونشن خواتین کے خلاف ہر قسم کے تشدد کے خاتمے (The Convention on the Elimination of All Forms of Discrimination against Women1979)اور ۱۹۹۳ء میں اقوام متحدہ کے خواتین کے خلاف تشدد کے خاتمہ کے اعلامیہ (Declaration on the Elimination of Violence Against Women 1993)کے بعد امریکہ سمیت دیگر مغربی ممالک نے گھریلو تشدد کے خلاف قوانین منظور کیے۔[2]

امریکہ میں ۱۹۹۴ء میں خواتین کے خلاف تشدد ایکٹ (Violence Against Women Act(VAWA) لاگو ہوا، جس میں سال ۲۰۰۰ء اور ۲۰۰۵ء میں تبدیلیاں کی گئیں[3] انگلینڈ میں فیملی لاء ایکٹ (Family Act 1996)میں ۲۰۰۴ء میں ترمیم کرتے ہوئے گھریلو تشدد جرم اور مظلوم ایکٹ (Domestic Violence Crime and Victims Act 2004) [4]منظور کیا گیا۔ جب کہ یورپی یونین میں ۱۹۹۸ سے خواتین پر تشدد کے خلاف مختلف ممالک میں قانون سازی کی تجاویز سامنے آئیں مگر مشترکہ پالیسی

---

1 -*Spousal Maintenance*, Family Court of Australia. 19 April 2016

2- United Nations Department of Public Information "Ending Impunity for Violence Against Women and Girls", *UNDPI*, 2010

3-*Encyclopaedia Britannica*, 8th ed., s.v "Violence against Women Act." Chicago: Encyclopaedia Britannica, 2009.

4-Domestic Violence, Crime and Victims Act 2004 (c. 28) Schedule 10: Minor and consequential amendments, *UK Stationery Office Limited*, 2004

ترتیب نہ دی جا سکی۔ اس سلسلے میں یورپی پارلیمنٹ میں نومبر ۲۰۰۹ء میں ایک قرارداد کے تحت خواتین کے خلاف ہر قسم کے تشدد کے خلاف قانون سازی عمل میں لائی گئی۔ (۱)

اسلام میں بیویوں پر ظلم و تشدد نہ کرنے کے صریح احکام دیے گئے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا

((لاَ تَضْرِبُوا إِمَاءَ اللَّهِ )) (۲)

ترجمہ: اللہ کی باندیوں (یعنی اپنی عورتوں) کو نہ مارو۔

ایک مرتبہ ایک صحابی نے آنحضرت ﷺ سے اپنی بیوی کی بد زبانی کی شکایت کی۔ آپؐ نے انھیں سمجھانے بجھانے کی کوشش کی اور فرمایا

((وَلاَ تَضْرِبْ ظَعِينَتَكَ كَضَرْبِكَ أُمَيَّتَكَ)) (۳)

ترجمہ: اپنی گھر والی کو اس طرح نہ مارو جس طرح اپنی لونڈی کو مارتے ہو۔

عہدِ نبوی میں ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے اپنی بیویوں کی پٹائی کر دی۔ عورتیں شوہروں کی شکایتیں لے کر ازواج مطہرات کے پاس پہنچنے لگیں۔ آپؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا

((لَيْسَ أُولَئِكَ بِخِيَارِكُمْ)) (۴)

ترجمہ: وہ لوگ (جو اپنی بیویوں سے بُرا برتاؤ کرتے ہیں) اچھے انسان نہیں ہیں۔

قرآن کریم میں عورتوں کو مارنے کے حکم کا تذکرہ کرتے ہوئے اس آیت کی غلط تعبیر کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اسلام نے عورتوں پر تشدد روا رکھا ہے۔ حالانکہ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ کا حکم بالکل واضح کرتا ہے کہ یہ حکم کن عورتوں کے لیے نازل ہوا۔

﴿ وَاللَّاتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾ (۵)

ترجمہ: اور جن عورتوں سے تمھیں سرکشی کا خطرہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور بستر میں انہیں جدا کر دو اور مارو

---

1- *European Commission*, "Elimination of violence against women, European Parliament resolution of 26 November 2009 on the elimination of violence against women"

۲ - سنن ابی داؤد، امام ابوداؤد، كِتَاب النِّكَاحِ، بَابٌ فِي ضَرْبِ النِّسَاءِ، حدیث: ۲۱۴۶، ص:۲/۲۴۵

۳ - سنن ابی داؤد، امام ابوداؤد، كِتَاب الطَّهَارَةِ، باب فِي الاسْتِنْثَارِ، حدیث: ۱۴۲، ص:۱/۳۵

۴ - سنن ابی داؤد، امام ابوداؤد، كِتَاب النِّكَاحِ، باب فِي ضَرْبِ النِّسَاءِ، حدیث: ۲۱۴۶، ص:۲/۲۴۵

۵- سورۃ النساء:۴/۳۴

آیت سے یہ بالکل واضح ہے کہ یہ حکم عام حالات سے متعلق اور عام عورتوں کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ان عورتوں سے ہے جو 'نشوز' [1] کا ارتکاب کریں۔

یہ بات بالکل عام فہم ہے کہ دُنیا کے کسی ادارہ میں اس کے سربراہ کے خلاف اس کے کسی ملازم کی سرکشی اور بغاوت کو برداشت نہیں کیا جاتا۔ کوئی ملازم اپنی ذمہ داری صحیح ڈھنگ سے نہ نبھائے، اپنے مفوضہ کام کو انجام نہ دے، ادارہ کا سربراہ اسے کوئی کام کرنے کو کہے یا کسی کام سے روکے تو اسے آنکھیں دکھائے اور بدزبانی پر اتر آئے تو اگلے ہی لمحے اس کے ہاتھ میں برخاستگی کا پروانہ تھمادیا جاتا ہے۔ یہی مظاہرہ اگر نظامِ خاندان میں کسی عورت کی طرف سے ہو تو وہ خود کو اس خاندان میں شامل رہنے کے حق سے محروم کرلیتی ہے، لیکن عورتوں کے معاملے میں اسلام کی نرمی کا مظہر یہ ہے کہ اس نے شوہروں کو تاکید کی کہ پہلے ہی مرحلے میں ایسی عورتوں کے خلاف انتہائی اقدام نہ کریں، بلکہ انھیں سمجھائیں بجھائیں، پھر بھی نہ مانیں تو ان سے نگاہِ التفات پھیرلیں، پھر بھی وہ اپنا رویہ نہ بدلیں تو انھیں بہت معمولی جسمانی سزادیں۔ سزا کا مقصد بیوی کی تادیب ہے، نہ کہ اس پر ظلم ڈھانا اور تشدد کرنا۔ اس لیے حدیث میں اس کی تشریح یہ کی گئی ہے کہ یہ سزا اتنی ہلکی ہو کہ اس کا جسم پر ہلکا سا بھی نشان ظاہر نہ ہو۔ بیویوں پر ظلم و تشدد اسلام کی نظر میں سخت ناپسندیدہ ہے۔

## خاندان کی سربراہی

اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار میں ایک تضاد خاندان کی سربراہی کا ہے۔ مغرب کے خاندانی نظام میں اکیسویں صدی میں مختلف عوامل کی بدولت کئی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں، پدرانہ نظام (Patriarchy) کے خلاف نسائیت پسندوں کی تحریک، تعلیم اور ذرائع ابلاغ کی وجہ سے خاندان کے جنسی کرداروں میں تبدیلی رونما ہوئی۔ اس سے قبل عورت کو گھر کی معمار (Homemaker) اور مرد کو گھر کا کفیل (Breadwinner) تصور کیا جاتا تھا۔ [2]

---

[1]- نشوز عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنیٰ ہیں۔ بلند ہونا۔ بیوی کے تعلق سے نشوز کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود کو شوہر سے بالاتر سمجھے، اس کا کہنا نہ مانے، شوہر کی ہدایت کی خلاف ورزی کرے اور اس سے نفرت کا اظہار کرے۔ ماہرینِ لغت اور مفسرین نے لفظ 'نشوز' کے ان معانی کی صراحت کی ہے۔

[2]-William F. Kenkel, "Traditional Family Ideology and Spousal Roles in Decision Making", *Marriage and Family Living*, Vol 2 .No. 04, 1959.; Mick Cunningham, "Changing Attitudes toward the Male Breadwinner, Female Homemaker Family Model: Influences of Women's Employment and Education over the Lifecourse",. *Social Forces*, Western Washington University,2008, 87.

جب کہ موجودہ مغربی معاشرتی نظام میں شوہر اور بیوی حقوق و فرائض میں برابر ہیں، بچوں کی پرورش اور گھر کے اخراجات کی ذمہ داری دونوں زوجین پر ہے، اور نظریہ جنسی مساوات کے تحت مرد اور عورت دونوں کو یکساں طور پر گھریلو اور خاندانی امور کے علاوہ اولاد پر خرچ کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔ (۱)

جب کہ اسلام نے بعض مصالح کے تحت نظامِ خاندان کی سربراہی مرد کو تفویض کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ (۲)

ترجمہ: مرد عورتوں کے سربراہ ہیں۔

یہی بات قرآن کریم میں سورۃ بقرہ میں مذکور ہے کہ

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ (۳)

ترجمہ: عورتوں کے لیے بھی معروف طریقہ پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں، البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔

مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ حاصل ہے کی آیات کے حوالے سے مغرب کی طرف سے بہت اعتراضات کیے جاتے ہیں کہ اسلام میں عورت کا درجہ باقاعدہ کم رکھا گیا ہے اور اسلام میں مردوں کو حاکمانہ اختیارات دیے گئے ہیں اور عورتوں کو ان کا محکوم بنا دیا گیا ہے، جس کے ثبوت میں درج بالا آیات کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ صرف زاویہ نظر کی بات ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا، اس نے بغیر فرق کے مرد اور عورت دونوں کی تکریم کی بات کی ہے اور فرق صرف تقویٰ کی کمی بیشی پر رکھا ہے۔ عورت یا مرد ہونے پر نہیں تو اس لیے تمام پس منظر کے ساتھ اگر آیت کو دیکھیں تو یہ اعلیٰ یا ادنیٰ

---

[1]-Marjorie DeVault, *Feeding the family: The social organization of caring as gendered work*. (Illinois: University of Chicago Press, 1994), 59; Marjorie DeVault. *Comfort and struggle: Emotion work in family life. The Annals of the American Academy of Political and Social Science*. (Illinois: University of Chicago Press, 1999; 561; Corrigall EA, Konrad AM. "Gender role attitudes and careers: A longitudinal study". *Sex Roles*. Volume 56, June 2007;56

[۲]-سورۃ النساء: ۴/۳۴

[۳]-سورۃ البقرہ: ۲/۲۲۸

درجے کی بات نہیں ہو رہی بلکہ ذمہ داری کے حوالے سے ذکر ہو رہا ہے کہ جب مرد کی یہ ذمہ داری لگائی گئی کہ وہ اس قیمتی مخلوق (عورت) کی حفاظت کرے تو اس حوالے سے مرد کو درجہ دیا گیا کہ اس بات کو تسلیم کیا جائے تا کہ صحیح طور پر حفاظت ہو سکے۔ لفظ 'قوام'[۱] کا ترجمہ عام طور پر 'حاکم' کیا جاتا ہے، حالاں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس آیت میں نہ کسی کی حاکمیت کی بات کی گئی ہے نہ کسی کی محکومیت کی۔ اس سے عورتوں کے حقوق کی نفی نہیں ہوتی، بلکہ محض ایک انتظامی ضرورت سے مردوں کی یک گونہ برتری کا اظہار ہوتا ہے۔

نظامِ خاندان میں شوہر اور بیوی کا تعلق حاکم اور محکوم کا نہیں ہوتا، بلکہ شوہر کی حیثیت نگرانِ اعلیٰ کی ہوتی ہے، جس کی ماتحتی میں بیوی اور بچے پوری آزادی سے اپنے کام انجام دیتے ہیں۔ شوہر انھیں تحفظ فراہم کرتا اور ان کی کفالت کرتا ہے۔ اس بنا پر ایک طرف عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی اطاعت کریں، ان کی ماتحتی میں اپنی سبکی محسوس نہ کریں، بلکہ ان کا کہنا مانیں اور سرتابی نہ کریں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَيۡبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ [۲]

ترجمہ: پس نیک عورتیں اطاعت شعار ہوتی ہیں اور (مردوں کے) پیچھے اللہ کی حفاظت میں (ان کے حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں۔

اور دوسری طرف مردوں کو تاکید کی گئی کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔ وہ ان کی خادمائیں نہیں ہیں، کہ ان کو اپنے سے کم تر سمجھیں اور ان پر ہر طرح کا ظلم و جور روا رکھیں، بلکہ ان کی زندگی کی رفیق ہیں۔ اس لیے محبت، ہم دردی اور شریفانہ برتاؤ کی مستحق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ﴾ [۳]

ترجمہ: اور ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔

---

۱۔ عربی زبان میں لفظ 'قام' کے ایک معنی نگرانی اور دیکھ بھال کرنے کے آتے ہیں۔ قوّام اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی ادارہ یا نظام کو صحیح طریقہ سے چلانے اور اس کی نگہبانی کرنے کا ذمہ دار ہو۔ مردوں کے عورتوں پر 'قوام' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کی حفاظت اور نگرانی کرنے والے، ان کی کفالت کرنے والے اور ضروریات پوری کرنے والے ہیں۔ (تفصیلی بحث باب دوم فصل اول میں عورت کے عائلی حقوق کی مبحث میں کی گئی ہے)

۲۔ سورہ النساء: ۴/ ۳۴

۳۔ سورۃ النساء: ۴/ ۱۹

اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا

((إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلاَقًا)) [۱]

ترجمہ: تم میں سے بہتر وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کریں۔

خاندان کی حیثیت ایک ادارہ کی ہے اور کسی ادارہ کے نظم وضبط کے ساتھ سرگرمیاں انجام دینے کے لیے یہ بھی ضروری ہے۔ کہ اس کا ایک سربراہ ہو، جو اس کے تمام کاموں کی نگرانی کرے اور ادارہ سے وابستہ دیگر افراد اس کی ماتحتی میں اپنے اپنے کام انجام دیں اور اس کے احکام وہدایات کی پابندی کریں۔ اگر ایک سے زائد افراد کو یکساں اختیارات کے ساتھ کسی ادارہ کا سربراہ بنا دیا جائے اور ہر ایک آزادانہ اپنا حکم چلائے تو اس ادارہ کے نظام کا درہم برہم ہو جانا یقینی ہے۔ اسلام نے اسی نقطہ نظر سے خاندان کی ذمہ داری مرد پر عائد کی ہے جب کہ مغربی خاندانی نظام میں ذمہ داریوں میں برابری نے خرابیاں پیدا کر دی ہیں۔

## خیارِ بلوغ کا حق

تاریخی اعتبار سے کم عمری میں لڑکیوں کی شادی کا رجحان تو تمام معاشروں میں عام تھا مگر اس شادی کو جاری رکھنے یا ختم کرنے کا اختیار ماسوائے اسلام کے کسی معاشرتی قانون نے عورت کو عطاء نہیں کیا۔ آج کی بین الاقوامی انسانی حقوق کی تنظیموں کے مطابق بچپن کی شادیاں بنیادی انسانی حقوق کی صریحاً خلاف ورزی ہیں۔ جب کہ تاریخی طور پر کم سنی کی شادی تمام معاشروں میں عام تھی جسے کوئی عیب، برائی یا جرم تصور نہیں کیا جاتا تھا۔ کم سنی میں بچوں خصوصاً لڑکیوں کی شادی کا رجحان پوری دُنیا میں نہ صرف روایتی طور پر موجود تھا، بلکہ قدیم یونانی تہذیب میں لڑکی کی جلد شادی کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ [۲]

جن معاشروں میں آج بھی بچیوں کی شادیاں جلد کی جاتی ہیں وہاں یہ تصور عام پایا جاتا ہے کہ خاندان کی عزت لڑکیوں کے دم سے ہے اس لیے انہیں آزادانہ نہیں گھومنا چاہیے۔ اسی لیے لڑکیوں کی شادی جلد کر دی جاتی ہے تاکہ کہیں وہ خاندان کی بدنامی کا باعث نہ بنیں۔ رسم ورواج کے علاوہ ایک اور وجہ والدین کی معاشی مجبوریاں بھی ہیں، چونکہ لڑکیاں کماؤ پوت نہیں ہوتیں اس لیے والدین ان کی موجودگی کو ایک بوجھ سمجھتے ہیں، انہیں ہمیشہ ان

---

۱ - صحیح مسلم، امام مسلم، کتاب الْفَضَائِلِ، بَابُ كَثْرَةِ حَيَائِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حدیث: ۲۳۲۱، ص:۴/ ۱۸۱۰

2 - Nancy H. Demand, *Birth, Death, and Motherhood in Classical Greece*, (Baltimore: Johns Hopkins University Press USA, 1994), 104

کے لیے ایک مرد کی تلاش رہتی ہے جو ان کا بوجھ اُٹھا سکے۔ مغرب میں کم سنی میں شادی کا رجحان بیسوی صدی تک عام رہا۔[1]

برطانیہ کا من لاء (Common Law) میں لڑکی کی شادی کی عمر دس (۱۰) سے بارہ (۱۲) سال مقرر تھی[2] لیکن جرائم بخلاف فرد ایکٹ (Offences Against the Person Act 1875) کے تحت برطانیہ اور آئرلینڈ میں بچیوں کی شادی کی عمر تیرہ (۱۳) سال کی گئی۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ۱۹۸۰ء تک کم عمر لڑکیوں کی شادی عام تھی، جب کہ ۱۸۸۰ء تک امریکہ میں لڑکی کی شادی کی عمر بارہ (۱۲) سال جب کہ ایک امریکی ریاست ڈیلاویئر (Delaware) میں لڑکی کی شادی کی عمر سات (۷) سال مقرر تھی۔[3]

اسلام نے نکاح کے معاملہ میں لڑکی کی رضامندی حاصل کرنا لازم قرار دے کر اُس کی عزت و تکریم بڑھائی۔ صحیح مسلم میں حدیث نبوی ﷺ ہے۔

((لَا تُنْكَحُ الأَيِّمُ حتّى تُسْتَأْمَرَ، وَلَا تُنْكَحُ البِكْرُ حتّى تُسْتأذَنَ))[4]

ترجمہ: شوہر دیدہ عورت کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس سے اجازت نہ لی جائے اور باکرہ کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس کا اِذن (رضامندی) نہ لیا جائے۔

اور ولی کی مرضی سے نابالغہ کے کیے گئے نکاح کو اسلام نے دُرست تسلیم کیا ہے۔

سورۃ الطلاق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

---

[1] - ۱۵۵۲ میں برطانیہ میں جان سمر فولڈ (John Somerford) اور جینی سمر فولڈ (Jane Somerford) کی شادی بالترتیب تین سال اور دو سال کی عمر میں ہوئی جسے ۱۵۶۴ میں جان سمر فولڈ نے بارہ سال کی عمر میں طلاق دے دی۔ اسی طرح امریکی ریاست ورجینیا میں ۱۶۸۹ میں میری ہیتھ وے (Mary Hathaway) کی شادی نو (۹) سال کی عمر میں ولیم ویلمز (William Williams) سے ہوئی۔ (See: The Columbia Encyclopedia, 6th ed)

[2]- Loretta Dolan, "Child marriage in sixteenth century northern England: the emotional undertones in the legal narratives," *Limina: A Journal of Historical and Cultural Studies*, No. 3, 2015. 20

[3]- Vern Bullough. *Encyclopedia of Children and Childhood in History and Society*, Vol. 1, ed. Paula S. Fass (New York: Thompson Gale, 2004), 47

[4]- صحیح مسلم، امام مسلم، كِتَابُ النِّكَاحِ، باب اسْتِئْذَانِ الثَّيِّبِ فِي النِّكَاحِ بِالنُّطْقِ وَالْبِكْرِ بِالسُّكُوتِ، حدیث: ۳۵۳۸، ص: ۱۴۰/۴

﴿وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ ﴾[۱]

ترجمہ: اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں ان کے معاملہ میں اگر تم لوگوں کو کوئی شک لاحق ہے تو (تمہیں معلوم ہو کہ) ان کی عدت تین مہینے ہے اور یہی حکم اُن کا ہے جنہیں ابھی حیض نہ آیا ہو۔

امام بخاری کہتے ہیں

" إنكاح الرجل ولده الصغار "[۲]

ترجمہ: آدمی اپنی نابالغ بچی کا نکاح کر سکتا ہے۔

اسلام نے بلوغت میں پہنچتے ہی لڑکی کی رضا کو مقدم قرار دیتے ہوئے اُسے خیار بلوغ کا حق عطاء کیا، اور کم عمری میں ولی کی مرضی سے (اگرچہ اس کا فیصلہ دُرست ہو) کی گئی شادی کو سن بلوغت میں پہنچتے ہی لڑکی کی مرضی سے مشروط کر دیا کہ لڑکی چاہے تو کم عمری (جس میں لڑکی اپنی مرضی کا اظہار نہ کر سکی) میں کیے گئے نکاح کو برقرار رکھے اور چاہے تو فسخ کر دے۔

سیدنا عبد الرحمن بن یزید بن جاریہؓ اور مجمع بن یزید بن جاریہؓ کہتے ہیں

((فَإِنَّ خَنْسَاءَ بِنْتَ خِذَامٍ أَنْكَحَهَا أَبُوهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَرَدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ)) [۳]

ترجمہ: خنساء بنت خذام انصاریہؓ کا نکاح ان کے والد نے کر دیا تھا جب کہ وہ اسے ناپسند کرتی تھی تو رسول ﷺ نے اس نکاح کو رد فرما دیا تھا۔

اور اگر ولی کا فیصلہ غلط ہو تو خیار بلوغ کا حق اُس وقت تک لڑکی کے پاس ہے جب تک ولی کا فیصلہ غلط ثابت نہ ہو۔ اس بارے میں ابن عابدین شامی کہتے ہیں

" (لم يعرف منهما سوء الاختيار مجانة و فسقًا و ان عرف لا يصح النكاح اتفاقًا"[۴]

---

[۱]- سورۃ الطلاق:٦۵/۴

[۲] - صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ النِّكَاحِ ،بَابُ إِنْكَاحِ الرَّجُلِ وَلَدَهُ الصِّغَارَ، حدیث:۳۹، ص:۵/۱۹۷۲

[۳] - صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ الحِيَلِ، بَابٌ فِي النِّكَاحِ، حدیث: ٦۹٦۹، ص:۹/۲۵

[۴] - رد المختار علی الدر المختار، ابن عابدین شامی، ص:۳/۷۳

ترجمہ: باپ دادا کے نکاح کرنے سے خیار بلوغ اس وقت ختم ہو گا جب ان سے لاپرواہی یا فسق کی وجہ سے غلط فیصلہ نہ ہو اور اگر غلط فیصلہ معلوم ہو جائے تو بالاتفاق نکاح غلط ہے۔

سب سے پہلے یہ اسلام ہی تھا جس نے آج سے چودہ سو سال قبل عورت کو یہ حق عطاء کیا کہ اُس کی زندگی کے سب اہم ترین فیصلے میں اُس کی مرضی شامل ہو۔ مغربی ممالک میں نسائیت پسندوں نے کم سنی میں لڑکیوں کی شادی کو انسانی حقوق کے منافی تصور کرتے ہوئے اس کے خلاف انیسوی صدی (سن ۱۸۰۰ء) میں تحریک شروع کی اور بالآخر ۱۹۲۰ء میں سن بلوغت (Age of Consent) بڑھا کر سولہ سے اٹھارہ (۱۶-۱۸) سال کی۔ اسی دور میں یورپی ممالک فرانس، ڈنمارک، سوئزرلینڈ، پرتگال اور دوسرے ممالک میں لڑکی کی شادی کی عمر بڑھا کر تیرہ (۱۳) سے سولہ (۱۶) سال مقرر کی گئی۔ [۱]

یو این ایف پی اے کی رپورٹ ۲۰۱۲ء کے مطابق

کم عمری کی شادی کو فروغ دینے والے عوامل میں غربت، اقتصادی بقاء کی حکمت عملی، صنفی عدم مساوات، جائیداد کے تنازعات کو حل کرنے، جنسیت پر قابو پانے، خاندان کی عزت کی حفاظت، روایتی و سماجی قوانین کا دباؤ، علاقائی رواج، رشتہ داروں کی ناراضگی، دولت، اور اضطراری حالات مثلاً جنگ، قحط، وبائی امراض شامل ہیں، جن کی وجہ سے کم عمری میں لڑکیوں کی شادی کی جاتی ہے۔ [۲]

موجودہ دور میں زیادہ تر ترقی یافتہ ممالک میں کم عمر لڑکیوں کی شادی کا رواج تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ جب کہ لاطینی امریکہ، افریقی ممالک (گیانا، نیگر، چاڈ اور میلی)، مغربی ایشیاء (مصر، یمن)، جنوب مشرقی ممالک (بنگلہ دیش، بھارت، پاکستان (خصوصاً قبائلی علاقے) میں کم عمر شادیوں کا رجحان جزوی طور پر موجود ہے جہاں اٹھارہ سال سے قبل لڑکیوں کی شادیاں کر دی جاتی ہیں۔ جب کہ یورپی ممالک میں بیلجیئم، اٹلی، اسپین اور برطانیہ میں ایسے قوانین

---

1-Hermann Heinrich Ploss, Max Bartels, Paul Bartels, Woman: *An Historical Gynæcological and Anthropological Compendium,* (England: Eric John Dingwall, 2014), 412

2- United Nations Population Fund, "Marrying too young: end child marriage", New York: UNFPA, 2012, 20

آج بھی موجود ہیں، جو مخصوص حالات میں اٹھارہ سال سے کم عمر افراد کی شادی کی اجازت دیتے ہیں۔ امریکہ میں آج بھی ۷ اریاستیں[۱] ایسی ہیں، جہاں شادی کی کم سے کم عمر متعین نہیں۔[۲]

پس یہ ثابت ہوتا ہے کہ کم سنی میں لڑکی کی شادی کا رجحان تو اسلام سے قبل سے موجود تھا اور اسلام کی آمد کے بعد آج بھی کئی مسلم اور غیر مسلم ممالک میں موجود ہے۔ اہل مغرب کے عالمی اداروں اور انسانی حقوق کی تنظیموں نے کم عمری میں شادی کی مذمت کی اور عالمی سطح پر کم سنی کی شادی خصوصاً لڑکیوں کی شادی کو قابلِ سزا جُرم کہا گیا۔ اہل مغرب کم سنی کی شادی کو اور اسے عورت کے ساتھ زیادتی تصور کرتے ہیں اور اس کا الزام اسلام پر تراشتے ہیں، جب کہ در حقیقت کم سنی کی شادی اسلام سے قبل ایک عام معاشرتی روایت تھی، جو آج بھی پوری دُنیا بشمول یورپ وامریکہ کئی ممالک میں موجود ہے۔ اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل عورت کو خیار بلوغ کا حق عطاء کرتے ہوئے لڑکی کو حق عطاء کیا، جب کہ حقوق کی دعویدار اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کمیشن (UNHRC) نے جبری شادی اور کم عمری میں شادی کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دیے جانے کی پہلی قرار داد سال ۲۰۱۳ء[۳] میں پیش تو کی مگر کم سنی میں کی گئی شادی کو برقرار رکھنے یا ختم کرنے کا کوئی اختیار خود لڑکی کو نہیں دیا۔

## طلاق کا حق

اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار میں عورت کو دیے گئے حقوق میں ایک تضاد عورت کا حقِ طلاق ہے۔ مغربی ممالک میں عورت کو طلاق دینے کا اختیار حاصل ہے۔[۴]

سب سے پہلے عورت کو طلاق دینے کے اختیار کا ذکر برطانیہ میں ۱۶۷۰ء میں ملتا ہے۔[۱] جب کہ اس کے بعد ۱۸۵۷ء میں ازدواجی وجوہ ایکٹ (The Matrimonial Causes Act 1857) میں عورت کو طلاق دیے

---

[۱]۔ ٹیکساس، نیواڈا، اوکلاہاما، ارکنساس، کیلیفورنیا، ٹینیسی، شمالی کیرولینا، کنٹیکی، میسوری، جارجیا، مونٹانا، انڈیانا، شمالی ڈکوٹا، اوہائیو، ورمونٹ، مغربی ورجینیاء۔

[2]- David Mcclendon And Aleksandra Sandstrom, “Child marriage is rare in the U.S., though this varies by state” *Pew Research Center.* 2016, 12

[3]-United Nations High Commissioner for Refugees, Girls Not Brides "States Adopt first ever resolution on child, early and forced marriage at Human Rights Council", *UNHCR Geneva*, (2013-09-27)

[4]-Phillips, Roderick. *Putting Asunder: A History of Divorce in Western Society*, (England: Cambridge University Press, 1988), 34

جانے کا اختیار حاصل ہوا۔ امریکہ میں عورت کو طلاق دینے کا حق نسائی تحریکوں کے نتیجہ میں حاصل ہوا، جب بلا وجہ طلاق (No Fault Divorce) پر ۱۹۷۰ء میں امریکی ریاست کیلیفورنیا (California) میں عدالت نے پابندی عائد کی، اور اس کے بعد ۱۹۸۷ء میں امریکہ میں طلاق کے قانون (Divorce Law) میں ترمیم کرتے ہوئے عورت کو حق طلاق دیا گیا۔[۲]

جب کہ اسلام میں طلاق کا حق صرف مرد کو دیا گیا ہے، عورت کو نہیں۔ عورت طلاق کے بجائے خلع[۳] کے ذریعے نکاح فسخ کروا سکتی ہے۔ ازدواجی مسائل کی صورت میں بیوی طلاق کا مطالبہ کرے گی۔ اگر شوہر مطالبہ طلاق پر طلاق دینے کے لیے راضی نہیں ہوتا تو بیوی عدالت یا پنچایت کے ذریعے علیحدگی کا مطالبہ کر سکتی ہے۔[۴]

سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾[۵]

ترجمہ: ان پر کوئی گناہ نہیں کہ بیوی (خود) کچھ بدلہ دے کر آزادی حاصل کر لے۔

عورت کو طلاق کا اختیار نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ عورت مرد کے مقابلے میں زود رنج، زود مشتعل اور جلد بازی میں جذباتی فیصلہ کرنے والی ہے، نیز عقل اور دور اندیشی میں کمزور ہے۔ عورت کو بھی حق طلاق دیے جانے کی صورت میں، یہ اہم رشتہ جو خاندان کے استحکام و بقاء اور اس کی حفاظت و صیانت کے لیے بڑا ضروری ہے انتہائی کمزور ہو جاتا۔ قرآن مجید کی صریح نص کے مطابق طلاق دینے کا اختیار مرد کا ہے۔

---

1- Parliament passed an Act dissolving the marriage of John Manners, 1st Duke of Rutland, and Lady Anne Pierrepoint.

2- Lenore J. Weitzman, *The Divorce Revolution: The Unexpected Social and Economic Consequences for Women and Children in America*, (New York: Free Press, 1985),

۳ - بیوی سے کچھ مال لے کر اس کا نکاح زائل کر دینا خلع کہلاتا ہے (سورۃ البقرہ ۲: /۲۲۹)

۴ - الحیلۃ الناجزہ: مظلوم عورتوں کی مشکلات کا شرعی حل، اشرف علی تھانوی، ترتیب مولانا خورشید حسن قاسمی، مکتبہ رضی دیوبند، انڈیا، ۲۰۰۵، ص: ۴۰

۵ - سورۃ البقرۃ: ۲/ ۲۲۹

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ ﴾[۱]

ترجمہ: (اے نبی) جب تم عورتوں کو طلاق دو۔

سورۃ کی ابتدا 'إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ' کے الفاظ سے ہوئی ہے۔ اس سے یہ بالکل عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا حکم مردوں کے لیے نازل فرمایا ہے۔ اور پھر سورۃ البقرہ میں ﴿الَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّكَاحِ﴾ (جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے) کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے

> یہاں 'بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ' کے الفاظ میں ایک اور نکتہ بھی ہے جو اس دور کے معاشرتی مفکروں اور مصلحتوں کو خاص طور پر نگاہ میں رکھنا چاہیے۔ وہ یہ کہ نکاح کی گرہ جس طرح مرد کے قبول سے بندھتی ہے، اسی طرح اسی کی طلاق سے کھلتی ہے، گویا یہ سررشتہ اصلاً شریعت نے مرد ہی کے اختیار میں رکھا ہے۔[۲]

یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ طلاق کا اختیار شریعت نے مرد کو دیا ہے۔ اِس کی وجہ بھی بالکل واضح ہے کہ عورت کی حفاظت اور کفالت کی ذمہ داری ہمیشہ سے مرد پر ہے اور اِس کی اہلیت بھی قدرت نے اُسے ہی دی ہے۔ قرآن نے اِسی بنا پر اُسے قوّام قرار دیا اور بقرہ میں ہی باصراحت فرمایا ہے کہ

﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾[۳]

ترجمہ: اور مردوں کو اُن پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے۔

مرد خاندان کا سربراہ ہے، پھر نان ونفقہ اور دوسرے اخراجات کی ذمہ داری بھی اُسی پر ہے، اِس لیے طلاق کا حق بھی اُسے ہی دیا گیا ہے۔ چنانچہ عورت اگر علیحدگی چاہے تو وہ طلاق دے گی نہیں، بلکہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے گی۔ عام حالات میں توقع یہی ہے کہ ہر شوہر نباہ کی کوئی صورت نہ پا کر یہ مطالبہ مان لے گا، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو عورت عدالت سے رجوع کر سکتی ہے جو شوہر کو طلاق دینے کا حکم دے گی یا فسخ نکاح کا فیصلہ کر دے گی۔ شوہر خود

---

[۱]۔سورۃ الطلاق:۱/۶۵

[۲]۔تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، ۲۰۰۹، ص:۱/۵۴۸

[۳]۔سورۃ البقرۃ:۲/۲۲۸

طلاق دے یا بیوی کے مطالبے پر اُسے علیحدہ کر دینے کا فیصلہ کرے، دونوں ہی صورتوں میں اِس کا طریقہ [1] قرآن میں بتایا گیا ہے۔

---

[1] ۔(۱)۔ طلاق عدت کے لحاظ سے دی جائے گی۔ یعنی بیوی کو فوراً علیحدہ کر دینے کے لیے طلاق دینا جائز نہیں ہے۔ یہ جب دی جائے گی، ایک متعین مدت کے پورا ہو جانے پر مفارقت کے ارادے سے دی جائے گی۔ عدت کا لفظ اصطلاح میں اس مدت کے لیے استعمال ہوتا ہے جس میں بیوی شوہر کی طرف سے طلاق یا اس کی وفات کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی۔ یہ مدت چونکہ اصلاً مقرر ہی اس لیے کی گئی ہے کہ عورت کے پیٹ کی صورت حال پوری طرح واضح ہو جائے، اس لیے ضروری ہے کہ بیوی کو حیض سے فراغت کے بعد اور اس سے زن و شو کا تعلق قائم کیے بغیر طلاق دی جائے۔ (۲)۔ عدت کا شمار پوری احتیاط کے ساتھ کرنا چاہیے۔ طلاق کا معاملہ نہایت نازک ہے، اس سے عورت اور مرد اور ان کی اولاد اور ان کے خاندان کے لیے بہت سے قانونی مسائل پیدا ہوتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ جب طلاق دی جائے تو اس کے وقت اور تاریخ کو یاد رکھا جائے اور یہ بھی یاد رکھا جائے کہ طلاق کے وقت عورت کی حالت کیا تھی، عدت کی ابتدا کس وقت ہوئی ہے، یہ کب تک باقی رہے گی اور کب ختم ہو جائے گی۔ (۳)۔ عدت کے پورا ہونے تک شوہر کو رجوع کا حق ہے۔ شوہر رجوع نہ کرے تو عدت کے پورا ہو جانے پر میاں بیوی کا رشتہ ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ خاتمے کو پہنچ رہی ہو تو شوہر کو فیصلہ کر لینا چاہیے کہ اسے بیوی کو روکنا ہے یا رخصت کر دینا ہے۔ دونوں ہی صورتوں میں اللہ کا حکم ہے کہ معاملہ معروف کے مطابق، یعنی بھلے طریقے سے کیا جائے۔ اس باب میں جو ہدایات خود قرآن میں دی گئی ہیں، وہ یہ ہیں: اولاً، بیوی کو کوئی مال، جائداد، زیورات اور ملبوسات وغیرہ، خواہ کتنی ہی مالیت کے ہوں، اگر تحفے کے طور پر دیے گئے ہیں تو ان کا واپس لینا جائز نہیں ہے۔ نان و نفقہ اور مہر تو عورت کا حق ہے، ان کے واپس لینے یا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کے علاوہ جو چیزیں دی گئی ہوں، ان کے بارے میں بھی قرآن کا حکم ہے کہ وہ ہرگز واپس نہیں لی جا سکتیں۔ اس سے دو صورتیں، البتہ مستثنیٰ ہیں: ایک یہ کہ میاں بیوی میں حدود الٰہی کے مطابق نباہ ممکن نہ رہے، معاشرے کے ارباب حل و عقد بھی یہی محسوس کریں، لیکن میاں صرف اس لیے طلاق دینے پر امادہ نہ ہو کہ اس کے دیے ہوئے اموال بھی ساتھ ہی جائیں گے تو بیوی یہ اموال یا ان کا کچھ حصہ واپس کر کے شوہر سے طلاق لے سکتی ہے۔ اس طرح کی صورت حال اگر کبھی پیدا ہو جائے تو شوہر کے لیے اسے لینا ممنوع نہیں ہے۔ دوسری یہ کہ بیوی کھلی ہوئی بدکاری کا ارتکاب کرے۔ اس سے میاں بیوی کے رشتے کی بنیاد ہی چونکہ منہدم ہو جاتی ہے، لہٰذا شوہر کے لیے جائز ہے کہ اس صورت میں وہ اپنا دیا ہوا مال اس سے واپس لے لے۔ ثانیاً، عورت کو ہاتھ لگانے اور اس کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دی جائے تو مہر کے معاملے میں شوہر پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن مہر مقرر ہو اور ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق کی نوبت پہنچ جائے تو مقررہ مہر کا نصف ادا کرنا ہو گا، الا یہ کہ عورت اپنی مرضی سے پورا چھوڑ دے یا مرد پورا ادا کر دے۔ ثالثاً، عورت کو کچھ سامان زندگی دے کر رخصت کیا جائے۔ قرآن نے اسے اللہ سے ڈرنے والوں اور احسان کا رویہ اختیار کرنے والوں پر ایک حق قرار دیا ہے۔ اس کی مقدار سوسائٹی کے دستور اور مرد کے معاشی حالات کی رعایت سے متعین کی جائے گی۔ طلاق اگر عورت کو ہاتھ لگائے بغیر یا مہر مقرر کیے بغیر بھی دی گئی ہے تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ حق ادا ہونا چاہیے۔ (۴)۔ عدت کے دوران میں شوہر رجوع کر لے تو عورت بدستور اس کی بیوی رہے گی۔ طلاق اور طلاق کے بعد رجوع کا یہ حق ہر شخص کو ایک رشتۂ نکاح میں دو مرتبہ حاصل

چنانچہ ذمہ داری کی نوعیت اور حفظ مراتب، دونوں کا تقاضا ہے کہ طلاق کا اختیار بھی شوہر ہی کو دیا جائے۔ خاندان کا ادارہ انسان کی ناگزیر ضرورت ہے۔ ذمہ داریوں کے فرق اور وصل و فصل کے یکساں اختیارات کے ساتھ جس طرح دنیا کا کوئی دوسرا ادارہ قائم نہیں رہ سکتا، اِسی طرح خاندان کا ادارہ بھی نہیں رہ سکتا۔

عقدِ نکاح کے بعد طلاق دینے کا بنیادی حق شوہر کو حاصل ہے اور اس کا یہ حق کبھی ختم نہیں ہوتا۔ شوہر اگر اپنی بیوی یا کسی اور فرد کو طلاق دینے کا اختیار سپرد (تفویض) کردے تب بھی شوہر کا حق برقرار رہتا ہے اور اسے یہ بھی اختیار ہوتا ہے کہ جب چاہے اس تفویض کردہ حقِ طلاق کو واپس لے لے۔ لیکن اگر اس کے واپس لینے سے پہلے حاملِ حق (جسے حقِ طلاق تفویض کیا گیا تھا) نے اس حق کو استعمال کر لیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر شوہر نے طلاق کا حق تفویض نہیں کیا تھا تو بیوی خود طلاق نہیں دے سکتی۔[1]

---

ہے۔ اس کے بعد یہ حق باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ ایک رشتۂ نکاح میں دو مرتبہ رجوع کے بعد تیسری مرتبہ پھر علیحدگی کی نوبت آگئی اور شوہر نے طلاق دے دی تو اس کے نتیجے میں عورت ہمیشہ کے لیے اس سے جدا ہو جائے گی، الا یہ کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ ہو اور وہ بھی اسے طلاق دے دے۔ (۵)۔ شوہر طلاق دے یا رجوع کرے، دونوں ہی صورتوں میں اسے چاہیے کہ اپنے اس فیصلے پر دو ثقہ مسلمانوں کو گواہ بنالے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ فریقین میں سے کوئی بعد میں کسی بات کا انکار نہ کرے اور اگر کوئی نزاع پیدا ہو تو اس کا فیصلہ اسانی کے ساتھ ہو جائے۔ (۶)۔ طلاق کی عدت عام حالات میں تین حیض اور حمل کی صورت میں وضع حمل ہے۔ عورت حیض سے مایوس ہو چکی ہو یا حیض کی عمر کو پہنچنے کے باوجود اسے حیض نہ ایا ہو تو یہ عدت تین مہینے ہوگی۔ عورت غیر مدخولہ ہو تو اس کے متعلق چونکہ حمل کا سوال پیدا نہیں ہوتا، اس لیے اس کی کوئی عدت بھی نہیں ہے۔ ثالثاً، زمانۂ عدت میں عورت اپنا حمل چھپانے کی کوشش نہیں کرے گی۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت سختی کے ساتھ اس کی تاکید فرمائی ہے، اس لیے کہ عدت کا حکم دیا ہی اس لیے گیا ہے کہ عورت کے حاملہ ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ ہو جائے۔ ۷۔ طلاق کے بعد بھی اگر طلاق دینے والا شوہر یہ چاہتا ہے کہ عورت اس کے بچے کو دودھ پلائے تو اسے دو سال تک یہ ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ عورت اس کے لیے امادہ ہو تو مرد اسے اس خدمت کا معاوضہ ادا کرے گا اور یہ معاوضہ باہمی مشورے سے اور بھلے طریقے سے طے کیا جائے گا۔ بچے کا باپ وفات پا چکا ہو تو بعینہٖ یہی پوزیشن مذکورہ ذمہ داریوں اور حقوق کے معاملے میں اس کے وارث کی ہوگی۔ فریقین یہ مدت کم بھی کر سکتے ہیں اور بچے کا باپ یا اس کے ورثہ ماں کی جگہ کسی اور عورت سے دودھ پلوانا چاہیں تو اس کی بھی اجازت ہے، بشرطیکہ اس کی ماں سے دینے دلانے کی جو قرارداد ہوئی ہے، وہ پوری کر دی جائے۔ ۸۔ طلاق کے بعد عورت کے کسی فیصلے میں رکاوٹ بننے کا حق پہلے شوہر کے لیے باقی نہیں رہتا۔ وہ جب چاہے اور جہاں چاہے، شادی کر سکتی ہے۔ اس کا یہ فیصلہ اگر دستور کے مطابق ہے تو اس پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ (امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، تفسیر سورۃ الطلاق: ۱-۷ /۶۵)

[1] -الحیلۃ الناجزہ: مظلوم عورتوں کی مشکلات کا شرعی حل، اشرف علی تھانوی، ص: ۳۹-۴۰

کیوں کہ عورت نے اپنی اور اپنے بچوں کی حفاظت و کفالت کے عوض اگر اپنے آپ کو کسی مرد کے سپرد کر دینے کا معاہدہ کر لیا ہے تو اُسے ختم کر دینے کا اختیار بھی اُس سے معاملہ کیے بغیر عورت کو نہیں دیا جا سکتا۔[۱]

طلاق کے بارے میں شریعت کا مزاج ہے کہ طلاق کسی وقتی منافرت اور عارضی اختلاف کی وجہ سے نہیں دینی چاہیے، بلکہ طلاق سے پہلے شریعت کی بتلائی ہوئی تدابیر اور ہدایات پر عمل کرنے کے بعد بھی اگر مسئلہ حل نہ ہو اور میاں بیوی دونوں کو اس کا یقین ہو کہ ہمارے لیے عافیت اور سلامتی جدائی ہی میں ہے، تو ایسی صورت میں سوجھ بوجھ اور باقاعدہ ہوش و حواس کے ساتھ طلاق دینی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ طلاق سے متعلق اسلام کے اِس معتدل اور عدل و انصاف پر مبنی فطری نظام میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ طلاق کا حق صرف شوہر کو کیوں دیا گیا، عورت کو کیوں نہیں دیا گیا۔ اسلام میں طلاق کا نظام عین عدل اور انصاف کے مطابق ہے، اُس نظام کو اگر اسی طرح برتا جائے، جیسا شریعت کا منشا ہے۔

اسلام نے شوہر کو طلاق کا اختیار اس لیے دیا تا کہ طلاق کم سے کم واقع ہو کیونکہ عورت جلد باز ہوتی ہے اور بسا اوقات بغیر سوچے کوئی فیصلہ کر لیتی ہے اور بعد میں اسے افسوس ہوتا ہے اور اس کے بالمقابل مرد نتیجے پر بھی غور کرتا ہے، اسی طرح خلع میں بھی عورت آزاد نہیں ہے بلکہ خلع کے صحیح ہونے کے لیے بھی شوہر کی رضامندی ضروری ہے۔ البتہ کبھی شوہر واقعی ظلم وزیادتی پر اتر آتا ہے، نہ تو وہ بیوی کو رکھ کر نان ونفقہ برداشت کرتا ہے اور نہ ہی اسے آزاد کرتا ہے ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ بیوی اپنا معاملہ عدالت میں لے جائے اگر عدالت تحقیق کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچ جاتی ہے کہ واقعی شوہر متعنّت ہے تو ان کو نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار ہو گا، لہذا صورت مسئولہ میں اگر شوہر طلاق کے لیے ایک خطیر رقم کا مطالبہ کرتا ہو اور بیوی کو رکھ کر اس کے نان ونفقہ کا انتظام نہ کرتا ہو تو بیوی کو چاہیے کہ اپنے مسئلے کو عدالت میں لے جا کر حل کرائے۔[۲]

حقِ طلاق اس لیے بھی مردوں کو دیا گیا کہ اُن کے اندر اللہ کی طرف سے ودیعت کی جانے والی بعض خصوصی صفات کی بناء پر عورتوں کی نسبت اس حق کو صحیح استعمال کرنے کی صلاحیت اور اہلیت زیادہ ہے، اسی لیے اگر کوئی مرد اس حق کا غلط استعمال کرتا ہے، تو شریعتِ اسلامی کی نگاہ میں وہ سخت مجرم اور نافرمان سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اُس نے صلاحیت اور اہلیت کے باوجود جان بوجھ کر اپنے حق سے غلط فائدہ اٹھایا۔[۳]

---

[۱] - تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، ص:۴۴۱

[۲] - الحیلۃ الناجزۃ: مظلوم عورتوں کی مشکلات کا شرعی حل، اشرف علی تھانوی، ص:۴۱

[۳] - الھدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی، علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل الفرغانی المرغینانی ابو الحسن برہان الدین، دار احیاء التراث العربی، بیروت، (س۔ن)، کتاب الطلاق، باب تفویض الطلاق، ص:۱/۲۳۸

لہٰذا طلاق دینے کا اختیار مرد کو دیا جانا مرد کے مزاج وطبیعت کے موافق ہے، اس کے بر خلاف عورت کو یہ اختیار ملنا خود اُس کی فطری شرم وحیا اور مزاج وطبیعت کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ اس حق کا صحیح استعمال کرنے کے لیے بہت سی اُن صفات کا ہونا ضروری ہے، جن صفات میں اللہ تعالی نے مردوں کو عورتوں کے مقابلے میں ایک گونہ فوقیت عطا فرمائی ہے، مثلاً: طاقت و قوت، جرأت وہمت، خود اعتمادی، دوسروں سے متاثر نہ ہونا، زبان پر قابو رکھنا، دُور اندیشی، جلد بازی اور جذباتیت سے بچنا۔ یہ اور ان کے علاوہ بہت سی صفات ہیں، جن میں اللہ تعالی نے مردوں کو عورتوں کے مقابلے میں عام طور پر فوقیت عطا فرمائی ہے، دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو بھی مردوں پر بہت سی صفات اور خوبیوں میں فوقیت عطا فرمائی ہے، مثلاً اُلفت ومحبت، رحم دلی اور نرمی، تحمل وبرداشت۔ مرد اور عورت کے اِس طبعی فرق کو ساری دنیا کے سمجھدار لوگ تسلیم کرتے ہیں اس لیے کہ نظامِ عالم کے متوازن طریقے پر چلنے کے لیے مرد اور عورت کے درمیان اس فطری فرق کا ہونا لازمی اور ضروری ہے۔[1]

---

[1]- تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، ص:۱/ ۵۴۹

# فصل دوم: معاشی اور وراثتی حقوق کا تقابلی جائزہ

# فصل دوم: معاشی اور وراثتی حقوق کا تقابلی جائزہ

مغرب میں نسائیت کے افکار کے مطابق عورت کو بھی مرد کے مساوی معاشی سرگرمیوں میں حصّہ لینے کا اُتنا ہی حق حاصل ہے جتنا کہ مرد کو، کیوں کہ نسائیت کے نزدیک مرد کی بالادستی کی بنیادی وجہ عورت کی کمزور معاشی حالت ہے۔ عورت کی آزادی کے لیے بنیادی چیز اس کی معاشی خود مختاری ہے، یعنی جب تک عورت معاشی طور پر خود کفیل نہیں ہوگی اسے مرد کی بالادستی سے چھٹکارا نہیں مل سکتا۔ نسائیت روزگار کے تمام شعبوں میں بلا امتیاز جنس خواتین کو مردوں کے مساوی حیثیت دینے کا مطالبہ کرتی ہے۔ ملازمت میں مساوات ہی نسائی تحریک کا وہ نقطہ تھا جو نسائی افکار کے فروغ کا باعث بنا، جس کے لیے خواتین نے سیاسی جدوجہد شروع کی اور ملازمت میں بلا امتیاز جنس یکساں مواقع کے قوانین منظور کروائے اور آج مغرب میں معاش کی ذمہ داری میں مرد اور عورت برابر ہیں۔ فیکٹریوں، کارخانوں، دفاتر غرض معاش کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جہاں عورت اور مرد یکساں طور پر دکھائی نہ دیتے ہوں۔ مساوات کے قوانین کے تحت دونوں پر کمانے اور گھر کے خرچ کی ذمہ داری عائد ہے۔[1]

جب کہ اسلام میں عائلی زندگی میں عورت پر کمانے کا بوجھ نہیں ڈالا گیا ہے اور اہل خاندان کی مالی ضروریات پوری کرنے اور ان کے مصارف کا بار اٹھانے کی ذمہ داری مرد پر عائد کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾[2]

ترجمہ: مرد عورتوں پر حاکم (سربراہ، ذمہ دار، کفیل) ہیں اس لیے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس لیے کہ انہوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔

عورت کا حقیقی دائرہ کار اس کا گھر ہے جہاں وہ بچوں کی نگہداشت اور تعلیم و تربیت کے فرائض سرانجام دیتی ہے۔ اس لیے عورت کو فکر معاش سے آزاد کیا گیا ہے، عام حالات میں اس پر دوسروں کی فکر تو کیا بلکہ اپنی ذمہ داری سے بھی سبکدوش ہے۔ نہ صرف اسلام میں تو عورت کی معاشی ذمہ داری مرد کے ذمہ ہے بلکہ خود مغربی قوانین میں بھی عورت کی کفالت مرد کے ذمہ ہونے کے شواہد موجود ہیں، مثلاً برطانوی قانون مشترک (Common

---

[1] – Rosemarie Tong, *Feminist Thought: A More Comprehensive Introduction*, 23

[2] ۔ سورۃ النساء ۴/ ۳۴

(Law)میں بیوی کی کفالت شوہر کے ذمہ تھی جسے مساوات ایکٹ ۲۰۱۰ (Equality Act 2010)میں ختم کیا گیا۔[1]

نسائی افکار کے نقطہ نظر سے اسلام کا یہ حکم عورتوں کو کلی طور پر مردوں کی دست نگر اور محتاج بنادیتا ہے اور گھر بیٹھے رہنے سے ان کی صلاحتیں پژمردہ کرنے کے مترادف ہے لیکن حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ عورتوں پر زیادتی اور ان کے حقوق کی حق تلفی نہیں، بلکہ ان کا اعزاز ہے۔ اسلام نے نظامِ خاندان میں کاموں کی جو تقسیم کی ہے اس کا تقاضا ہے کہ عورت داخلی محاذ کی تقویت اور استحکام کے لیے یکسو اور فارغ رہے۔ کسبِ معاش کی جدوجہد میں لگنے سے اس کی یک سوئی میں خلل آسکتا تھا۔ اس لیے اس کو اس سے آزاد رکھا گیا اور خاندان کے جملہ مصارف پورا کرنے کی ذمہ داری مرد پر عائد کی گئی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورت کی معاشی جدوجہد اسلام کی نظر میں ہر حال میں ناپسندیدہ ہے۔ بعض ایسی صورتیں ہو سکتی ہیں کہ اسے کسبِ معاش میں سرگرداں ہونا پڑے۔ مثلاً باپ کا انتقال ہو جائے اور بچوں کی کفالت کرنے والی صرف ماں ہو، باپ تنگ دست ہو اور جو کچھ کماتا ہو اس سے بچوں کے جملہ مصارف نہ پورے ہوتے ہوں، یا شوہر بیمار ہو کر کسبِ معاش سے عاجز ہو جائے، یا اس کی کمائی سے گھر کے مصارف جیسے تیسے پورے ہو جاتے ہوں، لیکن بیوی کے ہاتھ بٹانے سے گھر میں خوش حالی آسکتی ہو، اس کے علاوہ اور بھی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ بہر حال چند شرائط کے ساتھ شریعت میں عورت کو کسب معاش کی اجازت دی گئی ہے:

اوّل یہ کہ عورت کی معاشی جدوجہد کے لیے شوہر کی اجازت ضروری ہے۔ اس کی مرضی کے بغیر یا اس کی مخالفت کے باوجود عورت کے لیے کسبِ معاش کی کوئی کوشش روا نہیں۔

دوم یہ کہ شریعت میں عورتوں کے لیے حجاب کے احکام دیے گئے ہیں اور اجنبی مردوں اور عورتوں کے درمیان خلوت سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ رسول ﷺ کا ارشاد ہے

((أَلَا لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ))[2]

ترجمہ: کوئی اجنبی مرد اور عورت تنہائی میں ملتے ہیں تو ان کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

اس لیے عورت کوئی ایسا کام ہی کرسکتی ہے جس میں ان احکامِ شریعت کی رعایت ہو۔ بہر حال عورت کے معاشی جدوجہد میں لگنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ نظامِ خاندان میں اس کی اصل ذمہ داریاں تو نہیں متاثر ہو رہی

---

1- William Blackstone. "Commentaries on the Laws of England (1765-1769)", *Lonang Institute*. 2017; Equality Act 2010". *UK Government Legislation*

۲ - سنن ترمذی، امام ترمذی، أَبْوَابُ الرَّضَاعِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الدُّخُولِ عَلَى المغِيبَاتِ، حدیث: ۱۱۷۱، ص:۳/۴۶۶

ہیں۔جب کہ مغربی افکار میں عورت ہر طرح معاشی سرگرمی میں حصّہ لینے کے حق کا مطالبہ کرتی ہے۔عدالت اور فوج میں شمولیت بھی عورت کا معاشی حق تصور کیا جاتا ہے۔اور اس حق کے لیے باقاعدہ مہم جوئی کر کے عدلیہ اور فوج میں عورتوں نے ملازمتیں حاصل کیں۔[۱]

جب کہ اسلامی تعلیمات میں ان شعبوں میں عورت کو فائز نہ کرنے کے بارے میں کیا حکمت پوشیدہ ہے ، اس کی بحث بذیل ہے۔

**عورت اور منصب قضاء**

اسلام میں عدل و انصاف کو بڑا اہم مقام حاصل ہے۔اس کے قوانین چاہے معاشیات سے متعلق ہوں یا حقوق سے ،اسلام ہر جگہ عدل و انصاف اور برابری کا درس دیتا ہے۔ نفاذ اسلام کے لیے عدل وانصاف کی اتنی ہی ضرورت پڑتی ہے۔کیوں کہ قیام عدل کے بغیر اسلامی نظام کا کوئی بھی جز صحیح صورت میں نشو و نما نہیں پا سکتا۔اگر معاشرہ عدل و انصاف سے عاری ہو تو وہ صالح معاشرہ نہیں ہو سکتا،ہاں ظلم و جبر کی آماجگاہ ضرور بن سکتا ہے۔عدل و انصاف ہی تمام نیکی و محاسن کی اساس ہے۔

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ ﴾[۲]

ترجمہ: اللہ تمہیں عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔

اس آیت میں اللہ رب العزت نے مطلقاً عدل وانصاف کا حکم دیا اور عدل کا ایک عام حکم نازل فرمایا ہے۔عدل سے مراد یہاں عدل مطلق ہے، جس میں فرد بھی شامل ہے اور معاشرہ بھی۔یعنی ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی خاص مقام اور کسی خاص جگہ کے لیے اور کسی خاص انسان کے لیے ہی یہ حکم نازل فرمایا ہے،بلکہ مقصود یہ ہے کہ انصاف زندگی کے ہر شعبے میں ہو۔بادشاہ اپنی رعایا کے ساتھ انصاف کرے اور رعایا اپنے بادشاہ کے ساتھ ،مالک اپنے ملازم کے ساتھ انصاف کرے اور ملازم مالک کے ساتھ، آقا غلام کے ساتھ انصاف کرے اور غلام آقا کے ساتھ، استاد اپنے طالب علم کے ساتھ انصاف کرے اور طالب علم اپنے استاذ کے ساتھ ، والدین اپنی اولاد کے ساتھ انصاف کرے اور اولاد ماں باپ کے ساتھ ،شوہر بیوی کے ساتھ انصاف کرے اور بیوی شوہر کے ساتھ عدل کرے۔

---

1- *Daily Norfolk News USA* "Women in the military", 8 June 2013

۲-سورۃ النحل:۱۶/ ۹۰

اسی طرح سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ انصاف کے لیے فرماتے ہیں

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَى أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ [۱]

ترجمہ: اے ایمان والو انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لیے سچی گواہی دو، خواہ اس میں تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے، یا فقیر، تو خدا ان کا خیر خواہ ہے تو تم خواہشِ نفس کے پیچھے چل کر عدل و انصاف کو نہ چھوڑ دینا اگر تم پیچ دار شہادت دو گے یا شہادت سے بچنا چاہو گے، تو جان لو خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

اس آیت میں ایمان والوں سے مراد مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ہیں۔ اور یہ حکم کہ انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لیے سچی گواہی دو، مرد اور عورت دونوں کے لیے یکساں ہے۔ اور یہ بھی حکم کہ 'تم خواہش کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا' مسلمان مرد اور عورت دونوں کے لیے ہے۔

عدل کو نہ چھوڑنے کا صاف مطلب ہے کہ جب تم فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ یہاں فیصلہ کرنے والا مرد بھی ہو سکتا ہے اور عورت بھی ہو سکتی ہے، یہ حکم دونوں کے لیے ہے۔

علامہ کاسانی (وفات ۱۱۹۱ء) نے قاضی بننے کے لیے جو شرائط مرتب کی ہیں، وہ یہ ہیں۔

قاضی کے عہدے کے لیے عاقل ہونا۔ بالغ ہونا۔ مسلمان ہونا۔ آزاد ہونا (یعنی غلام نہ ہو)۔ قوت گویائی کا حامل ہونا ضروری ہے (یعنی گونگا نہ ہو)۔ بد چلن اور سزا یافتہ نہ ہو۔ [۲]

قاضی بننے میں جو رکاوٹیں ہیں ان میں کسی انسان کا پاگل ہونا۔ بچہ ہونا۔ غلام ہونا۔ غیر مسلم ہونا اور بد چلنی کے الزام میں سزا یافتہ ہونے کا تذکرہ ملتا ہے۔ یعنی جس انسان میں یہ خامیاں موجود ہوں وہ جج یا قاضی نہیں بن سکتا۔ بصورت دیگر ہر مسلمان مرد و عورت جس میں مندرجہ بالا اہلیت موجود ہو، قاضی بن سکتا ہے یا بن سکتی ہے۔

ابو الحسین علی الماوردی عورتوں کو اس منصب پر فائز کرنا مناسب تصور نہیں کرتے۔ سیّد مودودی کی رائے بھی یہی ہے۔ [۳]

---

[۱]- سورۃ النساء: ۴/ ۱۳۵

[۲]- بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، علاء الدین، ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی، دار لکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۶ھ، ص: ۱۶۰

[۳] - اسلامی ریاست، سید ابو اعلیٰ مودودی، ص: ۳۴۵

فقہ حنفی کے ایک مشہور عالم شیخ الاسلام علامہ خیر الدین رملیؒ [1] نے نہایۃ المحتاج فی شرح المنہاج میں عورت کے قاضی بننے کے بارے میں تفصیل سے بات کی ہے، وہ لکھتے ہیں

"وَلَوْ ابْتُلِيَ النَّاسُ بِوِلَايَةِ امْرَأَةٍ أَوْ قِنٍّ أَوْ أَعْمَى فِيمَا يَضْبِطُهُ نَفَذَ قَضَاؤُهُ لِلضَّرُورَةِ" [2]

ترجمہ: اگر لوگ عورت یا غلام یا اندھے کے ان معاملوں میں قاضی بنانے کی آزمائش میں ڈالے جائیں جن میں ان کا حکم چلتا ہے۔ تو ضرورت کے تحت اس کے فیصلہ کو جاری کیا جائے گا۔

اسی طرح دوسری عبارت (جو شرائط القاضی کے تحت ذکر کی گئی ہے) کے الفاظ یہ ہیں

"فَلَا تُوَلَّى امْرَأَةٌ لِنَقْصِهَا وَلِاحْتِيَاجِ الْقَاضِي لِمُخَالَطَةِ الرِّجَالِ وَهِيَ مَأْمُورَةٌ التَّخَدُّرِ، وَالْخُنْثَى فِي ذَلِكَ كَالْمَرْأَةِ" [3]

ترجمہ: قاضی کے لیے ایک شرط مرد ہونا بھی ہے کیونکہ عورت دو وجوہ سے قاضی نہیں بن سکتی۔ کیوں کہ قاضی کو مردوں سے میل جول رکھنا ہوتا ہے۔ جب کہ عورت کو پردے میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک حدود وقصاص کے مقدمات کے علاوہ عورت دیگر معاملات میں فیصلہ دے سکتی ہے۔ [4]

جب کہ مغرب میں خواتین کی معاشی خود مختاری، تمام شعبوں میں ملازمت کے یکساں مواقع اور امتیازی سلوک کے خاتمے کے لیے عدلیہ میں ملازمت کا مطالبہ کیا گیا۔ [5]

---

[1] - خیر الدین بن احمد بن نور الدین بن زین الدین بن عبد الوہاب ایوبی فاروقی رملی (۹۹۳-۱۰۸۱): فلسطین کے رہنے والے مشہور مفسر، محدث، فقیہ، صرفی، نحوی، بیانی، عروضی منطقی، کثیر العمر، اپنے زمانہ میں شیخ حنفیہ تھے۔ فتاویٰ سائرہ تصنیف کیا اور منح الغفار اور عینی شرح کنز اور اشباہ والنظائر اور بحر الرائق اور زیلعی اور جامع فصولین پر حواشی لکھے اور نیز رسائل اور ایک دیوان حروف معجم کی ترتیب پر لکھا۔

[2] ۔ نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج، شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزۃ شہاب الدین رملی، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۴ھ، باب القضاء، ص:۸/ ۲۴۰

[3] ۔ نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج، شمس الدین رملی، ص:۸/ ۲۳۸

[4] -رد المحتار علی الدر المختار، ابن عابدین شامی، كِتَابُ الْقَضَاءِ، مطلب في الاجتهاد وشروطه، ص:۵/۳۵۳

5- Nancy Levit, Robert R M Verchick, *Feminist Legal Theory: A primer,* 2nd ed., *(New York: New York University Press, 2015), 6;*

مغرب میں خواتین کی عدلیہ میں ملازمت کی تحریک کی ابتداء ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کی دہائی میں ہوئی۔[1] اس دوران اُن قوانین کو چیلنج کیا گیا جنہوں نے جنسی بنیادوں پر فرق پیدا کیا، اسی دوران حقوق نسواں کا قانونی نظریہ (Feminist Legal Theory) وجود میں آیا جسے نسائی فقہ (Feminist Jurisprudence) بھی کہا جاتا ہے۔ حقوق نسواں کا قانونی نظریہ اس عقیدے پر مبنی ہے کہ خواتین کی تاریخی محکومی میں قانون کا بنیادی کردار رہا ہے۔ یہ نظریہ قانون کی اصلاح اور صنف سے متعلق اس کے نقطہ نظر کے ذریعے خواتین کی حیثیت کو تبدیل کرنے کے لیے وقف ہے۔[2]

خود مغرب کی تاریخ بھی گواہ ہے کہ وہاں عورت کے جج بننے پر پابندیاں عائد کی گئیں۔

رچرڈ گرنبرگر (Richard Grunberger)[3] جرمنی کے متعلق لکھتا ہے

> "جون ۱۹۳۶ء میں عورتیں بطور جج اور سرکاری وکیل کام کرنے سے روک لی گئیں۔ پھر آہستہ آہستہ نائب ججوں، نائب ٹیچروں کے مقام سے بھی رخصت کر دی گئیں اور یہ اعلان کیا گیا کہ عورتیں بطور جیوری بھی کام نہیں کر سکتیں اور مدلل طور پر بحث نہیں کر سکتی، جس کی وجہ یہ ہے کہ ان پر جذبات حاوی رہتے ہیں"۔[4]

جو افراد اور تنظیمیں اسے عورتوں کے 'حقوق' سے مربوط کرتے ہیں وہ اسلامی تعلیمات کو اپنی جزئیات کے ساتھ پڑھیں۔ کیونکہ خشیت الٰہی کے جذبے سے معمور ہو کر اور آج کل کے حالات کو ذہن میں رکھ کر منصب قضاء کے بارے میں بیان کردہ احادیث کا دوبارہ جائزہ لیا جائے تو یہ منصب 'حق یا استحقاق' سے زیادہ 'طوق' معلوم ہو گا۔ ایسے ہی یہ منصب صنف نازک کو تفویض کرنا کسی طور پر بھی مناسب نہیں ہو گا۔ عورتوں کے لیے ریاست میں دوسرے مناصب جو ان کے حسبِ حال ہوں، تفویض کیے جائیں، تو یہ خود عورت کے لیے بہتر ہے۔

---

1- Patricia A. Cain, “Feminist Jurisprudence: Grounding the Theories”, *Berkeley Journal of Gender, Law & Justice, vol. 4, no. 2, Sept. 2013.*

2- Martha A Fineman, “Feminist Legal Theory”, *Journal of Gender, Social Policy and the Law*, vol. 13 (1), American University, 13.

۳- رچرڈ گرنبرگر (۱۹۲۴-۲۰۱۰ء) : آسٹرین نژاد برطانوی تاریخ دان ہے۔ جرمن نازازم میں اس کی کتاب 'ہسٹری آف تھرڈ رائخ' کو اہم کام سمجھا جاتا ہے۔

4-Richard Grunberger, *A Social History of Third Reich,* (London: Weidenfeld and Nicolson Publications, 1974), 320.

## فوج میں شمولیت

مغرب میں عورت کی فوج میں شمولیت کو اس کا معاشی حق تصور کرتے ہوئے اسے فوج میں شامل کیا جاتا ہے۔ تاریخی طور پر پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے دوران مغربی ممالک کی خواتین نے دوران جنگ مختلف امدادی امور سر انجام دیے۔ جب کہ ۱۹۷۰ء میں ملازمت میں مساوی مواقع کے مطالبے میں اضافے کی وجہ سے فوج میں خواتین کی باضابطہ شمولیت کے بارے میں پالیسیاں بنائیں گئیں اور اصلاحات کی گئی۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی میں ہی زیادہ تر مغربی ممالک نے فوج میں خواتین کی بھرتیاں شروع کیں۔ ان ممالک میں بیلجیم، کینیڈا، ڈنمارک، فرانس، جرمنی، یونان، نیدرلینڈ، پرتگال، برطانیہ اور متحدہ امریکہ شامل ہیں جہاں خواتین نے فوجی حیثیتں حاصل کیں۔ [۱]

۲۰۰۶ء میں ناروے، سویڈن، شمالی کوریا، اسرائیل، بیلجیم، کینیڈا، فرانس، جرمنی نے خواتین کو فوج میں لڑائی کے لیے بھرتی کیے جانے منظوری دی۔ ۲۰۱۳ء میں ناروے وہ پہلا ملک تھا جس نے نیٹو کی فوج میں خواتین کو لڑائی کے لیے شامل کیا۔ اس کے بعد سویڈن اور نیدرلینڈ نے بھی نیٹو کی فوج میں اپنی خواتین کو لڑنے کے لیے شامل کیا۔ [۲]

امریکی فوج میں خواتین کی شمولیت کا تاریخی رجحان ۱۷۷۵ء سے ملتا ہے جہاں وہ نرسنگ، لانڈری، وردیوں کی تیاری اور کھانا پکانے کے شعبوں میں خدمات سر انجام دیتی تھیں۔ ۱۹۷۶ء میں خواتین کے پہلے گروپ کو امریکی فوجی اکیڈمی میں داخلہ دیا گیا۔ سال ۲۰۰۰ء میں سب میرین سروس کے آغاز کے ساتھ ہی خواتین کو فوج کے ہر شعبہ میں داخلہ لینے کی آزادای دی گئی۔ ۱۹۹۱ء میں تقریباً چالیس ہزار امریکی خواتین فوجیوں کو خلیج جنگ (Gulf War) اور صحرائی طوفان (Desert Storm) میں تعینات کیا گیا۔ تاہم کسی بھی عورت نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا۔ ۱۹۹۴ء میں بریگیڈ سے کم سطح پر زمینی جنگی یونٹ میں خواتین فوجی تعینات نہ کرنے کی پالیسی بنائی گئی۔ [۳]

---

[1]- Helena Carreiras, *Gender and the Military: women in the armed forces of western democracies*, (New York: Routledge, 2006), 1

[2]- Lindsey German , *How a Century of War Changed the Lives of Women: Work, Family and Liberation*, (United Kingdom: Pluto Press,2013), 22

[3]- D'Ann Campbell, "Women in Combat: The World War Two Experience in the United States, Great Britain, Germany, and the Soviet Union", *Journal of Military History*. 57 (2), 321–323

امریکہ میں ۲۰۱۳ء میں خواتین کو لڑنے کے لیے فوج میں شامل کیے جانے پر پابندی ختم کرتے ہوئے ان کی بھرتیاں کی گئیں۔ ۲۰۱۳ء میں امریکی ملٹری اکیڈمی کی ویسٹ پوائنٹ (West Point) کلاس میں ۱۶٪ فیصد خواتین شامل تھیں۔ عراق جنگ میں حصہ لینے والی دس ہزار فوجی خواتین کو جنگی بیج دیے گئے۔ اس وقت امریکہ کی نیشنل گارڈ اینڈ ریزرو سمیت گیارہ لاکھ خواتین امریکی فوج میں شامل ہیں جو مختلف امور سر انجام دیتی ہیں۔ [1]

اگرچہ اسلام نے ریاست کے دفاع کی ذمہ داری عورتوں کے کاندھوں پر نہیں ڈالی۔ مگر اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ صرف ضرورت پڑنے پر مسلمان خواتین نے دین اللہ کی حفاظت کے لیے مردوں کے ساتھ میدان جنگ میں اپنا کردار ادا کیا۔

حضور اکرم ﷺ کے دور مبارک میں ایسی خواتین کا تذکرہ ملتا ہے، جنہوں نے حالات جنگ میں بے مثال عسکری خدمات انجام دیں۔ ان میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ [2]، حضرت اُم سلمیٰؓ [3]، صفیہؓ بنت عبد المطلب [4]، حضرت اُم سنانؓ بنت حشمیہ بن خرشہ مذحیجہ [5]۔

---

1 – Jeremy Thompson, "Women cleared to serve in combat", *ABC News New York*, 27 September 2016, 3

۲۔ حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ ہیں۔ آپ ماہِ شوال ۹ سال قبل ہجرت ماہِ جولائی ۶۱۴ء میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئی۔ اور ۱۷ رمضان ۵۸ھ۔ ۶۷۸ء میں آپ کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا۔ آپ کا نام عائشہ اور خطاب اُم المومنین ہے۔ آپؓ نے غزوہ احد میں شرکت کی۔ (مسند احمد، امام احمد بن حنبل، ص:۲/۷۰۷، ۹۳؛ لسان العرب ابن، منظور انصاری، دائرۃ المعارف الاسلامیہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء، ص:۱۳/۴۳۱، ۷۰۷)

۳۔ اُم المومنین ہندؓ بنت ابی امیہ بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزومؓ، ام سلمیٰؓ ان کی کنیت اور اسی سے مشہور ہیں۔ حضور ﷺ کی زوجہ تھیں۔ آپؓ کی پیدائش ۵۸۰ء مکہ مکرمہ میں اور وفات ۶۱ھ ۶۸۰ء میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ اور نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں۔ آپؓ نے غزوہ احد میں شرکت کی۔ (سیر الصحابہ، سعید انصاری، دار الاشاعت کراچی، ص:۶/۵۵)

۴۔ حضرت صفیہؓ بنت عبد المطلب ۵۶۹ء میں پیدا ہوئی۔ اور ۶۴۰ء میں تہتر برس کی عمر پاکر مدینہ میں وفات پائی۔ حضرت صفیہ صحابیہ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں، غزوہ خیبر میں شریک ہوئیں۔ (طبقات الکبریٰ، ابن سعد، (مترجم) علامہ عبد اللہ العمادی، نفیس اکیڈمی کراچی، ص:۱/۴۸۳)

۵۔ حضرت اُم سنانؓ نے صلح اور جنگ کے ایام میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ بہت سے کارنامے سر انجام دیئے۔ ام سنان نے جنگ میں مجاہدین کی صفوں میں زخمیوں کو پانی پلانے اور بیماروں کے علاج معالجہ کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ (اسد الغابہ، ص:۵/۵۹۲، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، حافظ ابی نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی، مطبعۃ السعادۃ، مصر، ص:۲/۶۴؛ دلائل النبوۃ، احمد بن الحسین خراسانی:۲/۲۱۷)

حضرت اُم عطیہ انصاریہؓ (۱)، حضرت اُم حکیمؓ بنت حارث (۲)، حضرت اُم ایمن حبشیہؓ (۳)، حضرت اُم سلیمؓ بنت ملحان (۴)، حضرت نسیبہؓ بنت کعب انصاریہ (۵)،

---

۱- اُم عطیہؓ بنت حارث کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے، آپؓ کا اصل نام نسیبہ بنت حارث، انصار کے قبیلہ مالک بن النجار سے تھیں۔ امّ عطیہؓ عہدِ رسالت کے سات معرکوں میں شریک ہوئیں، جن میں وہ مردوں کے لیے کھانا پکاتیں، ان کے سامان کی حفاظت کرتیں، مریضوں کی تیمارداری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔(طبقات الکبری، ابن سعد، ص:۸/۳۲۱-۳۲۲)

۲- امّ حکیمؓ بنت حارث عکرمہ بن ابو جہل کی زوجہ تھیں۔ قریش کے خاندان مخزوم سے تھیں۔ باپ کا نام حارث بن ہشام بن المغیرہ اور ماں کا نام فاطمہ بنت الولید تھا، فاطمہ خالد بن ولید کی ہمشیرہ تھیں۔ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائیں، ان کے شوہر بھاگ کر یمن چلے گئے۔ یہ رسول اللہ سے امان لے کر یمن سے انہیں واپس لائیں۔ وہ بھی مسلمان ہوگئے۔ آپؓ نے روم کے خلاف معرکے میں شرکت کی۔(سیر الصحابیات، سعید احمد انصاری، ص:۱۹)

۳- برکہ بنت ثعلبہؓ جنہیں عام طور اُمّ ایمنؓ کے نام سے جانا جاتا ہے، پیغمبر اسلام کے والد بزرگوار عبد اللہ بن عبد المطلب کی خادمہ تھیں۔ بچپن سے عبد اللہ کیساتھ رہیں اور جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت آمنہ کے پاس رہنے لگیں، اس کے بعد خود سرورِ کائنات ﷺ کے حلقۂ غلامی میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ آنحضرت ﷺ کی ان ہی نے پرورش اور پرداخت کی تھی۔ جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو وہ بھی گئیں، اور وہاں سے ہجرت کے بعد مدینہ واپس آئیں۔ غزوۂ احد میں شرکت کی۔ اس موقع پر وہ لوگوں کو پانی پلاتیں۔ اور زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں، غزوۂ خیبر میں بھی شریک ہوئیں، غزوہ احد، غزوہ حنین اور سریہ موتہ میں بھی شریک ہوئیں۔(سیر الصحابیات، سعید احمد انصاری، ص:۷۸)

۴- اُم سلیمؓ بنت ملحان انس بن مالک کی ماں ہیں اور رشتے میں اُم سلیمؓ انحضرت ﷺ کی خالہ مشہور ہیں۔ آپ نے مہاجرین وانصار میں مواخات کی، اور یہ مجمع ان ہی کے مکان میں ہوا۔ غزوات خیبر و حنین میں حضرت امّ سلیمؓ نے نہایت جوش سے حصہ لیا۔ صحیح مسلم میں ہے" كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَغْزُو بِأُمِّ سُلَيْمٍ وَنِسْوَةٍ مِنَ الأَنْصَارِ مَعَهُ إِذَا غَزَا فَيَسْقِينَ الْمَاءَ وَيُدَاوِينَ الْجَرْحَى "۔ آنحضرت ﷺ حضرت امّ سلیمؓ اور انصار کی چند عورتوں کو غزوات میں ساتھ رکھتے تھے۔ جو لوگوں کو پانی پلاتیں، اور زخمیوں کو مرہم پٹی کرتی تھیں۔(صحیح مسلم، امام مسلم، كِتَابُ الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ، بَابُ غَزْوَةِ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ، حدیث: ۱۸۱۰، ص:۳/۱۴۴۳)

۵- نسیبہؓ بنت کعب بن عمر انصاریہ خزرجیہ جن کی کنیت ام عمارہ ہے۔ یہ مطلع نور میں ان مشہور صحابیات میں سے ہے۔ جنہوں نے جہاد، علم، عبادت، تقویٰ، ایمان اور دیگر اخلاقیات جو انسان کو اعلیٰ منصب پر پہنچا دیتی ہیں۔ اپنے اندر جذب کر کے اپنے آپ کو عمدہ اعلیٰ اور بہترین ہونے کا اعزاز حاصل کر لیا۔ اُم عمارہؓ نے ایسے خاندان میں پرورش پائی۔ جو پوری زندگی فضل و شرف میں مشہور و معروف رہا، ان کا خاندان ان خاندانوں میں سے ہے۔ جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں بھرپور حصہ لیا۔ آپؓ نے غزوہ احد، غزوہ بنی قریظہ، غزوہ خیبر، غزوہ حنین و یمامہ میں شرکت کی۔(طبقات الکبری، ابن سعد، ص:۸/۴۱۲)

حضرت خولہؓ بنت حکیمؓ [۱] وہ مشہور خواتین ہیں جنھوں نے جنگوں میں عسکری کردار ادا کیا۔ کتب تاریخ بے شمار دیگر خواتین کے عسکری کردار کا تذکرہ بھی پیش کرتی ہیں۔ بہت سی مسلم خواتین کا تذکرہ تاریخ میں موجود ہے جنھوں نے جنگوں میں اپنی خدمات سرانجام دیں۔ ان خواتین کا مذہبی ولولہ، قومی ہمدردی اور بہادری کے علاوہ ان کی خدمات کی بھی تفصیل معلوم ہوتی ہے، جو انہوں نے جنگوں کے دوران سرانجام دیں۔

۱-زخمیوں کو پانی پلانا ۲-فوج کے لیے کھانے کا انتظام ۳-قبر کھودنا ۴-زخمی سپاہیوں کو معرکہ جنگ سے اٹھالانا ۵-زخمی سپاہیوں کی تیمارداری کرنا ۶-ضرورت کے وقت فوج کو ہمت دلانا اور ان کی مدد کرنا [۲]

اس کی تائید بذیل روایات سے ملتی بھی ہے۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَغْزُو بِأُمِّ سُلَيْمٍ وَنِسْوَةٍ مِنَ الأَنْصَارِ مَعَهُ إِذَا غَزَا فَيَسْقِينَ الْمَاءَ وَيُدَاوِينَ الْجَرْحَى )) [۳]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ اُم سلیمؓ اور کچھ انصاری خواتین کے ہمراہ جہاد فرماتے تھے۔ یہ خواتین پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

اسی طرح حضرت اُم عطیہ انصاریہؓ جنگ میں اپنی شمولیت کے بارے بیان رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ

((غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم سَبْعَ غَزَوَاتٍ أَخْلُفُهُمْ فِي رِحَالِهِمْ فَأَصْنَعُ لَهُمُ الطَّعَامَ وَأُدَاوِي الْجَرْحَى وَأَقُومُ عَلَى الْمَرْضَى )) [۴]

ترجمہ: میں نے رسول ﷺ کے ساتھ سات جہاد کیے۔ میں غازیوں کی منزلوں میں ان کے پیچھے رہتی تھی۔ ان کے لیے کھانا پکاتی تھی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھی۔

---

[۱]- حضرت خولہ بنت حکیمؓ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت اور حدیث شریف کی روایت کو اس نے اپنا شعار بنالیا تھا۔ اس نے جہاد کے میدان میں بھی قابل قدر کارنامے سرانجام دیئے۔ یہ غزوہ طائف میں شریک ہوئیں۔ آپؓ کا سن وفات معلوم نہیں۔ صحابیات طیبات، احمد خلیل جمعۃ، (مترجم) محمود احمد غضنفر، نعمانی کتب خانہ لاہور، ۲۰۰۲ء، ص:۲۱۸

[۲]- شرعی پردہ اور مسلم خاتون، حسن الاعظمی (ازھری)، ادارہ معارف اسلامی ہند، حیدر آباد دکن، یکم رمضان المبارک ۱۹۴۷ء، ص:۷۷

[۳]- سنن ترمذی، امام ترمذی، أَبْوَابُ السِّيَرِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، بَابُ مَا جَاءَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ فِي الحَرْبِ، حدیث نمبر:۱۵۷۵، ص:۳/۱۹۱

[۴]- صحیح مسلم، امام مسلم، كِتَابُ الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ ،بَابُ النِّسَاءِ الْغَازِيَاتِ يُرْضَخُ لَهُنَّ وَلَا يُسْهَمُ، وَالنَّهْيِ عَنْ قَتْلِ صِبْيَانِ أَهْلِ الْحَرْبِ، حدیث: ۱۸۱۲، ص:۳/۱۴۴۷

اسلامی تاریخ کے اس مثالی دور کی ان مثالوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی ادوار میں عورتیں جنگوں میں شریک رہی مگر اُن کی شرکت کے امور مختص تھے۔ اسلامی تاریخ میں کہیں بھی عورت منظم فوج کا حصّہ نہیں رہی، البتہ اضطراری حالات میں جنگوں میں شریک ہوئی، جب کہ مغرب کی سب سے بڑی فوج (North Atlantic Treaty Organisation) میں عورتوں کی بڑی تعداد شامل ہے، کیوں کہ مغرب میں عورت کی فوج میں ملازمت کو معاشی حق تصور کیا جاتا ہے۔

## وراثت میں مساوی حق

اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار دونوں میں عورت کا حق وراثت ایک متماثل قدر ہے۔ موجودہ مغرب میں خواتین کو جائیداد میں برابر تصور کیا جاتا ہے۔ جب کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق دو عورتوں کے برابر ایک مرد کا حصّہ مقرر کیا گیا ہے۔ آج اہل مغرب کی طرف سے یہ تنقید کی جاتی ہے کہ اسلام نے وراثت میں عورت کا حصّہ مرد سے آدھا مقرر کر کے عورت کا حق غصب کیا ہے اور بیٹی کی اہمیت بیٹے کی نسبت کم مقرر کی ہے۔ اہل مغرب کے اس دعویٰ کا جواب دعویٰ دینے کے لیے لازمی ہے کہ ہم اسلام میں وارثت کی تقسیم اور مغرب میں وارثت کی تقسیم کا طریقہ کار اور تاریخ کو واضح کریں۔

تقسیمِ وراثت کے تاریخی جائزہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ہی تھا جس نے سب سے پہلے وراثت کی تقسیم کے معاملے میں مختلف حقوق اور پابندیوں کو متعارف کروایا۔ [۱]

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ﴾ [۲]

ترجمہ مردوں کا اس مال میں حصّہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کا بھی اس مال میں حصّہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو۔

قرآن مجید میں ہے

﴿اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ [۳]

---

[1] – Clifford Edmund Bosworth. *Encyclopaedia of Islam*, 2nd ed, ( Boston: Brill Academic Publishers. 1993), 7

[۲]۔ سورۃ النساء: ۴/ ۷

[۳]۔ سورۃ النساء: ۴/ ۱۱

ترجمہ: تمہارے باپوں میں سے اور تمہارے بیٹوں میں سے تم نہیں جانتے کہ کون تمھارے لیے زیادہ نفع بخش ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ فرض ہے۔ بے شک، اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

درج بالا آیت سے یہ بات واضح ہے کہ میراث کا قانون جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے، وہ اس بنیاد پر مبنی ہے کہ مرنے والے کے لیے کون زیادہ نفع پہنچانے والا ہے، جیسا کہ قرآن مجید کے ان الفاظ سے واضح ہے

﴿ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ﴾ (1)

ترجمہ: تم نہیں جانتے کہ تم میں سے کون تمھارے لیے زیادہ نفع بخش ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے، کہ اس مسئلہ کو صحیح تناظر میں سمجھا جائے۔ اولاً یہ ایک مصدقہ حقیقت ہے کہ کسی بھی شخص کو اپنے ماں باپ، بچوں اور اسی طرح کے دوسرے رشتوں سے جو مدد اور سہارا ملتا ہے، وہ کسی اور رشتے سے نہیں ملتا۔

بلاشبہ، دنیا نے ہمیشہ مرنے والے کے قریبی رشتہ داروں کو اس جائیداد کا حق دار سمجھا ہے جو اس نے چھوڑی ہوتی ہے، لیکن اس سلسلے میں یہ بات ہمیشہ غور طلب رہی ہے کہ اولاد میں سے مرنے والے کے لیے اس کی زندگی میں سب سے زیادہ فائدے مند کون ہے اور اس بنیاد پر کس طرح میراث کو تقسیم کیا جانا چاہیے، تاریخ میں دیکھا گیا ہے کہ اس معاملے میں بہت سی غلطیاں اور خطائیں ہوئی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ انسان نے صحیح حصّے متعین کرنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ محبت، نفرت، تعصب اور دوسرے جذبات نے اسے عقل انسانی کے لیے ناممکن بنادیا کہ وہ میراث کے حصّوں کا منصفانہ طریقہ دریافت کرسکے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں انسانیت کی رہنمائی کے لیے اسلامی معاشرے کو اس کی بے قاعدگیوں سے چھٹکارا دینے کے لیے ہدایات دیں جو اس معاملے میں پائی جاتی تھیں۔

لہٰذا حقیقت میں یہ حکم رشتے داروں سے نسبت کی وجہ سے نہیں، بلکہ رشتے میں موجود منفعت سے ہے۔ یہی اصل وجہ ہے جس کی بنیاد پر بیٹے کا حصّہ بیٹی سے زیادہ مقرر کیا گیا ہے۔ یہ بات محتاجِ بیان نہیں ہے کہ ماں باپ کی زندگی میں عام طور پر بیٹے بیٹیوں کی نسبت ماں باپ کے لیے زیادہ نافع ہوتے ہیں۔ یہ ایک بڑی واضح حقیقت ہے جسے ان معاشروں میں بہت آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے جہاں خاندانی نظام آج بھی بہت مضبوط بنیادوں پر قائم ہے۔ خاندانی نظام میں ماں باپ کا بڑھاپے میں سارا انحصار اپنی اولاد پر ہو جاتا ہے۔ وہ زیادہ سہولت اور آسانی سے اس

1۔ سورۃ النساء: ۴/۱۱

بات کو محسوس کرتے ہیں کہ وہ بیٹیوں کے بجائے بیٹوں کے ساتھ رہیں۔ بیٹے کے پاس رہنے کو ترجیح دینے کی وجہ بڑی سادہ ہے۔ بیٹے کوئی بھی فیصلہ کرنے کے لیے بالکل آزاد ہوتے ہیں، جب کہ بیٹیوں کی جب شادیاں ہوجاتی ہیں تو وہ اپنے شوہروں پر منحصر ہوجاتی ہیں اور اپنے معاملات میں اتنی آزاد نہیں ہوتیں جتنے بیٹے ہوتے ہیں۔ جدید مغربی معاشرے کا ذہن اس تقسیم کو قبول نہیں کرتا، کیونکہ ان کے ہاں خاندانی نظام کی جڑیں کھوکھلی ہوچکی ہیں۔

ایک خاص بات جس کا یہاں ذکر کرنا بہت ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ بعض مواقع پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ بیٹیاں ماں باپ کے لیے بیٹوں سے زیادہ سود مند ثابت ہوتی ہیں۔ اسی طرح ایسے مواقع بھی ہوتے ہیں جن میں ایک بیٹی کو معاشی سہارے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور یہی معاملہ کسی بیٹے کا بھی ہوسکتا ہے۔ اسی طرح کسی بیٹے یا بیٹی کا اپنے مرحوم ماں باپ کے لیے کوئی غیر معمولی خدمت سرانجام دینا بھی ہوسکتی ہے۔ اس طرح کے تمام معاملات میں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ ان کی ضرورت اور خدمت کی وجہ سے ان کے حق میں وصیت کرکے انھیں زیادہ دیا جاسکتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ حصّوں کے علاوہ ہوگا۔ جو کہ وصیت، ضرورت یا حق خدمت کی بنیاد پر دیا جائے گا، رشتے داری کی بنیاد پر نہیں دیا جائے گا۔

یہ بات معلوم ہے کہ حق رشتہ داری کی بنیاد پر وارثوں کے لیے وصیت ممنوع ہے۔ چنانچہ اس بنیاد پر وارثوں کے حق میں کوئی وصیت نہیں کی جاسکتی۔ کیوں کہ اسلام نے مستحقین کو حق دیے جانے کے اولین احکامات ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے

((أَلْحِقُوا الفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ)) [1]

ترجمہ: وراثت کے حصّے (پہلے) ان کے مستحقین تک پہنچا دو۔ پھر ان کو دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے وہ مردوں میں سے میت کے زیادہ قریبی رشتے دار (عصبہ) کا حق ہے۔

تاہم ضرورت، خدمت یا اس طرح کی دیگر بنیادوں پر وارثوں کے حق میں وصیت کی جاسکتی ہے۔ اسلامی قانون میراث میں ایک اور گنجائش یہ بھی ہے کہ ماں باپ میں سے کوئی اپنی زندگی میں جتنا مناسب سمجھے عدل کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی کسی اولاد کو اپنا مال یا جائیداد ہبہ (Gift) کر سکتا ہے۔

[1] - صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ الفَرَائِضِ ،بَابُ مِيرَاثِ الوَلَدِ مِنْ أَبِيهِ وَأُمِّهِ، حدیث: ۶۷۳۲، ص:۸/ ۱۵۰

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے

((إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ)) [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے (مرنے والے کے رشتے داروں میں سے) ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اس لیے کسی وارث کے حق میں وصیت کرنا جائز نہیں ۔

چنانچہ یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ دو نسبت ایک کی تقسیم عام حالات سے متعلق ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ میراث میں بیٹے اور بیٹی میں حصّے کا فرق صرف اس بنیاد پر ہے کہ مرنے والے کے لیے کون زیادہ فائدہ پہنچانے والا ہے، اس وجہ سے نہیں کہ بیٹی بیٹے کے مقابلے میں کم حیثیت رکھتی ہے۔ یہ حقیقت اس معاملے میں بالکل واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے جب ہم ماں اور باپ کے حصّوں پر غور کرتے ہیں۔ اولاد کی میراث میں ماں اور باپ، دونوں کو برابر حصّہ ملتا ہے، یعنی ایک بٹا چھ (۶/ ۱)، ایک بٹا چھ (۶/ ۱)۔ یہ بات اس چیز کا ثبوت ہے کہ میراث کی تقسیم میں مرد اور عورت ہونے کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں کیا گیا، بلکہ مرنے والے کے لیے جو زیادہ نفع بخش ہو سکتا ہے، اسے زیادہ دیا گیا ہے۔ چونکہ اولاد کے لیے ماں باپ، دونوں یکساں نفع بخش ہوتے ہیں، اس لیے دونوں کا حصّہ برابر رکھا گیا۔ اسی طرح بیٹے کا حصّہ بیٹی سے دوگنا اس لیے ہے کہ بالعموم وہ اپنے ماں باپ کے لیے زیادہ نفع پہنچانے والا ہوتا ہے۔

اہل مغرب کے ہاں جائیداد میں عورت کے مرد کے مساوی حق کے تصور کی بحث کو منطقی انجام تک پہنچانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ تقسیمِ وراثت کے مغرب تصور اور قوانین کا تاریخی جائزہ لیا جائے۔ یہ تاریخی جائزہ سے مغرب کی اس حیثیت کو واضح کرے گا کہ وہ وراثت میں مساوات کے دعوے میں کس حد تک حق بجانب ہیں۔

عہد نامہ قدیم کے باب ۲۷ میں نمبر ۷ تا میں ۱۱ وراثت کی تقسیم بیان ہوئی ہے جس کے مطابق باپ کے مرنے کے بعد اُس کی جائیداد بیٹوں میں تقسیم ہوتی، بیٹا نہ ہونے کی صورت میں بیٹی کو جائیداد ملتی، اور بیٹی کو جائیداد ملنے کی صورت میں یہ لازم تھا کہ اُس کی شادی باپ کے خاندان میں کی جائے۔ لاولد کے بھائی کو وراثت دی جاتی اور بھائی بھی نہ ہو تو پڑوسی کو وارث بنایا جاتا تھا۔ [2]

---

[1] ۔ سنن ابوداوٗد، امام ابوداوٗد، كِتَاب الْوَصَايَا، باب مَا جَاءَ فِي الْوَصِيَّةِ لِلْوَارِثِ، حدیث: ۲۸۷۰، ص: ۳/ ۱۱۴

[2]- Thomas Kelly Cheyne, *Encyclopaedia Biblica: A Critical Dictionary of the Literary, Political and Religion History, the Archeology, Geography and Natural History of the Bible*, (California: Creative Media Partners, 2017), 310

عہد نامہ جدید میں جائیداد کی تقسیم کا کوئی طریقہ کار نہیں ملتا ماسوائے ایک تمثیلی قصے (Parable of the Lost Sheep) کے جو کہ عیسائیوں کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے اپنے شاگردوں سے بیان کیا جس میں ایک باپ نے بیٹوں میں جائیداد کو کس طرح تقسیم کیا۔ اسی بناء پر عیسائیت میں وراثت کی تقسیم میں بڑے بیٹے کو زیادہ، اور چھوٹے بیٹے کو کم حصّہ دیا جاتا تھا جب کہ بیٹی کے حصّے کا وجود صرف بیٹے نہ ہونے کی صورت میں تھا۔ [1]

قدیم مصر میں صرف اعلیٰ خاندان کی عورتیں جائیداد رکھ سکتی تھیں اور صرف والدہ کی وراثت میں حصّہ دار بن سکتی تھیں۔ [2]

رومن قوانین کے مطابق وراثت میں بڑے گھرانے کی لڑکی کو وصیت کی عدم موجودگی کی صورت میں برابر کا حصّہ ملتا تھا۔ یعنی اگر باپ بناء وصیت کیے مر گیا تو اس کی بیٹی وراثت میں برابر کی حصّہ دار ہو گی۔ [3]

در حقیقت پندرہویں صدی تک مغرب میں دو طرح کے قوانین رائج تھے۔ ایک روایتی قوانین جو کہ شمالی فرانس، انگلینڈ اور سکینڈی نیویائی علاقوں میں تھے۔ جب کہ دوسرے رومن قوانین جو جنوبی فرانس، اٹلی، اسپین، پرتگال میں رائج تھے۔ روایتی (Cusotomary) قوانین عورت کی نسبت مرد کا تحفظ کرتے تھے۔ مثلاً اٹلی، برطانیہ، سکینڈی نیویا اور فرانس میں سب سے چھوٹے بچے (مرد) کو ہی جائیداد کا وارث قرار دینے جانے کے قوانین تھے۔ یا صرف وصیت کی صورت میں عورت کو جائیداد کا وارث بنایا جاتا ہے۔ ان قوانین کے تحت مردوں کو عورتوں پر ہر معاملے میں برتری حاصل تھی۔ جب کہ رومن قوانین کے تحت عورت کو چند حقوق حاصل تھے، مثلاً نرینہ اولاد نہ ہونے یا وصیت کی عدم موجودگی کی صورت میں لڑکی کو جائیداد کا وارث بننے، شوہر کی اجازت کے بغیر مخصوص کاروبار کرنے اور بیوہ کو شوہر کے مال سے حصّہ لینے کے حقوق حاصل تھے۔ جب کہ رومن قوانین جو کہ تحریری شکل میں موجود تھے اور ایسے علاقے جن کا نظام تحریر شدہ رومن قوانین کے تحت چلایا جاتا تھا وہاں عورت کی جائیداد اور

---

[1] - Brin, Gershon, *Studies in Biblical Law: From the Hebrew Bible to the Dead Sea Scrolls.* (United Kingdom: Bloomsbury Publishing, 1994), 246

[2]-Roberta Binkley, *Reading the Ancient Figure of Enheduanna: Rhetoric before and beyond the Greeks,* (New York: State University Press, 2004), 47.

[3]- David Johnston, *Roman Law in Context*, (London: Cambridge University Press, 1999), chapter 3.3

قانونی معاملات کو مرد کی زیر نگرانی چلایا جاتا تھا۔ باپ اپنی بیٹیوں کا سرپرست، شوہر اپنی بیوی کا، دیگر مرد رشتہ دار مثلاً چچا، تایا، ماموں بیوہ کے سرپرست تھے۔ (۱)

پورے یورپ میں خواتین کی قانونی حیثیت اس کی ازدواجی حیثیت (Marital Status) کے گرد گھومتی تھی۔ نرینہ اولاد نہ ہونے یا وصیت کی صورت میں جائیداد کی حقدار بننے والی عورت کی جائیداد شادی کی صورت میں شوہر کو منتقل ہو جاتی۔ برطانیہ کے مشترکہ قانون (Common Law) میں بیوی کی رضامندی کے بغیر شوہر کو جائیداد منتقل کرنے پر پابندی عائد کی گئی، لیکن رکھوالی (Coverture) (۲) کی روایت کے تحت بیوی کی جائیداد کا انتظام کرنے اور دیکھ بھال کا حق بحال رکھا گیا۔ جب کے فرانس میں شادی شدہ خواتین پر جائیداد رکھنے کی پابندی ۱۹۵۸ء میں ختم کی گئی۔ (۳)

مغرب میں سولہویں صدی کے دوران قانون سازی میں عورت کی رائے شامل کیے جانے کے مطالبات شروع ہوئے۔ (۴)

۱۸۰۴ء میں فرانسیسی بادشاہ نپولین بوناپارٹ (Napoleon Bonaparte) نے وراثت کی تقسیم کے لیے معاشرتی قانون (Civil Code) لاگو کیا۔ جس میں وصیت کے قانون میں تبدیلی لائی گئی۔ جب کہ اس قانون کی شق نمبر ۷۵۶ اور ۷۵۷ میں ناجائز (Illegitimate) اولاد کی جائیداد کا طریقہ کار وضع کیا گیا جس میں ناجائز بچے

---

1- Bonnie G Smith, *The Oxford Encyclopedia of Women in World History*: Vol 4 (London: Oxford University Press, 2008), 429

2 - *Coverture* (sometimes spelled couverture) was a legal doctrine whereby, upon marriage, a woman's legal rights and obligations were subsumed by those of her husband, in accordance with the wife's legal status of feme covert. An unmarried woman, a feme sole, had the right to own property and make contracts in her own name. Coverture arises from the legal fiction that a husband and wife are one person.

3- Gamal M Badr, "Islamic Criminal Justice", *The American Journal of Comparative Law*. Vol, 32, 1984, 167

4- Ikechukwu Anthony, Kanu, "Gender and Good Governance in John Locke". *American Journal of Social Issues and Humanities*, July, 2012, 21

کی جائیداد کا مسئلہ بھی پیدا ہوا۔ ناجائز اولاد کو وراثت میں ایک بٹا تین ۱/۳ حصّہ دیا گیا۔ اسی قانون کے تحت فرانس میں ناجائز اولاد کا حصّہ ۱۸۹۶ء، ۱۹۰۷ء اور پھر ۱۹۷۲ء میں بڑھاتے ہوئے جائز اولاد کے برابر کیا گیا۔[۱]

کمیونٹی پراپرٹی (Community Property) کا تصور فرانس کے معاشرتی قانون (Civil Law) سے اُبھرا۔ جس میں (میاں بیوی دونوں کی) خریدی ہوئی جائیداد میں دونوں کو برابر کا حصّہ دار تصور کیا گیا۔[۲]

"Wives in community property states automatically inherited one-half of community property—namely, that property acquired during the marriage and which neither spouse had received as part of an inheritance or gift. If the wife died first, all community property went to her husband, whereas if he died first, she could only claim half, and he could bequeath his half to whomever he pleased".[3]

ترجمہ: سماجی ملکیت میں بیوی خود بخود نصف جائیداد کی مالک ہو جاتی۔ وہ جائیداد جو شادی کے بعد (میاں بیوی دونوں) نے خریدی ہو نہ کہ وراثت یا ہبہ میں حاصل کی ہو۔ اگر بیوی پہلے فوت ہوئی تو تمام جائیداد شوہر کو دی جاتی جب کہ اگر خاوند پہلے فوت ہوا تو بیوی آدھی جائیداد کی مالکہ بنتی اور خاوند کا حصّہ وصیت کے ذریعے جسے چاہتی دے دیتی۔

یہاں یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے۔ کہ عورت اُس جائیداد میں نصف کی حقدار بنتی جو کہ اُس نے شادی کے بعد خرید کی ہوتی، نہ کہ وراثت میں اُسے برابر جائیداد ملنے کا کوئی تصور تھا۔ جائیداد میں برابری کا تصور صرف شادی شدہ عورت کی اپنی خریدی ہوئی جائیداد میں تھا اور فرانسیسی سول لاء کا یہی تصور جرمنی، انگلینڈ اور امریکہ میں پہنچا۔[۴]

---

1 - Helen Stalford, *Family Law: in Principles of French Law 262*, ed. (Oxford: John Bell, Sophie Boyron & Simon Whittaker eds, 2008), 19

2 - Marie Gore, *Inheritance Law, in Introduction To French Law*, ed. George Bermann & Etienne Picard, (Holland: Kluwer Law International, 2012), 289

3 - Nicolas Boring, *Inheritance Laws in the Nineteenth and Twentieth Centuries,* (United States, The Law Liberary of Congeress, 2014), 38.

4 -Charles Arnold Baker, *The Companion to British History*, s.v. "Civilian" (London: Routledge, 2001), 302

جب کہ اینگلو سیکسن (Anglo Saxon)(جرمن برطانوی) عورتوں کو قدرے آزادیاں حاصل ہونے کے باوجود اُنیسویں صدی کے وسط تک پدرانہ نظام کو ایک فطری و دائمی نظام تصور کیا جاتا تھا۔ اس تصور میں اٹھارویں صدی تک شادی شدہ عورت کی حیثیت کو چیلنج نہیں کیا گیا۔ اٹھارویں صدی میں فلاسفر جان لاک (John Locke) نے ازدواجی عدم مساوات کو چیلنج کیا۔

امریکی جریدے 'سماجی مسائل اور انسانیت' کے مطابق جان لاک نے خواتین کی حالت یوں بیان کی۔ ۱۹۲۳ء تک برطانوی عورتوں کے پاس طلاق دینے کی وجوہات مردوں کے مقابلے میں کم تھیں۔
شادی شدہ خواتین کی ذاتی جائیداد کو پراپرٹی ایکٹ ۱۸۸۰ء اور پراپرٹی ایکٹ ۱۸۸۲ء تک بیویوں کی جائیداد کو شوہروں نے اپنے قبضہ میں رکھا اور بچوں کو باپ کی ملکیت تصور کیا جاتا تھا۔ ازدواجی عصمت دری ناممکن تصور کی جاتی تھی۔ شادی شدہ عورتوں کی قانونی حیثیت میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہو سکی کیوں کہ خاندان کا قانونی نمائندہ مرد کو ہی تصور کیا جاتا تھا۔ ان قانونی پہلوؤں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ملکہ وکٹوریہ (Victoria)[۱] کے عہد میں شادی کی صورت میں وراثت میں مساوات کا تصور ناممکن تھا۔ [۲]

اُنیسویں صدی کے دوران امریکہ اور برطانیہ میں چند خواتین ایرنسٹائن روز (Erenstine Rose)[۳]، پاؤلینا رائیٹ ڈیوس (Paulina Wright Davis)[۴]، الزبتھ کیڈی اسٹینٹن (Elizabeth Cady Stanton)، اور ہیریٹ بیچر سٹّوو (Harriet Beecher Stowe)[۵] نے اُن قوانین کو چیلنج کیا جو شادی کے بعد عورت کی جائیداد رکھنے کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ برطانیہ کے مشترکہ قانون (Common Law) میں رکھوالی (Coverture) کے نظریہ کے تحت شوہر کو بیوی کی جائیداد کی دیکھ بھال کا اختیار حاصل تھا۔ ۱۸۴۰ء کے اوائل میں

---

[۱] -وکٹوریہ (Victoria)(۱۸۱۹-۱۹۰۱): برطانیہ اور آئر لینڈ کی ملکہ جس نے ۱۸۳۷ سے اپنی وفات تک حکومت کی۔

[2] - Ikechukwu Anthony, "Gender and Good Governance in John Locke", *American Journal of Social Issues and Humanities*, Vol.2 (4), July, 2012, 57

[۳] -ایرنسٹائن لوئس روز (Ernestine Louise Rose)(۱۸۱۰-۱۸۹۲): پولینڈ کی مفکرہ، انسداد غلامی کی حامی اور سفر یجی تحریک کی رہنما تھی۔

[۴] - پاؤلینا کیلوگ رائیٹ ڈیوس (Paulina Kellogg Wright Davis)(۱۸۱۳-۱۸۷۶): امریکی مصنفہ، ماہر تعلیم، تحریک انسداد غلامی اور سفر یجی تحریک کی رہنما تھی۔

[۵] - ہیریٹ بیچر سٹّوو (Harriet Beecher Stowe)(۱۸۱۱-۱۸۹۶): امریکی مصنفہ، ناول نگار اور تحریک انسداد غلامی کی رہنما تھی۔

امریکہ میں ریاستی قانون سازاداروں اور برطانیہ میں پارلیمنٹ نے ایسے ضابطے (Statutes) مرتب کرنا شروع کیے جو خواتین کی جائیداد کو اُن کی شوہروں اور شوہروں کے قرض خواہ سے محفوظ رکھ سکیں۔ ان قوانین کو 'شادی شدہ عورت کی جائیداد کے ایکٹس (Married Women's Property Acts 1848-1860) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ امریکی عدالتوں نے بھی شادی شدہ عورت کی جائیداد کی فروخت میں خفیہ عدالتی جائزہ (Privy Examination) لازمی قرار دیا جس کے تحت جائیداد فروخت کرنے کی صورت میں عدالت شوہر کی غیر موجودگی میں بیوی سے رضامندی حاصل کرتی۔ [۱]

امریکہ میں شادی شدہ عورت کی جائیداد ایکٹس ۱۸۴۸ء اور ۱۸۶۰ ء اور برطانیہ میں ۱۸۷۰ء کے ایکٹ کے باوجود ۱۹۰۰ء تک عورتوں کو جزوی طور پر جائیداد کے حقوق دیے گئے۔ جب کہ نو آبادیاتی نظام کے بعد چند امریکی ریاستوں ایری زونا (Arizona)، کیلیفورنیا (California)، آئیڈاہو (Idaho)، لوسیانا (Lousiana)، نیواڈا (Nevada)، نیو میکسیکو (New Maxico)، ٹیکساس (Texas)، واشنگٹن (Washington) اور وسکوسن (Wiscosin) نے سماجی ملکیت (Community Property) کے فرانسیسی قوانین کو لاگو کیا۔ [۲]

یورپ کے کئی ممالک میں ۱۹۶۰ء تک خواتین کی جائیداد کے حقوق محدود تھے۔ مثلاً مغربی جرمنی کے قانون میں ۱۹۶۳ء تک دیہی علاقوں کی زمینوں کا وارث صرف مرد ہو سکتا تھا۔ [۳]

جب کہ امریکہ میں سربراہ اور آقا کے قوانین (Head and Master Laws) جن کے تحت شادی شدہ عورتوں کی جائیداد کی ملکیت شوہر کو منتقل ہو جاتی، چند دہائیاں پہلے تک قائم تھے جنہیں امریکہ کی سپریم کورٹ نے ۱۹۸۱ء میں ایک مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے اس قانون کو ختم کرنے کا حکم جاری۔ [۴]

تاریخی جائزہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ۱۹۷۰ء میں شروع ہونے والی نسائی تحریک کے نتیجہ میں جائیداد کے قوانین میں شادی شدہ عورتوں اور بیواؤں کے لیے قوانین میں تبدیلیاں کی گئیں۔ انہیں جائیداد خریدنے،

---

1 – *Encyclopedia Britannica*, "s.v, Married Women's Property Acts United States 1839", Chicago: Encyclopaedia Britannica, 2009.

2 - *Encyclopedia Britannica*, "s.v, Married Women's Property Acts United States 1839"

3– Charles Dickens, *Great Expectations,* Ed. Janice Carlisle, (Boston: Chapman & Hall, 1998), 241

4– Ashlyn K.Kuersten, *Women and the Law: Leaders, Cases, and Documents*, (California: ABC-CLIO, 2003), 95

استعمال کرنے، بیچنے یاوراثت میں دینے کا اختیار حاصل ہوا۔ برابری کا تصور صرف اُس جائیداد میں تھا جو کہ بیوی اور میاں دونوں کی مشترک ملکیت ہو ۔ مغرب میں آج بھی وراثتی تقسیم وصیت کے ذریعے ہوتی ہے جو کہ زیادہ تر مردوں کے حصّے میں ہی آتی ہے۔جب کہ صرف وصیت نہ ہونے کی صورت میں لڑکی وراثت میں برابر کی حصّہ دار بنتی ہے۔ جو کہ قدیم روم میں صرف بڑے گھرانوں کی خواتین کے لیے قانون تھا۔ اس تاریخی جائزے سے یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ وراثت میں برابری کا دعویدار مغرب کس حد تک سچا ہے؟ جس کا ثبوت خود مغربی تاریخ دے رہی ہے۔

جب کہ اسلام نے وراثت کے حصّے طے کر رکھے ہیں۔ یہ اللہ اور اُس کے رُسول کے متعین کردہ حصّے ہیں جن سے انکار ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا﴾[۱]

ترجمہ: کسی مومن مرد وزن کے لیے یہ ہر گز روا نہیں کہ جب کسی معاملہ میں اللہ اور اس کا رسول ﷺ فیصلہ کر دیں تو پھر وہ اس میں ان کی نافرمانی کریں اور جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی تو واضح گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

جہاں تک اسلام کی رو سے وراثت میں عورت کے حقوق کی بات ہے تو اسلام نے عورت کو ہر حیثیت سے وارث بنایا ہے۔ کیوں کہ وراثت کے ضمن میں صرف باپ کی میراث میں بہن بھائی ہی کے دو یا ایک حصّے کو زیر بحث نہیں آتے ، عورت دوسری حیثیتوں یعنی عورت اگر ماں ہے تو بیٹے کے مرنے کے بعد اس کے مال میں حصّہ دار ہو گی، اگر بیوی ہے تو شوہر کے مال میں اس کا حصّہ ہو گا، اگر بیٹی ہے تو باپ کے مال میں سے مخصوص حصّہ اس کو ملے گا، اگر وہ بہن ہے تب بھی وہ وارث قرار پائے گی، اگر وہ پوتی ہے تب بھی دادا کی میراث میں اس کا حصّہ ہو سکتا ہے، حتیٰ کہ بعض صورتوں میں دادی اور نانی کو بھی وارث بننے کا حق حاصل ہو گا۔ اور بعض صورتوں میں ماں شریک بہن بھائیوں کے معاملے میں عورت اور مرد کا حصّہ یکساں رکھا گیا ہے۔[۲]

ہاں ، یہ ضرور ہے کہ بہت سی صورتوں میں مرد کے مقابلے عورت کا حق آدھا ہوتا ہے۔ لیکن ایسا ہونا عورت کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں، بلکہ مرد کے ساتھ عین انصاف ہے اور یہی فطرت کا تقاضا بھی ہے۔ کیوں کہ

---

[۱] - سورۃ الاحزاب: ۳۳/۳۶

[۲] - تفصیل کے لیے دیکھیے صحیح بخاری، کتاب الفرائض

پیدائش سے موت تک عورت کی تمام معاشی ضروریات اس کے مرد رشتے داروں کے ذمہ ہیں ۔ اولا باپ اس کی کفالت کرتا ہے۔ بالغ ہونے پر اس کی شادی کا ذمہ دار بھی وہی ہے۔ شادی کے بعد اس کی تمام مالی ضروریات پورا کرنا اس کے شوہر کے ذمہ ہے جب کہ علیحدگی کی صورت میں وہ اس کی مظبوط پشت کی صورت میں موجود ہے۔ باپ زندہ نہ ہو تو یہ فرائض بھائی وغیرہ کے ذمہ ہیں۔ شوہر فوت ہو جائے، بچے نابالغ ہوں تو بیوہ کے احکام کے تحت عام مسلمانوں پر اس کی کفالت کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے بیٹے کمانے والے ہوں تو ماں کی کفالت ان کے ذمہ ہے۔ گویا اس کے بچوں کی کفالت ہی نہیں، خود اس کی اپنی کفالت بھی کسی اور کے ذمہ ہے۔ ذمہ داریوں کی اس تقسیم کو جاننے کے بعد ایک معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ وراثت میں عورت کے مقابلے میں مرد کا حصّہ کیوں زیادہ رکھا گیا ہے ؟ ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو باپ کی وراثت میں بھائی کے دو حصّوں کے مقابلہ میں عورت کا ایک حصّہ ہونا قابل فہم ہے، کیونکہ اس کا بالمقابل بھائی باپ کی میراث سے دو حصّے لے کر اپنی، اپنے اہل و عیال اور بعض صورتوں میں ماں باپ اور بہنوں تک کی کفالت کا مکلف ہے جب کہ عورت باپ کی جائیداد سے ایک حصّہ لے کر بھی اپنی تمام ضروریات شوہر سے پوری کرتی ہے۔

اسلام نے مرد اور عورت دونوں کی ذہن سازی کی اور عزت اور باہمی افہام و تفہیم پر مبنی ان کے درمیان ایک تعلق قائم کیا۔ خواتین کی دیکھ بھال اور ان کے احترام پر بھی زور دیا۔

اسلام نے عورت کو معاہدات میں شمولیت، کاروبار چلانے، والد، شوہر اور بھائی سے جائیداد حاصل کرنے کا حق دے کر اس کے سماجی رُتبے میں اضافہ کیا ہے۔ اسلام نے اپنی ابتداء میں ہی عورت کو "نصف معاشرہ" قرار دے کر اُسے وہ تمام مواقع فراہم کیے جنہیں وہ اپنی قدرتی صلاحیتوں سے فروغ دینے کے قابل بنا سکے تاکہ وہ معاشرے کی ترقی میں موثر طریقے سے حصّہ لے سکیں۔

# فصل سوم: سماجی و سیاسی حقوق کا جائزہ

# فصل سوم: سماجی وسیاسی حقوق کا جائزہ

مرد اور عورت ایک دوسرے کو کامل کرنے والے ہیں اور انسانی سماج کے دو بنیادی رُکن کی حیثیت رکھتے ہیں جو دونوں مل کر ایک سماج تشکیل دیتے ہیں اور اسے کمال کی طرف ترقی دیتے ہیں۔ عورت بھی مرد کی طرح سماجی ترقی کا بنیادی رُکن ہے۔ اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار دونوں میں عورت کو سماجی امور میں حصّہ لینے کا حق حاصل ہے۔ اسلام مرد اور عورت دونوں کو اصلاح معاشرہ اور اس کے فلاح وبہبود کی تلقین کرتا ہے۔

﴿كُنتُمْ خَيرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾[1]

ترجمہ: (اے اُمت محمد) تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے نفع رسانی کے لیے ہو۔

عوام الناس کی نفع رسانی کا حکم مرد اور عورت کے لیے بلا تخصیص ہے۔ البتہ فطری اور قدرتی اختلاف کی وجہ سے دونوں کے وظائف مختلف ہیں کہ جن کی رعایت دونوں کے لیے ضروری ہے۔ کیوں کہ اسلام تمام امور میں عورت کی ذمہ داری مرد پر ڈالتا ہے، اس لیے عورت کی سماجی امور میں شرکت کے لیے گھر سے باہر نکلے تو بھی مرد (شوہر، والد، بھائی) کی اجازت ضروری ہے۔ یعنی اگر وہ گھر سے باہر کسی ضرورت کے تحت نکلیں بھی تو مرد کی اجازت سے نکلیں۔

حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک خاتون نبی ﷺ کے پاس آئی اور آپ ﷺ سے شوہر کے بیوی پر حق کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے جواب فرمایا

((ولا تَخرُجَ مِنْ بَيْتِهِ إلا بِإِذْنِهِ))[2]

ترجمہ: اسے (بیوی کو) چاہیے کہ وہ گھر سے (مرد کی) اجازت کے بغیر نہ نکلے۔

اور گھر سے باہر نکلنے پر بھی مسلمان مردوں اور عورتوں کو ان کے میل جول کے موقعوں کے حوالے سے کچھ ضروری آداب سکھائے گئے ہیں، جن کا تعلق زیادہ تر لباس اور اس سے متعلق احتیاط سے ہے، یاروں اور ان میں حیاسوز حرکات وسکنات سے ہے۔ ان آداب کو اس لیے لازم کیا گیا تاکہ ان سے انحراف نہ ہو اور معاشرہ اپنی پاکیزہ روی پر قائم رہے۔

---

[1] - سورۃ ال عمران: ۳/ ۱۱۰

[2] - سنن الکبری بیھقي، ابو بکر البیھقي، كِتَابُ الْقَسَمِ وَالنُّشُوزِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيَانِ حَقِّهِ عَلَيْهَا، حدیث: ۱۴۷۱۳، ص: ۷/ ۴۷۷

جب کہ نسائیت کے مطابق مرد اور عورت کے دائرہ کار ایک ہیں۔ نسائیت کے افکار معاشرتی زندگی میں جنس کی بنیاد پر تقسیم کار کے ہر دائرے کا خاتمہ چاہتے ہیں اور پدرانہ نظام جس میں عورت کو سماجی آزادیاں نسائیت نظریات کے مطابق حاصل نہیں ہو سکتیں کی مخالفت کرتے ہیں۔

نسائی افکار کے مطابق پدرانہ نظام عورت پر برتری کا اُصول ہے

"پدرانہ نظریہ کی بنیاد برتری کا وہ اُصول ہے جو دماغ اور جسم کے تعلقات میں ہوتا ہے۔ جو غیر ارادی طور پر فطرت و تاریخ اور مرد اور عورت کے تعلقات میں ہوتا ہے"۔ [۱]

اسی لیے نسائیت پدرانہ نظام کے خلاف ہے اور معاشرے میں جنسی بنیادوں پر تقسیم کو ختم کرنے کے لیے ہر طرح کی آزادیاں حاصل کرنا چاہتی ہے۔

این۔ اوکلے (Ann Oakley) کہتی ہے

"We need an ideological revolution, a revolution in the ideology of gender rules current in our culture, a revolution in our concepts of gender identity".[2]

ترجمہ: ہمیں فکری انقلاب کی ضرورت ہے، جو موجودہ معاشرے میں رائج صنفی نظریے اور صنفی پہچان کے تصورات میں انقلاب ہو۔

یعنی معاشرے میں مرد اور عورت کو مذکر و مونث کی حیثیت سے نہیں بلکہ لوگوں کی حیثیت سے پہچانا جائے۔ ایک انقلابی نسائیت پسند مصنفہ کیٹ ملیٹ (Kate Millette) [۳] کا استدلال یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ جس میں ثقافت کا متعین کردہ صنفی کردار موجود نہ ہو، ایسے افراد کو نشو و نما دے گا جن کی شخصیت مکمل ہو گی۔ ایسے معاشرے میں جزوی، محدود اور مطابقت رکھنے والی شخصیت پروان نہیں چڑھے گی۔ اس طرح یہ ممکن ہے کہ عورت میں مردانہ خصائص پروان حاصل کریں ا ور مرد نسوانی خصوصیات کا حامل ہو اور ہم جنس پرستوں (Homosexual and Lesbians) کے لیے مکمل رواداری وجود میں آئے۔ اور جنس مذکر و مونث کے پیمانے

---

1-Nancy Cott, *The Grounding of Modern Feminism,* (New Haven: YaleUniversity Press, 1987), 34.

2-Ann Oakley, *Conventional Families*, (London: Routledge and Kegan Paul, 1982), 132.

3-Kate Millett, *Sexual Politics,* (Chicago: Doubleday and Co, 1970), 145.

سے نہ ماپا جائے۔ لوگ اپنی پسند کے رویوں کو پروان چڑھائیں جنہیں روایتی تذکیر و تانیث کے حوالے سے نہ دیکھا جائے۔(۱)

بیٹی فرائیڈن اعلان کرتی ہے کہ عورت ہر وہ کام کر سکتی ہے جو مرد کر سکتے ہیں۔ اس نے تمام ذرائع ابلاغ، ماہرین تعلیم اور ماہرین نفسیات کی سخت مخالفت کی۔(۲)

جب کہ خود نسائیت کی بانی تصور کی جانے والی مغربی مفکرہ میری وولسٹون کرافٹ نے عورتوں اور مردوں کی برابری پر بات کی۔ اور کہا کہ زندگی کے کچھ خاص پہلوؤں میں برابری رکھنی چاہیے۔ مثال کے طور پر 'اخلاقیات'۔ اس نے واضح الفاظ میں کہا کہ تمام مرد اور عورتیں خدا کی نظر میں برابر ہیں۔(۳)

نبی کریم کا عطا کردہ تمدن عورت کو اس کے فطری دائرے میں رہ کر پورے انسانی حقوق عطا کرتا ہے اور اسے عزت بخشتا ہے۔ یوں خالق کائنات نے مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کی بھی ذمہ داری عائد کر دی کہ وہ اپنی گھریلو زندگی کے علاوہ ان معاشرتی ذمہ داریوں سے بھی عہدہ برآ ہوں۔ یعنی نماز، زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ حق وصداقت کی تبلیغ بھی کریں اور برائیوں کی روک تھام کے لیے اقدامات بھی کریں۔ رسول ﷺ نے جب عورت کو اس کی توقیر و عظمت کا پتہ دیا، اس کے مقام کا صحیح تعین فرمایا تو خواتین نے بھی اسلامی ریاست کے قیام و استحکام میں اہل ایمان مردوں کے شانہ بشانہ بھرپور حصّہ لیا۔

اسلامی تاریخی کے مطالعہ سے یہ آشکار ہوتا ہے کہ عورتیں اسلام اور اسلامی فلاحی ریاست کی تعمیر و ترقی میں کسی طرح بھی پیچھے نہ رہیں۔ وہ معاشرہ کبھی ترقی نہیں کر سکتا جس میں عورت کا کوئی نقش اور کردار نہ ہو جس میں عورت کو اس کے فطری وظائف سے محروم رکھا جائے، جس میں عورت کو محض مرد کی تسکین کا ساز و سامان بنا دیا جائے جس میں عورت گھر کی صرف ایک نوکرانی تصور کی جائے، یا اس کے برعکس اس سماج میں بھی کوئی انسانی اور معنوی ترقی نظر نہیں آئے گی جس میں عورت کو مطلق العنان کر دیا جائے جس عورت کی شرافت کا جنازہ نکال دیا جائے، جس میں عورت ہر ہوس پرست کی ہوس کا لقمہ بن جائے۔ جس میں عورت کے فطری حقوق کو پامال کر دیا جائے اور ہر جگہ ہر گلی کوچے میں جلوت و خلوت میں جنسی تسکین کا ذریعہ سمجھ لیا جائے۔ گھر معاشرے کا بنیادی رُکن

---

[1]-Kate Millett, *Sexual Politics*, 146.

[2]-*Davis Flora, Moving the Mountain: The Women's Movement in America since,* (New York: Simon & Schuster, 1991), 53.

[3]-Mary Wollstonecraft, *A Vindication of the Rights of Woman with Structures on Political and Moral Subjects,* (South Ausrtalia: The University of Adelaide, 1972), 157.

ہوتا ہے، گھر سے ہی معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے اسی لیے اسلام نے گھریلو امور میں عورت کی ذمہ داری اور حقوق دونوں مرد سے زیادہ عطاء کیے ہیں تاکہ وہ پوری لگن سے ایک بہترین معاشرہ تشکیل دے اور ضرورت پڑنے پر اپنی شرافت، کرامت، عفت اور پاکدامنی کی حفاظت کرتے ہوئے سماجی ذمہ داریاں بھی ادا کرسکے۔

## تعلیم حاصل کرنے کا حق

سماجی حقوق میں اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار دونوں میں عورت کو تعلیم کا حقدار سمجھا گیا ہے۔ تعلیم میں خواتین کے ساتھ عدم مساوات کے خلاف کنونشن (Convention Against Discrimination in Women's Education 1960) خواتین کے ساتھ رنگ، نسل، جنس، زبان، مذہب کی بنیاد پر امتیاز کو ممنوع قرار دیتا ہے۔[1] اسی بنیاد پر مغرب میں خواتین کو ہر طرح کی تعلیم مردوں میں مساوی اور یکساں ماحول میں تعلیم حاصل کرنے کا حقدار تسلیم کیا جاتا ہے اور مخلوط نظام تعلیم میں دونوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔

مغربی تعلیم اپنی نوعیت میں خالصتاً دُنیوی ہے، جب کہ اسلامی تعلیم دُنیا اور آخرت پر محیط اور آفاقی و عالمگیر ہے۔ اوّل الذکر خواہش پرست، ارضی، لادینی اور یک رُخی ہے جب کہ موخر الذکر خدا پرست، جامع، متوازن، مربوط اور نظریاتی ہے۔ فطرتاً دونوں متحرک اور عملی ہیں۔ مغربی اور اسلامی تعلیم کا فرق تعلیم کے اجزاء ترکیبی ہیں۔ اسلامی تعلیم کے دو اجزاء علم اور سیرت سازی ہیں جب کہ مغربی تعلیم کا سارا زور علم و اطلاع اور مہارتوں کے حصول و افزائش پر رہتا ہے اور بچے کے اخلاق اور کردار گھر کا فریضہ ہیں۔

مغربی افکار اور اسلام دونوں میں عورت کی تعلیم کو اہمیت دی گئی ہے لیکن اسلام میں عورت اور مرد کی تعلیم الگ الگ دائرہ کار کی ترغیب دیتا ہے جب کہ مغربی افکار میں مخلوط نظام تعلیم کو فروغ حاصل ہے۔ شریعت نے جہاں عورتوں کو تعلیم و تربیت کے حصول کی پوری آزادی بخشی ہے، وہیں اس کے نزدیک مرد و عورت کے درمیان اختلاط کی کوئی گنجائش نہیں؛ بلکہ دونوں کے لیے علیحدہ تعلیم گاہ ہونی چاہیے، جہاں وہ یک سوئی اور سکونِ خاطر کے ساتھ تعلیم حاصل کرسکیں۔ اسلام تعلیم کے ان طریقوں سے منع کرتا ہے جو صنف نازک کو اس کی نسوانیت سے محروم کرکے حیاباختہ اور آوارہ بنادے۔ بے حجابانہ اختلاط مرد و زن سے شرم و حیاء ختم ہو جاتی ہے اور بدکاری اور بے حیائی کی راہ ہموار ہوتی ہے اسلامی تعلیمات اسے انسانی معاشرہ کے لیے تباہ کن قرار دیتی ہیں۔ اسلام عفت و پاک دامنی کے تحفظ

---

[1]- UNESCO, "Convention against Discrimination in Education 1960", Paris, 14 December 1960. *United Nation Educational, Scientific and Cultural Organization*, Artilce 5

کو بنیادی اہمیت دیتا ہے اور ہر اس طرز عمل پر روک لگاتا ہے جس سے انسانی معاشرے میں بے حیائی در آتی ہو، اس لیے اسلام مخلوط نظام تعلیم کا قائل نہیں ہے۔

غور طلب بات ہے کہ جب قدرت نے مردوں اور عورتوں میں تخلیقی اعتبار سے فرق رکھا ہے، اعضاء کی ساخت میں فرق، رنگ وروپ میں فرق، قوائے جسمانی میں فرق، مزاج ومذاق، حتیٰ کہ دونوں کی پسند اور ناپسند میں بھی فرق ہے، پھر اسی طرح افزائشِ نسل اور اولاد کی تربیت میں بھی دونوں کے کردار مختلف ہیں، تو یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے کہ معاشرے میں دونوں کے فرائض اور ذمہ داریاں بھی الگ الگ نہ ہوں؟ اور جب دونوں کی ذمہ داریاں علیحدہ ٹھہریں، تو ضروری ہے کہ اسی نسبت سے دونوں کے تعلیم وتربیت کے انداز بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوں، اگر تعلیم میں دونوں کے فطری اختلاف کو ملحوظ نہ رکھا جائے اور مخلوط نظام تعلیم میں دونوں کو تعلیم دی جائے، تو یقیناً ایسا طرح طریقہ تعلیم انسانی معاشرے پر منفی اثر ڈالے گا۔

## عزت وعصمت کا حق

معاشرے میں عورت کی عزت واحترام کو یقینی بنانے کے لیے اس کی عزت وعصمت کا تحفظ ضروری ہے۔ اسلام نے عورت کو عزت وعصمت عطا کیا اور مردوں کو بھی پابند کیا کہ وہ اس کے اس حق کی حفاظت کریں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ﴾[1]

ترجمہ: (اے رسول ﷺ) مومنوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے کی عزت واحترام کرنے کا حکم دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے ہاں انسانی عزت کی قدر وقیمت کیا ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً﴾[2]

ترجمہ: جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انہیں اسّی کوڑے لگاؤ۔

اتنی سخت سزائیں مقرر کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی عورت کی عصمت کی اہمیت اسلام کے نزدیک کیا ہے؟ اور اس کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ کسی شخص کی جرت ہی نہ ہو سکے کہ وہ کسی عورت پر تہمت لگا سکے۔

---

[1] ۔ سورۃ النور: ۲۴/ ۲۹

[2] ۔ سورۃ النور: ۲۴/ ۴

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

((اجْتَنِبُوا السَّبْعَ المُوبِقَاتِ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: «الشِّرْكُ بِاللَّهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ اليَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ المُحْصَنَاتِ المُؤْمِنَاتِ الغَافِلاَتِ)) [۱]

ترجمہ: سات گناہوں سے بچو: میں نے پوچھا یارسول اللہ کون سے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی کی جان لینا جو اللہ نے حرام کیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن پیٹھ پھیرنا اور پاک دامن غافل مومن عورتوں کو تہمت لگانا۔

اسلام سے قبل دنیا کے مختلف مذاہب، تہذیبوں اور معاشروں کا جائزہ لیں اور عورت کے مقام و مرتبہ کو پہچاننے کی کوشش کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ عورت ہر معاشرہ اور مذہب میں معاشی و معاشرتی اور سماجی عزت و احترام سے محروم تھی۔ مغرب میں عورت کو ڈائن قرار دے کر قتل کر دیا جاتا تھا۔ جس کی مثالیں جدید مغرب میں ڈائن کا شکار (Witch Hunt) سے ملتی ہیں جو سولہویں اور سترہویں صدی تک جاری رہا۔ [۲]

موجودہ مغرب میں عورت کی عزت اور عصمت کے تحفظ کے لیے نسائیت پسندوں نے اُس وقت آواز اُٹھائی جب دفاتر اور عوامی جگہوں پر عورت کے لیے بدکردار (Sult) کا لفظ معاشرے میں عام استعمال ہونے لگا۔ جس کے بعد نسائیت پسندوں نے عورت کی عزت، اس پر تہمت لگائے جانے کے خلاف 'بدچلن واک' (SlutWalk) کی مہمات چلا کر صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے عورت کے لیے 'عزت' کا مطالبہ کیا۔ [۳] انگلینڈ اور آئرلینڈ میں سب سے پہلے (The Slander of Women Act 1891) منظور کر کے اس کی عزت اور

---

[۱] - صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ الوَصَايَا، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: (إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ اليَتَامَى ظُلْمًا، إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا)، حدیث: ۲۷۶۶، ص:۴/۱۰

[2]- Wolfgang Behringer, *Witches and Witch-Hunts: A Global History*, (Cambridge: Polity Press, 2004),48-50

[3]- Melissa L. Breger, "Transforming cultural norms of sexual violence against women". *Gender Studies*, 2014, 8

عصمت کو قانونی تحفظ دیا گیا۔ پھر امریکہ اور دیگر یورپی ممالک میں بھی رسوائی / تہمت کے قوانین (Defamation Laws) بنائے گئے۔[1]

جب کہ مغربی افکار میں تحفظ عصمت کے تصورات مختلف ہیں۔ مغربی افکار کے مطابق زنا صرف وہی ہے جس میں جبراً جماع کیا جائے۔ یعنی بغیر شادی یا نکاح کے باہمی رضا سے حرام کاری کر جرم یا گناہ نہیں بلکہ ایک حق ہے۔ بالغ افراد باہم رضامندی سے جنسی تعلق قائم کر سکتے ہیں، صرف زور زبردستی کو قانوناً جرم قرار دیا گیا۔[2]

جب کہ اسلام ماورائے نکاح کسی قسم کے جنسی تعلق کو حرام قرار دیتا ہے۔ اور سخت سزا کی وعید سناتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلاَ تَقْرَبُواْ الزِّنَى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاء سَبِيلاً﴾[3]

ترجمہ: زنا کے قریب بھی نہ جاؤ یہ بے حیائی اور برا راستہ ہے۔

اور اس تنبیہ کے بعد بھی اگر کوئی اس قبیح فعل کو اختیار کرے تو اس کے لیے قرآن کا واضح حکم ہے

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ﴾[4]

ترجمہ: زانیہ اور زانی دونوں کو سو سو کوڑے مارو۔

قرآن نے مردوں اور عورتوں پر لازم کیا ہے کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ شرم گاہوں کی حفاظت سے مراد ہے کہ ماورائے نکاح کسی طرح کا جنسی تعلق قائم نہ کیا جائے۔ جب کہ اس کے برعکس مغرب میں صرف زنا بالجبر کو جرم تصور کیا جاتا ہے۔ نسائیت پسندوں کی جماعت 'خواتین کی قومی جماعت (National Organization for Women) نے زنا بالجبر (Rape) کے خلاف ۱۹۷۰ء میں تحریک (Anti-rape movement) شروع کی۔ امریکہ میں خواتین کے خلاف ہر قسم کے تشدد ایکٹ (Violence Against Women Act of 1994) میں زنا بالجبر کی سزا پندرہ سال قید تجویز کی گئی۔ برطانیہ میں (Sexual Offences

---

1- *Organization for Security and Cooperation,* " Libel and Insult Laws: A matrix on where we stand and what we would like to achieve" OSCE, Vienna, 2005, 9

2- Albert R Roberts, Ann Wolbert Bergess; *Victimology: Theories and Applications. Sudbury,* (United Sates: Jones & Bartlett Publishers،2009). 228

۳- سورۃ الاسرا:۱۷/ ۳۲

۴- سورۃ النور:۲۴/ ۲

(Act 2003اور دیگر یورپی ممالک میں اور جنسی حملہ (Sexual Assult)کے قوانین کے ذریعے زنا بالجبر کو فوجداری(Criminal)جرم تصور کرتے ہوئے قید کی سزا مقرر کی گئی۔ [1]

مغربی نسائی افکار کے مطابق انسان اپنے جسم کا مالک و مختار ہے وہ جس طرح چاہے اپنی جنسی تسکین حاصل کرے۔اسی تصور نے جہاں نکاح کی اہمیت ختم کر دی وہیں جنسی اباحیت کو فروغ دیااور نسائی تحریکوں کے نتیجہ میں اپنی مرضی سے جنسی تعلق قائم کرنے کو قانوناً جائز قرار دینے جانے کے بعد حرام کاری نے پورے مغرب میں باقاعدہ ایک صنعت(Industry)کی حیثیت اختیار کر لی ہے [2]

اس صنعت میں فحش نگاری(Pronography) کو باقاعدہ ایک پیشے کی حیثیت حاصل ہے اور اس شعبہ میں کام کرنے والے افراد کو جنسی کارندے(Sex Workers)کہا جاتا ہے۔ دولت کے لیے حرام کاری کرنا اور کثرت سے اسقاط حمل کے نتیجے میں عورتوں میں بچے پیدا کرنے کی صلاحیت کم ہوئی تو اس صنعت میں "رحم مادر کا اُجرت پر حصول( Womb on Rent)یا قائم مقام مادریت (Surrogacy ) کے شعبے نے بھی ترقی کرنا شروع کر دی، جس میں عورتیں بھاری معاوضہ کے عوض اپنا رحم اُجرت پر دیتی ہیں۔ [3]

اس کی بنیادی وجہ زنا جیسے قبیح گناہ کو صرف جبر کی صورت میں جرم قرار دینا اور رضا کی صورت میں جائز قرار دیناہے۔ مغرب کی یہ منطق کس قدر انوکھی ہے کہ ایک جائز رشتے میں لڑکی کی مرضی کے خلاف جنسی عمل کرنے پر ازدواجی عصمت داری کا واویلا شروع کر دیا جاتا ہے، اور خواتین حقوق کی تنظیمیں حرکت میں آ جاتی ہیں۔کیوں کہ اصل مقصد شادی کے خلاف نفرت پھیلانا ہوتا ہے، جب کہ زنا بالرضا جو کہ ناجائز جنسی تعلق ہوتا ہے کو انسانی حق تسلیم کر لیا جاتا ہے۔

مغربی معاشرے کی جنسی آزادیوں کا یہ رُخ اسلام کو کسی صورت قابل قبول نہیں۔کیوں کہ زنا انتہائی قبیح فعل ہے۔ اس سے صرف اجتناب اور پرہیز ہی ضروری نہیں بلکہ اس کے داعی اور تقریب و تمہید کے کاموں سے بھی بچنا ضروری ہے، کیونکہ شرافت و نجابت کا یہ تقاضہ ہے کہ اس فعل سے نہیں بلکہ اس کے جتنے داعی ہیں ان سے

---

1- Kidd Bonnar, "Sexual Offender Laws and Prevention of Sexual Violence or Recidivism". *American Journal of Public Health*, Vol. 100, 2010, 13

2 -*U.S. Department of State*, "Country Reports on Human Rights Practices for 2012", *Bureau of Democracy*, Human Rights and Labor, 25 March 2013.

3- Faith Merino, *Adoption and Surrogate Pregnancy*, (New York: Infobase Publishing, 2010), 3

اجتناب و احتراز کیا جائے۔اسی لیے اسلام نے ان تمام حرکات و سکنات کو جو بے حیائی، بے شرمی، بدکاری میں معمولی کردار بھی ادا کرتے ہوں، انہیں حرام قرار دیا ہے اور معاشرے کو ان سے پاک و صاف کر کے صالح معاشرہ بنانے کی ہر ممکن کوشش فرمائی۔ اسلام نے انسانی معاشرے کو پاک صاف اور صالح بنانے کے لیے اور اس کو بے حیائی، بدکرداری اور اخلاقی گندگی سے محفوظ رکھنے کے لیے زجر و توبیخ یا اخروی نجاوت کو کامیابی کی ترغیب کی صورت میں جو تعلیمات وہدایات پیش کی ہیں وہ بے مثال ہیں۔

**عورت کی حکمرانی**

نسائیت زندگی کے تمام شعبوں میں صنفی برابری کے ساتھ پدرانہ نظام کی نوعیت اور اس کے طریقہ کار میں تبدیلی کے لیے کوشاں رہی اور عورت کے پاس سیاسی طاقت کا ہونا ضروری تصور کیا۔ نسائیت کے سیاسی افکار جمہوری ہیں۔ جن میں کارل مارکس، فریڈرک اینگلس کے خاندانی نظریات، سٹورٹ مِل کے خواتین موضوعات، روسی نژاد امریکی انقلابی ایما گولڈن کی تقاریر اور تصانیف کے علاوہ سائمن ڈی بیوویئر (Simon De Beavoir) کے نظریات کو شمار کیا جاتا ہے، جن کے مطابق تحریک حقوق نسواں ایک سیاسی اور اور معاشرتی تحریک ہے جو سیاسی وسماجی (Socio-Political) فلسفہ پر قائم ہے۔[1]

یعنی عورت کی سماجی حیثیت میں تبدیلی کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُس کے پاس سیاسی طاقت ہو جس سے وہ فیصلہ سازی میں اپنا کردار ادا کر سکے۔ سیاست میں عورت کے حق کے موضوع کے حوالے سے اسلامی نقطہ نظر سے دو سوالات اہمیت کے حامل ہیں۔ پہلا یہ کہ کیا اسلام خواتین کو حق رائے دہی استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے؟ اور دوسرا یہ کہ کیا ایک خاتون سربراہ مملکت بن سکتی ہے؟

سیاسی شعبہ میں اسلامی تعلیمات اور مغربی افکار بنیادی فرق نظام حکومت کا ہے۔ اسلام نظام خلافت کا قائل ہے۔ جب کہ مغرب جمہوریت پسند ہے۔ عورت کی حکمرانی کے تصور کے لیے بنیادی طور پر ہمیں نظام حکومت کا فرق معلوم ہونا لازمی ہے، جس کی بنیاد پر حکومت میں شمولیت کی حمایت یا اس پر اعتراض واضح ہو سکے۔

ابن خلدون نے مقدمہ میں لکھا ہے، حکومت کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔

(۱) ملک طبیعی (۲) ملک سیاسی (۳) اور خلافت

[1]-Mary Daly, *Beyond God the Father: Toward a Philosophy of Women's Liberation* (Boston: Beacon Press, 1985), 45.

ابن خلدون ملک طبیعی کی تعریف یوں کرتے ہیں

" وأن الملك الطبيعي هو حمل الكافة على مقتضى الغرض والشهوة" (۱)

ترجمہ: کسی حاکم کا اپنی غرض اور شہوات وخواہشات کے تقاضوں کے مطابق اپنی حکومت چلانا جیسا کہ مطلق العنان بادشاہوں کا یہی طریقہ تھا۔

دوسری قسم ملک سیاسی ہے جس کی تعریف وہ یوں کرتے ہیں:

"والسياسي هو حمل الكافة على مقتضي النظر العقلي في جلب المصالح الدنيوية ودفع" (۲)

ترجمہ: تمام لوگوں کو اپنے عقلی نظریات کے مطابق دُنیوی مصلحتوں کے حصول اور نقصانات سے بچانے پر مجبور کرنا۔ جمہوریت اسی میں داخل ہے کیوں کہ اُس کے پاس کوئی ابدی قدر تو ہے نہیں اس لیے عقلی اعتبار سے جس کو بہتر سمجھا اس کو اختیار کر لیا۔

تیسری قسم خلافت ہے جس کی تعریف ابن خلدون اس طرح کرتے ہیں

"والخلافة هي حمل الكافة على مقتضى النظر الشرعي في مصالحهم الأخروية والدنيوية الراجعة إليها "(۳)

ترجمہ: لوگوں کو شرعی طرز فکر کے مطابق چلانا جس سے اُن کی آخرت کی مصلحتیں بھی پوری ہوں اور وہ دُنیوی مصلحتیں بھی جن کا نتیجہ آخر کار آخرت ہی کی بہتری ہوتا ہے۔

عصر حاضر میں مغرب سمیت تقریباً دُنیا بھر میں نظام حکومت جمہوریت رائج ہے۔ جمہوریت کا لفظ در حقیقت ایک انگریزی لفظ "Democracy" کا اُردو ترجمہ ہے اور انگریزی میں بھی یہ لفظ یونانی زبان سے آیا ہے۔ یونانی زبان میں "Demo" عوام کو کہتے ہیں اور "Cracy" حاکمیت کو کہتے ہیں۔ جمہوریت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ حاکمیت کا حق عوام کو حاصل ہے، لہٰذا جمہوریت کے معنی ہوئے ایسا نظام حکومت جس میں عوام کو یا عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیساں طے کرنے کے لیے بنیاد بنایا گیا ہو۔

جمہوریت کی صورت گری جن مفکرین نے کی اور جن کو جدید آزاد خیال جمہوریت کا بانی تصور کیا جاتا ہے وہ تین فلسفی ہیں جنھوں نے آزاد خیال جمہوریت کی بنیاد ڈالی۔ ایک وولٹائر (Voltire)، دوسرا

---

[1] ۔ مقدمہ ابن خلدون، عبد الرحمٰن ابن خلدون، دار العرب، دمشق، ۱۴۲۵ھ، باب في اختلاف الامة في حكم هذا المنصب وشروطه، ص:۱/۹۷

[2] ۔ مقدمہ ابن خلدون، عبد الرحمٰن ابن خلدون، باب في اختلاف الامة في حكم هذا المنصب وشروطه، ص:۱/۹۷

[3] ۔ مقدمہ ابن خلدون، عبد الرحمٰن ابن خلدون، باب في اختلاف الامة في حكم هذا المنصب وشروطه، ص:۱/۹۷

مونٹیسکو(Montesquiue) اور تیسرا روسو(Rousseau)یہ تین افراد ہیں جنہوں نے اپنے اپنے نظریات اور فلسفے کی بنیاد پر ایسے افکار دُنیا میں پھیلائے جس کے نتیجہ میں جمہوریت وجود میں آئی۔ وولٹائر نے مذہب کے بخیے ادھیڑے اور یہ دعویٰ کیا کہ جتنے آسمانی مذاہب ہیں سب تحریف شدہ ہیں، اور اصل میں انسان کا ایک ہی مذہب ہونا چاہیے اور وہ فطری مذہب (Natural Religion) ہے۔ وولٹائر کے نظریات کی دوسری بات جو سب سے زیادہ موثر ہوئی وہ یہ کہ مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے اور کوئی حاکم دوسرے کو کسی مذہب کے حق اور باطل ہونے کا قائل نہیں کر سکتا بلکہ یہ انسان کا ذاتی معاملہ ہے وہ جو چاہے مذہب اختیار کرے۔ اس میں چرچ اور حکومت کو دخل اندازی کی ضرورت نہیں اور نہ ہی حکومت کا مذہب سے کوئی تعلق ہے۔[1]

اسلام میں حکمرانی کا تصور 'خلافت' کا ہے کہ انسانی معاشرہ میں کوئی بھی حکمران خود مختار نہیں بلکہ حکمرانی میں خدا تعالیٰ کا نائب ہے۔ اصل حکمرانی اللہ تعالیٰ کی ہے اور انسان اس کا نائب ہے جو اپنی مرضی سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے احکام و قوانین کے مطابق انسانی معاشرہ پر حکومت کرتا ہے، اسی کا نام "خلافت" ہے۔

اسلامی سیاست کے دستور میں سب سے پہلی اور بنیادی دفعہ ہے جو قرآن کریم نے مختلف الفاظ میں دو ٹوک انداز میں بیان کی۔

﴿ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ﴾[2]

ترجمہ: حاکمیت اللہ کے سواء کسی کی نہیں۔

﴿ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ ﴾[3]

ترجمہ: یاد رکھو حاکمیت صرف اُسی کو حاصل ہے۔

﴿ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ﴾[4]

ترجمہ: یاد رکھو تخلیق بھی اُسی کی ہے اور حکم بھی اُسی کا ہے۔

قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ[5]

---

[1] – Heather Savigny, *Doing Political Science and International Relations: Theories in Action*, (USA: Macmillan International Higher Education, 2011), 13

[2] - سورۃ الانعام: ۶/ ۵۷

[3] - سورۃ الانعام: ۶/ ۱۵۸

[4] - سورۃ الاعراف: ۷/ ۵۴

[5] - سورۃ آل عمران: ۳/ ۲۶

ترجمہ: اور آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کو حاصل ہے

یہ تمام آیات اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ حاکمیت اس کائنات میں صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ جب کہ جمہوریت میں حاکمیت کا حق عوام کے لیے تسلیم کیا گیا۔ حاکمیت کے معنی ہیں کسی دوسرے کا پابند ہوئے بغیر حکم جاری کرنا اور فیصلے کرنے کا کلی اختیار ہونا۔ یہ حق سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو حاصل نہیں۔ غرض اللہ کی حاکمیت کا اقرار ہی وہ بنیاد ہے جو اسلام کے تصور سیاست کو جمہوریت سے بالکل الگ کر دیتی ہے۔ اسلامی حکومت کا ناقابل ترمیم دستور قرآن وسنت ہیں جن سے ہٹ کر نہ وہ کوئی قانون بنا سکتی ہے اور نہ دستور کی کوئی ایسی دفعہ منظور کر سکتی ہے جو قرآن وسنت کے کسی حکم کے خلاف ہو۔

اسلام نے ریاست کے اجتماعی امور چلانے کے لیے جو ضابطہ تجویز کیا ہے وہ یہ ہے کہ تمام اجتماعی وسیاسی امور باہمی مشورے کے مطابق طے کئے جائیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے

﴿ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ﴾[1]

ترجمہ: ان (مسلمانوں) کے تمام امور باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔

قرآن مجید کے اس ارشاد میں مرد اور عورتیں سب شامل ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان ریاست کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ مردوں کی طرح عورتوں سے بھی رائے لینے کا اہتمام کرے۔ مردوں کی طرح خواتین کا بھی یہ حق ہے کہ وہ تمام اجتماعی امور میں رائے دیں۔ قرآن مجید میں حضرت شعیبؑ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کو ان کی بیٹی نے جو مشورہ دیا وہ انہوں نے قبول کیا۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے ادوار میں خواتین کی مشاورت سے کیے گئے فیصلے ثابت کرتے ہیں کہ عورت نظام حکومت میں بہتری کے لیے رائے یعنی اپنا ووٹ دے سکتی ہے۔ البتہ حکمرانی کے سلسلہ میں پسندیدہ امر ہے کہ مسلمان ریاست کا سربراہ مرد ہو۔

اللہ کی حاکمیت ہی کا اُصول یہ صاف بتاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تو یہ اعلان فرمادیا

﴿ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ﴾[2]

ترجمہ: میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں

---

[1]۔ سورۃ شوریٰ: ۴۲/ ۳۸

[2]۔ سورۃ البقرہ: ۲/ ۳۰

اس طرح پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی حکومت وجود میں آگئی لیکن اس حکومت کا اصل الاصول یہی تھا کہ حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے، لہٰذا کوئی بھی حکم اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر نہیں چلایا جاسکتا اور جو کوئی دُنیا میں حاکم بنے وہ در حقیقت اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا ماتحت اور اُس کا نائب ہے جسے خلیفہ کہتے ہیں۔ اسی لیے اسلام میں حکومت کو خلافت کہا جاتا ہے اور خلافت کا یہ مقام مرد کے لیے مختص ہے۔

﴿ يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ ﴾ (۱)

ترجمہ: اے داوٗد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا۔

اسی طرح بنی اسرائیل میں حضرات انبیاء کرامؑ سیاسی قیادت فرمایا کرتے تھے، وہ خود حکمران ہوتے تھے یا حکمران کا تعین ان کے حکم سے ہوتا تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید کا بیان ہے کہ حضرت داوٗدؑ نے بنی اسرائیل کے لیے طالوت کو حکمران مقرر کیا۔ جس پر بنی اسرائیل نے اعتراض کیا۔ چنانچہ قرآن مجید نے ان کا اعتراض اور پیغمبر کا جواب اس طرح نقل کیا ہے۔

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (۲)

ترجمہ: اور انہیں ان کے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے تو کہنے لگے بھلا اس کی ہم پر حکومت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے تو ہم بہت زیادہ حقدار بادشاہت کے ہم ہیں، اس کو تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی۔ نبی نے فرمایا سنو، اللہ تعالیٰ اسی کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی برتری بھی عطا فرمائی ہے۔ بات یہ ہے اللہ جسے چاہے اپنا ملک دے، اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔

یہاں یہ اشارہ موجود ہے کہ حکمران کے لیے جسمانی وجاہت بھی بہت پسندیدہ ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی وجاہت مردوں میں ہی ہو سکتی ہے۔ اس آیت میں ذہنی علمی اور جسمانی صلاحیتوں میں فوقیت و فضیلت کو اہلیت کی شرائط میں شمار کیا گیا ہے اور یہ شرائط باصلاحیت مرد میں ہی پائی جاسکتی ہیں۔

جب تک انبیاء کرامؑ کی تشریف آوری کا سلسلہ جاری رہا، خلافت کا یہ منصب زیادہ تر حضرات انبیاء کرامؑ ہی کے پاس رہا۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں جناب سرور کائنات ﷺ نے اس حقیقت کا اظہار یوں فرمایا ہے کہ

---

[1] - سورۃ ص: ۳۸/۲۶

[2] - سورۃ البقرہ: ۲/۲۴۷

((كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ))[1]

ترجمہ: بنی اسرائیل میں سیاسی قیادت کا فریضہ انبیاء کرام ؑ سرانجام دیتے تھے، جب ایک نبیؑ دُنیا سے چلے جاتے تو دوسرے نبیؑ ان کی جگہ لے لیتے۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا البتہ میرے بعد خلفاء ہوں گے۔

قرآن مجید میں ایک عورت کی حکمرانی کا ذکر موجود ہے۔ وہ کسی اسلامی ملک پر حکمران نہیں تھی۔ یمن کی حکمران ملکہ بلقیس کا واقعہ سورہ نمل میں بیان ہوا ہے۔ جس کی خبر ہُدہُد (پرندہ) نے حضرت سلیمانؑ کو دی اور کہا۔

﴿إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ﴾ [2]

ترجمہ: میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ ان لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے اور اس کو (سلطنت کے لوازم میں سے) ہر قسم کا سامان میسر ہے اور اس کے پاس ایک بڑا (اور قیمتی تخت) ہے۔

حضرت سلیمانؑ نے ملکہ بلقیس کو دین کی دعوت دی اور وہ ایمان لے آئی مگر بلقیس کے سارے قصّے میں کوئی ایسی خبر نہیں ملتی ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے اس کی حکومت کو قائم رکھا اور روایت میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ان کی شادی تبع ملک ہمدان سے کر دی اور اس کے سپرد حکومت کر دی حضرت سلیمانؑ کی وفات تک وہی حکمران تھا۔[3]

ملکہ یمن کے واقعہ سے پیدا ہونے والی غلطی کو دور کرنے کے لیے مفسرین نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد مبارک "کہ جس قوم نے حکمرانی عورت کے سپرد کر دی وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی" کو اسی واقعہ میں نقل کیا ہے۔[4]

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے

﴿الرِّجالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّساءِ بِما فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلى بَعْضٍ وَبِما أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوالِهِمْ﴾ [5]

---

[1] - صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ أَحَادِيثِ الأَنْبِيَاءِ، بَابُ مَا ذُكِرَ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، حدیث: ۳۴۵۵، ص:۴/۱۶۹

[2] -سورۃ نمل:۲۷/۲۳

[3] - تفسیر الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل، محمود بن عمر الزمخشری ابو القاسم جار اللہ، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۳۰ھ، ص:۳/۳۷۰

[4] - تفسیر المظہری، محمد ثناء اللہ پانی پتی، ص:۹/۱۱۰

[5] -سورۃ النساء:۴/۳۴

ترجمہ: مرد عورت پر ذمہ دار مقرر ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے مال خرچ کئے ہیں۔

یہ آیت کریمہ اس بارے میں صریح ہے کہ جہاں مردوں اور عورتوں کا مشترکہ معاملہ ہو گا وہاں حکمرانی مردوں ہی کے حصّہ میں آئے گی اور یہی وہ فضیلت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر عطا فرمائی ہے۔اس آیت کریمہ کے بارے میں بعض حضرات کا کہنا ہے، کہ چونکہ یہ آیت کریمہ خاندانی احکام و قوانین کے سیاق و سباق میں ہے اس لیے اس سے مراد مطلق حکمرانی نہیں بلکہ خاندان کی سربراہی ہے جو ظاہر ہے کہ مرد ہی کے پاس ہے۔ لیکن ان کا یہ استدلال دو وجہ سے غلط ہے۔ایک اس وجہ سے کہ عورت کی حکمرانی کے بارے میں جناب نبی اکرم ﷺ کے واضح ارشادات کی روشنی میں جب ہم اس آیت کریمہ کا مفہوم متعین کریں گے تو اسے خاندان کی سربراہی تک محدود رکھنا ممکن نہیں رہے گا بلکہ خاندان کی سربراہی کے ساتھ مطلق حکمرانی بھی اس کے مفہوم میں شامل ہو گی۔ یہ ارشادات نبویؐ ہم آگے چل کر نقل کر رہے ہیں۔دوسرا اس وجہ سے کہ امت کے معروف مفسرین کرامؒ نے اس آیت کریمہ کی جو تفسیر کی ہے اس میں علی الاطلاق ہر قسم کی حکمرانی عورت کے لیے نفی کی ہے۔

ابن جریر طبری نے علی بن ابی طلحہ کی سند کے ساتھ عبد اللہ بن عباس سے الرِّجالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّساءِ کی تفسیر یہ نقل کی ہے

"يعني: أمرَاء، عليها" [1]

ترجمہ: یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔

چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

"وَلِهَذَا كَانَتِ النُّبُوَّةُ مُخْتَصَّةٌ بِالرِّجَالِ، وَكَذَلِكَ الْمُلْكُ الأَعْظَمُ وَكَذَا مَنْصِبُ الْقَضَاءِ وَغَيْرُ ذَلِكَ" [2]

ترجمہ: اور اسی وجہ سے نبوت مردوں کے ساتھ مخصوص ہے اور اسی طرح حکومت اور قضا کا منصب بھی انہی کے لیے خاص ہے۔

---

[1] - سورۃ النساء:۴/۳۴؛ جامع البيان في تاويل القرآن، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الاملی، ابو جعفر الطبري، ۱۴۲۰ھ، ص:۸/۲۹۰

[2] - تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، ص:۲/۲۵۶

دوسری جگہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں

" رَئِيسُهَا وَكَبِيرُهَا وَالْحَاكِمُ عَلَيْهَا " [۱]

ترجمہ: یعنی اللہ نے مرد کو عورت کا امیر، رئیس اور حاکم بنایا ہے۔

عورت جب ٹیڑھی ہو جائے تو اس کی تادیب کرے اس لیے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے اور مرد عورت کا امیر ور ہنما ہے یہی وجہ ہے کہ نبوت مردوں کے ساتھ خاص رہی ہے اور اسی طرح ملک الاعظم یعنی ملک کا سربراہ بھی مرد ہو گا۔ عربی زبان میں قوّام منتظم اور نگران کو کہتے ہیں۔ امیر اور حاکم چونکہ انتظام کا ذمہ دار اور انتظامیہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس لیے یہ لفظ حاکم کے معنیٰ بھی رکھتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ حکم عام ہے کہ جس طرح مرد طاقت ور ہونے کی وجہ سے اپنے خاندان پر حکومت کرتا ہے اسی طرح عام حکومت کرنے کا حق بھی وہی رکھتا ہے۔

اس آیت کا تعلق اگرچہ سیاست البیت سے ہے لیکن جب چھوٹی سی ریاست کی سربراہی عورت کو نہیں دی گئی تو سیاست المدن یعنی پورے ملک کی ایک ہمہ گیر حکومت کی سربراہی کا منصب اسے کیسے سپرد کیا جا سکتا ہے مرد کے قوام ہونے کی وجہ مذکورہ آیت میں یہ بیان ہوئی ہے کہ اس کو عورت پر فضیلت دی گئی ہے۔

ترجمان القرآن میں مولانا ابو الکلام آزاد بیان کرتے ہیں

خدا نے نوع انسانی کو مرد اور عورت کو دو جنسوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اور دونوں یکساں طور پر اپنی اپنی ہستی، اپنے اپنے فرائض اور اپنے اپنے اعمال رکھتی ہیں۔ کارخانہ معیشت کے لیے جس طرح ایک جنس کی ضرورت تھی ٹھیک اسی طرح دوسری جنس کی بھی ضرورت تھی انسان کی معاشرتی زندگی کے لیے یہ دو مساوی عنصر ہیں جو اس لیے پیدا کیے گئے ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک مکمل زندگی پیدا کریں۔ البتہ اللہ نے دنیا میں ہر گروہ کو دوسرے گروہ پر خاص خاص باتوں میں مزیت دی ہے اور ایسی ہی مزیت مردوں کو بھی عورتوں پر ہے۔ مرد عورتوں کی ضروریات معیشت کے قیام کا ذریعہ ہیں۔ اس لیے سربراہی و کار فرمائی کا مقام قدرتی طور پر انہی کے لیے ہو گیا ہے۔ [۲]

یعنی مرد کی ذہنی، نفسیاتی اور جسمانی صلاحیتیں عورت سے زیادہ ہیں۔ یہ عورت کی حق تلفی یا اس کی تحقیر نہیں ہے بلکہ یہ تفاوت تقسیم کار کی بناء پر قائم کیا گیا ہے۔ عورت کو اس کے فرائض اور دائرہ کار کے مناسب صلاحیتیں

---

[۱] - تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، ص ۲/ ۲۹۲

[۲] - ترجمان القرآن، ابو الکلام احمد، اسلامی اکیڈمی، لاہور ص: ۱/ ۴۰۹

دی گئیں ہیں اور مرد کو اس کے فرائض اور دائرہ کے مناسب صلاحیتیں دی گئی ہیں۔ اس فطری تفاوت اور فرائض کے تنوع کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ (۱)

ترجمہ: اور اس کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تم سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے، مردوں کا اس میں سے حصّہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے ان میں سے حصّہ ہے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

جناب نبی اکرم ﷺ نے بھی بہت سے ارشادات میں اس امر کی صراحت کی ہے کہ عورت کی حکمرانی نہ صرف عدم فلاح اور ہلاکت کا موجب ہے بلکہ مردوں کے لیے موت سے بدتر ہے۔ ان میں سے چند احادیث ذیل میں درج کی جارہی ہیں

امام بخاریؒ کتاب المغازی میں حضرت ابو بکرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب نبی اکرم ﷺ کو جب اس بات کی خبر دی گئی کہ فارس کے لوگوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حکمران بنالیا ہے تو آنحضرتؐ نے فرمایا

((لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً)) (۲)

ترجمہ: وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے عورت کو حکمران بنادیا ہو۔

کسریٰ کی یہ بیٹی (پوتی) پوران درخت بنت شیرویہ بن کسریٰ بن پرویز تھی۔ اس کے بعد اس کی بہن ارزمیدخت بھی کچھ مدت تک حکمران رہی تھی۔ یہ ارشاد رسول اللہ ﷺ کا اگرچہ اہل ایران کے بارے میں ہے لیکن مذمت کی وجہ ان کا اہل ایران ہونا نہیں ہے بلکہ عورت کو حکمران اور والی بنانا اصل وجہ مذمت ہے۔ عورتوں کو حکمران بنانا اور ملک کی باگ ڈور ان کے سپرد کرنا ایرانی بادشاہ کسریٰ کے خاندان کی سنت ہے۔ اور موروثی بادشاہتوں کی رسم ہے۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو کسی ملک کی حکمران بنانا حرام ہے اسی طرح عورت کسی صوبہ یا شہر پر بھی حکمران نہیں بن سکتی کیونکہ اس حدیث کا حکم بھی عام ہے۔ نبی اکرم

---

۱- سورۃ النساء: ۴/ ۳۲

۲- صحیح بخاری، امام بخاري، كِتَابُ المَغَازِي، بَابُ كِتَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى كِسْرَى وَقَيْصَرَ، حدیث: ۴۴۲۵، ص: ۶/ ۸

ﷺ نے واضح فرمادیا کہ جس کسی نے بھی عورت کو حاکم بنایا وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔ فلاح سے خیر کا حصول اور کامیابی ہے۔

'رد المحتار' میں اس امر کی تصریح ہے کہ حکمران کے لیے دوسری شرائط کے ساتھ مرد ہونا بھی ضروری ہے۔

"لَا يَصِحُّ تَقْرِيرُ الْمَرْأَةِ فِي وَظِيفَةِ الْإِمَامَةِ"(۱)

ترجمہ: عورت کو حکمرانی کے کام پر مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔

صحیح بخاری کے شارح حافظ ابن حجر عسقلانی(۲) نے نقل کیا ہے کہ حدیث کا معنی کیا ہے

"أَنَّ الْمَرْأَةَ لَا تَلِي الْإِمَارَةَ وَلَا الْقَضَاءَ"(۳)

ترجمہ: بے شک عورت امارت اور قضاء کی والی نہیں بنے گی۔

دوسری روایت ترمذی کی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا

((إِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ، وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ، وَأُمُورُكُمْ شُورَى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ بَطْنِهَا، وَإِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَاءَكُمْ، وَأُمُورُكُمْ إِلَى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا)) (۴)

ترجمہ: جب تمہارے حکمران تم میں بہترین لوگ ہوں اور تمہارے دولت مند لوگ سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہمی مشورہ سے طے کئے جاتے ہوں تو اس وقت تمہارے لیے زمین کی پیٹھ اس کے پیٹ سے بہتر ہے اور جب تمہارے حکمران تم میں سے بدترین لوگ ہوں، تمہارے دولت مند لوگ کنجوس ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد کر دئے جائیں تو پھر تمہارے لیے زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔

---

۱- رد المحتار علی الدر المختار، ابن عابدین شامی، كتاب القضاء، باب القاضي إلى القاضي، مطلب في جعل المرأة شاهدة في الوقف، ۱۴۱۲ھ، ص:۵/ ۴۰۴

۲- ابن حجر عسقلانی (۷۷۳-۸۵۲ھ): قاہرہ کے رہنے والے، مشہور محدث تھے جنہوں نے صحیح بخاری کی شرح لکھی۔

۳- فتح الباری شرح صحیح البخاری، احمد بن علی بن حجر العسقلانی ابو الفضل شھاب الدین، دار الکتب السلفیة، بیروت، ۱۳۷۹ھ، بَابُ كِتَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى كِسْرَى وَقَيْصَرَ، حدیث: ۴۴۲۵، ص:۸/۱۲۸

۴ سنن ترمذی، امام ترمذی، أَبْوَابُ الْفِتَنِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ سَبِّ الرِّيَاحِ، حدیث: ۲۲٦٦، ص:۴/۵۲۹

حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں ملکہ بلقیس کا ایک دفعہ ذکر ہوا تو آنحضرتؐ نے فرمایا

(( لَا يُقَدِّسُ اللَّهُ أَمَةً قَادَتْهُمُ امْرَأَةٌ ))[۱]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس قوم کو پاکیزگی عطا نہیں فرماتے جس کی قیادت عورت کر رہی ہو۔

علامہ آلوسی نے واضح کیا ہے کہ کہ سورۃ نمل میں نے ایک عورت کو پایا کہ وہ ان پر حکمران ہے میں عورت کے حکمران یا ملکہ ہونے کے جواز کی کوئی دلیل نہیں اور نہ ہی کافروں کے عمل سے اس قسم کی کوئی حجت قائم ہو سکتی ہے اگر عورت کی سربراہی کا اسلام میں کوئی تصور ہوتا تو رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا اس کی ضرورت پیش نہ آتی کیوں کہ قرآن آپ ﷺ پر نازل ہوا اور آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی اسے سمجھنے والا نہ تھا۔[۲]

امام بخاریؒ نے ان الفاظ کے ساتھ صحیح بخاری میں روایت کیا ہے کہ

((لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ يَمْلُكُ أَمْرَهُمُ امْرَأَةٌ))[۳]

ترجمہ: وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوگی جس نے اپنی حکمرانی عورت کے حوالہ کر دی۔

یہ حدیث بخاری شریف کی ہے جس کی صحت پر تمام امت کا اجماع ہے۔ بلکہ قرآن مجید کے بعد صحت کے اعتبار سے اسے دوسرا درجہ حاصل ہے تاریخ اسلام میں عورت کی حکمرانی کے جواز پر ایک مثال بھی نہیں ملتی۔ اجماع امت خلفائے راشدین اور کبائر صحابہ سے لے کر آئمہ دین قرون ثلاثہ تک اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کو حاکم بنانا جائز نہیں حالانکہ اس وقت ان میں دینی علوم کی ایسی ماہر عورتیں تھیں کہ جب کبھی قرآن و حدیث یا احکامات سے کسی مسئلہ کی ضرورت پیش آئی تو ان کی طرف رجوع کیا گیا۔ قرون ثلاثہ اور اسکے بعد کسی عورت کو کوئی منصب یا عہدہ نہیں سونپا گیا۔

پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ شرعی احکام یہ اجازت نہیں دیتے کہ کسی عورت کو صدر یا حکمران بنا دیا جائے۔ کیونکہ حاکم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات کی پرواہ کئے بغیر قومی خدمت اور اصلاح معاشرہ کے لیے عوام میں مل بیٹھے۔ اسی طرح وہ لاچار ہوتا ہے کہ خارجی علاقات کے لیے غیر ملکی دورے کرے۔ جہاد میں لشکر کی قیادت، دشمنوں سے معائدہ یا لین دین کے بارے میں گفتگو کرے۔ اس قسم کے جتنے معاہدات و مسائل ہوں جو

---

[۱]- مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ابو الحسن نور الدين علی بن ابی بکر بن سليمان الهيثمی ، مكتبة القدسی، قاہرہ، ۱۴۱۴ھ، حدیث: ۹۰۶۱، ص:۵/ ۲۰۹

[۲] - تفسير الكشاف عن حقائق التنزيل وعيون الاقاويل فی وجوه التاويل، محمود بن عمر الزمخشری ابو القاسم جار اللہ، ص:۳/ ۳۷۰

[۳] - صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ المَغَازِي، بابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَى كِسْرَى وَقَيْصَرَ، حدیث: ۴۴۲۵، ص:۶/ ۸

مردوں میں بیٹھ کر حل کرنے پڑتے ہیں یہ ایسے مسائل ہیں جو عورت کے لیے مناسب نہیں کہ اُن میں مل جُل کر نمٹائے کیونکہ اسلامی شریعت عورت کو اسکی اجازت نہیں دیتی۔ اسلام تو عورت کو اپنی آبرو اور عزت کی حفاظت پر زور دیتا ہے۔ اور پھر عقل سلیم بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ عورت کسی ملک کی حکمرانی کی اہل نہیں کیونکہ یہ ضروری ہے کہ جس شخص کو صدارت یا وزارت یا حکمرانی کے لیے منتخب کیا جائے وہ نہایت زبردست عاقل، قوی الارادہ، اچھی صفات اور قوت ارادہ کم ہوتی ہے۔ عورت کا فکر کمزور ہوتا ہے۔ اس کو اس منصب یا عہدہ کے لیے اختیار کرنا مسلمانوں کی عزت واحترام کے لیے درست نہیں۔

دوسری اہم بات یہ کہ حکومت ایک مسئولیت ہے، حق نہیں جس کے لیے مغرب کی عورت نے جدوجہد کی وہ حق نہیں بلکہ ذمہ داری ہے۔ قرآن وسنت کی تعلیمات یہ ہیں کہ حکومت ایک مسئولیت ہے، کوئی ایسا حق نہیں جسے حاصل کرنے کے لیے انسان جدوجہد کرے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

((الإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))[1]

ترجمہ: امام (سربراہ حکومت) نگران ہے اور جن کی نگرانی اُس کے سپرد ہے اُس کے بارے میں اُس کو جواب دہی کرنا ہوگی۔

اس تصور کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اسے ایک ایسی مسئولیت اور ذمہ داری سمجھا جائے جس سے حتی الامکان بچ کر رہنا بہتر ہے۔ الّا یہ کہ کسی ضرورت کی وجہ سے انسان پر آپڑے تو اُسے ایک امانت اور ذمہ داری سمجھ کر نبھائے۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے حضور اقدس ﷺ سے خواہش ظاہر کی کہ اُنہیں کسی جگہ کی حکومت سونپ دی جائے۔

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا

((يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ ضَعِيفٌ وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ إِلاَّ مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِى عَلَيْهِ فِيهَا))[2]

ترجمہ: اے ابوذر! تم کمزور ہو اور یہ (حکومت) ایک امانت ہے، اور قیامت کے دن رسوائی اور پشیمانی، الّا یہ کہ کوئی شخص برحق طریقے سے کرے۔ یہ امانت ہے اور اُس پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں اُنہیں ٹھیک ٹھیک ادا کردے۔

---

[1] - صحیح بخاری، امام بخاری، كِتَابُ الجُمُعَةِ بَابُ الجُمُعَةِ فِي القُرَى وَالمدُنِ، حدیث: ۸۹۳، ص:۲/۵

[2] - صحیح مسلم، امام مسلم، كِتَابُ الْإِمَارَةِ، بَابُ كَرَاهَةِ الْإِمَارَةِ بِغَيْرِ ضَرُورَةٍ، حدیث: ۱۸۲۵، ص:۳/ ۱۴۵۷

اس حدیث میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں ایک ناتواں مرد کے لیے حکمران بننا پسند نہیں کیا جاتا کیوں کہ وہ ذمہ داریاں پوری طرح سے ادا نہیں کر سکتا تو عورت جو ذہنی، جسمانی اور جذباتی طور پر کمزور ہوتی ہے اُسے اسلام کیوں کر حاکم تصور کر سکتا ہے؟

مغربی تہذیب و معاشرت نے آزادی اور مساوات کے نام پر جہاں عورت کو اس غلط فہمی میں ڈالا کہ ملازمت کرنا اس کا حق ہے، حالانکہ ملازمت حق نہیں ذمہ داری ہے، اسی طرح حکمرانی اور قیادت کو حقوق کی فہرست میں شامل کر کے عورت کو اس دوڑ میں بھی شریک کر دیا۔ جب کہ اسلام اس فلسفہ کو تسلیم نہیں کرتا، اسلام یہ کہتا ہے کہ گھر کے اخراجات فراہم کرنے کے لیے ملازمت کرنا حقوق سے نہیں بلکہ ذمہ داریوں سے تعلق رکھتا ہے، اور مرد اور عورت کے درمیان ذمہ داریوں کی فطری تقسیم میں یہ ذمہ داری مرد کے کھاتے میں ہے۔ اسی طرح حکمرانی اور قیادت کا شمار بھی حقوق میں نہیں بلکہ ذمہ داریوں اور فرائض میں ہوتا ہے۔ اور اسلام عورت کے طبعی اور فطری فرائض اور ذمہ داریوں سے زائد کسی ذمہ داری اور فرض کا بوجھ اس کے نازک کندھوں پر نہیں ڈالنا چاہتا۔ یہی وجہ ہے کہ حکمرانی کی ذمہ داری مرد پر ڈالی گئی ہے اور عورت کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ انسانی معاشرت کے اسلامی فلسفہ اور آج کے مروجہ نظریات میں یہی بنیادی فرق ہے کہ اسلام حکمرانی کو ذمہ داری قرار دیتا ہے جب کہ موجودہ سیاسی نظاموں نے اسے حقوق میں شامل کر کے اس خود ساختہ حق کے لیے مختلف انسانی طبقات کو مسابقت کی دوڑ میں اس قدر الجھا دیا گیا ہے کہ حقوق و فرائض کے درمیان کوئی خطِ امتیاز باقی نہیں رہا۔

## نسائیت پر اعتراضات اور ہم آہنگی کی صورت

نسائیت کی پوری تاریخ کا جائزہ لینے سے واضح ہوتا ہے کہ آغاز سے عصر حاضر تک اس کے مقاصد میں تبدیلی آتی رہی ہے مگر تبدیلی کا محرک و مرکز عورت اور اُس کا استحصال رہا۔ یہ الگ بات ہے کہ آزادی، ساخت اور حقوق کی اس جنگ میں حاصل ہونے والی ہر کامیابی کسی اگلی منزل کا سنگ میل ثابت ہوئی۔ اس سفر میں اپنے وقت کے مقبول علوم اور نظریات (تحلیل نفسی، مارکس ازم) کو چیلنج کرتے ہوئے اُن کی نئی تعبیر بھی کی پھر انہیں نسائی فکر کے ساتھ ملا کر نئے زاویے سے مقاصد تک پہنچنے کی کوشش بھی ہوئی۔ نسائی فکر میں مختلف ادوار میں ہونے والے ارتقاء اور پھر ۱۹۶۰ کے بعد سے مسلسل اس کے اندر جنم لینے والے مباحث اور اُن کے نتیجے میں نسائیت پسندوں میں نظریاتی اختلافات کو نسائیت کا کمزور پہلو جان کر کسی متعین اور طے شدہ تعریف سے عاری قرار دیا گیا۔

خود خواتین کی اکثریت نے اسے شک کی نظروں سے دیکھا۔ نسائیت کی صورت میں اُن سے ماں، بہن، اور بیٹی کی حیثیت سے حاصل ممتاز مقام کو چھیننے کی کوشش تصور کیا گیا اور ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک میں نسائی تحریک کو مغرب زدہ تصور کہہ کر مسترد کر دیا گیا۔

در حقیقت کوئی بھی سوچ یا فکر اختلافِ نظر سے مبرا نہیں ہوتی مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ نظری اور عملی اختلافات کے نتیجے میں ہی کوئی فکر ایسے درجے کو پہنچتی ہے جہاں معاشرتی اور تہذیبی تقاضوں کے اہداف کا حصول بھی ممکن ہو سکے۔ نسائیت بھی داخلی اور خارجی سطح پر مختلف اعتراضات کی زد میں رہی ہے۔ آج بھی اس کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے مباحث جاری ہیں۔ نسائیت کے حوالے سے دو طرح کی بنیادوں پر اعتراضات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ مذہبی بنیادوں پر اعتراضات

۲۔ تہذیبی اور معاشرتی تناظر میں کیے گئے اعتراضات

## مذہبی بنیادوں پر کیے گئے اعتراضات

مغربی تاریخ میں عورت کو مقہور اور محکوم رکھنے کے لیے مذہبی عناصر (پادری) نے فعال کردار ادا کیا، یا یوں کہا جا سکتا ہے مردوں نے عورت کو محکوم بنانے کے لیے مذہب کو بطور ہتھیار استعمال کیا ہے۔ اسی بنیاد پر مغربی عورت کی مذہب سے دُوری پیدا ہوئی اور نسائیت کی اس فکر کو فروغ حاصل ہوا کہ مذہب عورت سے مرد کی اطاعت گزاری اور محکومیت کا تقاضا کرتا ہے۔ مذہبی علماء نسائیت کی انتہا پسند صورت کو بنیاد بنا کر اُس پر اعتراض کرتے ہیں کہ نسائیت مغرب کی آزاد عورت کی تحریک ہے جہاں مذہب کا عمل دخل زندگی سے ختم ہو چکا ہے۔ یہ اعتراض جزوی طور پر دُرست ہے۔ مغرب میں بھی نسائیت کو اپنے ایام طفولیت میں کافی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ مزاحمت جو کہ روایت پسند طبقات اور مذہبی حلقوں کی طرف سے تھی اُس وقت مزید شدت کے ساتھ رونما ہوئی جب نسائیت نے انقلابی صورت حال اختیار کرتے ہوئے نفرت سے اقتدار تک کا سفر طے کیا۔ یہی وہ وقت تھا جب بیٹی فرائیڈن نے حالات کا احساس کرتے ہوئے مذہبی طبقوں سے اُلجھ کر توانائیاں ضائع کرنے کے بجائے معاشرے میں عورت اور مرد کے کردار کے حوالے سے سوچ میں تبدیلی کا اعلان کیا۔ [1]

مغرب کے پدرسری معاشروں میں مذہب کو ہمیشہ ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ ان معاشروں میں مذہب کی ضرورت اُسی وقت محسوس ہوتی ہے جب مردوں کے مخصوص مفادات پر زد پڑتی ہے۔

---

1- Betty Friedan, *Beyond Gender*, 42.

مذہب کی تشریح و توضیح کی ذمہ داری بھی ہمیشہ مرد پر رہی ہے اور اُس نے اپنے غلبے کے استحکام کے لیے اسے بخوبی استعمال کیا ہے۔ (۱)

اس اعتراض کے پیچھے عورت کی بے مہار آزادی کا خوف کار فرما ہے۔ سب سے پہلے تو ہمیں تعین کرنا ہو گا کہ عورت کی آزادی سے کیا مراد ہے ؟ اور مذہبی روایات کے حامل معاشروں میں عورت کی یہ آزادی کس سطح پر ٹکراؤ کی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ جب تیسری دُنیا کے کسی معاشرے میں آزادی نسواں کی بات چلتی ہے تو فوری ردِ عمل کے طور پر چند باتیں سامنے آتی ہیں۔

اولاً مغربی لباس (جو اکثر جسم کو مشرقی روایات کے مطابق ڈھانپنے میں ناکام ہوتا ہے) میں ملبوس ماں باپ، گھر اور خاندان سے بے زار تنہا زندگی گزارتی ہوئی عورت کا خاکہ۔ جو معاشرے کی معینہ اقدار کو نظر انداز کرتے ہوئے ممنوعات (Taboos) کو مسترد کرتی ہے۔ دوم آزادی نسواں کے ساتھ تیسری دُنیا میں اکثر این جی اوز کے ذریعے نافذ العمل مغربی ایجنڈا دکھائی دیتا ہے (اگرچہ یہ خیال ہمیشہ دُرست نہیں ہوتا)۔ سوم آزادی نسواں کے اس تصور کے ساتھ لادین عورت کی تصویر اُبھرتی ہے جو آنے والی نسلوں کو بھی لادینیت کی طرف دھکیلنے کا سبب بنتی ہے۔

ہمارے ذہن میں اُبھرنے والی ان باتوں کے پیچھے کیا محرکات ہیں ان کا جائزہ بھی لینا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ اولاً تو ہم عورت کی آزادی کے دُرست مفہوم سے واقف نہیں۔ ہمارا روایتی، ثقافتی اور مذہبی ذہن عورت اور آزادی کو دو متضاد تصورات کی صورت دیکھتا ہے۔ یہ تصورات بھی اگر غور کیا جائے تو مذہب کی اُس تشریح و توضیع کا نتیجہ ہیں جو مردوں نے کی ہے۔ معاملہ کسی الوہی مذہب کا ہو یا اساطیری مذہب کا، اُن کے بنیاد گزاروں سے لے کر مفسرین و مبلغین تک ہر جگہ مرد پہلے اور آخری فیصلے کی صورت کار فرما نظر آتا ہے۔ ویدوں کے لکھاری ہوں یا عہد نامہ قدیم و جدید کے مصنفین یا مذہبی کُتب کے مفسر اور شارح ہر مقام پر مرد ہی معتبر ٹھہرتا ہے۔

دوسرا محرک اُس طاقت سے محرومی کا خوف ہے جو مغرب میں مذہب کے نام پر مرد نے عورت پر حاصل کی ہے۔ اس طاقت اور تفوق کو برقرار رکھنے کے لیے مرد نے کس کس طرح عورت کا استحصال کیا، کلیساء کی تاریخ ان مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ کلیسا ہی کیوں مندروں، معبدوں اور آتش کدوں میں بھی مرد کی اس طاقت کا مظاہرہ ہوتا رہا ہے۔

---

1- Gerda Lerner, *The Creation of Patriarchy. Women and History.* (Oxford University Press, 1986), 8–11

برٹرینڈ رسل (Bertrand Russell)[1] اپنے مضمون "طاقت کی بھوک" میں لکھتا ہے

"مختلف معاشرے کئی انداز سے طاقت کے تصور سے مربوط ہوتے ہیں اور اس کی وجہ بہت حد تک یہ ہوتی ہے۔ کہ اس خاص معاشرے میں افراد اور ادارے کس قسم کی طاقت کے حصول پر یقین رکھتے ہیں۔ بعض معاشروں میں کلیساء نے عوام کو پروپیگنڈہ کے ذریعے توہم پرست بت بنا کر خدا کے نام پر طاقت پر قبضہ جمایا ہوا ہے۔[۲]

اس بیان سے منکشف ہوتا ہے کہ طاقت کا یہ معاملہ مجموعی طور پر پوری نوع میں کار فرما ہونے کے ساتھ ساتھ اس نوع کی داخلی تقسیم کے ذریعے ایک نصف (مرد) کی دوسرے نصف (عورت) پر غالب ہونے کے ساتھ بھی اُسی طرح منسلک ہے۔ طاقت کی صورت میں مرد مذہب کو عورت پر غلبے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ فی زمانہ پسماندہ معاشروں میں مذہب کے نام پر طاقت کے حصول کا طریقہ اُسی طرح رائج ہے جیسے گزشتہ صدیوں سے مغربی ممالک میں رہا۔

محولہ بالا روایات، ترجیحات اور محرکات ہی ہیں، جو آزادی نسواں کے تصور کو غلط فہمیوں کی نذر کر دیتے ہیں۔ نسائیت کی کسی ایک شکل (بنیاد پرست نسائیت اور اس کی ذیلی شاخیں) کو بہانہ بنا کر عورت کو حقیقی آزادی اور حقوق سے محروم کر دینا بھی مذہبی اداروں کی اجارہ داری کو ظاہر کرتا ہے۔

عورت کی حقیقی آزادی کیا ہے۔ درج ذیل نکات کی مدد سے ایک خاکہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۔ عورت کو اپنی زندگی کے فیصلے کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ معاشی، سیاسی اور ازدواجی ہر شعبے میں وہ اپنے راستے کا انتخاب خود کر سکے۔ انتخاب کی یہ آزادی عورت کو عورت پن سے ترقی دے کر انسان کا درجہ دے گی۔

۲۔ قانونی، انتظامی اور سیاسی اداروں میں عورت کو فیصلے کے اختیار پر مبنی موثر نمائندگی حاصل ہو۔

۳۔ قانون سازی میں عورت اور مرد کو مساوی حقوق حاصل ہوں۔ (یاد رہے کہ آزادی نسواں کی تحریک کا آغاز بھی قانون میں موجود اسی تفریق سے ہوا تھا)

۴۔ برابری (Equality) کے بجائے عدل (Equity) قائم کیا جائے۔

۵۔ خاندان میں عزت و احترام کے ساتھ ساتھ مقاماتِ کار پر بھی عورت کو جسمانی کشش کی نذر کرنے کے بجائے اُسے انسان سمجھا جائے۔

---

[1] ۔برٹرینڈ ارتھر ولیم رسل (Bertrand Arthur William Russell) (۱۸۷۲-۱۹۷۰): نوبل پرائز یافتہ برطانوی فلاسفر، منطق کا ماہر، ریاضی دان، تاریخ دان، سماجی نقاد اور مصنف تھا۔

[۲] ۔برٹرینڈ رسل، طاقت کی بھوک، مشمولہ: برٹرینڈ رسل کے فکر انگیز مضامین، مترجم جمشید اقبال، بیکن بکس لاہور، ۲۰۰۹، ص: ۱۲۰

۶۔ حیاتیاتی نرومیت کی بناء پر مرد اور عورت کی تخصیص جن کاموں میں ہے اُنہیں عورت کی مجبوری یا کمزوری سمجھنے کے بجائے ایک دوسرے کا احترام کیا جائے۔

درج بالا نکات میں اس بات کا خیال رہے کہ یہ تمام حقوق عورت کو صرف 'عطا' نہ کیے جائیں بلکہ مرد کی طرح عورت کا بھی ان حقوق کا حامل ہونا مسلمہ ہو۔ کیوں کہ 'عطا' کرنے اور 'حامل' ہونے میں بھی 'باز رکھے جانے' (Discounsel) کی الجھن ہے کہ عطا کرنے والا خود بخود غالب اور برتر مقام حاصل کرے گا۔

یہی وہ باتیں ہیں جو نسائیت کسی معاشرے میں چاہتی ہے۔ ان کے تسلیم کرنے سے مذہب متاثر نہیں ہوتا۔ نسائیت اپنی انتہا پسندی کی صورت میں کچھ ایسی جہات ضرور اختیار کرتی ہے جو مذہبی سانچوں کو توڑنے کا باعث ہوں مگر یہ مجموعی نسائیت کی ایک بحث ہے، جس سے اختلاف نسائیت کے اندر بھی موجود ہے۔ ہمارے ہاں در حقیقت مذہبی طبقوں کی طرف سے آنے والے اعتراضات کی وجوہات مذہبی سے زیادہ ثقافتی ہیں۔ اس حوالے سے ایک مختلف سوچ یہ بھی ہے کہ خواتین کے حقوق کے نام پر ثقافتی اور مذہبی روایات کو نظر انداز کرنا کالونیل ازم کا ایجنڈا ہے۔ (۱)

### ثقافتی اور معاشرتی حوالوں سے اعتراضات

نسائی فکر کا آغاز و ارتقاء مغربی ممالک میں ہوا۔ وہاں کی عورت نے مساوات اور آزادی کے حصول کے لیے جدوجہد کی اور درجہ بدرجہ تحریک کو آگے بڑھایا۔ اسی حوالے سے نسائیت پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مغربی دُنیا اور پسماندہ ممالک کے مابین معاشرتی اور ثقافتی میدانوں میں اس قدر افتراقات ہیں کہ کسی نظریے کو افتراقات اور اشراکات کے حوالے سے عمومیت کا درجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ ترقی یافتہ اور پسماندہ ممالک میں نسائیت کے مابین بنیادی فرق مقاصد کے تعین کا ہے۔ مغرب میں نسائیت معاشی، سیاسی اور معاشرتی قوت میں اشتراک کے مطالبے سے آگے بڑھ کر ساخت پر سوال اٹھا رہی ہے۔ جب کہ تیسری دُنیا میں ابھی بنیادی انسانی حقوق کے حصول کی خواہاں ہے۔ تیسری دُنیا میں خواتین کے استحصال کا دائرہ صرف جنسی امتیاز تک محدود نہیں رہتا بلکہ نسلی، طبقاتی اور مذہبی منطقوں تک پہنچ جاتا ہے اور یوں عورت کے استحصال کا مسئلہ شدت اختیار کر جاتا ہے۔

---

1- Susan Moller Okin, Is Multiculturalism Bad for Women?, (Princeton University Press, 1999), 71

انہی ثقافتی اور معاشرتی اختلافات کی بدولت مربوط نسائی نظریے کی عمل داری ممکن نہیں ہے۔ ہر معاشرے اور ثقافت کے معیاروں کو مد نظر رکھتے ہوئے نسائیت میں گنجائش پیدا کر کے اس تحریک کو عالمی تحریک میں بدلا جا سکتا ہے۔

در حقیقت عورتوں کے مسائل میں اختلافات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ یہ ثقافتی اختلافات نہ صرف ملکی اور قومی سطح پر موجود ہیں بلکہ علاقائی سطح پر بھی موجود ہیں۔ ہر علاقے کی اپنی ثقافت، روایت، تاریخ اور تصورات و نظریات ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں نسائیت کے کسی ایک نقطہ نظر یا کسی ایک لائحہ عمل کے ذریعے مقاصد حاصل نہیں کیے جا سکتے۔ یوں عمومیت نسائی تحریک کو مقاصد سے دُور لے جائے گی۔ [۱]

ثقافتی حوالے سے ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ کسی ثقافت سے ناواقف آدمی وہاں کی خواتین کی حالت پر کوئی تبصرہ نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ وہ اُس ثقافتی ڈھانچے (Framework) سے واقف نہیں ہو سکتا۔ اس اعتراض کا پس منظر ترقی یافتہ ممالک کے نسائیت پسندوں کی اُس کاوش سے ملتا ہے جس میں وہ پسماندہ ممالک کی خواتین کی آزادی اور حقوق کے لیے آواز اٹھاتے ہیں۔ اُن ممالک کی ثقافتی اور معاشرتی صورتحال سے واقفیت حاصل کیے بغیر مقاصد کا تعین کرتے ہیں۔

فی زمانہ تیسری دُنیا ترقی یافتہ ممالک پر معاشی انحصار رکھتی ہے۔ اس لیے اکثر یہ خیال بھی سامنے آتا ہے کہ یہاں نسائیت دراصل مغربی ایجنڈا ہے، جس کے منشور میں ہمارے خاندانی نظام اور ہماری اقدار کا خاتمہ ہے۔ خود یورپ اور امریکہ میں تحریک کے اندر مختلف اندازِ فکر کے حامل افراد ہیں، جہاں بیسویں صدی کے آخری عشروں سے ہی نسائیت کی کچھ شکلوں کو سرمایہ دارانہ نظام کا آلہ قرار دیا جا رہا ہے۔ [۲]

لہٰذا نسائیت کی اس تحریک اور فکر کو اپنی ثقافت اور معاشرتی اقدار کے مطابق ڈھال کر نسائیت کو نئی اور تیسری دُنیا کے لیے قابل قبول شکل میں اختیار کیا جا سکتا ہے۔ نسائی فکر اور تحریک کا فہم نہ رکھنے والی تیسری دُنیا کی خواتین ہی نہیں بلکہ خود مغرب میں بھی عورتوں کی جانب سے اعتراض کیا گیا۔ اس اعتراض کی بڑی وجہ بنیاد پرست یا انقلابی (Radical) نسائیت ہے۔ بنیاد پرست نسائیت پسندوں کی فطرت کی حدود میں دخل اندازی نے روایت پسند اور مذہب سے لگاؤ رکھنے والی خواتین کے سامنے نسائیت کا منفی چہرہ اجاگر کیا ہے۔ جہاں پر تحریک کے کارگزاروں کو

---

1- Javier Pererira Bruno, Third World Critiques of Western Feminist Theory in the Post Development Era, (Texas: Austin University Press, 2006), 62

2 -Monica Pham, "Women Against Feminism: An Analysis of Anti-Feminism Comments on Tumbler"

غلط فہمیوں کے رد کے لیے سامنے آنا چاہیے۔ جب نسائیت کو سرمایہ دارانہ نظام کا ایجنڈا قرار دیا جاتا ہے، تو اس کے پیچھے ترقی یافتہ ممالک میں غیر فطری رشتوں کو قانونی شکل دینے کا رجحان ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی ضرورت خاندان کا حصّہ ہوتے ہوئے معاشی، سیاسی اور قانونی سطح پر مرد کے برابر کامیابی اور ناکامی کا بوجھ بانٹتی ہوئی عورت نہیں بلکہ روبوٹ نما عورت ہے۔ حالاں کہ نسائیت پسندوں کا ہی کہنا ہے کہ عورت ہونے اور خاندان ہونے میں کوئی فرق نہیں۔[۱]

اگر ایک طرف کیٹ میلٹ(Kat Millett)[۲]، جولیا کرسٹیوا(Julia Kristeva)[۳] اور کیتھی سارا چائلڈ(Kathie Sarachild) جیسی انتہا پسند نسائی خواتین ہیں، تو دوسری طرف بیٹی فرائیڈن جیسی اعتدال پسند نسائی مفکرین بھی موجود ہیں، جن کے نظریات نسائیت کو ایک مثبت اور ترقی پسند فکر کا درجہ دیتے ہیں۔ ان مفکرین کا مطمع نظر خواتین کے بنیادی مسائل، معاشی اور سماجی مساوات اور انصاف، تعلیم اور روزگار کے مساوی مواقع اور معاوضے، جنسی جبر و استحصال سے نجات، باعزت ازدواجی رشتے، مساوی حقوق اور سیاسی اقتدار میں شرکت، ذاتی سپیس اور صحت بخش زندگی کی سہولت ہیں۔

جہاں تک تحریک نسواں پر اعتراضات کا تعلق ہے، تو کارل مارکس کا مقولہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ

> "Every revolutionary movement at some stage in its development has to face, the whip of reaction"[4]

ترجمہ: ہر انقلابی تحریک کو اپنے ترقی کے مراحل میں مخالف رد عمل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

تمام اختلافات اور اعتراضات سے قطع نظر اگر نسائیت کو معاشرے کی مجموعی حالت کو بہتر بنانے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے اور مرد اور عورت کی تخصیص کے بغیر سب کے لیے انصاف کے مساوی مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔ نسلی، علاقائی، قومی، مذہبی اور طبقاتی مسائل کو سلیقے سے نسائی فکر کا حصّہ بنایا جاتا ہے تو امکان ہے کہ وہ کامیابیاں حاصل ہو جائیں جو پدرانہ معاشرے کے مرد اساس نظریات کے لیے ناممکن رہی ہیں۔

---

1- Monica Pham, "Women Against Feminism, 67

۲- کیٹ میلٹ(Katherine Murray Millett) (۱۹۳۴-۲۰۱۷): امریکی ماہر تعلیم، فنکار، نسائی رہنما اور مصنفہ تھی۔

۳- جولیا کرسٹویا(Julia Kristeva)(پیدائش ۱۹۴۱): فرانسیسی فلاسفر، ادبی نقاد، علم علامات اور علم تحلیل نفسی کی ماہرہ اور نسائی رہنما ہے۔

4- Carol Hanisch, " Struggle over Leadership in the Women's Liberation Movement", *Leadership in Social Movements*, Manchaster University Press, 2001, 14

## عدم مساوات کا سبب

مغربی نظام اور اسلامی نظام میں بنیادی فرق قوانین کا ہے۔ اسلام کا قانون مالک کائنات کا بنایا ہوا ہے جب کہ مغربی سماجی قوانین انسانی عقل کی بنیاد پر بنائے گئے ہیں ،اور قانون کے پاس اس بات کی کوئی معقول وجہ موجود ہونا ضروری ہے کہ وہ کسی چیز کو کیوں جرم قرار دیتا ہے۔ انسانی قانون کے پاس اس کا جواب یہ ہے کہ جو عمل امن عامہ یا نظم مملکت میں خلل ڈالتا ہو وہ جرم ہے اس کے بغیر اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی فعل کو جرم کیسے قرار دے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب کے قوانین مروجہ کی نظر میں زنا اصلاً جرم نظر نہیں آتا بلکہ وہ صرف اُس وقت جرم بنتا ہے جب طرفین میں سے کسی نے دوسرے پر جبر کیا ہو۔ گویا انسانی قانون کے نزدیک اصل جرم زنا نہیں بلکہ جبر و اکراہ ہے۔ جس طرح زبردستی کسی کے مال پر ہاتھ ڈالنا جرم ہے، اسی طرح زبردستی اس کی آبرو پر دست درازی بھی جرم ہے، لیکن باہمی رضامندی سے جس طرح ایک کا مال دوسرے کے لیے جائز ہو جاتا ہے اسی طرح گویا قانون کی نظر میں فریقین کی رضامندی سے ایک کی عصمت دوسرے پر بھی حلال ہوتی ہے۔ اس باہمی رضامندی کی شکل میں قانون زنا کا حامی و محافظ بن جاتا ہے اور اگر تیسرا شخص مداخلت کر کے زبردستی انہیں روکنا چاہے تو اُلٹا وہی شخص مجرم بن جائے گا۔ زنا کا ارتکاب معاشرے میں زبردست فساد پھیلاتا ہے، وہ ناجائز اولاد کے مسائل پیدا کرتا ہے، رشتہ نکاح کو کمزور کر دیتا ہے، وہ سطحی لذتیت کا ذہن پیدا کرتا ہے، وہ چوری اور خیانت کی تربیت کرتا ہے، قتل اور اغواء کو فروغ دیتا ہے، وہ سارے سماج کے دل و دماغ کو گندا کر دیتا ہے، مگر اس کے باوجود قانون اسے کوئی سزا نہیں دے سکتا کیوں کہ اس کے پاس زنا بالرضا کو جرم قرار دینے کے لیے کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اس طرح انسانی قانون کے لیے یہ طے کرنا مشکل ہے، کہ وہ شراب نوشی کو جرم کیوں قرار دے، کیوں کہ اکل و شرب انسان کا ایک فطری حق ہے، اس لیے وہ جو چاہے کھائے اس میں قانون کو مداخلت کرنے کی کیا ضرورت؟ اس لیے اس کے نزدیک نہ شراب پینا جرم ہے اور نہ اس سے پیدا شدہ بدمستی اصلاً قابل مواخذہ ہے، البتہ نشے کی حالت میں مخمور کسی سے گالم گلوچ کر بیٹھا یا ہاتھا پائی کی نوبت آگئی، یا شارع عام وہ اس طرح جھومتا ہوا چلا کہ اس کی حرکات سے بالکل نمایاں تھا، تب جا کر قانون اس پر ہاتھ ڈالنا جائز سمجھے گا۔ گویا انسانی قانون کے رُو سے فی الحقیقت شراب نوشی کا فعل قابل گرفت نہیں ہے بلکہ اصل قابل گرفت جرم دُوسروں کو ایک شکل میں ایذا پہنچانا ہے۔ شراب نوشی صحت کو تباہ کرتی ہے، وہ مال کے ضیاع اور بالآخر اقتصادی بربادی تک لے جا سکتی ہے، اس سے اخلاق کمزور پڑتا ہے اور انسان دھیرے دھیرے حیوان بن جاتا ہے، شراب مجرمین کی ایک بہترین مددگار ہے جس کو پینے کے بعد لطیف احساسات مفلوج ہو جاتے ہیں اور پھر قتل، چوری، ڈاکہ اور عصمت دری کے واقعات کرنا آسان ہو جاتا ہے، یہ سب کچھ ہوتا ہے، مگر قانون

اسے بند نہیں کر سکتا کیوں کہ اس کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں ہے کہ وہ کیوں لوگوں کے اختیاری اکل و شرب پر پابندی عائد کرے۔

اس مشکل کا جواب صرف خدا کے قانون میں ہے، کیوں کہ خدا کا قانون مالک کائنات کی مرضی کا اظہار ہوتا ہے۔ کسی قانون کا خدا کا قانون ہونا بذات خود اس بات کی وجہ کافی ہے کہ وہ بندوں کے اوپر نافذ ہو۔ اس کے بعد اس کے لیے کسی اور سبب کی ضرورت نہیں۔ اس طرح خدائی قانون، قانون کی اس ضرورت کو پورا کرتا ہے کہ کس بنیاد پر کس فعل کو قانون کی زد میں لایا جائے۔ خدا کا قانون وہ تمام بنیادی اُصول فراہم کرتا ہے جو غیر متبدل طور پر ہمارے قانون کا لازمی جزو ہونے چاہیے۔ انسانی قانون کچھ بنیادی امور کے بارے میں بنیادی پہلوؤں کا تعین کرتا ہے اور بقیہ امور اور دیگر پہلوؤں کے بارے میں خاموش ہے۔ اس طرح خدائی قانون اس فرق کا تعین کر دیتا ہے کہ قانون کا کون سا حصّہ دائمی ہے اور کون سا حصّہ قابل تغیر ہے اور پھر خدا کا قانون ہونے کی وجہ سے اپنے ساتھ یہ ترجیحی دلیل بھی رکھتا ہے کہ کیوں ہم اس تعین کو مبنی بر حق سمجھیں اور اس کو لازمی قرار دیں۔ یہ خدائی قانون کی ایک بڑی دین ہے، بلکہ ایک ایسی دین ہے جس کا بدل فراہم کرنا انسان کے لیے قطعی ناممکن ہے۔ جب انسان ہی قانون ساز ہو تو بالکل فطری طور پر وہ خدا اور قانون دونوں کا جامع ہو جاتا ہے، وہ خود ہی خدا اور خود ہی قانون ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں قانون سازوں کو قانون کے دائرے میں لانے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ تمام جمہوریتوں میں شہری مساوات کے اُصول کو تسلیم کرنے کے باوجود قانونی طور پر سب یکساں نہیں۔

اسلام ایک فطری نظام حیات ہے جو اسی خالق و مالک نے عطا فرمایا ہے جس نے مرد اور عورت کے درمیان فرائض و حقوق کی تکوینی تقسیم کی ہے، اسی لیے اسلام کے شرعی اور قانونی احکام کی بنیاد بھی اس تکوینی تقسیم کے فطری تقاضوں پر ہے۔ اور اس وقت دنیا میں اسلام ہی ایک ایسا نظام ہے جو عورت اور مرد کے درمیان حقوق و فرائض کی شرعی اور قانونی تقسیم دونوں کے تخلیقی فرق اور تکوینی ذمہ داریوں کے عین مطابق کرتا ہے اور اس کے ذریعے ایک خوشحال، پرسکون اور پر امن معاشرہ کی ضمانت دیتا ہے۔ ورنہ بیشتر مروجہ معاشرتی اقدار کی بنیاد اس فطری اور تکوینی فرق سے فرار اور انحراف پر ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ فرق تو کسی سے مٹ نہیں پا رہا مگر اس سے انحراف اور فرار پر مبنی معاشرتی بے چینی، نفسیاتی پیچیدگیوں اور ذہنی الجھنوں میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

مغربی مفکرین کے بڑے پیمانے پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسلامی ورثہ میں دانشورانہ عناصر شامل نہیں جو خواتین کے حقوق کو فروغ دے سکیں۔ چند مفکرین یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام ان حقوق کے حصول میں رکاوٹ ہے یا حقوق نسواں کے استحکام اور کامیابی کے خلاف اُٹھ کھڑا ہو گا۔ یورپی مفکرین کا یہ دعویٰ اب مخفی نہیں جس میں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان انسانی حقوق کا واحد ممکنہ ذریعہ صرف ان کی یونانی اور رومن تہذیبوں سے وابستہ ان کی مغربی

تاریخ، ان کا فلسفہ اور سماجی سوچ سے وابستہ ہے۔ جب کہ حقیقت میں 'عورت کے حقوق' اسلام کی رُوح ہے۔ بین الاقوامی سطح پر عورت کے حق کی آواز اسلام کے ہی مرہون منت ہے۔

خود مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم فلسفیوں، مؤرخوں، مفکروں، ادیبوں، راہبانِ کلیسا، غیر مسلم اربابِ فکر ونظر، دانایانِ فرنگ اور دانشورانِ عالم نے اعتراف حقیقت کرتے ہوئے دین اسلام کو علمبردار حقوق نسواں اور نجات دہندہ قرار دیا۔ حقوق نسواں کے بارے میں اسلام کی تعلیمات کس قدر قابل تعریف ہیں ان کا اندازہ مغرب کے چند مفکرین کے اقوال سے لگایا جاسکتا ہے۔

فرانسیسی محقق گستاؤلی بان لکھتے ہیں

"اسلام نے مسلمان عورتوں کی تمدنی حالت پر نہایت مفید اور گہرا اثر ڈالا۔ انہیں ذلت کی بجائے عزت ورفعت سے سرفراز کیا اور کم وبیش ہر میدان میں ترقی سے ہمکنار کیا چنانچہ قرآن کا قانون وراثت و حقوق نسواں یورپ کے قانون وراثت و حقوق نسواں کے مقابلے میں بہت زیادہ مفید اور زیادہ وسیع اور فطرت نسواں سے زیادہ قریب ہے"۔[۱]

یورپی مصنف پروفیسر ڈی ایس مارگولیوتھ (David Samuel Margoliouth) [۲] جو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ دشمنی، بہتان تراشی، اعتراضات اور الزامات کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، اس نے پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت طیبہ میں جو کتاب "Mohammed and the Rise of Islam" کے نام سے تصنیف کی، اس میں من گھڑت اعتراضات کا طوفان بپا ہے بایں ہمہ نیش زنی ایک موقع پر حقیقت کا اعتراف اس طرح کیا ہے کہ

"دور جاہلیت میں عرب تو ایک طرف رہے عیسائیت اور ہندومت میں بھی یہ تصور نہ کیا جاسکتا تھا کہ عورت بھی صاحب حیثیت اور صاحب جائیداد ہو سکتی ہے، یہ مذاہب عورت کو اس بات کی اجازت ہی نہ دیتے تھے کہ وہ مرد کی طرح معاشی اعتبار سے خوشحال ہوسکے۔ عورت کی حقیقی حیثیت ان مذاہب اور ثقافتوں اور معاشروں میں ایک باندی کی سی تھی جو مرد کے رحم وکرم پر اپنی زندگی بسر

---

1-Gustave Le Bon, *The World of Islamic Civilization* (Barcelona: Tudor Publishing Company, 1974, 141.

۲- ڈیوڈ سموئیل مارگولیتھ (David Samuel Margoliouth) (۱۸۵۸-۱۹۴۰): برطانوی چرچ میں پادری تھا۔ ۱۸۸۹ تا ۱۹۳۷ تک اکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی کالاٹ پروفیسر اور مشرقی تہذیب کا عالم تھا۔

کرتی تھی، محمد ﷺ نے عورت کو آزادی عطا کی، خود مختاری دی اور اسے خود اعتمادی سے جینے کا حق دیا"۔[۱]

جی ڈبلیو لائٹنر (Gottlieb Wilhelm Leitner)[۲] لکھتا ہے

"عورت کو جو تکریم اور عزت محمد ﷺ نے دی وہ مغربی معاشرے اور دوسرے مذاہب اسے کبھی نہ دے سکے تھے"[۳]

عینی بیسنٹ (Annie Besant)[۴] اسلام میں عورت کی حیثیت، مقام اور حقوق پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہے

"یاد رکھیے! اسلام کا قانون موجودہ زمانہ تک جب کہ اس کے اجزاء پر انگلینڈ میں بھی عملدرآمد شروع ہو گیا ہے سب سے زیادہ منصفانہ قانون ہے۔ اس قانون میں جہاں تک جائیداد کا تعلق ہے یا طلاق کے معاملات طے کرنا ہے یہ مغربی قوانین سے بہت سبقت لے جا چکا ہے۔ اسلامی قانون کے تحت عورتوں کے عام حقوق کو وسیع تر کر دیا گیا ہے بہ نسبت ان قوانین کے جنہیں آج ہم قانون خیال کرتے ہیں"۔[۵]

---

1-David Samuel Margoliouth, *Mohammed and The Rise of Islam* (New York: Putnam Publication, 1905), 233.

۲- گوٹلب ویلیئم لیٹنر (Gottlieb Wilhelm Leitner) (۱۸۴۰-۱۸۹۹) کنگز کالج لندن میں لسانیات کا پروفیسر تھا۔ عربی، ترکش اور مصری زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ ۱۸۶۴ میں گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور کا پرنسپل بنا اور ۱۸۸۲ میں پنجاب یونیورسٹی لاہور کے بانیوں میں سے تھا۔

3-Gottlieb William Leitner, *Muhammadanism: Being the Report of an Extempore Address* (London: Oriental Nobility Institute, Oxford University, 1890), 44.

۴- عینی بیسنٹ (۱۸۴۷-۱۹۳۳): ہندوستانی نژاد نامور برطانوی نسائیت نگار، علم حضرات کی ماہرہ، مصنفہ اور مقررہ کے طور پر جانی جاتی تھیں۔ انڈین نیشنل کانگریس کے پلیٹ فارم سے تحریک ازادی ہندوستان میں حصہ لیا۔ چھیاسٹھ سے زائد کتابوں کی مصنفہ ہیں۔

5-Annie Besant, *The Life and Teachings of Muhammad* (Channie: Adyar Publisher, 1932), 21.

اسی طرح غیر مسلم سیرت نگار رونلڈ ویکٹر بوڈلی(Ronald Victor Bodley) [۱] اسلام میں عورت اور جدید تہذیب اور مذہب میں اس کی حیثیت اور مقام کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے

" اسلامی قوانین نے عرب میں عورت کی وقعت و عزت اس وقت کے مغربی ممالک کے مقابلہ میں زیادہ بلند کر دی۔ درحقیقت آج بھی ایک مسلمان مرد کو اپنی بیوی کی جائیداد پر اتنے حقوق نہیں ہیں، جتنے اکثر یورپین ممالک میں شوہر کو ہیں۔ اسلام نے آج سے ۱۳ سو برس پہلے عورت کو اپنی ملکیت کے حقوق میں شوہر سے قطعی آزاد اور خود مختار بنادیا تھا"۔ [۲]

غیر مسلم مورخین اور سیرت نگاروں کے اقوال سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جو عزت و مقام اور حقوق اسلام نے عورتوں کو دیئے وہ کوئی اور مذہب یا سماجی طاقت اسے نہ دے سکی۔ اسلام میں خواتین کے بنیادی حقوق اور ذمہ داریوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عورت حالات کے مطابق اسلامی قوانین کو اختیار کرے تو اُسے کمتر رہنے کی کوئی ضرورت ہی نہ ہوگی جیسی اُس کی حیثیت سرمایہ دارانہ اور اشتراکی دونوں نظاموں میں آج عملی طور پر ہے۔ اسلام مطالبہ کرتا ہے کہ عورت متناسب رہے۔ اگر کوئی اسلام میں عورت کی حیثیت کا موازنہ کسی دوسری تہذیب اور قانونی نظام سے کرنا چاہتا ہے تو اسے تمام حقائق پر غور کرنا چاہیے نہ صرف یک طرفہ طریقہ کار اپنانا چاہیے۔ درحقیقت اخلاقیات کے پہلوؤں میں اسلام باقی نظاموں کے مقابلے میں زیادہ سخت نقطہ نظر رکھتا ہے۔

---

[۱]-رونلڈ ویکٹر کورٹینزی بوڈلی (Ronald Victor Courtenay Bodley) (۱۸۹۲-۱۹۷۰): فرانسیسی نژاد برطانوی تھا۔ ہندوستان میں برطانوی فوج کا افیسر تعینات تھا۔ صحافی اور مصنف تھا جس کی اٹھارہ سے زائد کتابوں کو بہت پذیرائی ملی۔

[2]-R. V. C. Bodley, *The Messenger: The life of Mohammed* (New York: Doubleday & Company, 1946), 38.

# نتائج بحث

۱۔ عورتوں کے حقوق کے بارے میں اسلام کا تصور آفاقی اور یکساں نوعیت کا ہے۔ جو زماں و مکاں کی تاریخی اور جغرافیائی حدود سے ماوراء ہے۔ اسلام میں حقوق نسواں کا منشور اللہ کا عطاء کردہ ہے اور ان کے حصول میں انسانوں کی محنت اور کوشش کا کوئی عمل دخل نہیں۔ دُنیا کے قانون سازوں کی طرف سے عورت کو دیے گئے حقوق کے برعکس یہ حقوق مستقل بالذات، مقدس اور ناقابل تنسیخ ہیں ۔

۲۔ حقوق نسواں کی تحریک کے تاریخی جائزہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تانیثی تصور مغربی دُنیا میں ان ہی تحریکوں کی بدولت پیدا ہوا۔ اُنیسویں صدی تک عورتوں کی بڑی تعداد امریکہ اور یورپ میں کوئی قانونی حیثیت یا شناخت نہیں رکھتی تھی۔

۳۔ معاشرے میں عدم مساوات، معاشی ناہمواری اور طبقاتی تقسیم وہ بنیادی عوامل ہیں جو اس عدم مساوات سے متاثر فرد کو شدت پسندی کی جانب راغب کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسی ہی شدت پسندی نسائی تحریک کی بنیاد میں پائی گئی ہے۔

۴۔ نسائیت پسندوں نے روایات سے انحراف کیا اور معاشرتی بے حسی کا مقابلہ کیا۔ جس کے لیے اُنھوں نے اپنی تحریروں میں معاشی سفاکی و بے حسی کو واضح انداز میں بیان کیا۔ اسی لیے نسائیت کی بنیاد عورت کی معاشی ترقی (Economic Empowerment) پر ہے کیوں کہ نسائیت کے نزدیک عورت کے تمام مسائل کی جڑ اُس کا معاشی انحصار ہے۔

۵۔ عورت کو سب سے زیادہ معاشی تحفظ اسلام نے فراہم کیا ہے۔ وراثت، حق مہر، نان نفقہ اور اس کی تمام ضروریات زندگی مہیا کرنے کا ذمہ دار مرد کو بنایا۔

۶۔ نسائیت کی بنیاد تاریخی اور ثقافتی سطح پر پختہ حقائق پر ہے مگر دوسرے نظریات کی طرح نسائیت کی نظریاتی اساس کسی ایک نظریے پر نہیں بلکہ اس کی تعریف میں ایک لچک ہے جو اس میں تبدیلی کی گنجائش پیدا کرتی ہے۔ اس کے معنی دُنیا کے مختلف حصوں میں اور ایک ہی ملک کے مختلف حصوں میں بھی مختلف ہیں۔ یہاں تک کہ ایک ہی طبقے کی عورتوں میں بھی نسائیت کے مختلف مباحث نظر آتے ہیں۔

۷۔ نسائیت پسندوں نے جدت پسندی سے سیاسی، سماجی، اخلاقی، تعلیمی اور اقتصادی لحاظ سے جنس کی تخصیص و تشخص کے خلاف برابری قائم کرنے کی کوشش کی، اور عورت کی فطری صلاحیتوں کو یکسر نظر انداز کیا۔

۸۔ نسائیت کا بنیادی مقصد خواتین کو سماجی حقوق کے ساتھ اپنا حق رائے دہی استعمال کرنے، یعنی ووٹ ڈالنے کا حق دلوانا تھا جس میں اُس کی کوششیں کافی حد تک رنگ لائیں۔ یہ الگ بات ہے کہ مغربی معاشروں میں زندگی کے بہت سے شعبوں میں اب بھی خواتین کو مردوں کے مساوی حقوق اور مقام حاصل نہیں، تاہم آزادیِ رائے، تعلیم، خود کفالت اور گھریلو تشدد وغیرہ کے خلاف قانونی تحفظ جیسے حقوق انہیں حاصل ہو گئے۔

۹۔ نسائی تحریکوں کے مطالبات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نسائیت پسندوں نے حقوق اور ذمہ داریوں کو خلط ملط (Intermix) کیا۔ اور ایسے مطالبات بھی کیے جو کہ عورتوں کے حقوق کے زمرے میں نہیں آتے، مثلاً ہم جنس پرستی، ہیجڑوں اور مخنثوں اور دوجنسیوں کے حقوق۔

۱۰۔ حقوق، آزادیوں اور مساوات کے منفی اثرات خاندانی نظام کی تباہی، آزادانہ اختلاط، ہم جنس پرستی کی صورت میں ظاہر ہوئے جن سے ناجائز اولاد اور جسمانی ونفسیاتی بیماریوں میں پریشان کن اضافہ ہو چکا ہے۔

۱۱۔ نسائی نظریہ (Feminist Theory) جنسی کرداروں اور عدم مساوات کو فروغ دینے کے لیے متنازعہ نقطہ نظر (Conflict Approach) کا استعمال کرتا ہے اور خاندان، پدرانہ نظام اور مذہب کی مخالفت کرتا ہے نتیجتاً اُسے مذہبی، تہذیبی اور معاشرتی مخالفتوں کا سامنا ہے۔

۱۲۔ اسلام اور نسائیت کے درمیان بہت سی چیزوں پر اتفاقِ رائے بھی موجود ہے۔ مثلاً دونوں عورت پر جبر و تشدد اور اس کے حقوق غصب کرنے کو ظلم کو غلط سمجھتے ہیں۔ اس میں صرف چند جرائم مثلاً زنا بالرضا، آزادانہ اختلاط کو استثناء حاصل ہے، جو کہ نہ صرف اسلام بلکہ دیگر مذاہب میں بھی روا نہیں۔

۱۳ اسلام میں مرد اور عورت ایک انسان ہونے کے ناطے برابر ہیں۔ اسلام میں عورت اور مرد کی ذمہ داریوں کے دائرہ کار الگ الگ ہیں، جب کہ مغربی افکار میں زندگی کے تمام شعبوں میں مرد اور عورت ذمہ داریوں میں بھی برابر ہیں۔

# سفارشات

۱) اس بات کی سفارش کی جاتی ہے کہ ہم ایک ایسا کلچر پروان چڑھائیں جس میں معاشرے کے سر کردہ لوگ خواتین کے حقوق اور عزت کے لیے آواز بلند کریں۔ ہماری سماجی اور معاشرتی ذمہ داری ہے کہ ہم خواتین کے حقوق کے حوالے سے معاشرے میں اونچ نیچ کا خاتمہ کریں۔

۲) عورتوں کے حقوق کے لیے علماء کرام اور اساتذہ کو چاہیے کہ وہ معاشرے میں اسلامی تعلیم وتربیت کے بارے میں آگاہی پیدا کریں۔۔

۳) خواتین کے معاشی استحکام کے لیے اسلام کے عطاء کردہ معاشی حقوق (حق مہر، نان نفقہ اور وراثت) کی ادائیگی یقینی بنانے کے لیے عملی اقدامات کیے جانے چاہییں۔

۴) خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لیے اداروں کا کردار انتہائی اہم ہے۔ عدلیہ اور پولیس کی بروقت رہنمائی ایک مظلوم عورت کو انصاف دلا سکتی ہے، اس لیے پولیس کا فرض بنتا ہے کہ وہ زیادتی، تشدد کی شکار خاتون کی ایف آئی آر حقائق کی بنیاد پر درج کرے اور اس سلسلے میں اس عورت کو یا اس کے لواحقین کو مزید جتنی بھی رہنمائی درکار ہو وہ فراہم کرے۔

۵) تشدد کا شکار خواتین کے لیے قائم شدہ بحالی (Rehabilitation) سینٹرز بہتر بنائے جائیں، اس کے علاوہ ضلعی سطح پر وویمن پروٹیکشن کمیٹیاں تشکیل دی جائیں اور بے آسرا خواتین کو تحفظ کے ساتھ روزگار کے مواقع بھی میسر کیے جائیں۔

۶) تادیب سے تجاوز پر عورت کو شوہر کے خلاف عدالتی کارروائی کی اجازت عورت کو دی جائے۔

۷) فیملی کورٹس کی تعداد کو بڑھایا جائے تاکہ لڑائی جھگڑوں اور تشدد کے واقعات میں مظلوم کو فوری انصاف مل سکے۔

۸) ریاست کا فرض ہے کہ تعلیمی نصاب میں انسانی حقوق اور خصوصاً حقوق نسواں کی تعلیم کو لازمی حصہ بنائے۔ حکومت کو چاہیے کہ بجٹ کا ایک خاص حصہ عورتوں کی قانونی تعلیم وشعوری آگہی کے لیے استعمال کرے۔

۹) اعلیٰ تعلیمی اداروں میں صنفی تعصب کے خاتمے پر علمی وتحقیقی کام کی حوصلہ افزائی کرنے کے ساتھ ساتھ سیمینارز، کانفرنسز اور ورکشاپس منعقد کروائی جائیں تاکہ آنے والی نسلیں اس امتیاز کے بارے میں شعوری اور فکری طور پر آگاہ ہوں۔

۱۰) خواتین کی عزت و احترام بہتر بنانے کے لیے الگ ایجوکیشنل اینڈ ورکنگ انوائرنمنٹ بنایا جائے اور مخلوط انروانمنٹ کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ خصوصاً تعلیمی اداروں میں مخلوط محافل کے انعقاد کو ناممکن بنایا جائے۔

۱۱) معاشرتی بگاڑ سے متعلق اشتہارات میں عورت کے کام کرنے پر پابندی عائد کی جائے اور بے راہ روی اور اس کے مہلک نتائج سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ مانع حمل ادویات اور سہولیات کی فراہمی کے لیے حکومت ضابطہ مقرر کرے (یہ سہولیات صرف جائز اور قانونی ازدواجی تعلقات رکھنے پر ہی ملنی چاہییں تا کہ اس کے منفی استعمال سے پیدا ہونے والے مسائل سے بچا جا سکے۔)

۱۲) مشقتی کاموں میں عورت کی خدمات لینے پر پابندی عائد کی جائے۔ اور عورتوں کو ایسے پیشوں پر مامور نہ کیا جائے جو ان کی عمر یا جنس کے لحاظ سے ناموزوں ہوں۔ روزگار کے لیے تعلیم، صحت، فنون لطیفہ جیسے شعبہ جات مکمل طور پر خواتین کے لیے مختص کیے جائیں جہاں وہ باعزت طور پر اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکیں۔

۱۳) صنفی تعصبات کے خاتمے کی موثر تحریک / تشہیر کی ضرورت ہے، اس لیے ادبی حلقوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی تحریروں میں خواتین کے مسائل اجاگر کریں اور ایسے ڈرامے، تھیٹر، ریڈیو پروگرام ترتیب دیں جن سے خواتین کے بارے میں مثبت رویے پیدا کریں۔

۱۴) حقوق نسواں کے منافی تمام رسوم و رواج (ونی، کاروکاری، وٹہ سٹہ، جہیز وغیرہ) کے خاتمے یا ان میں بہتری کے سلسلے میں حکومت سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے ایک موثر قومی ادارہ یا کمیشن تشکیل دے جس میں سیاست دان، ججز، وکلاء، فلاحی تنظیمیں اور پروفیسرز شامل ہوں جو علمی، تحقیقی اور قانونی انداز سے ایسی رسوم بارے سفارشات پیش کریں تا کہ اُنہیں پارلیمنٹ میں پیش کرتے ہوئے موثر قانون سازی کی جا سکے۔

ہم آج کے دور میں ان چند چیزوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو قرآن نے بیان کی ہیں، از سر نو اپنی معاشرت اور اپنے قوانین کا جائزہ لیں اور برابری اور مساوات کے اصول پر اپنے طرز زندگی کو اس طرح سے استوار کریں کہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہرگز پامال اور متاثر نہ ہوں، جب کہ باقی تمام معاملات میں دین کی حکمتوں، اس کے آداب اور اس کی قیود کو ملحوظ رکھتے ہوئے خواتین بھی ان حقوق اور مواقعوں سے پوری طرح مستفید ہوں جو مردوں کو حاصل ہیں۔

# فہرست آیات قرآنی

نوٹ: آیات کی فہرست قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب کے مطابق مرتب کی گئی ہے۔ جس میں سورت نمبر، آیت نمبر اور مقالہ کا صفحہ نمبر درج ہے۔

| نمبر شمار | آیت | سورۃ | آیت نمبر | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|---|
| ۱ | ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ﴾ | البقرہ | ۲۹ | ۱۰ |
| ۲ | ﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ | البقرہ | ۳۰ | ۴۰۹ |
| ۳ | ﴿وَ آتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَ الْيَتَامَى﴾ | البقرہ | ۱۷۷ | ۲۵ |
| ۴ | ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ ---﴾ | البقرہ | ۱۸۰ | ۱۷۰ |
| ۵ | ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ ---﴾ | البقرہ | ۱۸۷ | ۱۱۴ |
| ۶ | ﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ---﴾ | البقرہ | ۲۱۵ | ۹۱ |
| ۷ | ﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ---﴾ | البقرہ | ۲۲۲ | ۱۱۳ |
| ۸ | ﴿فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا---﴾ | البقرہ | ۲۲۳ | ۱۱۹ |
| ۹ | ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ﴾ | البقرہ | ۲۲۳ | ۱۰۶ |
| ۱۰ | ﴿لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ---﴾ | البقرہ | ۲۲۶ | ۱۱۱ |
| ۱۱ | ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ---﴾ | البقرہ | ۲۲۸ | ۳۶۴ |
| ۱۲ | ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ | البقرہ | ۲۲۸ | ۳۷۲ |
| ۱۳ | ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا ---﴾ | البقرہ | ۲۲۹ | ۱۲۳ |
| ۱۴ | ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ | البقرہ | ۲۲۹ | ۳۷۱ |
| ۱۵ | ﴿وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا ---﴾ | البقرہ | ۲۳۱ | ۱۱۷ |
| ۱۶ | ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا---﴾ | البقرہ | ۲۳۲ | ۱۳۴ |
| ۱۷ | ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا---﴾ | البقرہ | ۲۳۳ | ۱۵۰-۱۳۸ |
| ۱۸ | ﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ | البقرہ | ۲۳۳ | ۱۳۴ |
| ۱۹ | ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ ---﴾ | البقرہ | ۲۳۴ | ۱۲۷ |
| ۲۰ | ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي ---﴾ | البقرہ | ۲۳۵ | ۱۲۸ |
| ۲۱ | ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً---﴾ | البقرہ | ۲۳۶ | ۱۵۴-۱۴۶ |
| ۲۲ | ﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً ---﴾ | البقرہ | ۲۳۷ | ۱۵۵-۱۰۹ |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۲۳ | ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ ---﴾ | البقرہ | ۲۴۰ | ۱۲۷ |
| ۲۴ | ﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ ---﴾ | البقرہ | ۲۴۷ | ۴۱۰ |
| ۲۵ | ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ  قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ---﴾ | البقرہ | ۲۵۶ | ۱۹ |
| ۲۶ | ﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ ---﴾ | آل عمران | ۲۶ | ۴۰۸ |
| ۲۷ | ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ ---﴾ | آل عمران | ۱۱۰ | ۳۹۸ |
| ۲۸ | ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا ---﴾ | النساء | ۱ | ۲۰۶-۱۰۳ |
| ۲۹ | ﴿ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا---﴾ | النساء | ۳ | ۸۴ |
| ۳۰ | ﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً---﴾ | النساء | ۴ | ۱۴۸-۱۰۷ |
| ۳۱ | ﴿فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا﴾ | النساء | ۴ | ۱۴۹ |
| ۳۲ | ﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ ---﴾ | النساء | ۷ | ۱۵۷ |
| ۳۳ | ﴿ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ | النساء | ۸ | ۱۵۹ |
| ۳۴ | ﴿ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ | النساء | ۹ | ۱۵۹ |
| ۳۵ | ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ---﴾ | النساء | ۱۱ | ۱۵۷-۱۰۰ |
| ۳۶ | ﴿ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ﴾ | النساء | ۱۱ | ۱۵۷ |
| ۳۷ | ﴿ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا﴾ | النساء | ۱۱ | ۳۳۸ |
| ۳۸ | ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ---﴾ | النساء | ۱۲ | ۱۶۸ |
| ۳۹ | ﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ | النساء | ۱۲ | ۱۶۱-۱۲۵۰۱۵۸ |
| ۴۰ | ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ ---﴾ | النساء | ۱۹ | ۱۲۶ |
| ۴۱ | ﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا ---﴾ | النساء | ۱۹ | ۱۱۵ |
| ۴۲ | ﴿وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا ---﴾ | النساء | ۲۰ | ۱۰۷-۶۷ |
| ۴۳ | ﴿وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا---﴾ | النساء | ۲۱ | ۱۰۷ |
| ۴۴ | ﴿وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ --- ﴾ | النساء | ۲۲ | ۱۲۶ |
| ۴۵ | ﴿وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ فَمَا ---﴾ | النساء | ۲۴ | ۱۰۸ |
| ۴۶ | ﴿فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ | النساء | ۲۴ | ۶۷ |
| ۴۷ | ﴿فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ---﴾ | النساء | ۲۵ | ۳۵۸-۱۰۸ |
| ۴۸ | ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواو لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾ | النساء | ۳۰ | ۱۸ |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۴۹ | ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا---﴾ | النساء | ۳۲ | ۴۱۴ |
| ۵۰ | الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا---﴾ | النساء | ۳۴ | ۵۹-۱۳۰-۱۳۳ |
| ۵۱ | ﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ | النساء | ۳۴ | ۳۶۵ |
| ۵۲ | ﴿وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ ---﴾ | النساء | ۳۴ | ۱۱۸ |
| ۵۳ | ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ | النساء | ۵۹ | ۲۲ |
| ۵۴ | ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللّٰهُ ﴾ | النساء | ۱۰۵ | ۶ |
| ۵۵ | ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰئِكَ ---﴾ | النساء | ۱۲۴ | ۱۰۳ |
| ۵۶ | ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ ---﴾ | النساء | ۱۳۵ | ۳۸۰ |
| ۵۷ | ﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ---﴾ | النساء | ۱۴۷ | ۲۰-۲۱ |
| ۵۸ | ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ ---﴾ | النساء | ۱۷۶ | ۱۰۱ |
| ۵۹ | ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ ---﴾ | المائدہ | ۵ | ۱۰۸ |
| ۶۰ | ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ---﴾ | المائدہ | ۳۲ | ۱۵-۱۶ |
| ۶۱ | ﴿ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ﴾ | الانعام | ۵۷ | ۴۰۸ |
| ۶۲ | ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ﴾ | الانعام | ۱۰۸ | ۲۰ |
| ۶۳ | ﴿وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰى أَزْوَاجِنَا---﴾ | الانعام | ۱۳۹ | ۳۷ |
| ۶۴ | ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ--﴾ | الانعام | ۱۴۰ | ۹۴ |
| ۶۵ | ﴿قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْـئًـا وَّبِالْوَالِدَيْنِ ---﴾ | الانعام | ۱۵۱ | ۱۷۴ |
| ۶۶ | ﴿ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ ﴾ | الانعام | ۱۵۸ | ۴۰۸ |
| ۶۷ | ﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰى﴾ | الانعام | ۱۶۴ | ۲۰ |
| ۶۸ | ﴿ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ﴾ | الاعراف | ۵۴ | ۴۰۸ |
| ۶۹ | ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا﴾ | الاعراف | ۱۸۹ | ۸۳ |
| ۷۰ | ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ ---﴾ | التوبہ | ۷۱ | ۱۸۵ |
| ۷۱ | ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ---﴾ | التوبہ | ۱۲۲ | ۲۳ |
| ۷۲ | ﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ يَتَوَارٰى ---﴾ | النحل | ۵۷-۵۸ | ۳۶ |
| ۷۳ | ﴿وَإِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْأُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ---﴾ | النحل | ۵۸-۵۹ | ۱۷۴ |
| ۷۴ | ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ---﴾ | النحل | ۷۲ | ۱۰۶ |
| ۷۵ | ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾ | النحل | ۹۰ | ۳۷۹ |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۷۶ | ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ---﴾ | الاسرا | ۱۸ | ۴ |
| ۷۷ | ﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ ---﴾ | الاسرا | ۲۳ | ۲۰۴ |
| ۷۸ | ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ --﴾ | الاسرا | ۲۸ | ۹۴ |
| ۸۰ | ﴿وَلاَ تَقْرَبُواْ الزِّنَى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاء سَبِيلاً﴾ | الاسرا | ۳۲ | ۴۰۴ |
| ۸۱ | ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ ---﴾ | الاسرا | ۷۷ | ۴۵ |
| ۸۲ | ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً--﴾ | النور | ۴ | ۴۰۲ |
| ۸۳ | ﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ﴾ | النور | ۲۴ | ۴۰۴ |
| ۸۴ | ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا --﴾ | النور | ۲۷ | ۱۹ |
| ۸۵ | ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ--﴾ | النور | ۲۹ | ۴۰۲ |
| ۸۶ | ﴿قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ --﴾ | النور | ۳۰ | ۱۸۳ |
| ۸۷ | ﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ--﴾ | النور | ۳۱ | ۱۸۳ |
| ۸۸ | ﴿وَلَاتُكْرِهُوافَتَيَاتِكُمْعَلَىالْبِغَاءِإِنْأَرَدْنَتَحَصُّنًالِّتَبْتَغُواعَرَضَالْحَيَاةِ الدُّنْيَا--﴾ | النور | ۳۳ | ۳۸ |
| ۸۹ | ﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ | النور | ۵۵ | ۲۲ |
| ۹۰ | ﴿إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ--﴾ | النمل | ۲۳ | ۴۱۱ |
| ۹۱ | ﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً ---﴾ | القصص | ۳ | ۲۴ |
| ۹۲ | ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ ---﴾ | الروم | ۲۱ | ۱۰۶-۸۳ |
| ۹۳ | ﴿فَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ذَلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ ----﴾ | الروم | ۳۸ | ۲۹ |
| ۹۴ | ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ | الروم | ۴۷ | ۶ |
| ۹۵ | ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ،حَمَلَتْهُ أُمُّه وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَّفِصَالُه ---﴾ | لقمان | ۱۴ | ۸۷ |
| ۹۶ | ﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ---﴾ | لقمان | ۱۵ | ۹۰ |
| ۹۷ | ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ ---﴾ | الاحزاب | ۳۶ | ۳۹۶ |
| ۹۸ | ﴿ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ | الاحزاب | ۳۳ | ۶۰ |
| ۹۹ | ﴿ يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ--﴾ | ص | ۲۶ | ۴۱۰ |
| ۱۰۰ | ﴿وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ﴾ | الشوریٰ | ۱۵ | ۲۴ |
| ۱۰۲ | ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ﴾ | الشوریٰ | ۳۸ | ۱۸۹ |
| ۱۰۳ | ﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ ---﴾ | الشوریٰ | ۵۰ | ۹۳ |
| ۱۰۴ | ﴿وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ--﴾ | الجاثیہ | ۲۴ | ۳۲ |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۱۰۵ | ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا --- ﴾ | الحجرات | ۱۱ | ۱۷ |
| ۱۰۶ | ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ ---﴾ | الحجرات | ۱۳ | ۴۵ |
| ۱۰۷ | ﴿بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ﴾ | قٓ | ۵ | ۴ |
| ۱۰۸ | ﴿وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ | النجم | ۲۸ | ۵ |
| ۱۰۹ | ﴿ مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى ---﴾ | الحشر | ۷ | ۲۶ |
| ۱۱۰ | ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ ---﴾ | الممتحنہ | ۱۲ | ۱۸۶ |
| ۱۱۱ | ﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ﴾ | الممتحنہ | ۱ | ۳۷۲ |
| ۱۱۲ | ﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ---﴾ | الممتحنہ | ۳ | ۱۳۴ |
| ۱۱۳ | ﴿وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ --- ﴾ | الممتحنہ | ۴ | ۳۶۸ |
| ۱۱۴ | ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ---﴾ | الممتحنہ | ۶ | ۱۳۲-۱۳۶ |
| ۱۱۵ | ﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ---﴾ | الممتحنہ | ۷ | ۱۱۰ |
| ۱۱۶ | ﴿وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ﴾ | الطلاق | ۶ | ۱۳۶ |
| ۱۱۷ | ﴿وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ ---﴾ | التحریم | ۳ | ۱۱۹ |
| ۱۱۸ | ﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ---﴾ | التحریم | ۲۴ | ۵ |
| ۱۱۹ | ﴿نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ---﴾ | الدھر | ۲۸ | ۱۹۷ |
| ۱۲۰ | ﴿وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾ | التکویر | ۸-۹ | ۱۷۴ |
| ۱۲۱ | ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ------ مَا لَمْ يَعْلَمْ---﴾ | العلق | ۱-۵ | ۱۷۵ |

# فہرست احادیث


| نمبر شمار | حدیث | کتاب حدیث | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|
| ۱ | ((اجْتَنِبُوا السَّبْعَ المُوبِقَاتِ:الشِّرْكُ بِاللَّهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ --)) | صحیح بخاری | ۴۰۳ |
| ۲ | ((اخْرُجِي فَجُدِّي فَلَعَلَّكَ أَنْ تَصَدَّقِي أَوْ تَفْعَلِي خَيْرًا--)) | سنن ابوداؤد | ۱۴۲ |
| ۳ | ((إذَا أَنْفَقَتْ الْمَرْأَةُ مِنْ طَعَامِ زَوْجِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا أَجْرُهَا --)) | بستان الاحبار مختصر نیل الاوطار | ۷۱ |
| ۴ | ((إِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ، وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ، وَأُمُورُكُمْ--)) | سنن ترمذی | ۴۱۵ |
| ۵ | ((أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ، قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ)) | سنن ابن ماجہ | ۹ |
| ۶ | ((اقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً)) | صحیح بخاری | ۱۲۴ |
| ۷ | ((أَكْرِمُوا أَوْلَادَكُمْ وَأَحْسِنُوا أَدَبَهُمْ)) | سنن ابن ماجہ | ۷۰ |
| ۸ | ((أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى أَفْضَلِ الصَّدَقَةِ؟ ابْنَتُكَ مَرْدُودَةً إِلَيْكَ--)) | سنن ابن ماجہ | ۹۸ |
| ۹ | ((أَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا--)) | سنن ترمذی | ۱۰۷ |
| ۱۰ | ((أَلَا تُعَلِّمِينَ هَذِهِ رُقْيَةَ النَّمْلَةِ كَمَا عَلَّمْتِيهَا الْكِتَابَةَ،--)) | فتوح البلدان | ۱۷۶ |
| ۱۱ | ((أَلَا لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ--)) | سنن ترمذی | ۳۷۸ |
| ۱۲ | ((أَلَا وَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا--)) | سنن ابن ماجہ | ۱۷ |
| ۱۳ | ((أَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ --)) | سنن ابن ماجہ | ۱۳۷ |
| ۱۴ | ((أَلْحِقُوا الفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ)) | صحیح بخاری | ۳۸۹ |
| ۱۵ | ((الإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ)) | صحیح بخاری | ۴۱۷ |
| ۱۶ | ((الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ، أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهُمْ)) | صحیح بخاری | ۱۷۱ |
| ۱۷ | (( الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ،وَإِنَّهَا إِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ،وَإِنَّهَا لا--)) | صحیح الترغیب والترھیب | ۶۱ |
| ۱۸ | ((أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ، فَخَيَّرَهَا)) | سنن ابن ماجہ | ۱۲۱ |
| ۱۹ | ((إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مُئُونَةً)) | مسند احمد | ۱۵۳ |
| ۲۰ | ((إنَّ الرَّهْبَانِيَةَ لَمْ تَكْتُبْ عَلَيْنَا، أفَمَالِكَ فِي أُسْوَةٍ؟--)) | صحیح بخاری | ۱۱۲ |
| ۲۱ | ((إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ: عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ--)) | سنن الکبری | ۸۹ |
| ۲۲ | ((إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ --)) | سنن ابوداؤد<br>سنن ابن ماجہ | ۳۹۰<br>۱۷۲ |
| ۲۳ | ((إِنَّ الْمَرْأَةَ لَتَأْخُذُ لِلْقَوْمِ يَعْنِي تُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ --)) | سنن ترمذی | ۱۹۵ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۲۴ | ((إنَّ أُمِّي قَدِمَتْ وَهِيَ رَاغِبَةٌ أَفَأَصِلُهَا قَالَ نَعَمْ صليها--)) | صحیح بخاری | ۸۹ |
| ۲۵ | ((إنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَطْيَبِ كَسْبِكُمْ فَكُلُوا مِنْ كَسْبِ أَوْلَادِكُمْ--)) | سنن ابوداؤد | ۹۲ |
| ۲۶ | ((أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ --)) | صحیح بخاری | ۱۷۱ |
| ۲۷ | ((أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ، وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، وَلَا --)) | سنن ابوداؤد | ۱۳۷ |
| ۲۸ | ((إنْ كَانَتِ الْمَرْأَةُ لَتُجِيرُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ فَيَجُوزُ)) | سنن ابوداؤد | ۱۹۵ |
| ۲۹ | ((إنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا--)) | صحیح مسلم | ۳۶۶ |
| ۳۰ | ((أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَنْكِحِي--)) | سنن ابوداؤد | ۶۲ |
| ۳۱ | ((أنت ومالك لأبيك)) | سنن ابن ماجہ | ۹۱ |
| ۳۲ | ((إِنَّمَا النِّسَاءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ)) | سنن ابی داؤد | ۱۳۹ |
| ۳۳ | ((أَنَّهُ أَعْتَقَ صَفِيَّةَ، وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا--)) | صحیح مسلم | ۱۵۶ |
| ۳۴ | ((إِنِّي كُتِبْتُ فِي غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا، وَامْرَأَتِي حَاجَّةٌ قَالَ ارْجِعْ--)) | صحیح بخاری | ۱۱۶ |
| ۳۵ | ((أَيُّ النَّاسِ أَعْظَمُ حَقًّا عَلَى الْمَرْأَةِ ؟ قَالَ زَوْجُهَا --)) | سنن الکبری | ۸۹ |
| ۳۶ | ((أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا--)) | صحیح مسلم | ۱۲۴ |
| ۳۷ | ((بَلَدِكُمْ هَذَا أَلَا إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ--)) | سنن ابن ماجہ | ۱۷ |
| ۳۸ | ((تَزَوَّجْتَ يَا جَابِرُ فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ: بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا؟ قُلْتُ--)) | صحیح مسلم | ۱۰۲ |
| ۳۹ | ((ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ نَشَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ وَأَدْخَلَهُ جَنَّتَهُ--)) | سنن ترمذی | ۹۰ |
| ۴۰ | ((ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ: الرَّجُلُ تَكُونُ لَهُ الأَمَةُ،--)) | صحیح بخاری | ۱۷۶ |
| ۴۱ | ((حَكَمَ النَّبِيّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَبَيْنَ زَوْجَتِهِ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حِينَ--)) | زاد المعاد فی ھدی خیر العباد | ۶۳ |
| ۴۲ | ((الخلقُ كُلُّهم عِيالُ اللهِ عزَّ وجلَّ، فأَحَبُّهُم إليهِ أنفعُهم --)) | صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ | ۸۴ |
| ۴۳ | ((خَيْرُ مَسَاجِدِ النِّسَاءِ قَعْرُ بُيُوتِهِنّ)) | مسند احمد | ۶۴ |
| ۴۴ | ((خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الإِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ، أَحْنَاهُ عَلَى وَلَدٍ --)) | صحیح بخاری | ۷۰ |
| ۴۵ | ((خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ –)) | سنن الکبری | ۵۸ |
| ۴۶ | ((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي)) | سنن الکبری بیہقی | ۱۱۵ |
| ۴۷ | ((الدُّنيا مَتاعٌ وَخيرُ مَتاعِ الدُّنيا المَرْأَةُ الصَّالِحَةُ)) | صحیح مسلم | ۷۱ |
| ۴۸ | ((دِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَدِينَارٌ فِي الْمَسَاكِينِ، وَدِينَارٌ--)) | سنن الکبری | ۱۳۹ |
| ۴۹ | ((صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي حُجْرَتِهَا --)) | سنن ابوداؤد | ۶۴ |

# فہرست آیات قرآنی

نوٹ: آیات کی فہرست قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب کے مطابق مرتب کی گئی ہے۔ جس میں سورت نمبر، آیت نمبر اور مقالہ کا صفحہ نمبر درج ہے۔



| نمبر شمار | آیت | سورۃ | آیت نمبر | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|---|
| ۱ | ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ ﴾ | البقرہ | ۲۹ | ۱۰ |
| ۲ | ﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ | البقرہ | ۳۰ | ۴۰۹ |
| ۳ | ﴿وَ آتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَ الْيَتَامَى﴾ | البقرہ | ۱۷۷ | ۲۵ |
| ۴ | ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ ---﴾ | البقرہ | ۱۸۰ | ۱۷۰ |
| ۵ | ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ ---﴾ | البقرہ | ۱۸۷ | ۱۱۴ |
| ۶ | ﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ---﴾ | البقرہ | ۲۱۵ | ۹۱ |
| ۷ | ﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ---﴾ | البقرہ | ۲۲۲ | ۱۱۳ |
| ۸ | ﴿فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا---﴾ | البقرہ | ۲۲۳ | ۱۱۹ |
| ۹ | ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ ﴾ | البقرہ | ۲۲۳ | ۱۰۶ |
| ۱۰ | ﴿لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ---﴾ | البقرہ | ۲۲۶ | ۱۱۱ |
| ۱۱ | ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ---﴾ | البقرہ | ۲۲۸ | ۳۶۴ |
| ۱۲ | ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ | البقرہ | ۲۲۸ | ۳۷۲ |
| ۱۳ | ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا --- ﴾ | البقرہ | ۲۲۹ | ۱۲۳ |
| ۱۴ | ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ | البقرہ | ۲۲۹ | ۳۷۱ |
| ۱۵ | ﴿وَلاَ تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُواْ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلاَ ---﴾ | البقرہ | ۲۳۱ | ۱۱۷ |
| ۱۶ | ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا---﴾ | البقرہ | ۲۳۲ | ۱۳۴ |
| ۱۷ | ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا—﴾ | البقرہ | ۲۳۳ | ۱۵۰-۱۳۸ |
| ۱۸ | ﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ | البقرہ | ۲۳۳ | ۱۳۴ |
| ۱۹ | ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ ---﴾ | البقرہ | ۲۳۴ | ۱۲۷ |
| ۲۰ | ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي ---﴾ | البقرہ | ۲۳۵ | ۱۲۸ |
| ۲۱ | ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً---﴾ | البقرہ | ۲۳۶ | ۱۵۴-۱۴۶ |
| ۲۲ | ﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً ---﴾ | البقرہ | ۲۳۷ | ۱۵۵-۱۰۹ |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۲۳ | ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ ---﴾ | البقرہ | ۲۴۰ | ۱۲۷ |
| ۲۴ | ﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ ---﴾ | البقرہ | ۲۴۷ | ۴۱۰ |
| ۲۵ | ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ---﴾ | البقرہ | ۲۵۶ | ۱۹ |
| ۲۶ | ﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ ---﴾ | آل عمران | ۲۶ | ۴۰۸ |
| ۲۷ | ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ ---﴾ | آل عمران | ۱۱۰ | ۳۹۸ |
| ۲۸ | ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا ---﴾ | النساء | ۱ | ۱۰۳-۲۰۶ |
| ۲۹ | ﴿ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا---﴾ | النساء | ۳ | ۸۴ |
| ۳۰ | ﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً---﴾ | النساء | ۴ | ۱۰۷-۱۴۸ |
| ۳۱ | ﴿فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا﴾ | النساء | ۴ | ۱۴۹ |
| ۳۲ | ﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ ---﴾ | النساء | ۷ | ۱۵۷ |
| ۳۳ | ﴿ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ | النساء | ۸ | ۱۵۹ |
| ۳۴ | ﴿ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ | النساء | ۹ | ۱۵۹ |
| ۳۵ | ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ---﴾ | النساء | ۱۱ | ۱۰۰-۱۵۷ |
| ۳۶ | ﴿ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ﴾ | النساء | ۱۱ | ۱۵۷ |
| ۳۷ | ﴿ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا﴾ | النساء | ۱۱ | ۳۳۸ |
| ۳۸ | ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ---﴾ | النساء | ۱۲ | ۱۶۸ |
| ۳۹ | ﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ | النساء | ۱۲ | ۱۲۵۰۱۵۸-۱۶۱ |
| ۴۰ | ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ ---﴾ | النساء | ۱۹ | ۱۲۶ |
| ۴۱ | ﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا ---﴾ | النساء | ۱۹ | ۱۱۵ |
| ۴۲ | ﴿وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا ---﴾ | النساء | ۲۰ | ۶۷-۱۰۷ |
| ۴۳ | ﴿وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا--﴾ | النساء | ۲۱ | ۱۰۷ |
| ۴۴ | ﴿وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ --- ﴾ | النساء | ۲۲ | ۱۲۶ |
| ۴۵ | ﴿وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ فَمَا ---﴾ | النساء | ۲۴ | ۱۰۸ |
| ۴۶ | ﴿فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ | النساء | ۲۴ | ۶۷ |
| ۴۷ | ﴿فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ---﴾ | النساء | ۲۵ | ۱۰۸-۳۵۸ |
| ۴۸ | ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواو لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾ | النساء | ۳۰ | ۱۸ |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۴۹ | ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا---﴾ | النساء | ۳۲ | ۴۱۴ |
| ۵۰ | الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا---﴾ | النساء | ۳۴ | ۵۹-۱۳۰-۱۳۳ |
| ۵۱ | ﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ | النساء | ۳۴ | ۳۶۵ |
| ۵۲ | ﴿وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ ---﴾ | النساء | ۳۴ | ۱۱۸ |
| ۵۳ | ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ | النساء | ۵۹ | ۲۲ |
| ۵۴ | ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللّٰهُ ﴾ | النساء | ۱۰۵ | ۶ |
| ۵۵ | ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰئِكَ ---﴾ | النساء | ۱۲۴ | ۱۰۳ |
| ۵۶ | ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ ---﴾ | النساء | ۱۳۵ | ۳۸۰ |
| ۵۷ | ﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ---﴾ | النساء | ۱۴۷ | ۲۰-۲۱ |
| ۵۸ | ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ ---﴾ | النساء | ۱۷۶ | ۱۰۱ |
| ۵۹ | ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ ---﴾ | المائدہ | ۵ | ۱۰۸ |
| ۶۰ | ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ---﴾ | المائدہ | ۳۲ | ۱۵-۱۶ |
| ۶۱ | ﴿ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ﴾ | الانعام | ۵۷ | ۴۰۸ |
| ۶۲ | ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ﴾ | الانعام | ۱۰۸ | ۲۰ |
| ۶۳ | ﴿وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰى أَزْوَاجِنَا---﴾ | الانعام | ۱۳۹ | ۳۷ |
| ۶۴ | ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ--﴾ | الانعام | ۱۴۰ | ۹۴ |
| ۶۵ | ﴿قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْـــًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ ---﴾ | الانعام | ۱۵۱ | ۱۷۴ |
| ۶۶ | ﴿ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ ﴾ | الانعام | ۱۵۸ | ۴۰۸ |
| ۶۷ | ﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰى﴾ | الانعام | ۱۶۴ | ۲۰ |
| ۶۸ | ﴿ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ﴾ | الاعراف | ۵۴ | ۴۰۸ |
| ۶۹ | ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا﴾ | الاعراف | ۱۸۹ | ۸۳ |
| ۷۰ | ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ ---﴾ | التوبہ | ۷۱ | ۱۸۵ |
| ۷۱ | ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ---﴾ | التوبہ | ۱۲۲ | ۲۳ |
| ۷۲ | ﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ يَتَوَارٰى ---﴾ | النحل | ۵۷-۵۸ | ۳۶ |
| ۷۳ | ﴿وَإِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْأُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ---﴾ | النحل | ۵۸-۵۹ | ۱۷۴ |
| ۷۴ | ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ---﴾ | النحل | ۷۲ | ۱۰۶ |
| ۷۵ | ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ ﴾ | النحل | ۹۰ | ۳۷۹ |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۷۶ | ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ---﴾ | الاسرا | ۱۸ | ۴ |
| ۷۷ | ﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ ---﴾ | الاسرا | ۲۳ | ۲۰۴ |
| ۷۸ | ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ --﴾ | الاسرا | ۲۸ | ۹۴ |
| ۸۰ | ﴿وَلاَ تَقْرَبُواْ الزِّنَى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاء سَبِيلاً﴾ | الاسرا | ۳۲ | ۴۰۴ |
| ۸۱ | ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ ---﴾ | الاسرا | ۷۷ | ۴۵ |
| ۸۲ | ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً--﴾ | النور | ۴ | ۴۰۲ |
| ۸۳ | ﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ﴾ | النور | ۲۴ | ۴۰۴ |
| ۸۴ | ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا --﴾ | النور | ۲۷ | ۱۹ |
| ۸۵ | ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ--﴾ | النور | ۲۹ | ۴۰۲ |
| ۸۶ | ﴿قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ --﴾ | النور | ۳۰ | ۱۸۳ |
| ۸۷ | ﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ--﴾ | النور | ۳۱ | ۱۸۳ |
| ۸۸ | ﴿وَلَاتُكْرِهُوافَتَيَاتِكُمْعَلَىالْبِغَاءِإِنْأَرَدْنَتَحَصُّنًالِّتَبْتَغُواعَرَضَالْحَيَاةِ الدُّنْيَا--﴾ | النور | ۳۳ | ۳۸ |
| ۸۹ | ﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ | النور | ۵۵ | ۲۲ |
| ۹۰ | ﴿إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ--﴾ | النمل | ۲۳ | ۴۱۱ |
| ۹۱ | ﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً ---﴾ | القصص | ۳ | ۲۴ |
| ۹۲ | ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ ---﴾ | الروم | ۲۱ | ۸۳-۱۰۶ |
| ۹۳ | ﴿فَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ذَلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ ---﴾ | الروم | ۳۸ | ۲۹ |
| ۹۴ | ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ | الروم | ۴۷ | ۶ |
| ۹۵ | ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ،حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُه ---﴾ | لقمان | ۱۴ | ۸۷ |
| ۹۶ | ﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ---﴾ | لقمان | ۱۵ | ۹۰ |
| ۹۷ | ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ ---﴾ | الاحزاب | ۳۶ | ۳۹۶ |
| ۹۸ | ﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ | الاحزاب | ۳۳ | ۶۰ |
| ۹۹ | ﴿ يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ--﴾ | صٓ | ۲۶ | ۴۱۰ |
| ۱۰۰ | ﴿وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ﴾ | الشوریٰ | ۱۵ | ۲۴ |
| ۱۰۲ | ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ﴾ | الشوریٰ | ۳۸ | ۱۸۹ |
| ۱۰۳ | ﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ ---﴾ | الشوریٰ | ۵۰ | ۹۳ |
| ۱۰۴ | ﴿وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ--﴾ | الجاثیہ | ۲۴ | ۳۲ |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۱۰۵ | ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا --- ﴾ | الحجرات | ۱۱ | ۱۷ |
| ۱۰۶ | ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ ---﴾ | الحجرات | ۱۳ | ۴۵ |
| ۱۰۷ | ﴿بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ﴾ | قٓ | ۵ | ۴ |
| ۱۰۸ | ﴿وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ | النجم | ۲۸ | ۵ |
| ۱۰۹ | ﴿ مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى ---﴾ | الحشر | ۷ | ۲۶ |
| ۱۱۰ | ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ ---﴾ | الممتحنہ | ۱۲ | ۱۸۶ |
| ۱۱۱ | ﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ﴾ | الممتحنہ | ۱ | ۳۷۲ |
| ۱۱۲ | ﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ---﴾ | الممتحنہ | ۳ | ۱۳۴ |
| ۱۱۳ | ﴿وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ --- ﴾ | الممتحنہ | ۴ | ۳۶۸ |
| ۱۱۴ | ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ---﴾ | الممتحنہ | ۶ | ۱۳۲-۱۳۶ |
| ۱۱۵ | ﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ---﴾ | الممتحنہ | ۷ | ۱۱۰ |
| ۱۱۶ | ﴿وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ﴾ | الطلاق | ۶ | ۱۳۶ |
| ۱۱۷ | ﴿وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ ---﴾ | التحریم | ۳ | ۱۱۹ |
| ۱۱۸ | ﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ---﴾ | التحریم | ۲۴ | ۵ |
| ۱۱۹ | ﴿نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ---﴾ | الدھر | ۲۸ | ۱۹۷ |
| ۱۲۰ | ﴿وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾ | التکویر | ۸-۹ | ۱۷۴ |
| ۱۲۱ | ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ------ مَا لَمْ يَعْلَمْ---﴾ | العلق | ۱-۵ | ۱۷۵ |

# فہرست احادیث



| نمبر شمار | حدیث | کتاب حدیث | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|
| ۱ | ((اجْتَنِبُوا السَّبْعَ المُوبِقَاتِ:الشِّرْكُ بِاللَّهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ --)) | صحیح بخاری | ۴۰۳ |
| ۲ | ((اخْرُجِي فَجُدِّي فَلَعَلَّكَ أَنْ تَصَدَّقِي أَوْ تَفْعَلِي خَيْرًا--)) | سنن ابو داؤد | ۱۴۲ |
| ۳ | ((إِذَا أَنْفَقَتْ الْمَرْأَةُ مِنْ طَعَامِ زَوْجِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا أَجْرُهَا --)) | بستان الاحبار مختصر نیل الاوطار | ۷۱ |
| ۴ | ((إِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ، وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ، وَأُمُورُكُمْ--)) | سنن ترمذی | ۴۱۵ |
| ۵ | ((أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ، قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ)) | سنن ابن ماجہ | ۹ |
| ۶ | ((اقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً)) | صحیح بخاری | ۱۲۴ |
| ۷ | ((أَكْرِمُوا أَوْلَادَكُمْ وَأَحْسِنُوا أَدَبَهُمْ)) | سنن ابن ماجہ | ۷۰ |
| ۸ | ((أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى أَفْضَلِ الصَّدَقَةِ؟ ابْنَتُكَ مَرْدُودَةً إِلَيْكَ--)) | سنن ابن ماجہ | ۹۸ |
| ۹ | ((أَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا--)) | سنن ترمذی | ۱۰۷ |
| ۱۰ | ((أَلَا تُعَلِّمِينَ هَذِهِ رُقْيَةَ النَّمْلَةِ كَمَا عَلَّمْتِيهَا الْكِتَابَةَ،--)) | فتوح البلدان | ۱۷۶ |
| ۱۱ | ((أَلَا لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ--)) | سنن ترمذی | ۳۷۸ |
| ۱۲ | ((أَلَا وَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا--)) | سنن ابن ماجہ | ۱۷ |
| ۱۳ | ((أَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ --)) | سنن ابن ماجہ | ۱۳۷ |
| ۱۴ | ((أَلْحِقُوا الفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ)) | صحیح بخاری | ۳۸۹ |
| ۱۵ | ((الإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ)) | صحیح بخاری | ۴۱۷ |
| ۱۶ | ((الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ، أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهُمْ)) | صحیح بخاری | ۱۷۱ |
| ۱۷ | (( الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ،وَإِنَّهَا إِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ،وَإِنَّهَا لا--)) | صحیح الترغیب والترھیب | ۶۱ |
| ۱۸ | ((أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ، فَخَيَّرَهَا)) | سنن ابن ماجہ | ۱۲۱ |
| ۱۹ | ((إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مُئُونَةً)) | مسند احمد | ۱۵۳ |
| ۲۰ | ((إِنَّ الرَّهْبَانِيَةَ لَمْ تَكْتُبْ عَلَيْنَا، أَفَمَالِكَ فِي أُسْوَةٍ؟--)) | صحیح بخاری | ۱۱۲ |
| ۲۱ | ((إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ: عُقُوقَ الأُمَّهَاتِ--)) | سنن الکبری | ۸۹ |
| ۲۲ | ((إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ --)) | سنن ابو داؤد<br>سنن ابن ماجہ | ۳۹۰<br>۱۷۲ |
| ۲۳ | ((إِنَّ الْمَرْأَةَ لَتَأْخُذُ لِلْقَوْمِ يَعْنِي تُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ --)) | سنن ترمذی | ۱۹۵ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۲۴ | ((إنَّ أُمِّي قَدِمَتْ وَهِيَ رَاغِبَةٌ أَفَأَصِلُهَا قَالَ نَعَمْ صليها--)) | صحیح بخاری | ۸۹ |
| ۲۵ | ((إنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَطْيَبِ كَسْبِكُمْ فَكُلُوا مِنْ كَسْبِ أَوْلَادِكُمْ--)) | سنن ابوداؤد | ۹۲ |
| ۲۶ | ((أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ --)) | صحیح بخاری | ۱۷۱ |
| ۲۷ | ((أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ، وَتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، وَلَا --)) | سنن ابوداؤد | ۱۳۷ |
| ۲۸ | ((إنْ كَانَتِ الْمَرْأَةُ لَتُجِيرُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ فَيَجُوزُ)) | سنن ابوداؤد | ۱۹۵ |
| ۲۹ | ((إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا--)) | صحیح مسلم | ۳۶۶ |
| ۳۰ | ((أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَنْكِحِي--)) | سنن ابوداؤد | ۶۲ |
| ۳۱ | ((أنت ومالك لأبيك)) | سنن ابن ماجه | ۹۱ |
| ۳۲ | ((إِنَّمَا النِّسَاءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ)) | سنن ابی داؤد | ۱۳۹ |
| ۳۳ | ((أَنَّهُ أَعْتَقَ صَفِيَّةَ، وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا--)) | صحیح مسلم | ۱۵۶ |
| ۳۴ | ((إِنِّي كُتِبْتُ فِي غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا، وَامْرَأَتِي حَاجَّةٌ قَالَ ارْجِعْ--)) | صحیح بخاری | ۱۱۶ |
| ۳۵ | ((أَيُّ النَّاسِ أَعْظَمُ حَقًّا عَلَى الْمَرْأَةِ ؟ قَالَ زَوْجُهَا --)) | سنن الکبری | ۸۹ |
| ۳۶ | ((أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا--)) | صحیح مسلم | ۱۲۴ |
| ۳۷ | ((بَلَدِكُمْ هَذَا أَلَا إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ--)) | سنن ابن ماجه | ۱۷ |
| ۳۸ | ((تَزَوَّجْتَ يَا جَابِرُ فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ: بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا؟ قُلْتُ--)) | صحیح مسلم | ۱۰۲ |
| ۳۹ | ((ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ نَشَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ وَأَدْخَلَهُ جَنَّتَهُ--)) | سنن ترمذی | ۹۰ |
| ۴۰ | ((ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ: الرَّجُلُ تَكُونُ لَهُ الْأَمَةُ،--)) | صحیح بخاری | ۱۷۶ |
| ۴۱ | ((حَكَمَ النَّبِيّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَبَيْنَ زَوْجَتِهِ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حِينَ--)) | زاد المعاد فی ھدی خیر العباد | ۶۳ |
| ۴۲ | ((الخلقُ كُلُّهم عِيالُ الله عزَّ وجلَّ، فَأَحَبُّهُم إِلَيهِ أنفعُهم --)) | صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ | ۸۴ |
| ۴۳ | ((خَيْرُ مَسَاجِدِ النِّسَاءِ قَعْرُ بُيُوتِهِنّ)) | مسند احمد | ۶۴ |
| ۴۴ | ((خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الإِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ، أَحْنَاهُ عَلَى وَلَدٍ --)) | صحیح بخاری | ۷۰ |
| ۴۵ | ((خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ –)) | سنن الکبری | ۵۸ |
| ۴۶ | ((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي)) | سنن الکبری بیہقی | ۱۱۵ |
| ۴۷ | ((الدُّنيَا مَتَاعٌ وَخَيرُ مَتَاعِ الدُّنيَا المَرْأَةُ الصَّالِحَةُ)) | صحیح مسلم | ۷۱ |
| ۴۸ | ((دِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَدِينَارٌ فِي الْمَسَاكِينِ، وَدِينَارٌ--)) | سنن الکبری | ۱۳۹ |
| ۴۹ | ((صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي حُجْرَتِهَا --)) | سنن ابوداؤد | ۶۴ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۵۰ | ((عَلَيْكُنَّ بِالْبَيْتِ فَإِنَّهُ جِهَادُكُنَّ)) | مسند احمد | ۶۱-۶۶ |
| ۵۱ | ((فَاتَّقُوا اللَّهَ فِى النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللَّهِ)) | صحیح مسلم | ۱۱۷ |
| ۵۲ | ((فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي، فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي)) | صحیح بخاری | ۹۶ |
| ۵۳ | ((أَنْكَحَهَا أَبُوهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَرَدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ)) | صحیح بخاری | ۳۶۸ |
| ۵۴ | ((فَتَزَوَّجْتُ امْرَأَةً تَقُومُ عَلَيْهِنَّ وَتُصْلِحُهُنَّ،فَقَالَ:بَارَكَ اللَّهُ لَكَ أَوْ قَالَ:خَيْرًا)) | صحیح مسلم | ۱۰۲ |
| ۵۵ | ((الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِى جَمَاعَةٍ إِلاَّ أَرْبَعَةً عَبْدٌ | سنن ابوداؤد | ۶۵ |
| ۵۶ | ((قَدْ أُذِنَ أَنْ تَخْرُجْنَ فِي حَاجَتِكُنَّ)) | صحیح بخاری | ۱۴۲ |
| ۵۷ | ((قَد أَمَّنَا مَنْ أَمَّنتِ)) | سنن ترمذی | ۱۹۵ |
| ۵۸ | ((قُومُوا فَانْحَرُوا ثُمَّ احْلِقُوا)) | صحیح بخاری | ۱۸۸ |
| ۵۹ | ((وَإِنَّهُ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ --)) | صحیح بخاری | ۴۱۱ |
| ۶۰ | ((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُم مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ)) | صحیح بخاری | ۶۲ |
| ۶۱ | ((لا تَدْنُ مِنْهَا وَلا تَدْخُلْ عَلَيْهَا حَتَّى آذَنَ لَكَ، قَالَتْ --)) | طبقات الکبری | ۱۴۳ |
| ۶۲ | ((لا تَصُومُ الْمَرْأَةُ وَبَعْلُهَا شَاهِدٌ إِلا بِإِذْنِهِ--)) | صحیح بخاری | ۱۱۲ |
| ۶۳ | ((لاَ تَضْرِبُوا إِمَاءَ اللَّهِ)) | سنن ابوداؤد | ۳۶۲ |
| ۶۴ | ((لَا تُقْتَلَ ذُرِّيَّةً، وَلَا عَسِيفًا)) | سنن الکبری | ۱۷ |
| ۶۵ | ((لَا تُنْكَحُ الأَيِّمُ حتّى تُسْتَأْمَر، وَلَا تُنْكَحُ البِكْرُ حتّى--)) | صحیح مسلم | ۱۲۱ |
| ۶۶ | ((لا تَنْكِحُوا الْيَتَامَى حَتَّى تَسْتَأْمِرُوهُنَّ، فَإِذَا سَكَتْنَ، فَهُوَ إِذْنُهُنَّ--)) | سنن الکبری بیہقی | ۱۲۲ |
| ۶۷ | ((لاَ يَجْلِدُ أَحَدُكُمُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ العَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِي آخِرِ اليَوْمِ )) | صحیح بخاری | ۱۱۹ |
| ۶۸ | ((لَا يُقَدِّسُ اللَّهُ أَمَةً قَادَتْهُمُ امْرَأَةٌ)) | مجمع الزوائد ومنبع الفوائد | ۴۱۶ |
| ۶۹ | ((لايَكُونُ لأَحَدِكُمْ ثَلاثُ بَنَاتٍ أَوْ ثَلاثُ أَخَوَاتٍ فَيُحْسِنُ إِلَيْهِنَّ)) | سنن ترمذی | ۹۵ |
| ۷۰ | ((لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ)) | صحیح بخاری | ۱۲ |
| ۷۱ | ((لَكِنَّ أَفْضَلَ الْجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُورٌ)) | صحیح بخاری | ۱۴۴ |
| ۷۲ | ((لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً)) | صحیح بخاری | ۴۱۴ |
| ۷۳ | ((لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لأَحَدٍ لأَمَرْتُ النِّسَاءَ أَنْ --)) | سنن ابی داؤد | ۵۹ |
| ۷۴ | ((لَيْسَ أُولَئِكَ بِخِيَارِكُمْ)) | سنن ابوداؤد | ۳۶۲ |
| ۷۵ | ((مَنْ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنْ الْبَنَاتِ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ, كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنْ النَّارِ)) | سنن ترمذی | ۲۰۳ |
| ۷۶ | ((مَنْ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنْ هَذِهِ البَنَاتِ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ)) | صحیح بخاری | ۹۸ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۷۷ | ((مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي، قَالَ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ--)) | صحیح بخاری / سنن ابن ماجہ | ۸۸ |
| ۷۸ | ((مَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً عَلَى صَدَاقٍ وَهُوَ يَنْوِي أَنْ لَا يُؤَدِّيَهُ فَهُوَ --)) | ترغیب والترھیب من الحدیث الشریف | ۱۴۹ |
| ۸۰ | ((مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ، فَأَدَّبَهُنَّ، وَزَوَّجَهُنَّ، وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ، فَلَهُ --)) | سنن ابوداؤد | ۱۷۵-۹۹ |
| ۸۱ | ((مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ وَضَمَّ --)) | صحیح مسلم | ۹۹ |
| ۸۲ | ((مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ دَخَلْتُ أَنَا وَهُوَ الجَنَّةَ كَهَاتَيْنِ، وَأَشَارَ بِأُصْبُعَيْهِ)) | سنن ترمذی | ۹۴ |
| ۸۳ | ((مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ وَأَطْعَمَهُنَّ --)) | سنن ابن ماجہ | ۹۷ |
| ۸۴ | ((مَنْ لمْ يشْكُر النَّاسَ لَمْ يشْكُر اللّه)) | سنن ترمذی | VI |
| ۸۵ | ((وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ)) | سنن ترمذی | ۱۰۴ |
| ۸۶ | ((وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ --)) | صحیح مسلم | ۱۱۶ |
| ۸۷ | ((وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ--)) | صحیح بخاری | ۱۱۲ |
| ۸۸ | ((وَالمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِها، وَوَلَدِهِ وَهِيَ م مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ )) | صحیح بخاری | ۶۱ |
| ۸۹ | ((وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْؤولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا)) | صحیح بخاری | ۱۲۰ |
| ۹۰ | ((وَأَنَّ العُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ، وَرَّثُوا العِلْمَ، مَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ--)) | سنن ابوداؤد | ۱۷۶ |
| ۹۱ | ((وَإِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهِ)) | سنن ابن ماجہ | ۷۱ |
| ۹۲ | ((ولا تَخْرُجَ مِنْ بَيْتِهِ إلا بِإِذْنِهِ)) | سنن الکبری بیہقی | ۳۹۸ |
| ۹۳ | ((ولاَ تَضْرِبْ ظَعِينَتَكَ كَضَرْبِكَ أُمَيَّتَكَ)) | سنن ابوداؤد | ۳۶۲ |
| ۹۴ | ((يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ ضَعِيفٌ وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ )) | صحیح مسلم | ۴۱۷ |
| ۹۵ | ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا --)) | مسند احمد | ۴۴ |
| ۹۶ | ((يَا عُثمَانُ! اِنْ الرَّهْبَانِيَة لَمْ تَكْتُبْ عَلَيْنَا)) | مسند احمد | ۱۱۲ |
| ۹۷ | ((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ البَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، --)) | صحیح بخاری | ۱۸۳ |

# فہرست اعلام



| نمبر شمار | نام | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| ۱ | آرون اے سارجنٹ(Aaron A Sergeant) | ۳۱۹ |
| ۲ | آئیڈا ہارپر(Ida Harper) | ۳۱۸ |
| ۳ | ازابیلا بیچر(Isabella Beecher) | ۳۱۹ |
| ۴ | اشوکا(Ashoka) | ۳۴ |
| ۵ | الفانسو نہم(Alfanso IX) | ۴۷ |
| ۶ | انجلینا گرمکی(Angelina Grimke) | ۲۸۸ |
| ۷ | اورنالڈو پیٹرسن(Ornaldo Patterson) | ۲۵۳ |
| ۸ | اولمپ ڈو گوژ(Olympe de Gouges) | ۲۸۵ |
| ۹ | ایڈمنڈ برک(Edmund Burke) | ۳۰۹ |
| ۱۰ | ایرنسٹائن لوئس روز(Rose Ernestine Louise) | ۳۹۴ |
| ۱۱ | ایلائن ہوف مین بوروک(Brauch Elain Hoffman) | ۲۷۴ |
| ۱۲ | ایلنب وولف(Allanb Wolf) | ۳۲۳ |
| ۱۳ | ایماء ہارٹ ویلارڈ(Emma Hart Willard) | ۲۸۷ |
| ۱۴ | ایملی بیزلان(Emily Bazelon) | ۳۲۴ |
| ۱۵ | ایملی ٹیٹز(Emily Taitz) | ۳۲۴ |
| ۱۶ | این روزامنڈ اوکلے(Ann Rosamund Oakley) | ۲۷۹ |
| ۱۷ | اینڈریا ڈوّرکن(Andrea Dworkin) | ۳۵۷ |
| ۱۸ | بان کی مون(Ban Ki-moon) | ۳۳۹ |
| ۱۹ | برٹرینڈ آرتھر ولیم رسل(Arthur William Russell Bertrand) | ۴۲۱ |
| ۲۰ | پارکر پلسبری(Parker Pillsbury) | ۳۱۸ |
| ۲۱ | پالو فریئر(Paulo Freire) | ۳۲۶ |
| ۲۲ | پاؤلینا کیلوگ رائیٹ ڈیوس(Kellogg Wright Davis Paulina) | ۳۹۴ |
| ۲۳ | پاؤلیئن لیون(Pauline Leon) | ۲۸۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۴ | پوپ انوسینٹ ( Pop Innocent) | ۵۰ |
| ۲۵ | پولوس رسول | ۲۷۷ |
| ۲۶ | پیئر فلکس بورڈیو(Bourdieu Pierre Felix) | ۲۴۰ |
| ۲۷ | تھامس ایکویناس (Thomas Aquinas) | ۲۲۹ |
| ۲۸ | تھامس پین(Thomas Paine) | ۳۰۹ |
| ۲۹ | تھامس ہابز(Thomas Hobbes) | ۲۷۸ |
| ۳۰ | جان سٹّورٹ مل(John Stuart Mill) | ۲۵۷ |
| ۳۱ | جان گریگری(John Gregory) | ۳۰۸ |
| ۳۲ | جان لوک(John Locke) | ۲۷۸ |
| ۳۳ | جان لیکلینڈ(John Lackland) | ۴۷ |
| ۳۴ | جسٹن بلیوؤ(Justine Blau) | ۳۲۴ |
| ۳۵ | جوزف جینٹ(Joseph Ginat) | ۱۴۱ |
| ۳۶ | جولیا کرسٹویا(Julia Kristeva) | ۴۲۴ |
| ۳۷ | جیرمی بینتھم(Jeremy Bentham) | ۲۸۰ |
| ۳۸ | جیسی برنارڈ(Jessie Bernard) | ۳۵۶ |
| ۳۹ | جیمز فورڈائس(James Fordyce) | ۳۰۸ |
| ۴۰ | جین جیکوس روسو(Jean Jacques Rousseau) | ۲۷۸ |
| ۴۱ | ڈی۔ڈبلیو۔ہینسن(Donald W. Hanson) | ۴۹ |
| ۴۲ | ڈیموستھین(Demosthene) | ۲۲۴ |
| ۴۳ | ڈینیئل بیل(Denial Bell) | ۲۲۱ |
| ۴۴ | ڈیوڈ سموئیل مارگولیتھ(Margoliouth David Samuel) | ۴۲۷ |
| ۴۵ | رابرٹ سٹیفن بریفلیٹ(Briffault Robert Stephen) | ۳۱ |
| ۴۶ | الزبتھ بلیک ویل(Elizabeth Blackwell) | ۳۰۲ |
| ۴۷ | ربیکا واکر(Rebecca Walker) | ۳۰۵ |
| ۴۸ | رچرڈ آئر(Richard Eyre) | ۲۲۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۹ | رچرڈ گرنبر گر(Richard Grunberger) | ۳۸۲ |
| ۵۰ | رونلڈ وکٹر کورٹینزی بوڈلی(Ronald Victor Courtenay Bodley) | ۴۲۹ |
| ۵۱ | سارا گرمکی (Sarah Grimke) | ۲۸۸ |
| ۵۲ | سائمن ڈی بوؤر(Simone de Beauvior) | ۲۷۵ |
| ۵۳ | سائمن ویل(Simone Veil) | ۳۴۲ |
| ۵۴ | سر جان ویلیئم سالمنڈ(Sir John William Salmond) | ۸ |
| ۵۵ | سر ولیم جونز(Sir William Jones) | ۱۷۳ |
| ۵۶ | سگمنڈ فرائیڈ(Sigmund Freud) | ۲۹۸ |
| ۵۷ | سوجورنر ٹروتھ(Sojourner Truth) | ۳۰۲ |
| ۵۸ | سوسن بی انتھونی(Anthony Susan Brownell) | ۲۹۴ |
| ۵۹ | سوسن ٹیلر(Sasun Taylor) | ۳۲۴ |
| ۶۰ | سینٹ پال(Saint Paul) | ۲۲۹ |
| ۶۱ | سینٹ جیروم(Saint Jerome) | ۲۷۶ |
| ۶۲ | سینڈرا مارٹن(Sandra Martin) | ۳۲۴ |
| ۶۳ | شاہ کانریڈ ثانی(Conrad the Elder Conrad II) | ۴۷ |
| ۶۴ | شولامتھ فائرسٹون(Shulamith Firestone) | ۳۵۶ |
| ۶۵ | شیلا روبوتھم(Sheila Rowbotham) | ۲۶۳ |
| ۶۶ | صفی الرحمٰن مبارکپوری | ۳۱ |
| ۶۷ | عینی بیسنٹ(Annie Besant) | ۴۲۸ |
| ۶۸ | فرانسس رائٹ(Francis Wright) | ۲۸۷ |
| ۶۹ | فرڈیننڈ لنڈبرگ(Ferdinand Lundberg) | ۲۷۸ |
| ۷۰ | فریڈرک ڈوگلس(Frederick Douglass) | ۳۱۶ |
| ۷۱ | فلپ آگسٹس (Philip Augustus) | ۵۰ |
| ۷۲ | فیڈرا(Phaedra) | ۲۲۵ |
| ۷۳ | کرسٹیان رشفورٹ(Christiane Rochefort) | ۳۴۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۷۴ | کرسٹین ڈی پیزان(Christine de Pizan) | ۲۷۴ |
| ۷۵ | کرسٹین ڈیلفی(Christine Delphy) | ۳۴۱ |
| ۷۶ | کلائیڈ ای-مارٹن(Martin .Clyde E) | ۲۶۷ |
| ۷۷ | کلیئر لکومب( Claire Lacombe) | ۲۸۵ |
| ۷۸ | کوروش(Kourosh) | ۳۴ |
| ۷۹ | کیتھی سارہ چائلڈ(Kathie Sarachild) | ۳۵۷ |
| ۸۰ | کیٹ میلٹ(Katherine Murray Millett) | ۴۲۴ |
| ۸۱ | کیرولین برڈ(Caroline Bird Mahoney) | ۲۶۵ |
| ۸۲ | گستاؤلی بان(Gustave Le Bon) | ۲۴ |
| ۸۳ | گوٹلب ولیئم لیٹنر(Leitner Gottlieb Wilhelm) | ۴۲۸ |
| ۸۴ | لوسی سٹون(Lucy Stone) | ۲۹۰ |
| ۸۵ | لوئس اوگسٹ(Louis Auguste) | ۲۸۲ |
| ۸۶ | لیکی ولیئم ایڈورڈ ہارٹ پول( Lecky William Edward Hartpol) | ۲۷۷ |
| ۸۷ | لیوکریٹا موٹ(Lucretia Mott) | ۳۱۳ |
| ۸۸ | مارتھا کوفن رائیٹ(Wright Martha Coffin) | ۳۱۳ |
| ۸۹ | مارتھا وائنمن لیئر(Lear Martha Weinman) | ۳۰۱ |
| ۹۰ | مارٹن لوتھر(Martin Luther) | ۳۲۶ |
| ۹۱ | مارکوییس ڈی کونڈرسے(Marquis de Condorcet) | ۲۸۰ |
| ۹۲ | مارلین ڈکسن(Marlene Dixon) | ۳۵۷ |
| ۹۳ | مٹیلڈا جوسلین گیج(Matilda Electa Joslyn Gage) | ۳۱۴ |
| ۹۴ | محمد رشید بن علی رضا | ۱۶۴ |
| ۹۵ | موڈیسٹاڈ یپوڈ ساڈیفورٹسی(Pozzo di Forzi Modesta di) | ۲۷۵ |
| ۹۶ | میری ڈیگرونے( Marie de Gournay) | ۲۷۵ |
| ۹۷ | میری وولسٹون شیلے (Mary Wollstonecraft Shelley) | ۳۰۶ |
| ۹۸ | میرئس سمتھ میکڈوگل(McDougal Myres Smith) | ۵۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۹۹ | میریلین فرنچ(Marilyn French) | ۳۵۶ |
| ۱۰۰ | میکسی میلین کارل ایمل ویبر(Maximilian Karl Emil Weber) | ۲۳۹ |
| ۱۰۱ | نارمنز(Normans) | ۴۸ |
| ۱۰۲ | نکولس روز(Nikolas Rose) | ۲۵۵ |
| ۱۰۳ | نواب صدیق حسن خان | ۱۵۲ |
| ۱۰۴ | نیوکامب ہوفیلڈ(Newcomb Hohfeld  Wesley) | ۸ |
| ۱۰۵ | ہاپریڈیز(Hyperides) | ۲۲۵ |
| ۱۰۶ | ہنری فریڈرک ایمل(Amiel Henri Frederic | ۲۷۶ |
| ۱۰۷ | ہیناووئی(Hannah Woolley) | ۲۷۵ |
| ۱۰۸ | ہیرلڈ جوزف لاسکی(Harold Joseph Laski) | ۲۷ |
| ۱۰۹ | ہیروڈوٹس(Herodotus) | ۲۷۶ |
| ۱۱۰ | ہیریٹ بیچر سٹوو(Stowe Harriet Beecher) | ۳۹۴ |
| ۱۱۱ | ہینرک کارنیلیئس ایگریپا(Cornelius Agrippa Heinrich) | ۲۷۵ |
| ۱۱۲ | والٹر برائس گیلی(Gallie Walter Bryce) | ۲۵۳ |
| ۱۱۳ | وکٹوریہ(Victoria) | ۳۹۴ |
| ۱۱۴ | ولیم فیلڈنگ اوگبرن(William Fielding Ogburn) | ۲۲۰ |

# فہرست اماکن


| نمبر شمار | اماکن | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| ۱ | آئیڈاہو | ۳۹۵ |
| ۲ | ارجنٹینا | ۳۴۶-۳۵۲-۳۶۰ |
| ۳ | اوکلاہاما | ۳۷۰ |
| ۴ | اوہائیو | ۳۷۰ |
| ۵ | اوریگان | ۲۱۱ |
| ۶ | انڈیانا | ۳۷۰ |
| ۷ | ایری زونا | ۳۹۵ |
| ۸ | ایسٹونیا | ۲۴۹ |
| ۹ | آئرلینڈ | ۲۴۹-۲۹۱ |
| ۱۰ | آئس لینڈ | ۲۴۹-۳۴۵-۳۴۶ |
| ۱۱ | بلغاریہ | ۲۴۹-۲۹۰ |
| ۱۲ | بیتھ نل گرین | ۲۱۵ |
| ۱۳ | پرتگال | ۲۲۷-۲۳۴-۲۴۴ کثیر الاستعمال |
| ۱۴ | پولینڈ | ۲۱۹_۲۴۴_۲۹۱ کثیر الاستعمال |
| ۱۵ | جارجیا | ۲۹۱ |
| ۱۶ | چاڈ | ۳۶۹ |
| ۱۷ | چیک ریپبلک | ۲۱۹-۲۴۴-۲۴۹ کثیر الاستعمال |
| ۱۸ | رومانیہ | ۲۴۹-۲۹۱ |
| ۱۹ | سائپرس | ۲۴۴ |
| ۲۰ | سکینڈی نیویا | ۳۱۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۱ | سلاویہ | ۲۱۹ |
| ۲۲ | سلواکیہ | ۲۴۹-۲۴۴ |
| ۲۳ | سلوانیا | ۲۴۴ |
| ۲۴ | شمالی ڈکوٹا | ۳۷۰ |
| ۲۵ | شمالی نیدرلینڈ | ۲۴۵ |
| ۲۶ | فن لینڈ | ۲۴۴-۲۴۸-۲۴۹ کثیر الاستعمال |
| ۲۷ | قبرص | ۲۴۹ |
| ۲۸ | کروشیا | ۳۴۶-۲۴۹ |
| ۲۹ | کولمبیا | ۳۴۵ |
| ۳۰ | کینساس | ۳۱۸ |
| ۳۱ | گیانا | ۳۶۹ |
| ۳۲ | لاتویا | ۲۴۹ |
| ۳۳ | لکسمبرگ | ۲۹۲ |
| ۳۴ | لوسیانا | ۳۹۵ |
| ۳۵ | لیتھوانیا | ۲۴۶ |
| ۳۶ | مالٹا | ۲۴۴_۲۴۸_۲۴۹ کثیر الاستعمال |
| ۳۷ | مونٹانا | ۳۷۰ |
| ۳۸ | میسوری | ۳۷۰-۳۱۸ |
| ۳۹ | میسی کیٹو | ۲۱۵ |
| ۴۰ | میلی | ۳۶۹ |
| ۴۱ | میئن | ۲۱۱ |
| ۴۲ | نیدرلینڈز | ۲۴۲-۲۴۴-۲۴۵ کثیر الاستعمال |
| ۴۳ | نیگر | ۳۶۹ |
| ۴۴ | نیواڈا | ۳۹۵_۳۷۰_۲۱۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۵ | ہونڈورس | ۲۱۵ |
| ۴۶ | وائیومنگ | ۳۴۳ |
| ۴۷ | ورمونٹ | ۳۷۰ |
| ۴۸ | وسکوسن | ۳۹۵ |
| ۴۹ | ویلز | ۲۴۵-۲۴۷-۳۴۷کثیر الاستعمال |
| ۵۰ | یوٹھا | ۳۱۹ |

# فہرست مصادر و مراجع

## الہامی کُتب

**القرآن الحکیم**

کتاب مقدس، بائبل سوسائٹی انار کلی لاہور، ۱۹۱۱

## عربی کتُب


ابراہیم مصطفی '،المعجم الوسیط، مجمع اللغة العربیة،مکتبة الشروق الدولیة، بیروت، ٢٠٠٤ء

ابراہیم بن موسی اللخمي الغرناطي المالکي الشهیر بالشاطبی، الموافقات في اصول الفقه، دار المعرفة، بیروت، قاہرہ،١٤١٧ء

ابی نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی ، حلیة الاولیاء و طبقات الاصفیاء، مطبعة السعادة، مصر، ٢٠٠٦ء

احمد بن شعیب بن علی الخراسانی النسائی ابو عبد الرحمن ،سنن الکبری، مؤسسة الرسالة ، بیروت، ١٤٢١ ھ

احمد بن الحسین بن علي بن موسی الخُسْرَوْجِردي الخراساني، ابو بکر،دلائل النبوة ، دار الکتب العلمیة، بیروت، ١٤٠٨ھ

احمد بن الحسین بن علي بن موسی الخُسْرَوْجِردي الخراساني، سنن الکبریٰ، دارالکتب العلمیة، بیروت، ١٤٢٤ھ

احمد بن محمد بن حنبل بن ھلال بن اسد الشیبانی، المسند، مؤسسة الرسالة، بیروت، ١٤٢١ھ

احمد بن علي ابوبکر الحصاص الرازي،احکام القران، داراحیاء التراث العربی بیروت، ١٩٩٤ء

احمد بن علي بن حجر ابو الفضل الشافعي عسقلاني ،اصابہ في تمییز الصحابہ، دار الجیل، بیروت، ١٤١٢ھ

----- فتح الباری شرح صحیح البخاری،دار الکتب السلفیة، دار المعرفة، بیروت، ٣٧٩ھ

احمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملک بن سلمة الازدي الحجری المصری المعروف بالطحاوی المعروف ابو جعفر ،شرح مشکل الاثار، مؤسسة الرسالة، بیروت، ٤٥ ھ

احمد بن یحیی بن جابر بن داود البَلَاذُري، فتوح البلدان،مکتبة الهلال، بیروت،١٩٨٨ء

احمدالصاوی ، بلغة السالک، دارالکتب العلمیة، بیروت،١٤١٥ھ

اسماعیل بن حماد الجوهري الفارابي المعروف ابو نصر، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربیة، دار العلم للملایین، بیروت، ١٤٠٧ھ

اسماعیل بن عمر بن کثیرالمعروف ابو الفداء، تفسیر القران العظیم، دار طیبة، بیروت، ١٤٢٠ھ

اسماعیل حقي بن مصطفی الاستانبولي الحنفي الخلوتي , روح البیان، المولی ابو الفداء،دار الفکر، بیروت، ١٣٣٠ھ

ا مجد الدین محمد یعقوب الفیروز آبادی، القاموس المحیط، دارالفکر، بیروت، ١٩٩٥ء

تقي الدین ابو البقاء محمد بن احمد بن عبد العزیز بن علي الفتوحي المعروف بابن النجار، شرح الکوکب المنیر،مکتبة العبیکان،ریاض، ٤٨ھ

تقي الدین النبهاني ، النظام الاجتماعی فی الاسلام بین الرجل والمراة، دار الأمة للطباعة،بیروت،لبنان،١٣٥١ھ

ثناء اللہ امر تسری المعروف ابو الوفا ,تفسیر ثنائی، ادارہ ترجمان السنہ، مکتبہ قدوسیہ، لاہور،١٩٧١ء

جان امل ریک، مرکز المراہ في قانون حمورابی و في القانون الموسوي، مطبعة السعادة، مصر، ١٩٢٦

جمال احمد محمد، نساؤنا و نساؤهم، منشورات دار ثقیف، طائف، ١٩٧٩ء

جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد الجوزي،،زاد المسیر في علم التفسیر، مکتب السلام بیروت لبنان،١٤٠٤ ھ

ـــــــ، البر والصلة ،مؤسسة الکتب الثقافیة، بیروت، ١٤١٣ ھ

حسین بن محمد بن الحسن الدِّیار بَکْري ، تاریخ الخمیس في احوال انفس النفیس، دار صادر، بیروت، (س-ن)

الحسین بن محمد راغب اصفہانی المعروف ابو القاسم،المفردات فی غریب القران، دارالقلم، بیروت،١٤١٢ھ

الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوي الشافعي، شرح السنة للبغوي، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۳ھ
داؤد سلیمان بن اشعث سجستاني، سنن ابی داؤد، دار الکتاب العربی، بیروت، (س-ن)
زین الدین بن ابراہیم بن محمد،البحر الرائق شرح کنز الدقائق، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۸ھ
سلیمان بن احمد الطبرانی المعروف ابو القاسم، موسوعۃ الاسرہ، وزارۃ اوقاف،عراق،۱۴۰۰ھ
سلیمان بن خلف بن سعد بن ایوب بن وارث التجیبي القرطبي الباجي الاندلسي المعروف ابو الولید، المنتقی شرح الموطا، مطبعة السعادة، بجوار محافظة ،مصر، (س-ن)
سید قطب، فی ظلال القران، دار الشروق للنشر،قاہرہ، ۱۴۲۵ھ
ــــــ، العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام، دارالثروت ،قاہرہ، ۱۹۸۷ء
سید محمود شہاب الدین الوسی،،روح المعانی فی تفسیر القران العظیم، دارلکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ
شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قَایْماز الذہبی،تذکرۃ الحفاظ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ
ــــــ،سیراعلام النبلاء، مؤسسة الرسالۃ، بیروت،۱۴۰۵ ھ
شمس الدین ابو عبداللہ،ابن قیم الجوزیۃ،زاد المعاد في ہدی خیر العباد محمد خاتم النبیین ﷺ والمر سلین، دار العلم، بیروت،(س-ن)
شمس الدین محمد بن ابي العباس احمد بن حمزۃ شہاب الدین الرملي ، نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج،دار الفکر، بیروت،۱۴۰۴ھ
الطبری ابو جعفر، تاریخ الامم والملوک، بیت الافکار الدولیہ، بیروت، ۱۴۰۷ھ
عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطي، تاریخ الخلفاءمطبعة السعادة، مصر،۱۳۷۱ھ
عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیري الیماني الصنعاني ابو بکر، المصنف، المجلس العلمي، ہند، ۱۴۰۳ھ
عبد السلام العبادی، الملکیہ فی الشرعیۃالاسلامیہ، مکتبۃالاقصی، عمان، (س-ن)
عبد الطیف بن عبدالعزیز ابن الملک ، شرح المنار الانوار فی علم الاصول، المطبعۃ العثمانیہ، مصر،۱۳۱۵ھ
عبد العزیز بن احمد بن محمد، علاء الدین البخاری،کشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام البزدوي،دار الکتب العلمیۃ ،بیروت، ۹۹۷ء
عبد المحسن الخرافی، الموسوعۃ الاسرۃ،الجنۃ لاستشاریۃ العلیا، کویت، ۱۴۲۴ھ
عبد الملک حمیری ہشامالمعروف ابو محمد، السیرۃ النبویہ ، دار الجیل، بیروت لبنان دار انجیل، ۱۴۱۱ھ
عبدالرحمٰن الجزیری ، الفقہ علی المذاھب الأربعة، عبد الرحمن بن محمد عوض الجزیری ،دار الکتب العلمیة، بیروت، ۱۴۲۴ ھ
عثمان بن علی الزیلعی،تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق، مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۹۸۵ء
علاءالدین، ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دارلکتب العلمیۃ، ۱۴۰۶ھ
عبدالرحمٰن ابن خلدون، مقدمۃ ابن خلدون، دار العرب، دمشق، ۱۴۲۵ھ
علاؤ الدین علی متقی حسام الدین ہندی ، کنزل العمال فی سنن الاقوا ل والافعال، موسسۃ الرسالۃ بیروت،۱۴۰۱ھ
علی محمد بن عبد الواحد السیواسي السکندري کمال الدین ابن الھمام ، الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدي، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ
علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسي الظاھري القرطبی المعروف ابو محمد، المحلی، دار الفکر،بیروت،(س-ن)
علی بن محمد البزدوي الحنفي، اصول البزدوي، کنز الوصول الی معرفۃ الاصول، مطبعۃ جاوید بریس، کراتشي، (س-ن)
عمر بن محمد بن ابراہیم غانم ،احکام الجنین فی الفقہ الاسلام، دار ابن حزم، الطبیۃ الاولی، ۲۰۰۱ء
فضل بن حسن الطبرسی المعروف شیخ طبرسی ، مجمع البیان فی تفسیرِ القُران، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۹۸۶
فیصل بن عبد العزیز بن فیصل ابن حمد المبارك الحریملي النجدي،بستان الاحبار مختصر نیل الاوطار، دار إشبیلیا، ریاض،۱۴۱۹ ھ

ـــــــ، نیل المرام من تفسیر ایات الاحکام، دار الکتب العلمیة، بیروت، (س-ن)

لوئس معلوف، المنجد فی اللغة، المکتبة الشرقیة، بیروت، ۱۹۹۶ء

محمد الغزالی المصری،حقوق الانسان بین تعالیم الاسلام و اعلان الامم المتحده،دارالکتب الاسلامیہ،القاہرہ مصر،۱۹۸۴ء

محمد الخلیل نمر، اہل الذمہ والولایات العامہ فی الفقہ الاسلامی، المکتبۃ الاسلامیہ عمان اردن،۱۴۰۹ھ

محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقي الحنفي المعروف ابن عابدین شامی، ردالمحتارعلی درالمختار،دارالاحیاء التراث العربی،بیروت، ۴۲ھ

محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسیني، تاج العروس من جواهر القاموس، دار الهدایہ،مصر، (س-ن) ،

محمد بن ابی بکر ایوب الزرعي ابو عبد الله ابن قیم، اعلام الموقعین عن رب العالمین،دار الجیل، بیروت، ۱۹۷۳ء

محمد بن احمد بن محمدبن موج الخراجی شمس الدین المعروف ابو عبد الله القرطبی،الجامع الاحکام القران، دارلمکتب المصریہ، قاہرہ، ۱۳۸۴ ھ

محمد بن اسماعیل ابو عبدالله ا لجعفي، الجامع الصحیح البخاري، دار طوق النجاة، بیروت،۱۴۲۲ھ

محمد بن جریر بن یزید ابو جعفر الطبری،تاریخ الامم والملوك ،دار الکتب العلمیة، بیروت، ۱۴۰۷ھ

ـــــــ، جامع البیان عن تأویل آي القرآن، دار ہجر، بیروت، ۱۴۲۲ ھ، ۱۴۲۲ ھ

محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الاملي ابو جعفر الطبری، تاریخ الطبری: تاریخ الرسل والملوك، دار التراث، بیروت،۱۳۸۷ھ

محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الاملي،جامع البیان في تاویل القران، مؤسسة الرسالة، ۱۴۲۰ ھ

محمد بن سعد بن منیع الهاشمی بالولاء، البصري، البغدادي ابو عبد الله ، المعروف ابن سعد، الطبقات الکبری ، مکتبہ العلوم والحکم ، مدینہ منورہ، ۱۴۰۸ھ

محمد بن محمد بن سلیمان بن الفاسي بن طاهر السوسی الردوانی المغربی المالکی، جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزَّوائِد، مکتبة ابن کثیر، کویت، ۱۴۱۸ ھ

محمد بن عبد الواحد السیواسي السکندري کمال الدین ابن الهمام ، شرح فتح القدیر علی الهدایة شرح بدایة المبتدي،دارالکتب العلمیة، بیروت، ۴۲۴ھ

محمد بن عبدالرحمٰن الحسن ، جامع البیان فی تفسیرالقرآن، الکتب الاسلامی، ۱۴۲۴ھ

محمد بن عبدالله ابو عبدالله الحاکم النیسابوري، المستدرک علی الصحیحین الحکم، دارلکتب العلمیة، بیروت، ۱۴۱۱ھ

محمد بن علی بن محمد بن عبدالله الیمنی الشوکانی، نیل الاوطار، دارالحدیث، مصر،۱۴۱۴ھ

ـــــــ، فتح القدیر،دارابن کثیرہ دارلکلم الطیب ،دمشق،۱۴۱۴ھ

محمد بن عمر بن حسن بن حسین تیمي فخر الدین الرازي،مفاتیح الغیب ( تفسیر الکبیر)، دار الکتب العلمیة، بیروت، ۱۴۲۵ھ

محمد بن عیسی ابو عیسی الترمذي السلمي، سنن الترمذی، دارالحرب اسلامی، بیروت، ۱۹۹۸ء

محمد بن محمد الغزالی، احیاء علوم الدین، دارالمعر فہ، بیروت،(س-ن)

محمد بن مکرم بن علی، ابو الفضل، جمال الدین ابن منظور الانصاری الرویفعی الافریقی، اللسان العرب، دار صادر،بیروت، ۱۴۱۴ھ

محمد بن یزید ابو عبدالله القزویني، سنن ابن ماجه، دار إحیاء الکتب العربیة،حلب، (س-ن)

محمد صدیق خان بن حسن بن علي ابن لطف الله حسیني بخاري القِنَّوجي، نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام، دار الکتب العلمیة، بیروت، ۲۰۰۳ء

ـــــــ، فتحُ البیان في مقاصد القرآن، مَکتبة عصریَّة، بیروت، ۱۴۱۲ ھ

محمد عبد العظيم بن عبد القوي المنذري، الترغيب والترهيب من الحديث الشريف ،دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤١٧ھ
محمد عبدالعزیزمحمدی، حسن البیان فیما فی سیرة النعمان، النور اکیڈمی، سرگودھا،(س-ن)
محمد عبدالله بن مسلم ابن قتيبة الدينوري، عيون الاخبار، دار الكتب العربيه، بيروت،١٣٤٣ھ
محمد ناصر الدين الالباني،الجامع الصغير وزيادته (الفتح الكبير)، المكتب الاسلامی،دمشق، ١٤٠٨ھ
ــــــ، الترغيب والترهيب، مكتبة المعارف، الرياض، ١٤١٢ھ
ــــــ،صحيح الجامع الصغير وزيادته ، المكتب الاسلامی،دمشق، ٢٠١٠ء
محمود بن عمر الزمخشري المعروف ابو القاسم جار الله ،تفسير الكشاف عن حقائق التنزيل وعيون الاقاويل في وجوه التاويل،دار المعرفة، بيروت، ١٤٣٠ ھ
مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المعروف ابوالحسين، صحيح مسلم، دار الافاق الجديدة، بيروت، ١٤٠٤ھ
المرغينانی، برہان الدین امام ابوالحسن علی بن ابی بکر، الہدایة فی شرح بدایة المبتدی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، (س-ن)
نور الدين علي بن ابي بكر بن سليمان الهيثمي المعروف ابو الحسن، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، مكتبة القدسي، القاهرة،٤٤ ھ
وھبة الزھیلی، الفِقْہُ الاسلامی وادلّتُہُ، دار الفكر سورية، دمشق، (س-ن)
یحییٰ الرھاوی المصری،حاشیہ علی شرح منار الانوار فی اصول الفقہ، المطبعة العثمانيہ ،مصر،١٣١٥ھ
يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمري القرطبي المعروف ابو عمر، الاستيعاب في معرفة الاصحاب، دار الجيل، بيروت، ١٤١٢ ھ

**اُردو کُتب**

آزاد، ابوالکلام احمد، ترجمان القرآن، اسلامی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۳۱
ابن خلدون، عبدالرحمن، تاریخ ابن خلدون، (مترجم) حکیم احمد حسین الہ آبادی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۲۰۰۳ء
احمد خلیل جمعہ، صحابیات طیبات، (مترجم) محمود احمد غضنفر، نعمانی کتب خانہ، لاہور، ۲۰۰۲ء
الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۵
ازہری، حسن الاعظمی، شرعی پردہ اور مسلم خاتون، ادارہ معارف اسلامی ہند، حیدر آباد دکن، یکم رمضان المبارک ۱۹۴۷ء
اسرار احمد، ڈاکٹر، اسلام میں عورت کا مقام، مرکزی انجمن خدام القران، لاہور، ۱۹۸۷ء
اصلاحی، مولانا امین احسن، اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۱۳ء
ــــــ ، پاکستانی عورت دوراہے پر، مکتبہ جدید پریس، لاہور، ۱۹۷۸ء
ــــــ ، تدبر قران، مرکزی انجمن خدام القران، لاہور، ۱۹۷۶ء
ــــــ ، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۸۳ء
ــــــ ، پاکستانی عورت دوراہے پر، مکتبہ جدید پریس، لاہور، ۱۹۷۸ء
اصلاحی، سلطان احمد، مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء
اصلاحی، شیخ صدر الدین، اسلام ایک نظر میں، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء
اصلاحی، محمد یوسف، اسلامی معاشرہ اور اس کی تعمیر میں خواتین کا حصہ، ادارہ بتول، لاہور، ۱۹۶۸

اقبال، علامہ محمد، ضرب کلیم، مطبع غلام علی پبلیشرز لاہور،، اگست، ۱۹۴۷ء
——، ضرب کلیم، علی گڑھ بک ڈپو شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ، ۱۹۷۵ء
امیر علی، مولانا سید، فتاوی عالمگیری، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، س۔ن
برٹرینڈرسل، طاقت کی بھوک، مشمولہ: برٹرینڈرسل کے فکر انگیز مضامین، مترجم جمشید اقبال، بیکن بکس لاہور، ۲۰۰۹
پانی پتی، محمد ثناء اللہ، تفسیر المظہری، مکتبہ الرشدیہ، کوئٹہ، ۲۰۰۲ء
——، تفسیر المظہری، (مترجم) مولانا سید عبدائم الجلالی، ادب منزل، کراچی، ۱۹۸۱ء
——، تفسیر ثنائی، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۹۷۱ء
تھانوی، اشرف علی، الحیلۃ الناجزہ: مظلوم عورتوں کی مشکلات کا شرعی حل، (ترتیب) مولانا خورشید حسن قاسمی، مکتبہ رضی دیوبند، انڈیا، ۲۰۰۵ء
——، حقوق العباد، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۲۰۰۶ء
جوناگڑھی، خطیب الہند مولانا محمد، تفسیر ابن کثیر، (مترجم)، مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۶ء
حمید اللہ، محمد، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۸۷ء
خالد سہیل، مغربی عورت اور ادبی زندگی: مغربی عورت کی جدوجہد کی چند جھلکیاں، زاہد لودھی، کرسٹولنک طباعت، زین پریس لاہور، ۱۹۸۸
دریا آبادی، عبد الماجد، تفسیر ماجدی، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ، (س۔ن)
دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث، حجۃ اللہ البالغۃ، (مترجم) عبد الرحیم، قدیمی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۸۳ء
الراشدی، مولانا زاہد، سہ ماہی الشریعہ، اقوام متحدہ کا چارٹر اور اسلامی تعلیمات، گوجرانوالہ، ۱۹۹۶
روپڑی، حافظ عبد اللہ محدث، فتاویٰ اہل حدیث، ادارہ احیاء السنہ النبویہ، سرگودھا، ۲۰۱۴
سہارنپوری، اسلام محمد یامین قریشی، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، اسلامی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۹۳ء
شمس الدین، محمد رشید بن علی بن محمد،، تفسیر القران الحکیم، الھئیۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، مصر، ۱۹۹۰ء
صدیق حسن خان، ترجمان القران، مطبع گردید، لاہور، س۔ن
صدیقی، محمد نجات اللہ، اسلام کا نظریہ ملکیت، اسلامی پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۶۸ء
صلاح الدین، محمد، بنیادی حقوق، مکتبہ ترجمان القران، لاہور، ۱۹۷۷ء
صولت، ثروت، ملت اسلامیہ کی مختصر، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء
ظفیر الدین، محمد، اسلام کا نظام عفت و عصمت، دارالاندلس، لاہور، ۱۹۵۴ء
عبد العزیز الحیاط، حقوق الانسان والتمیز العصری، دارالسلام، سعودی عرب، ۱۴۰۹ھ
لودھی، جسٹس ذکا اللہ، فکری ارتقاء اور اسلام، ثانی کمیونیکیشنز، کراچی، س۔ن
لی بان، گستاؤ، تمدن عرب، دارالمعارف القاہرہ مصر، ۱۹۵۴ء
مبارکپوری، صفی الرحمن، الرحیق المختوم، المکتبہ السلفیہ، لاہور، ۱۴۲۱ھ

محمد سراج الدین، مفتی، اسلام کا سیاسی نظام، ایفا پبلشنرز، نئی دہلی، ۲۰۱۴ء

محمد شفیع، مفتی، معارف القران، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۱۹۹۱ء

محمد قطب، سید، اسلام اور جدید مادی افکار، (مترجم) سجاد احمد کاندھلوی، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۴ء

مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۹۴

ـــــــ ، اسلامی ریاست، مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۴۷

ـــــــ ، حقوق زوجین، ادارہ ترجمان القران، لاہور، ۱۹۸۹ء

ـــــــ ، دینیات، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۰ء

ناسک، صلاح الدین، افکار سیاسی مشرق و مغرب، عزیز پرنٹرز، لاہور، ۱۹۷۵

نائلہ رضا، ترقی: تولیدی صحت اور حقوق قاہرہ کانفرنس پر عملدر آمد، وینڈی ہر کوٹ، (مترجم) سوسائٹی فار انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ، واشنگٹن

ندوی، مولانا حنیف، اساسیات اسلام، کیمبرج پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۷۳ء

ندوی، معین الدین شاہ، تاریخ اسلام، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۳

ندوی، مولانا عبد القیوم، خاتون اسلام کا دستور حیات، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، س۔ن

نذیر الحق، مولانا، شادی بیاہ کے اسلامی قوانین، فیروز سنز لاہور، ۱۹۷۱ء

نعمانی، علامہ شبلی، حذیفہ اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۰ء

ـــــــ ، سیرۃ النبی، علامہ سید سلیمان ندوی، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۲ء

وحید الدین خان، مولانا، عورت معمار انسانیت، دار التذکیر اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۶

یحیٰی، ابن شرف بن مری نووی (المعروف ابو ذکریا)، شرح صحیح مسلم، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۹۵۶ء، ص: ۸/ ۱۸۴

**دائرہ المعارف ولغات**

اُردو دائرہ المعارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، پنجاب یونیورسٹی لاہور، بار دوم جنوری ۱۴۲۳ء/ ۲۰۰۳ھ

اُردو لغت،: تاریخی اصول پر، ترقی اردو بورڈ، کراچی، ۲۰۰۶

**رپورٹس**

رپورٹ، عورتوں کی چوتھی عالمی کانفرنس، بیجنگ، ۴ تا ۱۵ ستمبر ۱۹۹۵

**رسائل وجرائد**

ماہنامہ، آئین، لاہور، اکتوبر ۲۰۰۴ء

**English Books**

Allen, Prudence, *The Early Humanist Reformation, 1250-1500*, Cambridge: William. B. Eerdmans Publishing, 2002.

Andersen, Margaret L and Taylor, Howard Francis, *Sociology: Understanding a diverse society*, United States: Thomson Wadsworth, 2006.

Andrea Dworkin, *Intercourse*, New York: Simon & Schuster, 1987.

Andrew Gurr, *Shakespeare's Workplace Essayed on Shakespeare Theatre London*: Cambridge university Press, n.d,

Angelina Grimke, *Walking by Faith: The Diary of Angelina Grimke 1828-1835*. Ed. Charles Wilbanks, USA: University of South Carolina Press, 2003.

Ann Oakley and Martine Rabertson, *The Socialogy of House Wife U.S.A:* University of Michigan, 1947.

Ann Oakley, *Conventional Families*, London: Routledge and Kegan Paul, 1982.

Anne Koedt, *Radical Feminism*, New York: Times Books, 1973.

Annie Besant, *The Life and Teachings of Muhammad,* Channie: Adyar Publisher, 1932

Ariane Hegewisch, Claudia Williams, and Amber Henderson. *The Gender Wage Gap by Occupation*. Institute for Women's Policy Research, April 2011.

Ashlyn K.Kuersten, *Women and the Law: Leaders, Cases, and Documents,* California: ABC-CLIO, 2003.

Astrid Henry, *Not My Mother's Sister: Generational Conflict and Third-Wave Feminism*, Indiana University Press, 2004

B.Jowtt, M.A, *The Politics of Aristotle*, Vol II Part I Trans, London: Oxford University Press, 1885.

Barbara C. Burrell, *Gender in Campaigns for the U.S. House of Representatives*, MI: University of Michigan Press, 2014.

Barchiesi, A. The *Oxford Handbook of Roman Studies*, USA: Oxford University Press, 2010, 45

Bell and Hayman, *Sociology: Themes and Perspectives,* London: Bell and Hyman Ltd, 1995.

Bell Hooks, *Ain't I A Woman: Black women and Feminism,* London: Pluto Press, 1986.

_____, *Feminist Theory: From Margin to Center,* New York: South End Press, 1984.

Bellavitis, Anna, *Women's Work and Rights in Early Modern Urban Europe,* New York: Springer International Publishing, 2018

Bennett, Judith M., *Women in the Medieval English Countryside: Gender and Household in Brigstock Before the Plague*, New York: Oxford University Press, 1989.

Betty Friedan, *Beyond Gender: The New Politics of Work and Family*, Washington D.C: Frigid O' Farrel, Woodrow Wilson Center Press, 1997.

_____, *The Fountain of Age,* New York: Simon & Schuster, 1993.

_____, *The Second Stage,* Philipine: Summit Books, 1981.

Bonnie G Smith, *The Oxford Encyclopedia of Women in World History,* Vol-4, London: Oxford University Press, 2008.

Brain Levack, P., *The Witch-Hunt in Early Modern Europe,* 2nd ed. London: Longman, 1995

Braybon, Gail, *Women Workers in the First World War,* United Kingdom: Routledge Publisher, 1989.

Brenda M. Eagles, *Mississippi Women: Their Histories, Their Lives*, Vol 2, ed. Martha H. Swain, Elizabeth Anne Payne, Marjorie Julian Spruill, London: The University of Georgia Press, 2010.

Brin, Gershon, *Studies in Biblical Law: From the Hebrew Bible to the Dead Sea Scrolls*, Bloomsbury Publishing, 1994.

Brundage, J.A., *Law, Sex and Christian Society in Medieval Europe*, Chicago: University of Chicago Press, 1987.

Butler, Judith, and Joan W. Scott, eds. *Feminists Theorize the Political.* New York: Routledge, 1992.

Butler, Judith. *Gender Trouble: Feminism and the Subversion of Identity,* New York: Routledge, 1990.

Carole Pateman, Mary Lyndon Shanley, *Feminist Interpretations and Political Theory*, Pennsylvania: State University Press, 1991.

Caroline Bird, *What Women Want: From the Official Report to the President, The Congress and The People of the United States,* New York: Simon and Schuster, 1979.

Charles Arnold Baker, *The Companion to British History*, London: Routledge, 2001.

Charles Dickens, *Great Expectations*, Ed. Janice Carlisle. Boston: Bedford, 1996.

Christine Stansell, *The Feminist Promise: 1792 to the Present,* New York: Modern Library, 2010.

Claire Breay, *Magna Carta: Manuscripts and Myths*, London: The British Library, 2010.

Claudia L. Johnson, *The Cambridge Companion to Mary Wollstonecraft*, London: Cambridge University Press, 2002.

Clifford Edmund Bosworth. *Encyclopaedia of Islam*, 2nd ed, Boston: Brill Academic Publishers. 1993.

D.W. Hanson, *From Kingdom to Commonwealth*, United States:Harvard University Press, 1970, 190.

Daniel Bell, *The Coming of Post-Industrial Society*: A Venture in Social Forecasting London: Basic Books, 1976, 7.

Daniel Guerin, *Anarchism: From Theory to Practice*, New York: Montly Review Press, 1970.

David Johnston, *Roman Law in Context,* Cambridge University Press, 1999.

David Samuel Margoliouth, *Mohammed and The Rise of Islam,* New York: Putnam Publication, 1905.

Davis Flora, *Moving the Mountain: The Women's Movement in America since,* New York: Simon & Schuster, 1991.

Davis Sue, *The Political Thought of Elizabeth Cady Stanton:Women's Rights and the American Political Traditions,* New York: New York University Press, 2010, 206.

Diana H. Coole, *Women in Political Theory: From Ancient Misogyny to Contemporary Feminism,* USA: Prentice-Hall, 1993, 42

Donald L. Horowitz, *Ethnic Groups in Conflict California*: University of California Press, 1987.

Draper John William, *A History of the Intellectual Development of the Europe,* London: Harper & Brothers Publication, 1875.

Edgar Borgatta, Rhonda J V Montgomery, *Encyclopedia of Sociology*, Vol 3, New York: Macmillan Reference, 2000.

Elaine Fantham, *Women in the Classical World: Image and Text*, London: Oxford University Press, 1994.

Elena Woodacre, *Review of The Rule of Women in Early Modern Europe*, ed Anne J. Cruz, Chicago: Chicago University Press, 2009.

Elisabeth Griffith, *In Her Own Right: The Life of Elizabeth Cady Stanton* New York: Oxford University Press, 1984, 227.

Elizabeth Cady Stanton, *Eighty Years and More: Reminiscences, Powers,* New York: Rev fmo. Publication, 1898.

_____, *The Woman's Bible,* New York: European Publication Co, 1895.

Ellon Carol DuBois, *Feminism and Suffrage:The Emergence of an Independent Women's Movement in America 1848-1869,* London: Cornell University Press, 1999.

Faith Merino, *Adoption and Surrogate Pregnancy*, New York: Infobase Publishing, 2010.

Ferdinand Lundberg and Marynia F. Farnham, *Modern Women: The Lost Sex*, New York: The University of Virginia, 1947

Frederick Douglass, *Narrative of the life of Frederick Douglass,* Australia: Read How You Want, 2000

George Meade, *The Life and Letters of George Gordon Meade: Major-general United States Army* Vol. 3 New York: Charles Scribner's Sons, 1913.

Gerda Lerner, *The Creation of Patriarchy. Women and History,* Oxford University Press, 1986.

Gottlieb William Leitner, *Muhammadanism: Being the Report of an Extempore Addres,s* London: Oriental Nobility Institute, Oxford University, 1890.

Gustave Le Bon, *The World of Islamic Civilization Barcelona*, Tudor Publishing Company, 1974.

Harold Joseph Laski, *A Grammar of Politics America*, Yale University Press, 1925.

Harriet F. Pilpel and Theodora Zavin, *Your marriage and the law*, New York: Collier Books, 1964.

Heather Savigny, *Doing Political Science and International Relations: Theories in Action,* USA: Macmillan International Higher Education, 2011.

Helen Stalford, *Family Law: in Principles of French Law 262*, ed. John Bell, Sophie Boyron & Simon Whittaker eds., Oxford: 2008.

Henry Marsh, *Documents of Liberty England,* David & Charles Publisher, 1971.

Henry Robertson John Graham Memlls, *Human Rights in the World: An Introduction to the Study in the world, An Introduction to the Study of International Protection of Human Rights,* England: Manchester University Press 1996.

Hermann Heinrich Ploss, Max Bartels, Paul Bartels, *Woman: An Historical Gynæcological and Anthropological Compendium,* England: Eric John Dingwall, 2014.

Herodotus, *The Histories,* (Trans) Tom Holland, Paul Cartledge. New York, Penguin Books, 2013.

Jack Goody, *Production and Reproduction: A Comparative Study of the Domestic Domain,* Cambridge: Cambridge University Press, 1976.

James M. Thompson, *Robespierre and the French Revolution,* Pennsylvania : Lawrence Verry, June 1952.

James Richard, Atkin, Baron, *Women in industry. Report of the War cabinet Committee on women in industry*, London, H.M. Stationery off, 1919.

James, Henry Breasted, *Ancient Times: A History of the Early World,* New York: Boston Publisher, 1914, 56

Javier Pererira Bruno, *Third World Critiques of Western Feminist Theory in the Post Development Era,* Texas: Austin University Press, 2006.

Jean Hogarth Harvey Baker, *Votes for Women: The Struggle for Suffrage Revisited,* New York: Oxford University Press, 2002.

Jennifer Ward, *Women in England,* New York: Hambledon Continuum, 2006, 9

Jens Spath, Does Generation Matter? Progressive Democratic Cultures in Western Europe, 1945–1960 United Kingdom: Palgrave Macmillan, 2016 98

Jo Freeman, *Women: A Feminist Perspective,* California: Mayfield Pub. Co, 1979,

Joan Harkin Lacoss, Au.D., *Elizabeth Cady Stanton, Susan B. Anthony, And Alice Paul: Woman Suffrage And Gender Bias In The American Ideal*, Washington D.C: Georgetown University, 2010, 4.

John Anthony Crook, *Law and life of Rome*, New York: Cornell University Press, 1967.

John Nicholson, *Man and Woman How are They?* New York: Oxford University Press, 1984.

John Witte, *From Sacrament to Contract: Marriage, Religion, and Law in the Western Tradition,* United States: Presbyterian Publishing Corp, 2012.

Joseph Ginat, *Women in Muslim rural society: Status and Role in Family and Community*, New Brunswick: N.J.Transaction Books, 1982.

Joseph Johnson, *Letters Written During a Short Residence in Sweden, Norway and Denmark by Mary Wollstonecraft,* London: Cassel & Company Melbourne, 1889.

Joseph Klaits, *Servants of Satan: The Age of the Witch Hunts,* U.S.A: Indiana University Press, 1985.

Justine Blau, *Betty Friedan: Feminist*, Langhorne: Chelsea House Publishers, 1990.

Kate Millett, *Sexual Politics,* Chicago: Doubleday and Co, 1970, 145.

Lena Wangnerud, *The Principles of Gender-Sensitive Parliaments* New York: Routledge, 2005.

Lenore J. Weitzman, *The Divorce Revolution: The Unexpected Social and Economic Consequences for Women and Children in America*, New York: Free Press, 1985.

Linda Eyre and Richard Eyre, *Three Steps to a Strong Family*, New York: Simon & Schuster, 1994.

Linebaugh, Peter, *The Magna Carta Manifesto,* USA: University of California Press, 2009.

Lori D. Ginzberg, *Untidy Origins: A Story of Woman's Rights in Antebellum New York*, London: University of North Carolina Press, 2005.

Lynn Gilbert & Gaylen Moore, *Betty Friedan: Women of Wisdom*, London: Lynn Gilbert Inc, 2012.

Margaret Schaus C.,*Women and gender in Medieval Europe: an encyclopedia,* New York; Routledge Taylor and Francis Group, 2006.

Margot Barden, *Feminism in Islam: Secular and Religious Convergences,* London: One world Publications, 2009.

Marie Gore, *Inheritance Law, in Introduction To French Law*, ed. George Bermann & Etienne Picard, Holland: Kluwer Law International, 2012.

Marjorie DeVault, *Feeding the family: The social organization of caring as gendered work,* Illinois: University of Chicago Press, 1994.

Marjorie DeVault. *Comfort and struggle: Emotion work in family life. The Annals of the American Academy of Political and Social Science,* Illinois: University of Chicago Press, 1999.

Mark Harris, *The Origin of Family: Private Property and the State*, London: Hottingen Zurich, n.d.

Martha S. Jones, *All Bound Up Together: The Woman Question in African-American Public Culture, 1830–1900,* London: University of North Carolina Press, 2007.

Mary Favret, Romantic *Correspondence :Women Political and the Fiction of Letters,* London: Cambridge University Press, 1993, 104.

Mary Daly, *Beyond God the Father: Toward a Philosophy of Women's Liberation*, Boston: Beacon Press, 1985.

Mary Wollstonecraft, *A Vindication of the Rights of Woman with Structures on Political and Moral Subjects,* South Ausrtalia: The University of Adelaide, 1972.

_____, *Elements of Morality for the Use of Children: With an Introductory Address to Parents* (Trans). Salzmann London: Christian Gotthilf, 1790.

_____,and William s.Godwin, *The Wrongs of Woman*, New York: Dover Inc, Mineola, 1998.

Mayr-Harting, H., *The coming of Christianity to Anglo-Saxon England*, Pennsylvania:State University Press, 1991.

Michael M. Sheehan, *The Will in Medieval England: from the Conversion of the Anglo-Saxons to the End of the Thirteenth Century*, Toronto: Pontifical Institute of Mediaeval Studies. 1963.

Miram Schneir, Feminism*: The Essential Historical Writings*, New York: Vintage Books, 1994.

Murdock George, *Social Structure,* New York: The Macmillan, 1949.

Myers Mitzi, *Wollstonecraft's Letters Written in Sweden: Towards Romantic Auto Biography,* London; Study in Eighteenth-Century Culture, 1979.

Nancy Cott, *The Grounding of Modern Feminism*, New Haven: YaleUniversity Press, 1987.

Nancy H. Demand, *Birth, Death, and Motherhood in Classical Greece,* Baltimore: Johns Hopkins University Press USA, 1994.

Nancy Woloch, *Women and the American Experience,* 2nd ed. New York: McGraw-Hill, Inc., 1994.

Nicolas Boring, *Inheritance Laws in the Nineteenth and Twentieth Centuries, France, Germany,* United States, The Law Library of Congress, 2014.

Nikolas Rose, *Powers of Freedom: Reframing Political Thought*, Cambridge: Cambridge University Press, 1999.

Olwen Hufton, *The Prospect Before Her:A History of Women in Western Europe, 1500-1800,* New York: Alfred A. Knopf, 1996.

Op Chauhan Lalit Dadwal, *Human Rights Promotion & Protection*, London: Anmol Publications, 1997.

Orlando Patterson, *Freedom: Freedom in the Making of Western Culture,* London: I.B Tauris, 1991.

Pat Holden,*Women Religious Experience,* New York: Routledge Library Editions, 1983.

Philippa Strum, *Women in the Barracks: The VMI Case and Equal Right,* Kansas: University Press of Kansas, 2002.

Phillips, Roderick. Putting *Asunder: A History of Divorce in Western Society,* England: Cambridge University Press, 1988.

Pierre Bourdieu, *Distinction : A Social Critique of the Judgement of Taste,* (Trans) Richard Nice , Cambridge: Harvard University Press, 1984.

Pierre Grimal, Stephen Kershaw, *A Concise Dictionary of Classical Mythology,* New Jersey: Blackwell Publishing, 1990.

Purnell Handy Benson, *Religion in Contemporary Cultures: A study of Religion Social Science*, New York: Happer Brother Publisher, n.d.

R. V. C. Bodley, *The Messenger: The life of Mohammed,* New York: Doubleday & Company, 1946.

Ralph Linton, *The Study of Man: An Introduction,* New York: Appleton-Century-Crofts, Inc, 1936.

Robert Briffault, *The Making of Humanity,* London, G. Allen & Unwin, 1919.

Robert J. Brym, John Lie Brym, *Sociology: Your Compass for a New World,* United States: Cengage Learning, 2002.

Roberta Binkley, *Reading the Ancient Figure of Enheduanna: Rhetoric before and beyond the Greek,*. New York: State University Press, 2004.

Robin Briggs, *Witches and Neighbours: The Social and Cultural Context of European Witchcraft,* New York: Harper Collins, 1996.

Rosalyn Terborg Penn*, African-American Women in the Struggle for the Vote, 1850–1920,* Bloomington: Indiana University Press, 1998.

Rosemarie Tong, *Feminist Thought: A More Comprehensive Introduction,* Charlote: University of California, 2009.

Sally McMillen*, Seneca Falls and the Origins of the Women's Rights Movement,* Oxford University Press, 2008,

Salmond, *Jurisprudence,* London: Sweet & Nexwell limited, 1924.

Sharon L. Jansen, *Women and Sovereignty, The Monstrous Regiment of Women; Female Rulers in Early Modern Europe,* ed Louise Olga Fradenburg, Edinburgh: University of Edinburgh Press, 1992.

Smith, Willia, *Dictionary of Greek and Roman Biography and Mythology,* London: John Murray, 1873.

Stefan Berger, Holger Nehring, *The History of Social Movements in Global Perspective,* United Kingdom: Palgrave Macmillan, 2016.

_____, *Social Movements and the Change of Economic Elites in Europe after 1945,* United Kingdom: Palgrave Macmillan, 2016.

Stephen D. Church, King *John:England Magna Carta and the Making of a Tyrant*, London: Macmillan Publisher, 2015.

Susan Brownell Anthony, Ellen Carol Dubois, *The Elizabeth Cady Stanton-Susan B. Anthony Reader: Correspondence, Writings, Speeches Elizabeth Cady Stanton,* Boston: Northeastern University Press, 1992.

Susan Moller Okin, *Is Multiculturalism Bad for Women?,* Princeton University Press, 1999.

Syed Ameer Ali, *Muhammadan Law* , Vol. 2 Allahabad: Law Emporium,1982.

Tawnya J. Adkins Covert, *Manipulating Images: World War II Mobilization of Women through Magazine Advertising,* New York: Lexington Books, 2011.

Theodore John Rivers, *The Laws of Salian and Ripuarian Franks*, *AMS studies in the Middle Ages,* Vol. 8 New York: AMS Press, 1986.

Thomas A. J. McGinn, *Prostitution, Sexuality, and the Law in Ancient Rome,* New York: Oxford University Press, 1998.

Thomas Wentworth Higginson, *The Magnificent Activist,* Cambridge: Da Capo Press, 2000.

Todd Janet, *Marry Wollstonecraft: A Revolutionary Life* London: Weidenfeld and Nicholson, 2002.

Tony Waters, Dagmar Waters, *Weber's Rationalism and Modern Society,* New Brunswick: Transaction Publishers, 2015.

Virginia Sapiro, *A Vindication of Political Virtue:The Political Theory of Marry Wollstonecraft* Chicago: University of Chicago Press, 1992.

Will Durant, Ariel Durant, *The Story of Civilization: Rousseau and Revolution*, England: Simon & Schuster, 1967.

William Blake, E. V.Lucas, *Mary Wollstonecraft's Original Stories: With Five Illustrations,* London: Henry Frowde,1906.

William Edward Hartpole Lecky, *History of European Morals from Augustus to Charlemagne,* Vol.1 New York: D.Appleton and Company, 1869.

Wilson D. Miscamble, *From Roosevelt to Truman: Potsdam, Hiroshima, and the Cold War,* Cambridge: Cambridge University Press, 2007.

Wolfgang Behringer, *Witches and Witch-Hunts: A Global History,* Cambridge: Polity Press, 2004.

Yuji Koshimizu, *Women And Children In Rousseau's Theory Of Education,* Japan: Koyoto University, 2001.

Z. A. Jordan, *The Evolution of Dialectical Materialism*, London: Macmillan, 1967.

Z.Razi, *Intra familial Ties and Relationships in the Medieval Village : A Quantitative Approach Employing Manor Court Rolls,* Oxford: Clarendon Press, 1996.

Zeitzen, Miriam Koktvedgaard, *Polygamy: a cross-cultural analysis,* New York: Berg Publisher, 2008.

**Articles**

Amato, Allen, and M. A. Fine, "Diversity within Single-Parent Families." Handbook of Family Diversity, ed. d. demo,k. r. New York: Oxford University Press, 2000.

Adler-Baeder, F.,"Understanding stepfamilies: Family life education for community professionals", *Journal of Extension*, 2002.

Barbara Leslie Epstein, "The Success and Faiulre of Faminism," *Journals of Women's History,* Vol 14, 2002.

Goffman, Erving, "Symbols of Class Status", *British Journal of Sociology*, 1951.

Brookings, "An analysis of out-of-wedlock births in the united states", *Policy Brief Series*, Washington DC, 2000.

Brown, S.L., & Booth, Maya Angelo, “Cohabitation versus marriage: A Comparison of Relationship Quality”, *Journal of Marriage and Family*, 1996

Carmen Solomon-Fears, “Non marital Births: An Overview,” *Congressional Research Services,* 2014.

Carol Hanisch, “Struggle over Leadership in the Women’s Liberation Movement”, Leadership in Social Movements, Ed: Calin Barker, Alan Johnson and Michael Lavalette*, Manchaster University Press*, 2001.

Carole Shammas,“English Inheritance Law and Its Transfer to the Colonies”, *American Journal of Legal History*, 1987.

Cambridge Companion to the Roman Historians, “Women in Roman Historiography,” Kristina Milnor , London: *Cambridge University Press*, 2009.

Chantal Maille, “Feminist Interventions in Political Representation in the United States and Canada: Training Programs and Legal Quotas,” *European Journal of American Studies*, 2015.

Corrigall EA, Konrad AM. “Gender role attitudes and careers: A longitudinal study”. *Sex Roles*. Volume 56, 2007.

Courtney Hoffberger, “Nineteenth Century Reform Movements: Women’s Rights”, *Center for History Education, University of Maryland, Baltimore County*, 2007

Cunnea, “Timeline of Women's Legal History in the United States”, Periodicals: Law Journals, State Bar Publications, and Miscellaneous omen Practitioners, *Harvard Law School Library*, 1998.

David Mcclendon And Aleksandra Sandstrom, “Child marriage is rare in the U.S., though this varies by state” *Pew Research Center*. 2016.

Domestic Violence, “Crime and Victims Act 2004 c. 28 Schedule 10. Minor and consequential amendments”, *UK Stationery Office Limited*, 2004

Herlihy, Laura Hobson, “Matrifocality and women's power on the Miskito Coast”, *Ethnology*, 2007, 46

Fact Sheet No.2 Rev.1, *The International Bill of Human Rights*, 1948.

Faye E. Dudden, “Women's Rights, Abolitionism, and Reform in Antebellum and Gilded Age America.”, *Oxford Research Encyclopedia of American History, Oxford University Publishing*, June 2017

Gamal M Badr, “Islamic Criminal Justice”. *The American Journal of Comparative Law*. Vol, 32, 1984

*Gay & Lesbian Review*, “A Brief History of Domestic Partnerships”, July-August 2008,

Gerald MacCallum, “Negative and Positive Freedom”, *The Philosophical Review*. Duke University Press, July 1967

Hazeltine, H. D.. “The Influence of Magna Carta on American Constitutional Development”. *Malden,* 1917

Ikechukwu Anthony, “Gender and Good Governance in John Locke”, *American Journal of Social Issues and Humanities*, Vol.24, 2012

Index of Culture and Opportunity, “A Generation Conflicted About Marriage”,2016

IWRAW, "United Nation General Assembly Resolution 2263, 7 November, 1967

J. Dyneley Prince, "The Code of Hammurabi," *The American Journal of Theology* vol.8, The University of Chicago Press, 1901.

James Anu, "Human Rights Day: Best Quotes by Famous Personalities to Mark UN Day*," International Business Times*, 2016.

James J. Heckman, Mosso, S., The Economics of Human Development and Social Mobility", *Annual Reviews of Economics*,Vol. 6, San Francisco, 2014.

Jane Whittle, "Handbook of Women and Gender in Medieval Europe", *Rural Economy*". London: Oxford Univesity Press, 2010.

Judith Wellman, The Road to Seneca Falls: Elizabeth Cady Stanton and the First Woman's Rights Convention.*Urbana: University of Illinois Press*, 2004.

Kidd Bonnar, "Sexual Offender Laws and Prevention of Sexual Violence or Recidivism". *American Journal of Public Health*, Vol. 100, 2010.

Laura Duberstein Lindberg and Susheela Singh, "Sexual Behavior of Single Adult American Women," *Perspectives on Sexual and Reproductive Health*, vol. 40, no. 1, 2008.

L. M. Mathews, "Tests of the Mate-guarding Hypothesis for Social Monogamy: Male Snapping Shrimp prefer to Associate with high-value Females," *Behavioral Ecology*, 2003.

Lolita Cigane and Manus Ohman, "Political Finance and Gender Equality," IFES White Paper*, International Foundation for Electoral Systems*, 2014.

Loretta Dolan, 'Child marriage in sixteenth-century northern England: the emotional undertones in the legal narratives,' Limina: *A Journal of Historical and Cultural Studies* 20, no. 3 2015.

Magdalena Muszyńska, "Family Models In Europe In The Context Of Women's Status", *Demographic Research Institute*,2008.

National Center for Health Statistics, "First Premarital Cohabitation in the United States:2006–2010, National Survey of Family Growth" *Division of Vital Statistics*, 2012.

National Center for Health Statistics, "Monitoring Selected National HIV Prevention and Care Objectives by Using HIV Surveillance Data United States and 6 Dependent Areas, 2016.

National Center for Health Statistics, "National Marriage and Divorce Rate, 2000-2016" *Division of Vital Statistics*

Office for National Statics, "Crime in England and Wales: year ending Dec 2016"England, 8.

Organization for Security and Cooperation, "Libel and Insult Laws: A matrix on where we stand and what we would like to achieve" OCSE, Vienna, 2005

Oxford University, " Women in History. Early Modern Europe", Olwen Hufton Lond: Past & Present Socity Oxford University Press, Nov 1983

Paul C. Glick, "The Family Life Cycle and Social Change", Family Relations, Vol. 382, National Council on Family Relations, 1989

Peace Research Institute of Oslo, “The Best and Worst Places for Women”, 2012.

Politico, “Supreme Court Gay Marriage Decision: Full text of Oberg fell Ruling” 2016.

Population and Development Review, “Comparing Family Systems in Europe and Asia: Are There Different Sets of Rules?” Vol. 22, No. 1, Jack Goody, New York: Population Council, 1996.

Rachel Tavernor, “Sisterhood and After: First Oral History Archive of the UK Women’s Liberation Movement”, University of Sussex, 2015.

Richard Keen, “Women in Parliament and Government”, House of Commons Library Online, accessed on 20 Nov 2017.

Scott, Joan W. “Deconstruction Equality-Versus-Difference: Or, the Uses of Poststructuralist Theory for Feminism.” In Conflicts in Feminism, edt Marianne Hirsch and Evelyn Fox Keller. New York: Routledge, 1990.

Sheila Jeffrey, “The Need to Abolish Marriage”, Feminism & Psychology May 2004, Department of Political Science, University of Melbourne, Parkville, Australia

Susan Harding, “Family Reform Movements: Recent Feminism and Its Opposition”, Feminist Studies Incorporation, vol .7, 1981

The European Values Education EVE, “Teaching about the Family Values of Europeans”, University of Potsdamer, Anke Uhlenwinkel, 2013.

Tartakovsky, M. “Surviving and Thriving As a Stepfamily”. Psych Central. 2011 Retrieved on July 19, 2013

Titus Monday Utibe, “Understanding the Concept of Freedom in Political Theory Discourse”, Department of Political Science Usmanu Danfodiyo University Sokoto, Nigeria, 2001

Vern Bullough. “Encyclopedia of Children and Childhood in History and Society”, Vol. 1, ed. Paula S. Fass New York: Thompson Gale, 2004.

Wall Street Journal, “The Global Flight From the Family” Nicholas Eberstadt February 21, 2015, , retrieved February 26, 2017

Wesley Newcomb Hohfeld, “Some Fundamental Legal Conceptions as Applied in Judicial

William Blackstone. “Commentaries on the Laws of England 1765-1769”, Lonang Institute. October 2017. Equality Act 2010”. UK Government Legislation

William F. Kenkel, “Traditional Family Ideology and Spousal Roles in Decision Making”, Marriage and Family Living , Vol 2 .No. 04, 1959, National Council on Family Relations; Mick Cunningham, “Changing Attitudes toward the Male Breadwinner, Female Homemaker Family Model: Influences of Women's Employment and Education over the Lifecourse”,. Social Forces, Western Washington University,2008.

Wing Katie Loves Jason, Liz Summer 2006 “NOW Mourns Foremothers of Feminist, Civil Rights Movements” National Organization for Women, Archived from the Original on November 20, 2006.

Working Families, “The Modern Families Index 2017”, London: Cambridge House, 2017.

**Dictionaries**

Oxford Dictionaries, London: Oxford Univesity Press, 1989.

Plato Dictionary, Philosophical Library, New York, 1963.

Webster's Third New International Dictionary of English Language, New York: The World Publishing Company, 1993.

Webster's New Word Dictionary of the American Language, NewYork: The World Publishing Company, 1993.

**Encyclopedias**

Encyclopædia Britannica 11th ed, Cambridge University Press, 2001.

Encyclopaedia Britannica, 8th ed., Chicago: Encyclopaedia Britannica, 2009.

Encyclopedia Britannica 9th Ed England: Cambridge University Press, 1889.

Encyclopedia of European Social History, from 1350-2000, Marriage, And Divorce', Charles Scribner's Sons, 2001.

International Encyclopedia of Marriage and Family, 2nd Ed. Vol-1, Macmillan Reference USA, 2002

The Stanford Encyclopedia of Philosophy, Standford University, California, USA. 2010.

Thomas Kelly Cheyne, Encyclopaedia Biblica: A Critical Dictionary of the Literary, Political and Religion History, the Archeology, Geography and Natural History of the Bible, First Published1899 Creative Media Partners, 2017.

World Book EncyclopediaVol-11, Field Enterprises Educational Corporation, U.S.A, 2004.

**Reports**

FRA, "Survey on Violence against Women in EU 2014" European Union Agency, 2014

Stephanie J. Ventura and Christine A. Bachrach, "National Vital Statistics Reports", vol. 48, no. 16, October 18, 2000.

The Femicide Census: Annual Report on Cases of Femicide in 2016, Publish December 2017 by Deirdre Brennan, England: Women's Aid Federation of England, 2017.

The Femicide Census: Annual Report on Cases of Femicide in 2016, Publish December 2017 by Deirdre Brennan, England: Women's Aid Federation of England, 2017.

U.N Briefing Papers, "The World Conferences Developing Priorities for the 21st Century New York, United Nations. 32-33

U.S. Census Bureau, Current Population Reports, 2015.

U.S. Census Bureau, Current Population Reports,"Income, Poverty, and Health Insurance Coverage in the United States: 2009" Washington, DC: U.S. Government Printing Office, 2010.

U.S. Census, "Current Population Survey –Definitions and Explanations, 2004.

U.S. Department of State, "Country Reports on Human Rights Practices for 2012 Bureau of Democracy, Human Rights and Labor, , 25 March 2013.

U.S. Department of State, Office of the Historian The United, "States and the Founding of the United Nations," August 1941–October 1945, Washington October 2005, Retrieved 22 August 2016

U.S. General Accounting Office, Defense of Marriage Act, GAO/OGC-97-16 Washington, D.C.: January 31, 1997.; Matrimonial Causes Act 1973.

UN General Assembly. "Universal declaration of human rights" Paris, 1948.

UN Treaty Collection, "International Covenant on Civil and Political Rights, "United Nations Treaty Series, vol. 999

UN Women, Annual Report 2010-2011, New York: United Nations Entity for Gender Equality and the Empowerment of Women, 2011.

UNESCO General Conference, 2nd Session 1948; Resolutions Adopted by the General Conference during its Second Session, Mexico, November–December 1947. UNESDOC database PDF. Retrieved 8 June 2012.

UNESCO, "Globarl Education Monetering Report 2017: Meetign our commitments to gender equality in Education", Paris, 2017.

UNESCO, Convention against Discrimination in Education 1960, Paris, 14 December 1960.United Nation Educational, Scientific and Cultural Organization, Artilce 5

UNICEF, "An End to Violence Against Children. New York: United Nations Children Fund, 2006.

United Nation Publication, "Beijing Declaration and Platform for Action the Fourth World Conference on Women having met Beijing from 4 to 15 Sep 1995.

World Development Indicators, The World Bank, 2016

World Economic Forum, "Global Gender Gap Report", Switzerland, 2017

World Economic Forum, "The Global Competitiveness Report 2006", Geneva, Switzerland. 2007

World Health Organization, "Woman and Health Today's Evidence Tomorrow's Agenda", 2017.

United Nationa General Assembly Resolution 34/180, "CEDAW Adopted and Opened for Signature, Ratification and Accession by General Assembly, 18 December 1979, entry into force 3 September 1981in accordance with article 27.

United Nationa General Assembly Resolution 34/180, "CEDAW Adopted and Opened for Signature, Ratification and Accession by General Assembly, 18 December 1979. Artilce 27.

United Nationa General Assembly Resolution 34/180, "CEDAW Adopted and Opened for Signature, Ratification and Accession by General Assembly, 18 December 1979. Article 27.

United Nations "Gender equality", UNFPA, 2015.

United Nations Department of Economic and Social Affairs ,"World Abortion Policies", New York: DESA Populatio Division, 2013.

United Nations Department of Public Information "Ending Impunity for Violence Against Women and Girls", UNDPI, 2010.

United Nations Development Programme, The United Nations Gender Inequality Index, gender equality at the Office of the Special Adviser on Gender Issues and Advancement of Women at the United Nations

United Nations for Public Information DPI/993/REV-2/WOM099-25918, "Convention on the Elimination of all Kinds of Discrimination against Women, Decmber, 1999.

United Nations for Public Information DPI/993/REV-2/wom-99-25918, "Convention on the Elimination of all kinds of Discrimination against Women CEDAW," December 1999.

United Nations High Commissioner for Refugees, Girls Not Brides "States Adopt first-ever resolution on child, early and forced marriage at Human Rights Council", UNHCR Geneva, 2013.

United Nations of Public Information, "Convention on the Elimination of all Kinds of Discrimination against Women" Report, 2012.

United Nations Population Fund, Marrying too young: end child marriage, New York, 2012.

United Nations Publication, "Woman Rights are Human Rights", United Nations Office of the High Commissionor, New York and Geneva, 2014.

United Nations Publications, "Beijing Declaration and Platform for Action the Fourth World Conference on Women, Having met Beijing from 4 to 15 Sep 1995.

United Nations Publication, The Forth United Nations Conference on Women in Beijing 1995, Women's National Commission UK Retrieved 24 April 2014.

United Nations Publications, Sales NO.E.85.IV.10, "Report of the World Conference, to Review and Appraise the Achiements of the United Nations Decade for Women: Equality, Development and Peace Nairobi 15-26 July 1985.

United Nations Publications, Sales NO.E.85.IV.10, "Report of the World Conference, to Review and Appraise the Achiements of the United Nations Decade for Women: Equality, Development and Peace Nairobi 15-26 July 1985.

United Nations, "Gender Equality", United Nations Population Fund. UNFPA. 2015

United Nations, "Report of the World Conference of the International Women's year, Mixo City, 19 June 1975, New York, 1976.

United Nations, The Millennium Development Goals Report 2006, Secretary-General for Economic and Social Affairs, New York, 2006.

USA Today, "Study: Teen suicide attempts fell as same-sex marriage was legalized". February 20, 2017.

Women's Rights National Historical Park, "Declaration of Rights & Entiments: List of Signatories,"

Women's National Commission UK, "The Fourth United Nations' Conference on Women in Beijing 1995,"

Women's National Commission UK, "The Fourth United Nations' Conference on Women in Beijing 1995." Retrieved 24 April 2014

Women's National Commission UK, "The Fourth United Nations' Conference on Women in Beijing 1995." Retrieved 24 April 2014

Women's Rights National Historical Park Service, "Elizabeth Cady Stanton biography," accessed March 9, 2017.

Workplace Homicides among U.S. Women: The Role of Intimate Partner Violence. 2105.

**Videos**

Ken Burns, "Not for Ourselves Alone: The Story of Elizabeth Cady Stanton & Susan B",

*National Public Radio and WETA*, Video Documentary, 1999.